عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی
نادر روزگار اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور
لاجواب اردو شرح

کلیدِ مثنوی

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۴

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

دفتر پنجم جزو سوم

کلیدِ مثنوی

جلد ۲۳

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

حکایت در تقریر ایں سخن کہ چندیں گاہ گفتگو را آزمودیم مدتے

اِس بات کو واضح کرنے کے لئے ایک حکایت کہ اتنے وقت ہم نے گفتگو کو آزمایا، کچھ مدت

صبرِ خاموشی نیز بیازمائیم

کچھ خاموشی کے صبر کو بھی ہم آزماتے ہیں

آں یکے را در قیامت ز انتباہ — در کف آمد نامۂ عصیاں سیاہ

تنبیہ حاصل کرنے کیلئے قیامت میں ایک شخص کے — ہاتھ میں گناہوں کا سیاہ اعمالنامہ آگیا

سر سیہ چوں نامہائے تعزیہ — پُر معاصی متنِ نامہ و حاشیہ

تعزیت کے خطوں کی طرح اُسکی پیشانی کالی تھی — اعمالنامہ کا متن اور حاشیہ گناہوں سے پُر تھا

جملہ فسق و معصیت آں یکسری — ہمچو دار الحرب پُر از کافری

وہ پورا کا پورا فسق اور گناہ تھا — دار الحرب کی طرح کفر سے پُر تھا

آنچناں نامہ پلید و پُر وبال — در یمیں ناید در آید در شمال

ایسا اعمالنامہ ناپاک اور وبال سے بھرا ہوا — دائیں ہاتھ میں نہیں آتا، بائیں ہاتھ میں آتا ہو

خود ہم[2] اینجا نامۂ خود را بہ بیں — دستِ چپ را شاید آں یا در یمیں

اِس جگہ خود اپنے اعمالنامہ کو دیکھ لے — وہ بائیں ہاتھ کے لائق ہے، یا دائیں کے

موزۂ چپ کفشِ چپ ہم در دکاں — آں چپ دانیش پیش از امتحاں

بائیں موزے، بائیں جوتے کو بھی دکان میں — تو آزمانے سے پہلے ہی اُسکو بایاں سمجھ لیتا ہے

چوں نباشی راست میداں کہ چپی — ہست پیدا نعرۂ شیر و کپی

جب تو دایاں نہیں ہے، سمجھ لے بایاں ہے — شیر اور بندر کا نعرہ واضح ہے

آنکہ گُل را شاہد و خوشبو کُند — ہر چپے را راست فضلِ او کُند

وہ جو پھول کو محبوب اور خوشبودار بنا دیتا ہے — اُس کی مہربانی بائیں کو دایاں کردیتی ہے

ہر شمالے[3] را یمینی او دہد — بحر را ماءِ معینے او دہد

وہ ہر بائیں کو دایاں پن دے دیتا ہے — سمندر کو بہتا پانی وہ عنایت کرتا ہے

گر چپی با حضرتِ او راست باش — تا بہ بینی دستبردِ لطفہاش

اگر تو بایاں ہے اُسکے دربار میں دایاں بنجا — تاکہ تو اُس کی مہربانیوں کا غلبہ دیکھے

تو روا داری کہ ایں نامہ مہیں[1] — بگذرد از چپ در آید در یمین

کیا تو مناسب سمجھتا ہے کہ یہ ذلیل اعمالنامہ — بائیں ہاتھ سے گزر کر دائیں میں آئے؟

ایں چنیں نامہ کہ پُر ظلم و جفاست — کے بود خود در خور اند دستِ راست

ایسا اعمالنامہ جو ظلم اور زیادتی سے پر ہے — دائیں ہاتھ کے مناسب کب ہوگا؟

حکایت۔ پہلے اشعار میں خاموشی اور صبر اختیار کرنے کی تلقین تھی۔ اِس حکایت میں بھی خاموشی اور صبر کے ساتھ اعمالنامہ پر غور کرنے کی ہدایت ہے۔ تعزیت۔ کسی کے مرنے پر تعزیت کا جو خط لکھا جاتا تھا اُسکے اطراف کو سیاہ کر دیا جاتا تھا، اب بھی اخبارات میں موت کی خبر کو سیاہ بوڈر کے اندر شائع کیا جاتا ہے۔ دار الحرب۔ وہ ملک جہاں کفر کے احکام جاری ہوں۔ در یمیں۔ دایاں ہاتھ بابرکت ہے اچھا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں آئے گا۔

۲ خود ہم۔ انسان کو صبر و خاموشی سے اپنے اعمالنامہ پر اِس دنیا میں غور کر لینا چاہیے۔ موزۂ چپ۔ دکان میں موزہ اور جوتہ دیکھ کر پہننے سے پہلے ہی پہچان لیتے ہو اِسی طرح اعمالنامہ کو قبل از وقت پہچان لو۔ ہست۔ جسطرح بندر اور شیر کی آواز جداگانہ ہیں اِسی طرح اچھے برے اعمالناموں کے آثار بھی جداگانہ ہیں۔ مجمل۔ اللہ کی قدرت میں ماہیت کو بدل دینا ہے وہ برے کو بھلا بنا سکتا ہے۔

۳ ہر شمالے۔ وہ ہر برائی کو بھلائی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ گر چپی۔ اگر انسان اُسکے

۱ مہیں۔ ذلیل۔ قصہ۔ پہلے بتایا تھا کہ ظلم و جفا سے پُر اعمالنامہ دائیں ہاتھ کے قابل نہیں اب بتایا ہے کہ نجاست سے ملوث اعضا نماز کے لائق نہیں ہیں۔

قصۂ زاہد و زنِ غیور و جُفت شدنِ زاہد با کنیزک باکسے مانَد

زاہد اور غیرتمند بیوی اور زاہد کا لونڈی سے ہمبستری کرنا ایسا ہی ہے

کہ سخن[1] گوید کہ حالِ اُو مناسبِ آں سخن و آں سخن مناسب

کہ کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اُسکی حالت اُس بات کے مناسب اور وہ بات اُس کے

دعویٰ اُو نباشد چنانکہ کفرہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

دعوے کے مناسب نہ ہو جیسا کہ کفار، اور اگر تو اُن سے دریافت کرے کہ آسمانوں

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ خدمت بُتِ سنگیں کردن و جان و

اور زمین کو کس نے پیدا کیا وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، پتھر کے بُت کی خدمت کرنا اور جان

زر فدائے اُو نمودن چہ مناسب باشد با جانیکہ داند کہ خالقِ

و مال کو اُس پر قربان کرنا کیا مناسب ہوگا اُس جان کیلئے جو جانتی ہے کہ

سمٰوات و ارضین آلٰہیست سمیعے و بصیرے حاضرے

آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا سمیع اور بصیر، حاضر

و مُراقبے مستولئے و غیورے الخ۔

اور نگہبان غالب اور غیرتمند خدا ہے

زاہدے[2] را بُد یکے زن ہمچو حور — رشکناک اندر حقِ اُو بس غیور

ایک زاہد کی بیوی حور جیسی تھی — اُسکے بارے میں رشک کرنیوالی اور بہت غیرتمند تھی

زانکہ بُد زن را کنیزے مہوشے — در دلِ زاہد بُد از وے آتشے

کیونکہ بیوی کی ایک چاند جیسی لونڈی تھی — زاہد کے دل میں اُس (کے عشق) کی آگ تھی

زن زغیرت پاسِ شوہر داشتے — با کنیزک خلوتش نگذاشتے

بیوی غیرت کیوجہ سے شوہر کی نگرانی کرتی — اُسکو تنہائی میں لونڈی کے پاس نہ چھوڑتی

مدتے زن شد مُراقب ہر دو را — تا کہ شاں فرصت نیفتد در خلا

ایک مدت تک بیوی دونوں کی نگران رہی — تاکہ انہیں تنہائی میں موقع نہ ملے

تا[3] در آمد حکم و تقدیرِ آلہ — عقلِ حارس خیرہ سر گشت و تباہ

یہاں تک کہ اللہ کا حکم اور تقدیر آپہنچی — نگہبان (بیوی) کی عقل ناکارہ اور تباہ ہوگئی

حکم و تقدیرش چو آید بیوقوف — عقل کہ بود در قمر افتد خسوف

اطلاع کے بغیر جب اُسکا حکم اور تقدیر آتی ہو — عقل کیا چیز ہے؟ چاند میں گرہن آجاتا ہے

بود در حمام آں زن ناگہاں — یادش آمد طشت و در خانہ بُد آں

وہ بیوی حمام میں تھی، اچانک — اُس کو طشت یاد آیا اور وہ گھر میں تھا

با کنیزک گفت رو ہیں مُرغ وار — طشتِ سیمیں را زخانہ ما بیار

لونڈی سے کہا، خبردار! پرند کی طرح جا — ہمارے گھر سے چاندی کا طشت لے آ

[1] سخن۔ انسان وہ بات کہے جس کی تائید اُس کا عمل کرے کفار زبان سے خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں، عمل یہ ہے کہ بُتوں کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔

[2] زاہد۔ زاہد سے مراد وہ مُتقی ہے جس میں زہد نہ ہو۔ زانکہ۔ یہ پہلے شعر کے دوسرے مصرع کی علت ہے۔ آتشے۔ یعنی وہ زاہد اُس لونڈی پر عاشق تھا۔ مُراقب۔ نگراں۔ خلا۔ خلوت، تنہائی۔

[3] تا درآمد۔ تقدیر در حکم خداوندی کے بالمقابل عقل ناکارہ ہوجاتی ہے۔ حارس۔ نگراں۔ خیرہ سر۔ بیہودہ۔ بیوقوف۔ بغیر اطلاع۔ مرغ وار۔ پرند کی طرح۔

آں ۵۲ کنیزک نزد شد چوں ایں شنید
جب اُس لونڈی نے یہ سنا اُسمیں جان پڑگئی

خواجہ در خانہ ست خلوت ایں زماں
آقا گھر میں ہے اور اس وقت تنہائی ہے

عشقِ شش سالہ کنیزک را بدایں
لونڈی کی چھ سال سے یہ خواہش تھی

گشت ۵۳ پرّاں جانبِ خانہ شتافت
گھر کی جانب جلد دوڑ پڑی

ہر دو عاشق را چناں شہوت رُبود
دونوں عاشقوں کو شہوت نے ایسا غافل کیا

ہر دو باہم در خزیدند از نشاط
خوشی سے دونوں ایک دوسرے میں گھس گئے

یاد آمد در زماں زن را کہ من
اس وقت بیوی کو یاد آیا کہ میں نے

پنبہ در آتش نہادم من بخویش
میں نے خود روئی کو آگ میں رکھ دیا

گِل فروشست از سر و بیجاں دوید
سر سے مٹی دھوئی اور بدحال ہوکر دوڑی

آں ۵۴ ز عشقِ جاں دوید و ایں ز بیم
وہ دل کے عشق سے دوڑی اور یہ خوف سے

سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ
عارف کی سیر ہر منٹ شاہ کے تخت تک ہے

گرچہ زاہد را بُود روزے شگرف
اگرچہ زاہد کا ایک دن بھی غنیمت ہے

قدرِ ۵۵ ہر روزے ز عمرِ مردِ کار
کام کے انسان (عارف) کے ہر دن کی مقدار

عقلہا زیں سر بُود بیروں در
عقلیں اس جانب سے دروازہ کے باہر ہیں

ترس مُوئے نیست اندر پیشِ عشق
عشق میں بال برابر (بھی) ڈر نہیں ہے

کو بخواجہ ایں زماں خواہد رسید
کہ وہ اسوقت آقا کے پاس پہنچ جائیگی

پس دواں شد سوئے خانہ شادماں
تو خوشی خوشی گھر کی طرف دوڑی

کہ بیابد خواجہ را خلوت چنیں
کہ وہ آقا کو ایسی تنہائی میں پالے

خواجہ را در خانہ خوش خلوت بیافت
آقا کو گھر میں اچھی تنہائی میں پایا

کاحتیاط و یادِ در بستن نبود
کہ دروازہ کی کنڈی لگانا اور احتیاط یاد رہی

جاں بجاں پیوست آندم ز اختلاط
اُس وقت وصل سے جان بجان سی پیوستہ ہوگئی

چوں فرستادم ورا سوئے وطن
اُس کو وطن کی جانب کیوں بھیجا؟

اندر افگندم قچ نر را بہ میش
میں نے نر مینڈھے کو بھیڑ پر ڈالدیا

در پئے اُو رفت و چادر می کشید
اسکے پیچھے روانہ ہوئی اور چادر گھسیٹتی تھی

عشق کو و بیم کو فرقِ عظیم
کہاں عشق اور کہاں خوف، بڑا فرق ہے

سیرِ زاہد ہر مہے یک روزہ راہ
زاہد کی سیر ہر مہینہ ایک دن کے راستہ برابر

کے بُود یک روز او خمسین الف
اُسکا ایک روز پچاس ہزار سال کا کہاں ہوسکتا ہے

باشد از سالِ جہاں پنجہ ہزار
زمانہ کے سال سے پچاس ہزار (سال) کی ہے

زہرہ وہم ار بدرّد گو بدر
وہم کا پتہ اگر پھٹے تو کہدے پھٹ جا

جملہ قربانند اندر کیشِ عشق
عشق کے مذہب میں سب قربان ہیں

۵۲ آں کنیزک۔ اُس لونڈی کو بھی اپنے آقا سے چھ سال سے عشق تھا اور تنہائی کی جویاں تھی اِس موقع کو غنیمت سمجھ کر اُس میں جان پڑگئی اور اِس خیال سے کہ آقا سے تنہائی میں مل لے گی گھر کی جانب دوڑ پڑی۔

۵۳ گشت۔ وہ لونڈی گھر پہنچی تو آقا کو خلوت میں پایا۔ در بستن۔ یعنی دروازے کی کنڈی لگانا۔ نشاط۔ خوشی۔ اختلاط۔ میل جول۔ وطن یعنی گھر۔ پنبہ۔ لونڈی اور آقا کا تنہائی میں ملنا ایسا ہی ہے جیسا کہ روئی میں چنگاری ڈال دینا۔ قچ۔ مینڈھا۔ میش۔ بھیڑ۔ گِل۔ یعنی وہ ملتانی مٹی جو بالوں کو صاف کرنے کے لئے اُس نے سر پر لگا رکھی تھی۔

۵۴ آں۔ بی بی اور لونڈی کی روش میں بہت فرق تھا، بی بی ڈر سے بھاگ رہی تھی اور لونڈی عشق کی وجہ سے۔ سیرِ عارف۔ یہی حال عارف اور زاہد کی سیر الی اللہ کا ہے عارف کی سیر عاشقانہ ہے اور زاہد کی سیر جہنم کے ڈر سے۔ گرچہ۔ زمان و مکان کا قبض اور بسط اللہ تعالےٰ کی قدرت میں ہے عارف کے لئے تھوڑا سا وقت پھیل کر اس قدر وسیع ہوجاتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑا کام اُس تھوڑے وقت میں کرگذرتا ہے عارف کا ایک روز پچاس ہزار سال کی برابر بن جاتا ہے اور وہ قرب کے اُن مقامات کو جو زاہد پچاس ہزار سال میں

عشق وصفِ ایزد است اما کہ خوف — وصفِ بندہ مبتلائے فرج و جوف

عشق، اللہ کی صفت ہے لیکن خوف — شرمگاہ اور پیٹ میں مبتلا بندے کی صفت ہے

چوں یُحِبُّونَہٗ بخواندی از نبیؐ — با یُحِبُّہُم شو قرین در مطلبے

جب تونے قرآن میں یُحِبُّونَہٗ پڑھا — مطلب کے بارے میں یُحِبُّہُم کا ساتھی بن

پس [۳] محبت وصفِ حق دان عشق نیز — خوف نبود وصفِ یزداں اے عزیز

پس محبت کو اللہ (تعالیٰ) کی صفت سمجھ عشق کو بھی — اے پیارے! خوف اللہ (تعالیٰ) کی صفت نہیں ہے

وصفِ حق کو وصفِ مشتِ خاک کو — وصفِ حادث کو و وصفِ پاک کو

کجا اللہ (تعالیٰ) کی صفت کجا خاک کی مٹھی کی صفت — کہاں حادث کا وصف، کہاں پاک کا وصف

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام — صد قیامت بگذرد واں ناتمام

میں اگر مسلسل عشق کی شرح کروں — تو قیامتیں گذر جائیں اور ناتمام رہے

زانکہ تاریخِ قیامت را حد است — حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزد است

کیوں کہ قیامت کی تاریخ محدود ہے — اُس کی انتہا کہاں، جو خدا کی صفت ہے

عشق [۱] را پانصد پر است و ہر پرے — از فرازِ عرش تا تحت الثریٰ

عشق کے پانچسو پر ہیں اور ہر پر — عرش کی بلندی سے زمین کے نیچے تک ہے

زاہدِ با ترس می تازد بپا — عاشقاں پرّاں تر از برق و ہوا

خوف زدہ زاہد پاؤں سے دوڑتا ہے — عاشق بجلی اور ہوا سے زیادہ تیز اُڑنے والے ہیں

چہ مجالِ باد یا برق اے پسر — چونکہ اُو در راہِ حق بکشاد پر

اے بیٹا! ہوا یا بجلی کی کیا مجال — جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پر کھولے

کے رسند ایں خائفاں در گردِ عشق — کاسماں را فرش سازد دردِ عشق

یہ ڈرنیوالے عشق کی گرد تک کہاں پہنچ سکتے ہیں — کیونکہ عشق کا درد آسمان کو فرش بنا دیتا ہے

[۲] جز مگر آید عنایتہائے ضَو — کز جہان وزیں روش آزاد شو

اِس کے سوا کہ نور کی عنایتیں آجائیں — کہ دنیا اور اِس روش سے آزاد ہو جا

از قشِ خود وز دشِ خود باز رہ — کہ سوئے شہ یافت آں شہباز رہ

اپنے مُٹاپے اور اپنی آرائش سے باز رہ — کیونکہ اسی شہباز نے شاہ کی جانب راستہ پایا ہے

طے کرے ایک دن میں طے کرلیتا ہے۔ [۲] قدر۔ عارف اپنے ہر دن میں وہ کام کرتا ہے جو زاہد پچاس ہزار سال میں کرپاتا ہے۔ عقلہا۔ یہ زمانہ کے بسط اور قبض کا معاملہ عقل اور وہم نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ ترس۔ عشق اور خوف کا فرق پھر بیان کیا ہے۔ مبتلای۔ انسان شہوت اور بھوک کا غلام ہے لہٰذا اُس کی صفت خوف ہے، اللہ کی صفت عشق ہے۔ چوں یُحِبُّونَہٗ۔ قرآن پاک میں ہے یُحِبُّہُم وَیُحِبُّونَہٗ "وہ اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ •

[۱] عشق را۔ جس قدر زیادہ پر ہوں گے اسی قدر پرواز زیادہ ہوگی۔ زاہد۔ زاہد کے خوف کی سیر پاؤں کے ذریعہ ہے، عارف کی پرواز پانچسو پروں والے عشق کے ذریعہ ہے۔ چہ مجال۔ ہوا اور بجلی کی پرواز راہِ خدا میں ممکن نہیں ہے۔ کے رسند۔ زاہد جو خائف ہے عشق کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔

[۲] جز مگر۔ اگر اللہ کا نور زاہد کی دستگیری کرے تو پھر اُس کو بھی عاشقانہ سیر حاصل ہو سکتی ہے۔

• اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں" اِس آیت سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

[۳] پس محبت۔ جب محبت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کمال سے متصف ہے اور محبت کے کمال کو ہی عشق کہا جاتا ہے لہٰذا عشق اللہ تعالیٰ کی صفت ہوا، انسان میں اگر عشق ہے تو وہ اسی صفت خداوندی کا پرتو ہے اصل نہیں ہے۔ وصفِ حق۔ عشق اور خوف میں بہت فرق ہے۔ شرحِ عشق۔ اللہ کی صفتِ عشق غیر محدود ہے اور قیامت تک کا زمانہ محدود ہے غیر محدود، محدود میں نہیں سما سکتا لہٰذا عشق خداوندی کا بیان قیامت تک بھی ممکن نہیں ہے۔

ایں قشش و دَش ہست جبر و اختیار — از ورای ایں دو آمد جذبِ یار

یہ تماشا اور خود آرائی جبر اور اختیار ہے — دوست کی کشش ان دونوں سے بالا ہے

رسیدنِ زن بخانہ وجدا شدنِ زاہد از کنیزک و رسوا شدن

بیوی کا گھر میں پہنچ جانا اور زاہد کا لونڈی سے علیحدہ ہوجانا اور رُسوا ہونا

چوں رسید آں زن بخانہ در کشاد — بانگِ در در گوشِ ایشاں در فتاد

جب بیوی پہنچی اُس نے گھر کا دروازہ کھولا — دروازے کی آواز ان کے کان میں پڑی

آں کنیزک جست آشفتہ ز ساز — مرد بر جست و در آمد در نماز

وہ لونڈی پریشان حال ساز (وسامان) سے بھاگی — مرد کودا اور نماز میں لگ گیا

زن کنیزک را پژولیدہ بدید — درہم و آشفتہ و دنگ و مرید

بیوی نے، لونڈی کو پریشان حال دیکھا — گڑبڑ اور برہم اور حیران اور سرکش

شوی خود را دید قائم در نماز — در گماں افتاد زن زاں اہتزاز

اُس نے اپنے شوہر کو نماز میں کھڑے دیکھا — اُس حرکت سے بیوی شبہ میں پڑ گئی

شوی را بر داشت دامن بیخطر — دید آلودہ منی خصیہ و ذکر

اُس نے بے کھٹکے شوہر کا دامن ہٹایا — خصیہ اور شرمگاہ کو منی سے سنا ہوا دیکھا

از ذکر باقیِ نطفہ می چکید — ران و زانو گشتہ آلودہ و پلید

شرمگاہ سے باقی نطفہ ٹپک رہا تھا — ران اور زانو آلودہ اور ناپاک ہو گئے تھے

بر سرش زد سیلی و گفت اے مہیں — خصیۂ مردِ نمازی باشد ایں

اُس نے اس کے سر پر دھول مارا اور بولی اے ذلیل! — نمازی انسان کے خصیے ایسے ہوتے ہیں

لائقِ ذکر و نماز ست ایں ذکر — وایں چنیں ران و زہارِ پر قذر

یہ شرمگاہ ذکرِ (خداوندی) اور نماز کے لائق ہے — اور ایسی گندی، ران اور شرمگاہ

نامۂ پر ظلم و فسق و کفر و کیں — لائق است انصاف دہ اندر یمیں

ظلم اور فسق اور کفر اور کینہ سے بھرا ہوا اعمال نامہ — انصاف کر، داہنے ہاتھ کے لائق ہے

گر بپرسی گبر را کایں آسماں — آفریدہ کیست وایں خلقِ جہاں

اگر تو کافر سے دریافت کرے کہ یہ آسمان — اور یہ جہاں کی مخلوق کس کی پیدا کی ہوئی ہے؟

گوید او کیں آفریدہ آں خدا ست — کآفرینش بر خدائیش گواست

وہ کہے گا کہ یہ اُس خدا کا پیدا کیا ہوا ہے — جس کی خدائی پر اُس کی خلاقی گواہ ہے

کفر و فسق و استمِ بسیارِ او — ہست لائق با چنیں اقرارِ او

اُس کا کفر اور فسق اور بھاری ظلم — اُس کے ایسے اقرار کے مناسب ہے؟

ہست لائق با چنیں اقرار راست — آں فضیحتہا و آں کردار کاست

ایسے سچے اقرار کے ساتھ کیا مناسب ہے؟ — وہ رُسوائیاں اور گھٹیا کام

قشش۔ لاغری کے بعد کا شاپا۔ وَدَش۔ آرائش قشش وَدَش سے جبر و اختیار مذموم مراد ہے، عشق سے جذب پیدا ہوتا ہے اور جذب جبر و اختیار سے بالا ہے۔

۳؎ چوں آں رسید۔ بی بی نے گھر پہنچ کر دروازہ کھولا جس کی آواز آقا اور لونڈی تک پہنچی۔ مرد۔ آقا اپنی حالت چھپانے کے لئے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شوی۔ بی بی نے لونڈی کو پریشان حال دیکھا اِدھر آقا کو نماز میں دیکھا تو بی بی کشمکش میں پڑ گئی اور صحیح صورتِ حال نہ جان سکی۔

۱؎ دامن۔ یعنی لنگی کا دامن۔ بر سرش۔ بی بی نے آقا کے سر پر دھپّڑ مارا۔ مہین۔ ذلیل۔ نامۂ پر ظلم۔ جس طرح انسان کا نجاستوں سے آلودہ بدن نماز کے لائق نہیں ہے اسی طرح بُرا اعمال نامہ داہیں ہاتھ کے لائق نہیں ہے۔

۲؎ گر بپرسی۔ کافر سے اگر دریافت کیا جائے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو زبان سے یہی کہے گا کہ اللہ نے، لیکن کام شرکیہ کرے گا تو یہ اُس کے کام اُس کے اقرار سے مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔

فعلِ اُو کردہ دروغ آں قول را[۵۴] — تا شُد اُو لائقِ عذاب و ہَول را

اس کے عمل نے اس کی بات کو جھٹلا دیا — یہاں تک کہ وہ عذاب اور ڈر کا مستحق ہوگیا

پس دروغ آمد ز سر تا پائی اُو — کہ اگر شرحش دہم اے وائی اُو

وہ سر سے پاؤں تک ایسا جھوٹا ثابت ہوا — کہ میں اُس کی شرح کروں تو اُس پر افسوس ہے

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود — ہم ز خود ہر مجرمے رُسوا شود

محشر کے دن ہر چھپی ہوئی چیز ظاہر ہو جائیگی — ہر خطا کار، خود رُسوا ہو جائے گا

دست و پا بدہد گواہی بابیاں — بر فسادِ اُو بہ پیشِ مُستعاں

اُسکے ہاتھ اور پاؤں وضاحت کیساتھ گواہی دینگے — خدا کے سامنے اُس کی خرابی پر

دست گوید من چنیں دزدیدہ اَم — لب بگوید من چنیں بوسیدہ اَم

ہاتھ کہے گا میں نے اس طرح چوری کی ہے — ہونٹ کہے گا میں نے اس طرح بوسہ لیا ہے

پائی گوید من شدستم تا مُنیٰ[۵۵] — فرج گوید من بکردستم زِنا

پاؤں کہے گا میں مقاصد کی جانب گیا ہوں — شرمگاہ کہے گی میں نے زنا کیا ہے

چشم گوید کردہ اَم غمزہ حرام — گوش گوید چیدہ اَم سوءُ الکلام

آنکھ کہے گی میں نے حرام اشارہ کیا ہے — کان کہے گا میں نے بُری بات چُنی ہے

پس دروغ آمد ز سر تا پائی خویش — کہ دروغش کرد ہم اعضائے خویش

تو وہ سر سے پاؤں تک جھوٹا نکلے گا — کیونکہ اُس کے اعضا نے اُس کو جھٹلا دیا

آنچناں کہ در نمازِ با فروغ — از گواہی خفیہ شُد زرقش دروغ

جس طرح پُر نور نماز میں — خفیہ کی گواہی سے اُس کا مکر جھوٹ ثابت ہوگیا

پس چُناں کن فعل کاں خود بے زباں — باشد اَشہد گفتن و عینِ بیاں

تو ایسا عمل کر کہ خود بغیر زبان کے — اَشہد کہنا اور بعینہٖ بیان بنے

تا ہمہ تن عضو عضوت اے پسر — گفتہ باشد اَشہد اندر نفع و ضر

اے بیٹا! تاکہ تیرا عضو عضو — نفع اور نقصان میں اَشہد کہدے

رفتنِ بندہ پئے خواجہ گواست[۵۶] — کہ منم محکوم و ایں مولائے ماست

غلام کا آقا کے پیچھے چلنا، گواہ ہے — کہ میں محکوم ہوں اور یہ میرا آقا ہے

گر سیہ کردی تو نامہ عمرِ خویش — توبہ کُن زانہا کہ کردستی تو پیش

اگر تونے اپنی زندگی کا اعمالنامہ کالا کر دیا — جو تونے پہلے کیا ہے اُس سے توبہ کرلے

عمر اگر بگذشت بیخش ایں دم است — آب توبہ اش دہ اگر اُو بے نم است

اگر عمر گزر گئی ہے، اُس کی جڑ ابھی ہے — اگر وہ خشک ہے، اسکو توبہ کا پانی دیدے

---

[۵۴] فعلِ اُو۔ وہ کافر جس کا عمل اُس کے قول کو جھٹلا رہا ہے وہ یقیناً عذاب کے لائق ہے۔ روزِ محشر۔ محشر کے دن ہر ڈھکی چھپی بات ظاہر ہو جائے گی خود مجرم کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف تمام باتیں ظاہر کردیں گے۔

[۵۵] مُنیٰ۔ آرزوئیں۔ غمزہ۔ اشارہ۔ سوءُ الکلام۔ بُری بات۔ آنچناں۔ جس طرح زاہد کا تا کے اعضاء نے اُس کے نماز پڑھنے کو جھٹلا دیا اسی طرح قیامت میں ہر گنہگار کے اعضاء اُس کو جھٹلا دیں گے۔ پس۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اُس کا فعل خود اُس کا اقرار بن جائے۔

[۵۶] رفتن۔ غلام کا آقا کے پیچھے چلنا غلامی کا اقرار ہے۔ گر سیہ۔ اگر انسان گنہگار ہے تو اُس کو ہمیشگی توبہ کرنی چاہیئے۔

بیخِ عمرت را بدہ آبِ حیات | تا درختِ عمر گردد با ثبات
اپنی عمر کی جڑ میں آبِ حیات ڈال دے | تاکہ تیری عمر کا درخت جم جائے

جملہ ماضیہا ازیں نیکو شوند | زہرِ پارینہ ازیں گردد چو قند
سب گذشتہ اس سے بھلا ہو جائے گا | گذشتہ زہر اس سے شکر بن جائے گا

سیأتت را مبدل کرد حق | تا ہمہ طاعت شود آں ماسبق
اللہ (تعالیٰ) نے تیرے گناہوں کو تبدیل کر دیا | تاکہ وہ پہلا سب عبادت بن جائے

خواجہ بر توبہ نصوحی خوش بتن | کوششے کن ہم بجان و ہم بتن
اے خواجہ! نصوح والی توبہ پر عمل کر | جان اور جسم سے بھی کوشش کر

شرح ایں توبہ نصوح از من شنو | بگرویدستی و لے از نو گرو
اس نصوح کی توبہ کی شرح مجھ سے سن لے | تو (اس کا) گرویدہ ہے لیکن از سرِ نو گرویدہ بن جا

۵۳ عمر۔ انسان کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ آخری عمر میں توبہ بیکار ہے درخت کے پتے اگر جھڑ جائیں اور اس درخت کی جڑ کو پانی دیا جائے تو مفید ہوتا ہے۔ جملہ ماضیہا۔ اگر نیکو کار بن جاتا ہے تو اس کی پہلی خطائیں صرف معاف نہیں بلکہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

شرح

اس مضمون کی سرخی ہے "حکایت در تقریر ایں سخن کہ چندیں گاہ گفت گو را آزمودیم مدتے صبر و خاموشی نیز بیازمائیم" ہے مگر بظاہر نہ اس سرخی کو مضمون سے ربط ہے اور نہ مضمون لاحق کو مضمون سابق سے جو کہ آخر ربع ثانی میں گزرا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ وجہ ربط بیان کیا جائے۔ محشیین نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے اس کی تفصیل یہ ہے ایک صاحب کہتے ہیں۔ وجہ تقریر این سرخی کہ چوں در قیامت چناں و چنیں او خواہد داد۔ باید کہ آنچہ بالائے ایں سرخی حضرت مولانا قدس سرہٗ نصیحت فرمودہ اند بر آں عمل نمایند انتہی۔ ولی محمد نے لکھا ہے ربط ایں حکایت با بیات سابقہ است کہ چند گاہے بے لب بے گوش شو۔ تا اینجا کہ چند گفتے نظم و نثر دراز۔۔۔ فاش الخ بمناسبت بیت آئندہ سے گر چپی با حضرت او راست باش الخ انتہیٰ۔ محمد افضل نے لکھا ہے۔ بمناسبت ایں عنوان باآنچہ بعد ازیں مذکور است۔ بایں دستور ست کہ چنانچہ حالت اعمال زشت را باید کہ نامہٗ خود را ہم در ینجا بہ بلند۔ و ایں امید کہ نامہٗ او بدست راست خواہد آید ندارد ہمچنیں صاحب گفت گو را باید کہ گفت گوئی خود را آزمودہ صبر و خاموشی گزیند۔

ایوب نے لکھا ہے این حکایت مربوط با بیات بالاست کہ چند گاہے بے لب الخ
بااین بیت چند پختی تلخ وتیز و شور وکژ الخ ... بمناسبت ابیات آئندہ کہ آنکہ
گل را شامہ دخوشبو کند الخ تا آنجا کہ گر چپے ... با حضرت او راست باش انتہیٰ۔
مگر میرے نزدیک محشیٔ اوّل کا بیان زیادہ اقرب ہے لیکن وہ محمل ہے اسلئے
اس کی توضیح کرتا ہوں ـــــ حکایت سے مراد صرف بیان واقعہ ہے نہ کہ
قصہ و افسانہ۔ کما ہو الظاہر۔ لانہ رحمہ اللہ لم یبین القصہ ـــــ اور مطلب عنوان یہ ہے
کہ اب ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جس سے مضمون چند گاہے بے لب بے گوش باش
آخر سرخی کی بھی تاکید ہو جائے گی کیونکہ اسی مضمون کا حاصل یہ تھا کہ تم اپنی اصلاح کرلو۔
اور اس واقعہ سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جس کو ہم نے سے خود ہمیں جانامۂ خود رابہیں
سے کیا ہے واللہ اعلم۔
یہ گفتگو تو سرخی کے متعلق بھی اب حل ابیات سنو ـــــ کہ قبر سے اٹھنے کے
بعد قیامت میں ایک شخص کے ہاتھ میں گناہوں سے پُر اور سیاہ نامۂ اعمال آئے گا وہ اوپر
سے سیاہ ہوگا جیسے تعزیت کے خطوط سیاہ ہوا کرتے ہیں۔ سرنامہ کے سیاہ ہونے
سے حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ نہایت موجب الم ہوگا۔
اور متن اور حاشیہ تمام گناہوں سے سیاہ ہوگا اور جس طرح دار الحرب کفر سے بھرا ہوتا
ہے یوں ہی وہ سراسر بدکاری اور گناہ سے پُر ہوگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کون سے ہاتھ میں
آئے گا۔ سو اسکی بابت یہ ہے کہ ایسا ناپاک اور گناہ سے پر نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں
نہیں آسکتا۔ لہٰذا بائیں میں آئے گا۔
یہ تو ایک واقعہ تھا اب تم اس سے عبرت حاصل کرو اور اپنے نامۂ اعمال کو دُنیا
میں ہی دیکھ لو کہ وہ بائیں ہاتھ کے لائق ہے یا دائیں کے۔ شاید تم کہو کہ جب تک ہاتھ
میں نہ آئے اس وقت تک ہم کیسے جانیں اسلئے ہم کہتے ہیں کہ تم دکان کے اندر ہی
بدوں پاؤں میں ڈالے جان لیتے ہو کہ یہ بایاں موزہ اور بایاں جوتا ہے اور بائیں پاؤں کا ہے
یوں ہی نامۂ اعمال کی حالت ہو سکتی ہے اور حقیقت صورت اسکی یہ ہے کہ تم اپنی حالت

کا اندازہ کرو کہ ہم دائیں ہیں یا بائیں - یعنی ہماری حالت حق سبحانہٗ کے مرضی کے موافق ہے یا خلاف اگر موافق نہ ہو تو سمجھ لو تم بائیں ہو اور تمہارا نامۂ اعمال تمہارے بائیں ہاتھ کے لائق ہے اور اپنی بھلائی اور برائی کا حال معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں - بھلے اور بروں میں یوں ہی امتیاز ہے جیسے شیر اور بندر کی آوازوں میں ـــــ اگر تم محاسبہ کے بعد بائیں یعنی برے ثابت ہو تو مایوس نہ ہو - کیونکہ جو ذات کامل الصفات مٹی کو معشوق اور خوشبودار کرتے ہیں وہی اپنے فضل سے بائیں کو دایاں یعنی برے کو اچھا کر سکتے ہیں وہ ہر برے کو اچھا کر سکتا ہے اور پتھر کو آب جاری عطا کر سکتا ہے - پس اگر تم بائیں اور برے ہو تو مایوس نہ ہو حق سبحانہٗ کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کر لو - پھر اسکے الطاف کی سخاوت دیکھنا کہ وہ تمہیں کیا سے کیا کر دیتے ہیں اور جب تک حق سبحانہٗ کے ساتھ معاملہ ٹھیک نہ کیا جائے اس وقت تک اسکی توقع رکھنا کہ ہمارا نامۂ اعمال ہمارے دائیں ہاتھ میں آئے گا -

اچھا تم ہی بتلاؤ فضول ہے کیا تم جائز رکھتے ہو کہ یہ ذلیل نامۂ اعمال جو اس وقت ہے بائیں ہاتھ کو چھوڑ کر دائیں ہاتھ میں آجائے ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ نامۂ اعمال جو کہ ظلم و جفا برنفس خود و برخلق خدا سے پُر ہے ـــــ دایاں ہاتھ اس کے قابل نہیں ہو سکتا ـــــ اس مضمون کی تائید کے لئے اب ہم تمہیں ایک حکایت سناتے ہیں - اچھا سنو!

ایک زاہد کے ایک حور کی مانند خوب صورت بیوی تھی جو کہ اس کے بارہ میں نہایت رشک کرنے والی اور بہت غیرت دار تھی وجہ اس رشک و غیرت کی یہ تھی کہ اس عورت کے پاس ایک ماہوش کنیزک تھی اور زاہد کے دل میں اسکی عشق کی آگ لگ رہی تھی وہ عورت رشک کے سبب اپنے شوہر کی نگرانی کیا کرتی اور کنیزک کے ساتھ خلوت میں اُسے نہ چھوڑتی - ایک عرصہ تک وہ دونوں کی نگرانی کرتی رہی تاکہ انکو خلوت میں صحبت کا موقع نہ ملے تا آنکہ حکم و تقدیر الٰہی آپہنچی اور عقل زن جو کہ ان کی نگرانی کرتی تھی بیہودہ اور برباد ہو گئی اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ جب یکایک حکم و تقدیر الٰہی آتی ہے تو عقل تو کیا چیز ہے کہ اس کا نور باقی رہے کہ چاند میں بھی گہن لگ جاتا ہے اور اس کا نور زائل ہو جاتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک روز وہ عورت حمام میں تھی کہ دفعۃً اسکو طشت یاد آیا اور وہ طشت گھر میں رہ گیا تھا اُس نے لونڈی سے کہا کہ اری دوڑ کر جا اور

گھر سے چاندی کا طشت لے آجوں اس نے یہ حکم سُنا اس کے سنتے ہی جی اٹھی کیونکہ اس نے سمجھا کہ اب میں میاں کے پاس بے مزاحمت پہنچ جاؤں گی اسلئے کہ میاں اس وقت گھر میں اور خلوت بھی ہے مزے سے دل کی آرزوئیں نکالیں گے۔ یہ سوچ کر وہ خوش خوش گھر کی طرف دوڑی ...... لونڈی کو چھ برس سے آرزو تھی کہ میاں کو تنہائی میں پائے لہٰذا وہ گھر کی جانب نہایت تیزی سے دوڑی۔ اور میاں کو گھر میں تنہا پایا اور اس نے اسے ـــ اسلئے دونوں پر شہوت کا غلبہ ہو گیا اور اس قدر غلبہ ہوا کہ ان کو دروازہ بند کرنا بھی یاد نہ رہا اور کوئی احتیاط نہ کی اور دونوں خوش خوش گھر میں گھس گئے اور اختلاط کے سبب جان سے جان مل گئی۔ یعنی مجامعت شروع کر دی ادھر یہ ہوا اُدھر عورت کو

خیال ہوا کہ ارے میں نے لونڈی کو گھر کیوں بھیجدیا میں نے اپنے ہاتھ سے روئی میں آگ لگادی اور مینڈھے کو بھیڑ پر مسلّط کر دیا۔ یہ خیال کر کے اُس نے فوراً اپنے سر سے ملتانی مٹی دھوئی اور بے تحاشا دوڑی اور چادر کھینچتے تو اسکے پیچھے گئی لیکن وہ عشق سے دوڑی تھی اور یہ خوف سے۔ کجا عشق کجا خوف۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اسلئے وہ اس سے کہیں پہلے پہنچ کر مشغول کار ہو چکی تھی اور یہ ... اسکو نہ پکڑ سکے۔ چونکہ اس رفتار میں جس کا منشا عشق ہو اور اس رفتار میں جس کا منشا خوف ہو زمین آسمان کا فرق ہے اسلئے عارف کی رفتار ہر دم تخت شاہی تک ہوتی ہے اور زاہد کی رفتار ہر مہینہ ایک روز کی منزل ہوتی ہے اسلئے کہ زاہد جو کہ خوف کے سبب راہ سلوک طے کرتا ہے اس کا دن خواہ کیسا ہی عجیب ہو۔ مگر وہ پچاس ہزار برس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ برخلاف عارف کے کہ اسکی عمر کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار برس کے برابر ہوتا ہے لہٰذا عارف کا ایک دن کا سلوک زاہد کے پچاس ہزار برس کے سلوک کے برابر ہوگا۔

عقول ناقصہ جو کہ حقیقت میں اوہام ہیں اسلئے اس سے ناواقف اور اجنبی ہیں اسلئے یہ مضمون ان کی سمجھ میں نہ آئے گا اور اسکے خیال سے ان کا پتہ پھٹ جائے گا بس اگر اس سے ان کا پتہ پھٹ جائے تو بلا سے پھٹ جائے حقیقت یہی ہے کہ جو ہم نے بیان کی۔ اور فی الحقیقت عشق کے مقابلہ میں خوف کوئی وقعت نہیں رکھتا اور راز اس کا یہ ہے کہ عشق کے سامنے بجز مطلوب کے سب فانی ہیں اسلئے کوئی چیز ان کے معاون نہیں برخلاف

خوف کے کہ وہاں سینکڑوں معاون ہو سکتے ہیں - پس سے رفتار مع العاوقات اور رفتار بدوں عوائق میں کیا نسبت ہو سکتی ہے - ایک وجہ تو عشق وخوف کے درمیان فرق کی یہ تھی - دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ عشق وصف خداوندی ہے برخلاف خوف کے کہ وہ بندہ کا وصف ہے جو کہ شکم پروری اور شہوت رانی میں منہمک ہے -

رہی یہ بات کہ عشق وصف خداوندی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہٗ قرآن پاک میں فرماتے ہیں يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ پس جب تم قرآن میں يُحِبُّونَهٗ پڑھو تو جستجو میں يُحِبُّهُمْ تک ہی پہنچو جس میں حق سبحانہٗ نے محبت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اسکو اپنا وصف بتلایا ہے اسی سے ثابت ہوا کہ محبت وعشق صفت حق سبحانہ ہے اور ظاہر ہے کہ خوف حق سبحانہٗ کی صفت نہیں ہو سکتا - پس کجا وصف حق سبحانہٗ اور کجا وصف عبد جو کہ مُشتِ خاک ہے اور کجا وصف حادث اور کجا وصف پاک از حدوث - دونوں میں زمین آسمان کا تفاوت ہے -

یہ اجمالی بیان ہے عشق کی فضیلت کا - لیکن اگر میں اس کی تفصیل کروں اور برابر کرتا رہوں تو سینکڑوں جماعتیں گذر جائیں اور اس کا بیان ختم نہ ہو - یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کیونکہ زمانہ قیامت کے لیے ایک حد ہے اور عشق نامحدود ہے کیونکہ وہ صفت حق سبحانہٗ ہے اور صفات حق سبحانہٗ نامحدود ہیں پس بیان عشق نامحدود ہوگا -

خلاصہ یہ ہے کہ عشق کے پانچ سو پَر ہیں اور ہر پَر عرش سے تحت الثرٰی تک ہے اور عرفا ان پَروں سے اُڑتے ہیں - پس تم خیال کرو کہ مبتلائے خوف زاہد تو پیدل چلتا ہے اور عشاق بجلی اور ہوا سے زیادہ تیز رفتار ہیں اور جبکہ وہ پانچ سو پر کھول کر اُڑیں اور عشق سے اس راہ کو قطع کریں تو بجلی اور ہوا کی مجال نہیں ہے کہ ان سے لگا و کھا سکیں ایسی حالت میں یہ خائف لوگ عشاق کی برابری کیونکر کر سکتے ہیں - یہ تو ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے کیونکہ درد عشق میں تو وہ قوت ہے کہ آسمان کو زمین بنا دیتا ہے یعنی جتنے میں اور لوگ زمین سے قدم اٹھائیں اتنی دیر میں عشاق آسمان پر پہنچ جاتے ہیں - پس عابدین بالخوف عشاق تک کیسے پہنچ سکتے ہیں ہرگز نہیں ہاں ان کے عشاق تک پہنچنے کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ عنایت وفضل خداوندی ان کے شامل حال ہو جائے - اور وہ ان کو کہدے کہ اس جہان اور اس رفتار کو

خیر باد کہو اور اپنے قش و دش کو چھوڑ دو۔

اس صورت میں وہ بھی عشاق کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے کیونکہ اب وہ واصل بحق سُبحانہٗ ہو گئے ہیں۔ قش و دش سے ہماری مراد جبر و اختیار ہے اور اسکے سوا جو روش ہے وہ جذب حق سُبحانہٗ ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ زہاد بھی عشاق کے ساتھ ملحق ہو سکتے ہیں اور صورت اسکی یہ ہے کہ بفضل حق سُبحانہٗ ان کو فنا کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور وہ اپنی ذاتی روش سے خواہ وہ باعتقاد جبر ہو یا باعتقاد اختیاراً طے منازل نہ کریں بلکہ بجذب حق سُبحانہٗ چلیں

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سُنو! کہ جب وہ عورت مکان پر پہنچی ہے تو اُس نے دروازہ کھولا اور دروازہ کے کھلنے کی آواز ان کے کانوں میں پڑی اس پر کنیزک حالت پریشانی کو دیکھ کر آغوشِ خواجہ سے الگ ہو گئی اور مرد نے کود کر نماز کی نیت باندھ لی۔ جب عورت آئی تو اُس نے کنیزک کو دیکھا کہ خستہ حال اور پریشان اور متحیر ہے اور اپنے شوہر کو دیکھا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے اور ایک قسم کا لرزہ سا اس پر طاری ہے اس حرکت سے عورت کو شبہ ہو گیا اس نے بے کھٹکے شوہر کا دامن اٹھا لیا اور دیکھا کہ خصیہ اور ذکر منی سے لتھڑے ہوئے ہیں اور عضوِ تناسل سے منی کا بقیہ حصہ ٹپک رہا ہے۔ رانیں اور گھٹنے منی میں لتھڑ کر ناپاک ہو گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُس نے اسکے ایک چپت لگایا اور کہا کہ پاجی نمازیوں کے خصیہ ایسے ہی ہوتے ہیں؟ اور یہ عضو تناسل اور یہ ناپاک رانیں اور عانہ ذکر الٰہی اور نماز کے قابل ہے۔

یہ تو قصہ تھا۔ اب ہم تم سے پوچھتے ہیں انصاف سے کہنا کہ جو نامۂ اعمال ظلم فسق کفر اور عداوت وغیرہ معاصی سے پُر ہو کیا وہ دائیں ہاتھ میں آنے کے قابل ہے ہرگز نہیں اگر تم کافر سے پوچھو کہ یہ آسمان اور مخلوق کس کی پیدا کی ہوئی ہے تو وہ یہی کہے گا کہ اُس خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جس کی خدائی کی شہادت خود یہ پیدا کرنا دیتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ اب ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اس کا کفر اور فسق اور ظلم بے حد کیا اسکے اس اقرار کے مناسب ہے۔ اور وہ رسوائیاں اور بدفعلیاں کیا اسکے اس سچے اقرار کے لائق ہیں کبھی نہیں۔ اسلئے اس کا فعل اس کے قول کا

مکذب ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عذاب ابدی اور خوف شدید کا مستحق ہے۔ الحاصل اس کے سراپا سے اُس کا جھوٹ ثابت ہے۔ اگر میں اس کی تفصیل کروں تو اس کی بڑی خرابی ہے کیونکہ اس میں اس کی بہت رسوائی ہے لہٰذا میں اس کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ اسکی تکذیب خود اعضا کرتے ہیں مگر یہ تکذیب دنیا میں مخفی ہے جس کو ہر ایک نہیں جانتا۔ مگر قیامت میں مخفیات کا ظہور ہوگا اور ہر مجرم خود اپنے کو رسوا کرے گا کیونکہ اس کے ہاتھ پاؤں حق سبحانہٗ کے سامنے اس کی خرابی کی صاف صاف شہادت دیں گے مثلاً ہاتھ کہے گا کہ میں نے فلاں شئے چُرائی ہے ہونٹ کہے گا کہ میں نے فلاں کو چُوما ہے، پاؤں کہے گا کہ میں مطلوبات نفس تک چلا ہوں۔۔۔۔۔ پیشاب گاہ کہے گی کہ میں نے زنا کیا ہے آنکھ کہے گی کہ میں نے ناجائز اشارہ کیا ہے کان کہے گا کہ میں نے بُری باتیں سُنی ہیں۔

غرضکہ اسکے سراپا سے اس کا جھوٹ ثابت ہوگا کیونکہ اس کے اعضا، خود اسے جھٹلائیں گے اور اس کا مکر یوں ہی جھوٹ ثابت ہوگا جیساکہ بارونق نماز کے باب میں زاہد کے خصیوں سے اس کا فریب اور جھوٹ ثابت ہوا تھا۔ جب حالت یہ ہے تو اب تم کو ایسے کام کرنے چاہیں جو کہ بدوں زبان کے اشہد کہنا اور عین بیان ہوں یعنی تم کو ایسے کام کرنے چاہئیں کہ وہ تمہاری ... اشھدان لا الہ الا اللہ مصدق ہوں اسلئے وہ خود بجائے خود توحید کی شہادت ہوں تاکہ اس طرح تمہارا ہر ہر عضو ہر حالت میں توحید کا شاہد بن جائے۔

دیکھو! غلام کا اپنے آقا کے پیچھے پیچھے چلنا شہادت ہے اس بات کی کہ میں غلام ہوں اور یہ آقا۔ پس یوں ہی تم خدا کی الوہیت کے اپنے افعال سے شہادت۔ اور اگر اب تک تم نے اپنے افعال ناشائستہ سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے تو خیر اب بھی کچھ نہیں گیا تم اپنے گذشتہ افعال سے توبہ کر لو۔ اور اگر تمہاری عمر گذر گئی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ ہنوز اس کی جڑ موجود ہے اسے ترقّی دو اور اگر اس میں تری نہیں ہے تو توبہ کے پانی سے اسکو سینچو یعنی اپنے عمر کی جڑ کو توبہ کا آب حیات دو۔ تاکہ تمہاری عمر کا درخت پائیدار ہو جائے تمہاری اس وقت توبہ کرنے سے تمہارے تمام افعال گذشتہ حسنات ہو جائیں گے اور جو زہر تم پیشتر کھا چکے ہو۔ توبہ سے وہ اب قند کے مثل ہو جائے گا یعنی حق سبحانہٗ تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے

بدل دیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری افعال گذشتہ تمام نیکیاں بن جائیں گی مثلاً پہلے تم نے زنا کیا تھا اور اب تم نے اس سے توبہ لی۔ تو وہ گناہ تو مٹ گیا اور توبہ کی نیکی اسکی جگہ لکھی گئی۔ اس طرح گویا کہ وہ زنا اب نیکی ہو گیا۔ دیکھو! پس تمہارا نامۂ اعمال جو گناہوں سے پُر تھا۔ اب نیکیوں سے بھر جائے گا (یہ معنی ہیں تبدیلی سیئات کے اور یہ مراد نہیں ہے کہ گناہ خود نیکیاں بن جائیں گے۔ فافہم) پس تم نصوح کی سی اچھی توبہ کر لو اور آئندہ کے لیے جان اور جسم دونوں سے طاعت میں کوشش کرو۔ اب ہم تم سے نصوح کی توبہ کا قصہ بیان کرتے ہیں تم اسکو سنو اور گو تم کو پیشتر سے ایمان حاصل ہے مگر اس کو سنکر نئے سرے سے ایمان لاؤ

حکایت[1] در بیانِ توبۂ نصوح کہ چنانکہ شیر از پستان بیرون آید

نصوح کی توبہ کے بیان میں حکایت کہ جس طرح دودھ پستان سے باہر آجاتا ہے تو پھر

باز در پستان نرود آنکہ توبۂ نصوحی کرد ہرگز از آں گناہ یاد

پستان میں نہیں جاتا جس شخص نے نصوح والی توبہ کرلی وہ ہرگز گناہ کو رغبت

نکند بطریقِ رغبت بلکہ ہر دم نفرتش افزوں باشد و آں

کے طور پر یاد نہیں کرتا ہے بلکہ ہر لمحہ اُس کی نفرت بڑھتی ہے اور وہ نفرت

نفرت دلیلِ آں باشد کہ لذتِ قبول یافت آں شہوت

اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اُس نے (توبہ کی) قبولیت کی لذت حاصل کرلی ہے

اوّل بے لذت و ایں بجائے آں نشست

وہ شہوت اوّل بے لذت بنی اور یہ اُس کی جگہ بیٹھ گئی

نبرد[2] عشق را جز عشقِ دیگر | چرا یارے نگیری زو نکوتر

عشق کو دوسرے عشق کے سوا کوئی چیز نہیں کاٹتی ہے | تو اس سے بہتر معشوق کیوں نہیں بنا لیتا

و آنکہ دلش باز بداں گناہ رغبت میکند علامت آنست

اور جس کا دل پھر اُس گناہ کی طرف رغبت کرتا ہے یہ اِس کی علامت ہے کہ اُس کو

کہ لذتِ قبول نیافتہ است و قبول بجائے آں لذتِ گناہ

(توبہ کی) قبولیت کی لذت حاصل نہیں ہوئی ہے اور قبولیت اِس گناہ کی لذت کی جگہ

ننشستہ است فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی[3] نشدہ است لذت

نہیں بیٹھی ہے اور وہ اُسکو ہم عنقریب سہولت یعنے آسانی دینگے - اکا مصداق نہیں بنا پھر

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی باقیست بروے پس مہیا گردانیم مرا او

"پس ہم اُس کو تنگی کی سہولت دیدینگے" کی لذت اُس کے لئے باقی تو ہم اُس کیلئے دو صفتیں

را برائے صفتے کہ او را بدوزخ برد

مہیا کردیں گے جو اُس کو دوزخ میں لے جائینگی

بود مردے پیش ازیں نامش نصوح | بد ز دلاکیِ[4] زناں او را فتوح

اب سے پہلے ایک مرد تھا جس کا نام نصوح تھا | عورتوں کو (حمام میں) ملنے سے اُس کی آمدنی تھی

بود روئے او چو رخسارِ زناں | مردیِ خود را ہمی کرد او نہاں

اُس کا چہرہ عورتوں کے چہرے کی طرح تھا | اُس نے اپنا مردانہ پن چھپا رکھا تھا

او بحمامِ زناں دلاک بود | در دغا و حیلہ بس چالاک بود

وہ عورتوں کے حمام میں مالش کرنے والا تھا | دغا بازی اور مکاری میں چالاک تھا

---

[1] قرآن پاک میں ہے تُوْبُوْا اِلَی اللہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا یعنی اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ توبہ کرو۔ مولانا نے نصوح کو ایک شخص قرار دیا ہے اُس نے جو توبہ کی اُس کو توبۂ نصوح فرماتے ہیں۔ توبۂ نصوح۔ جو شخص نصوح والی توبہ کرلیتا ہے اُس سے اُس گناہ کا دوبارہ صادر ہونا ایسا ہی محال ہے جیساکہ دودھ کا پستان سے باہر آجانے کے بعد پستان میں لوٹنا۔

[2] نبرد۔ یعنی عشق کو عشق ہی کاٹ سکتا ہے اگر کوئی کسی معشوق کا عشق فنا کرنا چاہے تو دوسرے معشوق سے عشق پیدا کرلے۔ آں نفرت۔ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اگر اُس گناہ سے نفرت ہوگئی ہے تو یہ توبہ کے قبول ہوجانے کی علامت ہے۔

[3] فَسَنُیَسِّرُہٗ۔ انسان جب نیکی کرتا ہے تو اُس کے لئے نیکی کی راہیں کھولدی جاتی ہیں اور جب بدی کرتا ہے تو اُس کے لئے بدی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

[4] دلاکی۔ یعنی وہ نصوح شخص عورتوں کو نہلا کر روزی کمانے والا بود۔ اُس نصوح کا چہرہ زنانہ تھا اور اُس نے اپنی مردانہ قوت کو چھپا رکھا تھا۔ اُس نصوح نے اپنے آپ کو عورت ظاہر کرکے زنانہ حمام میں نوکری کرلی تھی۔

سالہا میکرد دلّاکی و کس
اُس نے سالوں نہلانے کا پیشہ کیا اور کوئی
بُو نبُرد از حالتِ آں بُوالہوس
اُس بُوالہوس کی حالت سے باخبر نہ ہوا

زانکہ آواز و رخش زن وار بُود
کیونکہ اُس کی آواز اور چہرہ زنانہ تھا
لیک شہوت کامِل و بیدار بُود
لیکن شہوت پوری اور بیدار تھی

چادر و سَربَند پوشیدہ و نقاب
اُس نے چادر اور دوپٹہ اور نقاب پہن لیا تھا
مَرد شہوانی و در غرّہ شباب
شہوت والا مرد اور جوانی کے غرور میں تھا

دخترانِ خسرواں را زیں طریق
اِس طریقہ پر بادشاہوں کی لڑکیوں کو
خوش ہمی مالید و می شُست آں عشیق
وہ عاشق عمدہ طریقہ پر مَلتا اور نہلاتا

توبہا می کرد و پا در می کشید
وہ بہت توبہ کرتا اور پیچھے ہٹتا
نَفسِ کافر توبہ اش را می دَرید
کافر نفس اُس کی توبہ کو توڑ دیتا

رفت پیشِ عارفے آں زشت کار
وہ بدکار ایک عارف کے پاس گیا
گفت مارا در دُعائے یاد دار
کہا ہمیں دُعا میں یاد رکھیے

سِرِّ اُو دانست آں آزاد مَرد
وہ آزاد مردُ اُس کا راز جان گیا
لیک چوں حلمِ خدا پیدا نکرد
لیکن اُس نے خدائی حلم کی طرح ظاہر نہ کیا

بَر لبش قفل ست و در دل رازہا
اُس کے ہونٹ پر تالا ہے اور دل میں راز ہیں
لَب خموش و دل پُر از آوازہا
ہونٹ خاموش اور دل آوازوں سے پُر ہے

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اند
وہ عارف جنہوں نے اللہ (تعالیٰ) کا جام پی لیا ہے
رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
اُنھوں نے رازوں کو جانا اور چھپا لیا ہے

ہر کرا اسرارِ حق آموختند
جن کو اللہ تعالیٰ کے راز بتائے گئے ہیں
مُہر کردند و دہانش دوختند
اُن کے مُنہ پر مُہر لگا دی ہے اور لب سی دیئے ہیں

سُست خندید و بگفت اے بدنہاد
وہ تھوڑا مُسکرایا اور کہا اے بد اصل
زانکہ دانی ایزدت توبہ دہاد
جو کچھ تجھے معلوم ہے خدا اُس سے تجھے توبہ کی توفیق دے

دَر بیانِ آنکہ دُعائے عارفِ واصل و درخواستِ اُو از حق

اس کا بیان کہ عارف واصل (بحق) کی اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست ایسی ہی ہے

ہمچو درخواستِ حقست از خویشتن کہ کُنتُ لَہٗ سَمعًا وَّ
جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی خود اپنے آپ سے درخواست، کیونکہ میں اس کے لئے کان اور

بَصَرًا وَّلِسَانًا وَّیَدًا وقولہٗ تعالیٰ وَمَا رَمَیتَ اِذ رَمَیتَ
آنکھ اور زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں" (فرمایا ہے) اور اللہ تعالیٰ کا قول "تو نے نہیں پھینکا جبکہ تو

بُوالہوس۔ وہ عورتوں کے بدن مَل کر مردانہ لذت میں کرتا تھا۔ چادر۔ لباس زنانہ پہنتا تھا لیکن اُس کی مردانہ شہوت مکمل تھی۔

۲ دختران۔ اِس حمّام میں شہزادیاں نہانے آتی تھیں۔ توبہا۔ نصوح نے اِس کام سے کئی بار توبہ کی لیکن وہ توبہ پر قائم نہ رہا۔ رفت۔ نصوح نے اُس عارف سے دُعا کی فرمائش کی وہ عارف اُس کے گناہ سے واقف تھا لیکن اُس نے ظاہر نہ کیا۔

۳ بر لبش۔ اولیاء لوگوں کی قلبی کیفیات سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ ہر کرا۔ جو شخص اَسرار سے واقف ہو جاتا ہے اُس کے مُنہ پر قفل لگ جاتا ہے۔

۴ زانکہ۔ اِس عارف نے کہا نصوح جس گناہ سے تو خود واقف ہے خدا تجھے اُس سے توبہ کرنے کی توفیق دے۔ در بیان۔ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ سے پورا قرب حاصل ہوتا ہے تو اُن کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود خدا اپنے آپ سے دُعا کرے تو اُس کے مقبول نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ کُنتُ۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایک انسان نوافل کے ذریعہ مجھ سے قربت حاصل کر لیتا ہے تو میں اُس انسان کے اعضاء بن جاتا ہوں۔ وَمَا رَمَیتَ۔ حضورؐ کے مٹی پھینکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پھینکنا قرار دیا۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی - و آیات و اخبار و آثار دریں بسیار ست و شرح

نے پھینکا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا" اور آیتیں اور حدیثیں اور صحابہ کے اقوال اس بارے میں

سبب سازیِ حق تا نصوح را گوشش گرفتہ بتوبہ آورد

بہت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سبب سازی کی شرح یہاں تک کہ نصوح کے اُس نے کان پکڑ کر توبہ کرا دی

آں دعا[عہ۲] از ہفت گردوں درگذشت — کار آں مسکیں باآخر خوب گشت
وہ دعا ساتوں آسمانوں کو پار کر گئی — بالآخر اُس مسکین کا کام بھلا ہو گیا

کاں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست — فانی ست و گفتِ اُو گفتِ خداست
کیونکہ وہ شیخ کی دعا، ہر دعا کی طرح نہیں ہے — وہ فانی ہے اور اُس کی بات خدا کی بات ہے

چوں خدا از خود سوال و کد کند — پس دعائے خویش را چوں رد کند
جب خدا اپنے آپ سے سوال کرے اور مانگے — تو وہ اپنی دعا کو کیسے رد کرے گا؟

یک سبب انگیخت صنعِ ذوالجلال — کہ رہانیدش ز نفرین و وبال
اللہ تعالیٰ کی کاریگری نے ایک سبب پیدا کر دیا — جس نے اُس کو نفرت اور وبال سے رہائی دیدی

اندراں[عہ۳] حمام پُر میکرد طشت — گوہرے از دخترِ شہ یاوہ گشت
وہ اُس حمام میں طشت بھر رہا تھا — بادشاہ کی لڑکی کا ایک موتی گم ہو گیا

گوہرے از حلقہائے گوشِ او — یاوہ گشت و ہر زنے در جستجو
اُس کے کان کے بُندے کا موتی — گم ہو گیا اور ہر عورت تلاش کرنے لگی

پس درِ حمام را بستند سخت — تا بجویند اولش در پیخ رخت
پھر انہوں نے مضبوطی سے حمام کا دروازہ بند کیا — تاکہ پہلے اُس کو سامان رکھنے کی جگہ میں تلاش کریں

رختہا جستند و آں پیدا نشد — دزدِ گوہر نیز ہم رسوا نشد
سامانوں میں ڈھونڈا وہ نظر نہ آیا — موتی کا چور بھی رسوا نہ ہوا

پس بجد جُستن گرفتند از گزاف — در دہان و گوش و اندر ہر شگاف[لہ]
انھوں نے حد سے زیادہ کوشش سے ڈھونڈنا شروع کیا — منہ میں اور کان میں اور ہر شگاف میں

در شگافِ تحت و فوق و ہر طرف — جستجو کردند دُر از ہر صدف
نیچے اور اوپر کے شگاف میں اور ہر جانب — ہر صدف سے موتی کی اُنھوں نے جستجو کی

مرد و زن جویاں شدند از ہر طرف — جملگاں از بہرِ دُرِ خوش صدف
مرد اور عورت ہر جانب جویاں ہوئے — سب، اچھے سیپ کے موتی کے لئے

بانگ آمد کہ ہمہ عریاں شوید — ہر کہ ہستید از عجوز و از نوید
اعلان ہوا کہ سب ننگے ہو جائیں — جو بھی بوڑھی اور جوان ہیں

یک بیک را حاجبہ جستن گرفت — تا پدید آید گہر دانہ شگفت
ایک ایک کرکے دربان عورت نے تلاش کرنا شروع کیا — تاکہ عجیب موتی کا دانہ نظر آ جائے

عہ۲ آں دعا۔ نصوح کے لئے اُس عارف کی دعا نے اپنا کام کر دیا۔ فانی ست۔ شیخ اگرچہ فانی ہے لیکن اُس کی بات خدا کی بات ہے۔ کد کردن۔ سوال کرنا۔ یک سبب یعنی موتی کا گم ہونا اُس کی توبہ کا سبب بنا۔

عہ۳ اندراں۔ نصوح حمام میں کام کر رہا تھا اس دوران میں شہزادی کا ایک موتی گم ہو گیا۔ گوہرے۔ وہ موتی کان کے بالے کا تھا۔ پیخ۔ رخت یعنی حمام میں جس جگہ کپڑے اُتار کر رکھتے ہیں۔

لہ ہر شگاف۔ یعنی بدن کے ہر سوراخ میں تلاش شروع کر دی۔ ہر صدف۔ یعنی بدن کے ہر سوراخ میں موتی ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ صدف سیپ۔ حاجبہ۔ وہ عورت جو حمام کی دربان تھی۔

آں [۵۲] نصوح از ترس شُد در خلوتے
وہ نصوح خوف سے تنہائی میں چلا گیا
رُوئے زرد و لب کبُود از خشیتے
خوف سے چہرہ زرد اور ہونٹ نیلے تھے

پیشِ چشمِ خویشتن میدید مرگ
وہ اپنے سامنے موت کو دیکھ رہا تھا
سخت می لرزید اُو مانندِ برگ
وہ پتّے کی طرح بہت لرز رہا تھا

گفت یارب بارہا برگشتہ اَم
اُس نے کہا: اے خدا! میں نے بہت انحراف کیا ہے
توبہا و عہد ہا بشکستہ اَم
توبہ اور عہد توڑے ہیں

کردہ اَم آنہا کہ از مَن می سَزید
میں نے وہ کیا جو میرے لائق تھا
تا چُنیں سیلِ سیاہی دَر رسید
یہاں تک کہ سیاہی کا ایسا بہاؤ آگیا

نوبتِ [۵۳] جُستن اگر دَر من رَسد
تلاشی کی نوبت اگر مجھ تک پہنچی
وہ کہ جانِ من چہ سختیہا کَشد
ہائے میری جان کیسی سختیاں برداشت کرے گی!

دَر جگر اُفتاد استم صَد شرر
میرے جگر میں سینکڑوں چنگاریاں لگی ہیں
در مُناجاتم ببیں بُوئے جگر
میری دعا میں میرے جگر کی بُو سونگھ لے

ایں چُنیں اندوہ کافر را مَباد
اِس طرح کا غم کافر کو بھی نہ ہو
دامنِ رحمت گرفتم دَاد دَاد
میں نے رحمت کا دامن تھاما ہے فریاد ہے فریاد ہے

کاشکے [۵۴] مادر نزادے مَر مَرا
کاش مجھے ماں نہ جنتی
یا مرا شیرے بخوردے دَر چَرا
یا جنگل میں مجھے شیر کھا جاتا

اے خدا آں کُن کہ از تو می سَزد
اے خدا! وہ کر جو تیرے لائق ہے
کہ زِ ہر سُوراخ مارم میگزد
کیونکہ ہر سُوراخ سے مجھے سانپ ڈس رہا ہے

جانِ [۵۵] سنگیں دارم و دل آہنیں
میں پتّھر کی جان اور لوہے کا دل رکھتا ہوں
ورنہ خوں گشتے دریں رنج و حنیں
ورنہ اِس رنج اور گریہ میں خون بن جاتے

وقت تنگ آمد مرا و یک نفَس
میرا وقت تنگ ہوگیا، تھوڑی دیر کیلئے
بادشاہی کُن مَرا فریاد رَس
شاہی برت، میری فریاد رَسی کر

گر مَرا ایں بار ستّاری کُنی
اگر آپ کی دفعہ تو میری پردہ پوشی کرے
توبہ کردم من زِ ہر ناکردنی
میں نے ہر نہ کرنے کے کام سے توبہ کی

توبہ اَم بپذیر ایں بارِ دگر
اِس بار پھر میری توبہ قبول کرلے
تا بہ بندم بہر توبہ صَد کمر
تاکہ میں توبہ کے لئے سَو کمر کَس لوں

مَن اگر ایں بار تقصیرے کُنم
میں اگر اِس دفعہ کوتاہی کروں
پس دگر مشنو دُعا و گفتنم
پھر کبھی میری دعا اور بات نہ سُننا

۵۲ آں نصوح۔ نصوح کو یہ ڈر تھا کہ اگر اُس کو ننگا کیا گیا تو اُس کا راز کھل جائیگا جس کے نتیجہ میں اُس کی موت آجائے گی۔ گفت۔ اب اُس نے خدا سے گریہ و زاری شروع کردی۔

۵۳ نوبت۔ نصوح کہہ رہا تھا کہ اگر میری جامہ تلاشی لی گئی تو سخت مصیبت آجائیگی۔ در جگر۔ اِس غم کی آگ جگر میں لگی ہے اُس کے جلنے کی خوشبو آرہی ہے۔ دامن۔ وہ خدا سے کہہ رہا تھا کہ میں نے تیری رحمت کا دامن تھاما ہے۔

۵۴ کاشکے۔ وہ نصوح تلاشی کے دوران کہہ رہا تھا کاش میں پیدا نہ ہوتا اور اگر پیدا ہوگیا تھا تو جنگل میں کوئی شیر کھا جاتا۔ چَرا۔ چراگاہ۔ حنیں یعنی میں چاروں طرف سے مصیبت میں ہوں۔

۵۵ جانِ سنگیں۔ میں پتھر کا ہوں ورنہ اِس پریشانی سے مجھے مرجانا چاہیئے تھا۔ ستّاری۔ پردہ پوشی۔ ناکردنی یعنی گناہ۔ تقصیر۔ کوتاہی، قصور۔ جلّاد۔ کوڑے مارنے والا سزا دینے والا۔ فرنگی۔ نصرانی۔

ایں ہمی زارید صد قطرہ رواں | کاندر افتادم بجلاد و عواں
وہ یہ زاری کر رہا تھا اور سیکڑوں آنسو جاری تھے | کہیں جلاد اور سپاہی کے (ہاتھوں) پھنسا ہوں

تا نمیرد ہیچ افرنگی چنیں | ہیچ ملحد[۳] را مبادا ایں حنیں
کوئی فرنگی بھی اس طرح نہ مرے | کسی بددین کا بھی ایسا نہ ہو

نوحہا میکرد او بر جانِ خویش | روئے عزرائیل دیدہ پیش پیش
وہ اپنی جان پر نوحے کرتا تھا | سامنے ملک الموت کا چہرہ دیکھ کر

اے خدا و اے خدا چنداں بگفت | کاں در و دیوار با او گشت جفت
اے خدا، اے خدا! اتنا کہا | کہ در و دیوار اس کے ساتھی ہوگئے

نوبتِ جستن رسیدن بنصوح و آواز آمدن کہ ہمہ را جستیم
نصوح کی تلاشی کی نوبت آنا اور آواز آنا کہ ہم نے سب کی تلاشی لے لی،

نصوح را بجوئید و بیہوش شدنِ نصوح از آں ہیبت
نصوح کی تلاشی لو اور اس خوف سے نصوح کا بیہوش ہوجانا اور انتہائی

وکشادہ شدنِ کار بعد از نہایتِ بستگی کما کان یقول[۱]
بندش کے بعد معاملہ کا حل ہوجانا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرمایا کرتے

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَہٗ مَرَضٌ اَوْ ھَمٌّ اِشْتَدِّیْ
تھے جب ان کو کوئی مرض یا غم ہوتا تھا ، مصیبت تو سخت ہوجا

اَزِمَّۃُ[۲] تَنْفَرِجِیْ
کھل جائے گی۔

درمیانِ یاربِ یاربِ بُد او | بانگ آمد از میانِ جستجو
وہ یارب، یارب میں لگا تھا | تلاشی کے درمیان آواز آئی

جملہ را جستیم پیدا آ اے نصوح | گشت بیہوش آں زماں بپرید[۴] روح
ہم نے سب کی تلاشی لے لی، اے نصوح! آگے آ | اس وقت وہ بے ہوش ہوگیا اور روح پرواز کر گئی

ہمچو دیوارِ شکستہ در فتاد | ہوش و عقلش رفت شد او چوں جماد
وہ شکستہ دیوار کی طرح ڈھے گیا | اس کے ہوش و حواس چلے گئے اور وہ پتھر کی طرح ہوگیا

چونکہ ہوشش رفت از تن آں زماں | سرِّ او با حق بپیوست از نہاں
جب جسم سے اس کا ہوش روانہ ہوگیا، اس وقت | آہستگی سے اس کا باطن حق (تعالیٰ) سے وابستہ ہوگیا

چوں تہی گشت و وجودِ او نماند | باز جانش را خدا در پیش خواند
جب وہ خالی ہوگیا اور اس کا وجود نہ رہا | اس کی جان کے باز کو خدا نے سامنے بلا لیا

---

۳ ملحد۔ بددین۔ عزرائیل۔ ملک الموت۔ اے خدا۔ اس نے خدا کو اس قدر پکارا کہ در و دیوار گونج اٹھے۔

۱ کما کان یقول۔ یعنی حضور نے فرمایا جب مصیبت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو رحمت خداوندی متوجہ ہوجاتی ہے، یہ حدیث سنداً کمزور ہے۔۔۔

۲ ازمۃ۔ شدت، گرہ، قحط۔

۴ بپرید روح۔ روح جسم سے پرواز کر گئی۔ چونکہ اس بیہوشی میں اس کو قربتِ حق میسر آگئی۔ چوں شکست۔ اس کی انتہائی مایوسی نے اس کو دریائے رحمت کے ساحل پر پہنچا دیا۔ چونکہ روح جسم سے پاک ہوکر دربارِ خداوندی میں پہنچ گئی۔

چوں شکست آں کشتیِ او بے مراد — در کنارِ رحمتِ دریا فتاد

جب بے مرادی میں اس کی کشتی ٹوٹ گئی — دریائے رحمت کے ساحل سے جا لگی

جانِ[۲] بحق پیوست چوں بیہوش شد — بحرِ رحمت آں زماں در جوش شد

جب وہ بیہوش ہوا، جان اللہ سے وابستہ ہو گئی — رحمت کا سمندر اس وقت جوش میں آ گیا

چونکہ جانش وارہید از ننگِ تن — رفت شاداں پیشِ اصلِ خویشتن

جب اُس کی روح جسم کے عیب سے نجات پا گئی — اپنی اصل کی جانب خوشی خوشی روانہ ہو گئی

جاں چو باز و تن مر او را کُندہ — پائی بستہ پر شکستہ بندہ

روح باز کی طرح ہے جسم اُس کیلئے کاٹھ ہے — پاؤں بندھا ہوا، پر ٹوٹے ہوئے ایک غلام ہے

چونکہ ہوشش رفت پایش برکُشاد — می پَرد آں باز سُوئی کیقباد

جب اُس کے ہوش چلے گئے، پاؤں کھل گیا — وہ باز شاہ کی جانب اُڑ رہا ہے

چونکہ[۱] دریاہائے رحمت جوش کرد — سنگہا ہم آبِ حیواں نوش کرد

جب رحمت کے سمندروں نے جوش مارا — پتھروں نے بھی آبِ حیات پی لیا

ذرّہ لاغر شگرف و زفت شُد — فرشِ خاکی اطلس و زربفت شُد

کمزور ذرہ عجیب اور موٹا ہو گیا — خاکی فرش، اطلس اور زربفت بن گیا

مُردہ صد سالہ بیروں شُد ز گور — دیوِ ملعوں شُد بخوبی رشکِ حُور

سو سال کا مُردہ قبر سے باہر آ گیا — ملعون شیطان، حسن میں حور بن گیا

ایں[۲] ہمہ روئے زمیں سرسبز شُد — شاخِ خشک اشگوفہ کرد و نغز شُد

یہ سب روئے زمین سرسبز ہو گئی — خشک شاخ نے کلی کھلائی، عمدہ ہو گئی

گرگ با برّہ حریفِ مے شُدہ — نا اُمیداں خوش رگ و خوش پے شدہ

بھیڑیا بکری کے بچہ کے ساتھ شراب نوش بنا — مایوس، اچھے رگ پٹھوں کے بن گئے

یافت شُدنِ گوہر و حلالی خواستنِ حاجبان کنیزکانِ شاہزادہ

موتی کا مل جانا اور شہزادی کے دربانوں اور لونڈیوں کا نصوح سے معافی چاہنا

از نصوح و بر سر و دستِ اُو بوسہ دادن و عذر خواستن

اور اُس کے سر اور ہاتھ کو چومنا اور عذر خواہی کرنا

بانگ آمد ناگہاں کہ رفت بیم — شُد پدید آں گم شدہ دُرِّ یتیم

اچانک آواز آئی، خوف ختم ہو گیا — وہ نایاب گم شدہ موتی، مل گیا

بعد[۳] آں خوف و ہلاکِ جاں بُدہ — مژدہا آمد کہ اینک گم شُدہ

اس کے بعد کہ جان کا ڈر اور ہلاکت تھی — خوشخبری آئی کہ یہ گم شدہ (موتی) ہے

---

[۲] جان۔ روح جسم میں اسی طرح مقید ہے جس طرح انسان کاٹھ میں مقید کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ۔ جب جسم بے ہوش ہو جاتا ہے روح پرواز کر کے شاہ کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

[۱] چونکہ۔ جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے تو جس پر بھی چھینٹا پڑ جاتا ہے اُس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذرّہ۔ ابرِ رحمت سے ذرہ موتی بن جاتا ہے، وہ بے رونق مٹی سے پھول اور پتیاں اُگا دیتا ہے۔ بڑے لئے۔ مُردے زندہ ہو جاتے ہیں، بُرا بھلا بن جاتا ہے۔

[۲] ایں ہمہ۔ خشک زمین سرسبز بن جاتی ہے۔ گرگ۔ بغض و کینہ ختم ہو جاتا ہے بھیڑ اور بھیڑیا مل کر پانی پینے لگے ہیں۔ حلالی۔ معافی۔ بانگ آمد۔ اب یہ اعلان ہو گیا کہ ڈر اور خوف کا وقت ختم ہو گیا موتی مل گیا ہے۔

[۳] بعد آں۔ جب موتی مل گیا تو اس کے مل جانے کی خوشخبری دے دی گئی۔

حزن شد و اندر فرج در تافتیم
غم ختم ہوا اور ہم خوشی میں چمک اٹھے

مژدگانی دہ کہ گوہر یافتیم
انعام دے، کیونکہ ہم نے موتی پالیا ہے

از غریو و نعرہ و دستک زدن
شور اور نعرے اور ہتھیلیاں بجانے سے

پر شدہ حمام قد زال الحزن
حمام گونج گیا، رنج زائل ہو گیا

آں نصوحِ رفتہ باز آمد بخویش
بیہوش نصوح پھر ہوش میں آ گیا

دیدہ چشمش تابشِ صد روزہ بیش
اسکی آنکھ نے سو روزوں (کے نور) سے زیادہ نور دیکھا

می حلالی خواست از وے ہر کسے
ہر شخص اس سے معافی چاہ رہا تھا

بوسہ می دادند بر دستش بسے
اس کے ہاتھ بہت چومتے تھے

بدگمان[1] بودیم مارا کن حلال
ہم بدظن ہو گئے تھے، ہمیں معاف کر دیجئے

لحم تو خوردیم اندر قیل و قال
بات چیت میں ہم نے آپ کا گوشت کھایا

زانکہ ظنِ جملہ بر وے بیش بود
کیونکہ سب کا اس پر زیادہ گمان تھا

زانکہ در قربت ز جملہ پیش بود
کیونکہ وہ قرب میں سب سے آگے تھا

خاص دلاکش بد و محرم نصوح
نصوح اس کا خاص حمامی اور محرم تھا

بلکہ ہمچوں دو تن و یک گشتہ روح
بلکہ دو جسم اور ایک روح بنا ہوا تھا

گوہر ار بردست او بردست و بس
اگر موتی چرایا ہے، تو بس اس نے چرایا ہے

زو ملازم تر بخاتوں نیست کس
بیگم سے اس سے زیادہ کوئی قریب نہیں ہے

اول او را خواست جستن در نبرد
مگر کہ میں پہلے اس کی تلاشی لینی چاہی

بہر حرمت داشتش تاخیر کرد
لیکن، اس کی عزت رکھنے کے لئے تاخیر کی

تا بود کاں را بیندازد بجا
تاکہ ہو سکے کہ وہ اس کو کہیں ڈال دے

اندریں مہلت رہاند خویش را
اس فرصت میں وہ اپنے آپ کو بچا لے

بس حلالیہا[2] ازو میخواستند
وہ اس سے بہت معافیاں چاہ رہے تھے

وز برائے عذر بر میخاستند
عذر خواہی کے لئے کھڑے ہو ہو جاتے تھے

گفت بد فضلِ خدائے دادگر
اس نے کہا منصف خدا کا کرم تھا

ورنہ زانچہ گفتہ شد ہستم بتر
ورنہ جو کچھ کہا گیا میں اس سے (بھی) برا ہوں

چہ حلالی خواست میباید ز من
مجھ سے کیا معافی چاہی جائے؟

کہ منم مجرم تر از اہلِ زمن
میں زمانہ کے لوگوں سے زیادہ مجرم ہوں

آنچہ گفتندم ز بد از صد یکیست
جو کچھ انہوں نے میری برائی میں کہا ہے ایک فیصد ہے

بر من ایں کشف ست اگر کس را شکیست
اگر کسی کو شک ہے، تو مجھ بد واضح ہے

مژدگانی. تمام متعلقین نے شہزادی سے انعام کی درخواست کی. از غریو. حمام میں خوشی کے نعرے بتا رہے تھے کہ غم دور ہو چکا ہے. آں نصوح. اب وہ نصوح بیہوشی سے ہوش میں آیا تو اس پر نور کی وہ کیفیت تھی جو سو روزوں کے چلہ کے بعد ہوتی ہے. می حلال خواست یعنی حلالی می خواست.

[1] بدگماں سب نے نصوح سے کہا ہم نے آپ پر بدگمانی کی تھی ہمیں معاف کر دیجئے. لحم. غیبت کو گوشت خوری سے تعبیر کیا جاتا ہے. زانکہ نصوح پر زیادہ بدگمانی اسلئے تھی کہ اسی کو شہزادی سے زیادہ قرب حاصل تھا. خاص. شہزادی کا جسم ملنے دینے کیلئے نصوح مخصوص تھا دونوں ایک روح دو جسم بنے ہوئے تھے. اول. اس بدگمانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب سے پہلے نصوح کی جامہ تلاشی لیں لیکن انکی عزت بچانے کیلئے اس کو موقع دے رہے تھے کہ اگر موتی انکے پاس ہے تو اسکو کسی جگہ رکھ دے اور الزام سے بچ جائے.

[2] بس حلالیہا. حمام کے متعلقین کھڑے ہوئے نصوح سے معافیاں مانگ رہے تھے اور نصوح کہہ رہا تھا کہ یہ اللہ کا کرم تھا ورنہ جو کچھ تم لوگوں نے کہا میں اس سے بدتر ہوں میں دنیا میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں تم نے جو کچھ کہا وہ تو ایک فیصد ہے اس بارے میں خواہ کسی کو شک ہو لیکن مجھے اپنی برائی کا یقین ہے میری بداعمالیوں کو میرے سوا اور کون جان سکتا ہے.

کس چہ میداند ز من جز اند کے — وز ہزاراں جرم و بد فعلی یکے

تھوڑے سے کے علاوہ کوئی میرے بارے میں کیا جانتا ہے؟ — ہزاروں جرم اور بدکاریوں میں سے ایک

من ہمی آں دانم و ستارِ منعہ — جرمہا و زشتیِ کردارِ من

وہ میں جانتا ہوں اور میرا ستار — اپنی خطاؤں اور بدکاری کو

اوّل ابلیسے مرا استاد بود — بعد ازاں ابلیس پیشم باد بود

شروع میں شیطان میرا استاد تھا — اس کے بعد شیطان میرے آگے ہوا تھا

حق بدید آں جملہ و نادیدہ کرد — تا نگردم در فضیحت روئے زرد

اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ دیکھا اور ان دیکھا بنا دیا — تاکہ میں رسوائی میں زرد رو نہ بنوں

تا ز رحمت پوستیں دوزیم کرد — توبہ شیریں چو جاں روزیم کرد

یہاں تک کہ اس نے رحمت سے میری پردہ پوشی کی — جان جیسی شیریں توبہ مجھے عطا کردی

ہرچہہ۱ کردم جملہ ناکردہ گرفت — طاعتِ ناکردہ را کردہ گرفت

میں نے جو کچھ کیا اس کو نہ کیا ہوا ٹھہرایا — نہ کی ہوئی عبادت کو کیا ہوا ٹھہرایا

ہمچو سرو و سوسنم آزاد کرد — ہمچو بخت و دولتم دل شاد کرد

اس نے مجھے سرو اور سوسن کی طرح آزاد کر دیا — مجھے نصیبہ اور دولت کی طرح خوش دل کر دیا

نامِ من در نامۂ پاکاں نوشت — دوزخی بودم بہ بخشیدم بہشت

میرا نام پاک لوگوں کی فہرست میں لکھ دیا — میں دوزخی تھا، مجھے بہشت بخش دی

عفو کرد آں جملگی جرم و گناہ — شد سپید آں نامہ و روئے سیاہ

اس نے وہ سارے جرم اور گناہ معاف کر دیے — وہ کالا اعمالنامہ اور چہرہ سفید ہو گیا

آہہ۲ کردم چوں رسن شد آہِ من — گشت آویزاں رسن در چاہِ من

میں نے آہ کی، میری آہ رسی کی طرح ہو گئی — رسی میرے کنویں میں لٹک گئی

آں رسن بگرفتم و بیروں شدم — شاد و زفت و فربہ و گلگوں شدم

میں نے وہ رسی پکڑ لی اور باہر نکل آیا — خوش اور موٹا تازہ اور سرخ ہو گیا

در بنِ چاہے ہمی بودم اسیر — روز و شب اندر فغان و در نفیر

میں کنویں کی تہ میں قیدی تھا — دن رات فریاد اور رونے میں تھا

از ہوس در تنگنا بودم زبوں — در ہمہ عالم نمی گنجم کنوں

ہوس کی وجہ سے میں تنگ کوچہ میں عاجز تھا — اب میں پورے عالم میں نہیں سماتا ہوں

آفرینہا بر تو بادا اے خدا — ناگہاں کردی مرا از غم جدا

اے خدا! تجھ پر آفریں ہے — تو نے مجھے اچانک غم سے جدا کر دیا

گرہ۳ سرِ ہر موئے من گردد زباں — شکرہائے تو نیاید در بیاں

اگر میرے ہر بال کا سرا زبان بن جائے — تیرے شکریے بیان نہیں ہو سکتے ہیں

عہ من ہمی۔ نصیحت نے کہا اپنی برائیوں کو میں جانتا ہوں یا میرا خدا جانتا ہے ابتداءً شیطان میرا استاد تھا لیکن پھر میں برائی کرنے میں شیطان کا بھی استاد بن گیا، یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ میری پردہ پوشی کرتا ہے اور میرے پھٹے ہوئے کو سی دیتا ہے۔

ہ۱ ہرچہ۔ یہی نہیں کہ اس نے میرے گناہوں سے قطع نظر کی بلکہ میری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا اب میں تمام دنیاوی علائق سے سرو اور سوسن کی طرح آزاد ہوں۔ نامِ من۔ اب اس نے میرا نام نیکوں میں لکھ لیا ہے اور مجھ دوزخی کو جنتی بنا دیا ہے۔

ہ۲ آہ کردم۔ میں نے اپنی خطاکاری پر آہ کی اس آہ نے رسی کا کام دیا اور گناہوں کے کنویں سے باہر نکل آیا۔ از ہوس۔ دنیا کی حرص و ہوس کی تنگی میں تھا اب میں پورے عالم میں نہیں سما رہا ہوں۔

ہ۳ گر۔ اگر میرا انداں انداں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو ممکن نہیں ہے۔ یا لیت۔ مغفرت کے بعد جنتی کہے گا، يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ یعنی کاش میری قوم اس بات کو جان لے کہ مجھے خدا نے میری بخشش کر دی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں سے بنا دیا ہے۔

میزنم نعرہ دریں روضہ و عیون
خلق را یا لیت قومی یعلمون

اِس باغیچہ اور چشموں میں مَیں صدائیں دے رہا ہوں
لوگوں کو، کہ کاش میری قوم جان لے

بازخواندنِ[1] شاہزادی نصوح را از بہر دلّاکی بعد از استحکام

شہزادی کا نصوح کو توبہ کے مستحکم ہو جانے کے بعد مالش کے لئے دوبارہ بُلانا

توبہ و بہانہ کردنِ اُو و دفع گفتنِ اُو و عذر آوردنِ اُو

اور اُس کا بہانہ کرنا اور دفع کرنا اور عذر کرنا

بعد ازاں آمد کسے کز مرحمت
دخترِ سلطانِ ما میخواندت

اُس کے بعد کوئی آیا، کہ مہربانی سے
ہمارے بادشاہ کی لڑکی تجھے بلا رہی ہے

دخترِ شاہت ہمی خواند بیا
تا سرش شوئی کنوں اے پارسا

بادشاہ کی لڑکی تجھے بلا رہی ہے، آجا
تاکہ اے نیک! تو اُس کا سر دھودے

جز تو دلّاکے نمی خواہد دلش
کہ بمالد یا بشوید با گلش

اُس کی دل خواہش تیرے علاوہ کسی مالش کرنے والے کی ہے
کہ جو مالش کرے یا مٹی سے اُس کو نہلائے

گفت رَو رَو دستِ من بیکار شُد
ویں نصوحِ تو کنوں بیمار شُد

اُس نے کہا جا جا میرا ہاتھ بیکار ہو گیا ہے
تیری یہ نصوح اب بیمار ہو گئی ہے

رَو کسے دیگر بجو اِشتاب و تفت
کہ مرا واللہ دست از کار رفت

جلد جلد تیزی سے، دوسری کو ڈھونڈ لے
کیونکہ خدا کی قسم ہاتھ بیکار ہے

بادلِ[2] خود گفت کز حد رفت جُرم
از دلِ من کے رَوَد آں ترس و گرم

وہ اپنے دل میں کہتا تھا کہ جُرم حد سے گزر گیا
میرے دل سے وہ ڈر اور گرمی کہاں جا سکتی ہے؟

من بمُردم یکرہ و باز آمدم
من چشیدم تلخیِ مرگ و عدم

میں ایک بار مر چکا ہوں اور پھر واپس آیا ہوں
میں نے موت اور عدم کی تلخی چکھ لی ہے

توبہ کردم حقیقت با خُدا
نشکنم تا جاں شود از تن جُدا

میں نے اللہ سے حقیقی توبہ کی ہے
جب تک جان جسم سے جدا ہو، میں نہ توڑوں گا

بعد ازیں محنت کرا بارِ دگر
پا رَوَد سُوئے خطر الّا کہ خر

اِس مصیبت کے بعد کس کا دوبارہ
گدھے کے علاوہ خطرے کی جانب پاؤں جائیگا،

[1] بازخواندن۔ اُس توبہ کے بعد شہزادی نے پھر نصوح کو بلایا لیکن اُس نے معذرت کر دی۔ بعد ازاں۔ اِن تمام واقعات کے بعد نصوح کے گھر پیغام آیا کہ شہزادی بلاتی ہے اُس کا دل تجھی سے بدن ملوانے کو چاہتا ہے۔ بگلش۔ یعنی تیری مٹی سے سر دھلائے۔ گفت۔ نصوح نے کہا اب میرے ہاتھ بیکار ہیں اور میں بیمار ہوں۔

[2] بادلِ خود۔ نصوح دل دل میں کہہ رہا تھا کہ غلطی کا ڈر میرے دل سے کب جا سکتا ہے۔ توبہ۔ اب میں نے اِس کام سے ایسی توبہ کر لی ہے جو مرتے دم تک نہ ٹوٹے گی۔ بعد۔ ایک دفعہ کسی مصیبت سے نجات پا جانے کے بعد احمق ہی اُس مصیبت میں پھنسنے کو تیار ہوتا ہے

شرح

گذشتہ زمانہ میں ایک شخص تھا جس کا نام نصوح تھا اس شخص کی آمدنی کا ذریعہ عورتوں کو نہلانا تھا اس کا چہرہ عورتوں کے چہرہ کی مانند تھا اور وہ اپنے مرد ہونے کو چھپاتا تھا وہ زنانہ حمام میں عورتوں کے ملنے دلنے اور نہلانے کا کام کرتا تھا اور دغا و فریب میں نہایت ہوشیار تھا اسنے برسوں ملنے دلنے کی خدمت کو انجام دیا مگر کسی کو اسکی حالت کا پتہ نہ چلا اسلیئے کہ اسکی آواز بھی زنانہ تھی اور صورت بھی زنانہ تھی۔ مگر شہوت اسکی پوری اور متعش تھی پس اسنے زنانہ چادر اور سربند اور نقاب پہن لیا کیونکہ وہ ایک پُر شہوت آدمی اور جوانی کے غرہ میں تھا۔ اور عورت بن کر شہزادیوں کو ملنے دلنے اور نہلانے لگا وہ توبہ بھی کرتا تھا اور اس کام سے چند روز علیحدہ بھی رہتا تھا مگر نفس کافر اسکی توبہ توڑ دیتا تھا۔

ایک روز وہ بدکار ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا کہ حضور مجھے بھی دُعا میں یاد رکھیں۔ ان بزرگ نے اس کا راز سمجھ لیا لیکن حلمِ خداوندی کی طرح اسکو پوشیدہ رکھا ان کے لبوں پر قفل تھا اور دل میں راز بھرے ہوئے تھے اور ان کے لب خاموش تھے مگر دل میں بہت سی گفتگوئیں تھیں۔

یاد رکھو! کہ عرفا جو کہ جام حق سبحانہٗ پی لیتے ہیں بعض اسرار سے واقف ہوتے ہیں مگر ان کو چھپاتے ہیں۔ کیونکہ جن کو اسرار خداوندی سے آگاہی دی جاتی ہے ان کے منہ پر مہر کر دی جاتی ہے اور ان کا منہ سی دیا جاتا ہے مقصود شدت اخفار ہے یعنی وہ ان کو بہت چھپاتے ہیں ———— اسی بنا پر وہ بزرگ بھی خاموش تھے اور انہوں نے نصوح کا راز نہیں بیان کیا مگر اتنا کہا کہ اسکی درخواست پر کسی قدر تبسم فرمایا کہ او بدذات! خدا تجھے اس فعل سے توفیق توبہ عطا فرمائے جس کو تو جانتا ہی یہ دعا اُسکی ساتوں آسمانوں سے گزر کر درگاہ رب العلا میں پہنچی اور وہاں اُس نے درجہ قبول حاصل کیا۔ اور آخر میں نصوح کی حالت ٹھیک ہو گئی کیونکہ اہل اللہ کی دعا عام دعاؤں کے مثل نہیں ہوتی اسلیئے کہ وہ فانی ہوتے ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام ہوتا ہے اور اسکی دعا خود خدا کی دعا ہوتی ہے پس جبکہ خدا خود اپنے

سے سوال کرے اور مانگے تو وہ رد کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اپنی دعا کو کیونکر رد کریگا۔

(فائدہ) اس مقام پر عوام کی غلط فہمی اور ان کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اسلئے ضرورت ہے کہ اس مضمون کی توضیح کر کے مولانا کے مدعا کو واضح کر دیا جائے۔)

پس جاننا چاہیئے کہ فنا کی معنی یہ نہیں ہے کہ بندہ خدا بن جائے۔ اسلئے اس کا کلام ہوجائے بلکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو رضائے حق کا تابع کر دے اور اپنی خواہشات کو چھوڑ دے ایسا کرنے سے اسکو حق سبحانہٗ کی مزاج شناسی اور ایک خاص تعلق پیدا ہوجاتا ہے جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ کوئی شخص گو کتنا ہی مقرب اور محبوب حق سبحانہٗ ہو جائے مگر وہ حق سبحانہٗ کا پورا اور کامل مزاج شناس کہ کوئی بات بھی اسکی مرضی حق سبحانہٗ کے خلاف نہ ہو نہیں ہوسکتا اسلئے وہ کتنے ایسے افعال بھی کر لیتا ہے جو کہ واقع میں مرضیٔ حق سبحانہٗ کے خلاف ہوتے ہیں لیکن کبھی تو وہ اپنے افعال کو مرضیٔ حق سبحانہٗ کے خلاف نہیں سمجھتا اور اسلئے وہ کام کرتا ہے اور کبھی تقاضائے نفس سے مغلوب ہو کر یا سہواً و خطاً وہ کام کر لیتا ہے اور یہ مخالفت کبھی معصیت سے ہوتی ہے اور کبھی غیر معصیت بمعصیت اس وقت ہوتی ہے جبکہ مخالفت کرنے والے کو علم ہو — کہ یہ فعل منہی عنہ ہے اور غیر معصیت اس وقت ہوتی ہے جبکہ یہ صورت نہ ہو۔ انبیاء و تعمد معصیت سے معصوم ہیں مگر اولیاء نہیں۔ مگر اغلب احوال میں محفوظ وہ بھی ہیں پس اہل اللہ کے افعال دو قسم کے ہوئے ایک وہ جو مرضی حق سبحانہٗ کے مطابق ہوں دوسرے وہ کہ جو مرضیٔ حق کے خلاف ہوں خواہ معصیت ہوں یا غیر معصیت مع التعمد ہوں یا بلا تعمد۔ پس ان کے وہ افعال جو مرضی حق سبحانہٗ کے مطابق ہوتے ہیں انکو اس مطابقت کے سبب مجازاً حق سبحانہٗ کا فعل کہدیا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ مزاج شناس ہوتے ہیں اسلئے اکثر کام ان کی مرضی حق سبحانہٗ کے مطابق ہی ہوتے ہیں اور مخالفت شاذ نادر ہوتی ہے اسلئے اس بناء پر کثرت اور بفحوائے النادر کالمعدوم۔ انکے افعال کو مطلقاً خدا کا فعل کہدیا جاتا ہے اور قید و شرط عدم مخالفت کو بیان نہیں کیا جاتا —— جب کہ یہ امر ذہن نشین ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ اہل اللہ سے افعال خلاف مرضی حق سبحانہٗ بھی صادر ہوسکتے ہیں۔ تو اب سمجھو کہ جس وقت ان سے کوئی فعل

مخالف مرضئ حق سبحانہٗ صادر ہو۔ اس وقت حق سبحانہٗ کا ان کے ساتھ بمقتضائے حکمت و مصلحت مختلف برتاؤ ہوتا ہے۔ کبھی تو حق سبحانہٗ اس مخالفت کو نظرانداز فرماکر انکی تشریف واکرام کے لیے اپنی مرضی کو ان کی مرضی کے موافق کر دیتے ہیں ویشہد الحدیث لواقسم علی اللّٰہ لابرہ اور کبھی اس مخالفت پر مناسب تنبیہ فرماکر ان سے موافقت فرماتے ہیں۔ ویشھد لہ۔ قولہ عزمجدہ۔ ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ الآیۃ اور کبھی اس فعل سے موافقت نہیں فرماتے اور صرف اسکو رد کر دیتے ہیں ویشھد لہ ردہ عز مجدہ دعاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ اللّٰھم لا تجعل باسھم بینھم اور کبھی اس فعل پر مناسب عتاب فرماتے ہیں ویشھد لہ زلۃ آدم علیہ السلام وغیرہ من الانبیاء۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ مولانا کا ارشاد فانی سراست وگفت اوگفت خداست الخ گو بظاہر مطلق ہے مگر واقع میں مقید بقید عدم مخالفت مرضی حق سبحانہٗ ہے یہ اسکے دلائل خود مولانا ہی کے کلام میں موجود ہیں مثلاً مولانا اکثر جگہ زلت آدم علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں اور اسکو فعل حق سبحانہٗ نہیں قرار دیتے نیز انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چرواہے پر اعتراض نقل فرمایا ہے اور اس کو حق سبحانہٗ کا فعل نہیں بتایا کیونکہ اس پر حق سبحانہٗ کا عتاب نقل فرمایا ہے۔ نیز انہوں نے شیخ اقطع کا واقعہ بیان کیا ہے اس میں ان کے فعل پر حق سبحانہٗ کا عتاب نقل فرمایا ہے الیٰ غیر ذالک من الشواہد فافہم ولا تزل)

القصہ شیخ کی دعا مقبول ہوئی اور حق سبحانہٗ نے اپنی کارسازی سے ایک سبب کھڑا کر دیا۔ جس نے نصوح کی اس فعل شنیع اور گناہ سے نجات دیدی۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ نصوح حمام میں شہزادی کے نہلانے کے طشت میں پانی بھر رہا تھا کہ یکایک شہزادی کا موتی گم ہوگیا یعنی اسکے کان کی بالی کا موتی کھویا گیا اور جس قدر عورتیں وہاں موجود تھیں سب تلاش میں مصروف ہوگئیں۔ تلاش کے لیے اول انہوں نے یہ تدبیر کی کہ حمام کا دروازہ مضبوط بند کر دیا۔ تاکہ نہ کوئی اندر آسکے اور نہ باہر جاسکے اور وہ اطمینان کے ساتھ اول اسکو سامان میں تلاش کریں اور اگر سامان میں نہ ملے تو پھر دوسری صورت

کرلیں۔ پس انہوں نے اسباب میں خوب تلاش کیا مگر موتی نہ ملا۔ اور نہ چرانے والے کا پتہ لگا۔ اس کے بعد انہوں نے نہایت کوشش کے ساتھ ہر سوراخ میں منہ میں کان میں۔ نیچے کے سوراخ میں اوپر کے سوراخ میں۔ غرض ہر طرف ڈھونڈنا شروع کیا۔ اور مرد اور عورتیں ہر طرف اسے تلاش کرتے اور اس لیے صدف بنے ہوئے تھے یعنی نہایت رغبت کے ساتھ اس کے طالب تھے پس دفعتاً آواز آئی کہ جس قدر لوگ یہاں موجود ہیں خواہ وہ معمر ہوں یا نوعمر سب ننگے ہو جائیں اور ایک متلاشی نے سب کی تلاشی لینی شروع کی تاکہ کسی سے وہ عجیب موتی مل جائے۔ جب نصوح نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا اور ڈر کر ایک تنہا مکان میں گیا اس کا چہرہ خوف سے زرد تھا اور ہونٹ پتلے ہو گئے تھے کیونکہ وہ اپنے سامنے بھوت دیکھ رہا تھا اور اسلیے پتے کی طرح کانپ رہا تھا اس نے خلوت میں جا کر مناجات شروع کی اور کہا کہ اے اللہ! میں بہت دفعہ اپنے عہد سے پھر گیا ہوں اور میں نے بہت سی توبہ اور عہد توڑے ہیں اور میں نالائق جس لائق تھا وہ میں نے کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصیبت کا سیاہ سیلاب آپہنچا۔ اب اگر تلاشی کی نوبت مجھ تک پہنچی تو پھر مجھے کیسے سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے میرے جگر میں... سینکڑوں شعلے لگے ہوئے ہیں۔ دیکھئے میری دعا میں جلی ہوئے جگر کی بُو آ رہی ہے جو غم مجھ پر پڑا ہے ایسا غم تو کسی کافر کو بھی نصیب نہ ہو۔

یہ میری حالت ہے اور اس حالت میں میں نے تیری رحمت کا دامن پکڑا ہے پس تو مجھ پر کرم کر۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔ یا کوئی شیر مجھے کھا جاتا اے اللہ تو وہ کر جو تجھ سے کریم کے لئے زیبا ہے کیونکہ اب میں ہر طرف سے مصیبت میں گرفتار ہوں اور گویا کہ مجھے ہر سوراخ سے ایک سانپ ڈس رہا ہے۔ میری جان پتھر کی اور دل لوہے کا ہے ورنہ اس رنج اور مصیبت میں خون ہو کر بہہ جاتا وقت تنگ ہے اب ذرا آپ مجھ پر مہروانہ عنایت فرمایئے اور میری فریاد رسی کیجیؤ۔ اے اللہ! اگر تواب کے میری پردہ پوشی کرے تو اب میں توبہ کرتا ہوں کہ کوئی برا کام نہ کروں گا اس دفعہ آپ میری توبہ کو قبول کر لیں تاکہ میں اس مصیبت سے نجات پا کر نہایت مستعدی سے اس توبہ کو نبھاؤں

اگر میں اب کوتاہی کروں تو پھر آپ میری دعا اور بات نہ سنیں۔
غرضکہ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ رو رہا تھا اور کہتا تھا کہ اب میں جلاد اور کوتوال کے پنجہ میں پھنس گیا کیونکہ جب میرے چالاکی ظاہر ہوگی تو میں حراست میں لے لیا جاؤں گا اور گردن زنی کے لیے جلاد کے حوالہ کر دیا جاؤں گا ارے ایسی موت تو کوئی فرنگی بھی نہ مرے اور یہ غم تو کسی ملحد کو بھی نصیب نہ ہو۔
غرضکہ وہ اپنی جان کو رو رہا تھا کیونکہ وہ اپنے سامنے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اور اس نے اس قدر اے خدا یہ کر دے اور اے خدا! وہ کر دے کہا۔ کہ در و دیوار بھی اسکے غم سے متاثر ہوکر شریک دعا ہو گئے۔ وہ دعا ہی میں مصروف تھا کہ یکایک تلاش کرنے والوں میں سے کسی نے آواز دی کہ ہم سب کی تلاشی لے چکے ہیں نصوح اب تم آؤ۔ یہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا اور اس کی روح پرواز کر گئی اور وہ یوں گر پڑا جیسے کوئی ٹوٹی ہوئی دیوار گرتی اور اس کے ہوش و حواس سب رفوچکر ہو گئے اور وہ پتھر کی مانند بے حس و حرکت ہو گیا۔ پس جبکہ اس کے جسم سے اس کے ہوش و حواس جاتے رہے تو اب وہ معاً وقت جو کہ بقائے ہوش کے سبب باقی تھی اور جس کے سبب روح پورے طور پر حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ نہ ہو سکتی تھی اُٹھ گئی اور روح کو توجہ کامل کا موقع مل گیا اور اس کو حق سبحانہٗ سے اتصال بے کیف حاصل ہو گیا۔ اور جبکہ وہ خودی سے خالی ہو گیا اور اس کی ہستی نہ رہی تو حق سبحانہٗ نے اسکی روح کو جو کہ بمنزلہ باز شاہی کے ہے — اپنے پاس بُلالیا اور جبکہ روح کی کشتی ٹوٹ گئی۔ یعنی جسم پر فنا طاری ہو گئی تو اب وہ دریائے رحمت کے آغوش میں ہو گئی۔ اور جبکہ نصوح بے ہوش ہو گیا تو اس کی جان واصل بحق سبحانہٗ ہو گئی اور اس وقت بحرِ رحمت کو جوش آگیا اور جبکہ اس کی جان نے قیدِ جسم سے جو کہ اس کے لیے موجب شرم ہے نجات پائی تو وہ اپنے اصل یعنی عالمِ غیب کی طرف لوٹ گئی۔ کیونکہ جان بمنزلہ باز کے ہے اور جسم اس کے لیے بمنزلہ اس لکڑی

کے جیسے باز کا پاؤں باندھا جائے اور وہ جسم میں پا شکستہ اور مغلوب ہے۔ پس جبکہ اسکے ہوش وحواس جاتے رہے تو اس کی روح کے پاؤں کھل گئے اور وہ اپنے بادشاہ کی طرف اڑ گئی۔

یہ مرتبہ جو نصوح جیسے فاسق و فاجر کو حاصل ہُوا تو کیوں! محض رحمت رحمت حق سبحانہ سے اُس دریائے رحمت نے اسکو اس نعمت سے سرفراز کیا خیر وہ تو پھر بھی آدمی تھا۔ حق سبحانہ کے دریائے رحمت کی تو یہ حالت ہے کہ جب اسے جوش ہو تو جماد بھی آبِ حیات پی کر ——— جاندار ہو جاتے ہیں [چنانچہ انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش شاہد ہے کیونکہ وہ اول منی اور جماد تھے۔ پھر جاندار ہو گئے] اور ایک بہت کم مقدار ذرہ قابل تعجب اور بڑا ہو جاتا ہے (اشجار عظیمہ اسکے مشاہد ہیں) اور زمین اطلسی اور زربفت ہو جاتی ہے (جو کہ مشاہد ہے کیونکہ اطلس اور زربفت کی اصل خاک ہی ہے) اور سو برس کا مردہ قبر میں سے نکل آتا ہے (قصہ عُزیر علیہ السلام کا گواہ ہے) اور شیطان مردود بھی اپنی برائی کو چھوڑ کر متصف بکمال ہو سکتا ہے اور اتنا حسین ہو سکتا ہے کہ حوروں کو بھی اس کی حالت پر رشک ہوتا ہے (بڑے بڑے سرکش کفار کا کامل الایمان بن جانا اس کا مؤید ہے) اور یہ زمین سراسر سبز ہو جاتی ہے اور خشک مٹی کلیا جاتی اور عمدہ بن جاتی ہے اور بھیڑیا بکری کے بچے کے ساتھ شراب خواری کرتا ہے یعنی دشمنوں میں نہایت اتفاق ہو جاتا ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔

اور ناامید لوگ سرسبز ہو جاتے ہیں (کما ہو المشاہد) خیر جب نصوح کی حالت وہ ہوئی۔ جس کا اوپر ذکر ہُوا اور اس کی دعا مقبول ہو گئی تو دفعتاً آواز آئی کہ اب خطرہ جاتا رہا کیونکہ وہ بیش بہا موتی مل گیا اسکے بعد خوف اور ہلاکت کا اندیشہ زائل ہو گیا۔ اور ہر طرف سے خوش خبریاں آنے لگیں اور لوگ کہنے لگے کہ گم شدہ

موتی
یہ موجود ہے اور اب غم زائل ہوگیا ہے اور خوشی سے ہم کو راہ مل گئی ہے۔ لائیے انعام دلوائیے کہ ہم نے موتی پا دیا۔

غرضکہ خوشی کے نعروں اور شور و شعب اور تالیوں کی آوازوں سے حمام گونج اٹھا۔ کیونکہ اب خوف زائل ہو چکا تھا جب یہ حالت ہوئی تو نصوح کو بھی ہوش آگیا۔ اس وقت خوشی کے سبب اس کی آنکھوں کے سامنے اس قدر روشنی تھی جیسے سودن کی ہوتی ہے اور ہر شخص اس سے معافی چاہتا تھا اور اس کا ہاتھ چومتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم کو آپ کے نسبت بدگمانی تھی آپ ہمیں معافی دیجئے ہم نے آپ کی بہت غیبت کی ہے۔ اور اس طرح گویا کہ آپ کا بہت گوشت کھایا ہے سبب اس گفتگو کا یہ تھا کہ سب کا گمان زیادہ تر نصوح ہی پر تھا کیونکہ وہ تقرب میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور شاہ زادی کا خاص نہلانے والا اور اس کا محرم راز تھا۔ بلکہ یوں کہئے کہ شہزادی اور نصوح ایک جان دو قالب تھے اس وجہ سے لوگ کہتے تھے کہ اگر موتی کسی نے لیا ہے تو صرف نصوح نے لیا ہے کیونکہ شہزادی کا.. مقرب اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

اس خیال کی بنا پر انہوں نے اوّل نصوح کی تلاشی لینی چاہی تھی مگر اسکی عظمت قائم رکھنے کے لئے اسکو مؤخر کر دیا۔ تاکہ اگر اس نے لیا ہو تو کہیں ڈال دے اور اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنے کو آفت سے بچالے۔ خیر! وہ لوگ اس سے بہت کچھ معافی چاہتے تھے اور معذرت کے لئے اٹھتے تھے۔ یہ باتیں سنکر نصوح نے اپنے دل میں کہا کہ یہ محض حق سبحانہ، کی عنایت تھی ورنہ جو کچھ میری نسبت کہا جاتا تھا میں اس سے کہیں برا ہوں۔ ایسی حالت میں مجھ سے کیا معافی چاہی جاتی ہے کیونکہ میں تو زمانہ بھر سے زیادہ گنہگار ہوں۔ میری جو کچھ برائی لوگوں نے بیان کی ہے وہ تو میری اصلی برائی کا سوال حصہ ہے اگر کسی کو شک ہو تو مجھے اپنی حالت خوب معلوم ہے کسی کو میری حالت کیا معلوم۔ ان کو جو کچھ معلوم ہے وہ بہت تھوڑا اور ہزاروں،

بدکاریوں میں سے ایک بدکاری معلوم ہے۔ پس اپنی برائیوں اور گناہوں کو میں

جانتا ہوں یا میرا ستارِ عیوب ہی جانتا ہے۔ پہلے ابلیس میرا استاد تھا جس نے مجھے معصیت کا طریق سکھلایا اسکے بعد میں اس فن میں اتنا ہوشیار ہو گیا کہ ابلیس میرے سامنے گرد ہو گیا۔ مگر حق سبحانہٗ نے میرے تمام برائیاں دیکھیں۔ مگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ گویا دیکھا ہی نہیں۔ تاکہ میں رسوا ہو کر شرمندہ نہ ہوں اور مجھے جان کی مانند شیریں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ تاکہ وہ اپنی رحمت سے میری حالت کی اصلاح کرے اور جو کچھ میں نے کیا تھا سب کو ایسا کر دیا کہ گویا میں نے کیا ہی نہیں یعنی معاف کر دیا۔ اور جو طاعت میں نے نہیں کی تھی اسکو ایسا کر دیا جیسا کہ میں نے کیا ہے۔

یعنی میرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو مطیعین کے ساتھ کیا جاتا ہے اس نے مجھے سرو اور سوسن کی طرح آزاد کر دیا۔ اور بخت و دولت کی طرح میرا دل خوش کیا اور اس نے میرا نام اچھے لوگوں کی فہرست میں لکھ لیا۔ اور میں دوزخی بنا مگر اس نے مجھے جنت عطا فرمائی اور میرے تمام جرائم اور گناہ معاف کر دیئے اور اب میرا سیاہ نامۂ اعمال بھی سفید ہو گیا اور کالا منہ بھی روشن ہو گیا۔ میں نے آہ کی تو وہ آہ میرے لیے رسی ہو گئی اور وہ رسی میرے کنوئیں میں لٹک گئی اور میں وہ رسی پکڑ کر نکل آیا اور خوش و خرم اور موٹا تازہ اور سرخ سفید ہو گیا۔ یعنی میری آہ میری خوشی اور نجات کا ذریعہ بن گئی۔ میں گویا کہ ایک کنوئیں کے اندر مقید تھا۔ اور رات دن نالہ و زاری کرتا تھا اور خواہش نفس کی بد دولت ایک تنگ جگہ میں محبوس تھا۔ مگر اب میری یہ حالت ہے کہ عالم میں بھی نہیں سماتا اَللّٰھُمَّ لکَ الحمد والمنۃ کہ تو نے مجھے غم سے نجات دیدی۔ ایسی حالت میں اگر میرا ہر بال زبان بن جائے تب بھی تیرا شکر بیان میں نہیں آسکتے اب میں اس خوشی کے باغ اور اسکے چشموں میں بیٹھا ہوا آوازیں لگا رہا ہوں کہ اے کاش! لوگ میری راحت کو جانیں اور اس دولت کو حاصل کریں۔

یہ واقعہ تو ہو چکا۔ اب سنو کہ نصوح کے پاس ایک ہرکارہ آیا اور کہا کہ ہماری

شاہزادی آپ کو یاد کرتی ہیں تاکہ آپ ان کا سر دھو دیں اور آپ کے سوا کوئی نہلانے والی جو کہ اس کو ملے دلے یا مٹی سے ان کا سر دھوئے مطلوب نہیں ہے۔ نصوح نے اس کے جواب میں کہا کہ میرا ہاتھ بیکار ہو گیا ہے اور تمہاری نصوح بیمار ہو گئی ہے اسلئے میں حاضر نہیں ہو سکتی تم جلدی جا کر کسی اور کو تلاش کر لو۔ کیونکہ بخدا میرا ہاتھ کام کا نہیں رہا۔ یہ تو بلانے والے کو جواب دیا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ معصیت حد سے بڑھ گئی ہے اب ایسا نہیں کرنا چاہیئے اور نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ کیونکہ وہ خوف اور انقباض دل کیسے جا سکتا ہے جو کہ میں اس جرم کی بدولت جھیل چکا ہوں۔ ایک دفعہ تو مر چکا تھا۔ اب دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ پس میں موت کی تلخی چکھ چکا ہوں۔ اب میں اپنے کو معرض ہلاک میں نہ ڈالوں گا۔ نہیں میں نے خدا سے سچی توبہ کی ہے۔ اب تادم مرگ اسے نہ توڑوں گا۔ کیونکہ اس مصیبت کے بعد کوئی گدھا ہوگا جو خطرہ کی طرف قدم اٹھائے۔ آدمی تو ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔۔ اس کے بعد مولانا اس گدھے کا قصہ بیان فرماتے ہیں جو ایک مرتبہ مصیبت میں مبتلا ہو کر دوبارہ پھر اسی مصیبت میں مبتلا ہوا تھا۔

حکایت درِ بیان آں کسے کہ توبہ کُند و پشیمان شود و باز

اس بیان میں حکایت کہ کوئی شخص توبہ کرے اور شرمندہ ہو اور پھر اُن

آں پشیمانیہا را فراموش کُند و آزمُودہ را باز آزماید در

شرمندگیوں کو بھلادے اور آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمائے۔ اور مستقل

خسارتِ ابد در افتد کہ مَن جَرَّبَ المُجَرَّبَ حَلَّت بِہِ النَّدَامَۃ

ٹوٹے میں مبتلا ہوجائے کیونکہ جس شخص نے آزمائے ہوئے کو آزمایا اُس کو ندامت ہوئی

و چوں توبہ اُو را ثباتے و قوّتے و حلاوتے و قبولے و

اور جب اُس کی توبہ کا ٹکاؤ اور قوت اور شیرینی اور قبولیت اور مدد اُس کو

مددے بدو نرسد چوں درختِ بے بیخ ہر روز زرد تر

حاصل نہ ہو تو وہ بغیر جڑ کے درخت کی طرح ہے جو روزانہ زیادہ زرد اور خشک ہوتا ہے

و خشک تر نَعُوذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ

ہم اِس بات سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں

۲ گازرے بُود و مر اُو را یک خرے — پشت ریش اِشکم تہی تن لاغرے

ایک دھوبی تھا جس کا ایک گدھا تھا — زخمی کمر، خالی پیٹ، کمزور جسم

درمیانِ سنگلاخِ بے گیاہ — روز تا شب بینوا و بے پناہ

بغیر گھاس کی پتھریلی زمین میں — شب و روز بے سروسامان اور بے پناہ

بہرِ خوردن غیرِ آب آنجا نبُود — روز و شب بُد خر دراں کور و کبود

وہاں کھانے کیلئے پانی کے سوا نہ تھا — گدھا وہاں دن رات اندھا اور تاریک چشم رہتا

آں حوالی نیستان و بیشہ بُود — شیرے بُود آنجا کہ صیدش پیشہ بُود

اطراف میں بنسیل اور جنگل تھا — وہاں ایک شیر تھا جس کا پیشہ شکار کرنا تھا

شیر را با پیلِ نر جنگ اُوفتاد — خستہ شد آں شیر و ماند از اصطیاد

شیر کی نر ہاتھی سے لڑائی ہوئی — وہ شیر زخمی ہوگیا اور شکار کرنے سے عاجز ہوگیا

۳ مدتے واماند زاں ضعف از شکار — بینوا ماندند دد از چاشت خوار

ایک عرصہ تک کمزوری کیوجہ سے شکار سے عاجز رہا — درندے ناشتہ سے محروم ہوگئے

زانکہ باقی خوارِ شیر ایشاں بُدند — شیر چوں رنجور شُد تنگ آمدند

کیونکہ وہ شیر کا بچا ہوا کھانے والے تھے — جب شیر بیمار ہوگیا، وہ پریشان ہوگئے

شیر یک روباہ را فرمود رو — مر خرے را بہرِ من صیاد شو

شیر نے ایک لومڑی سے کہا، جا — میرے لئے گدھے کی شکاری بن

گر خرے یابی بگردِ مرغزار — رو فسونش خواں فریبانش بیار

اگر تو جنگل کے اطراف میں گدھا پائے — جا اُس پر منتر پڑھ اُس کو قریب لے آ

له حکایت۔ اِس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک بار مصیبت سے نجات پاجانے کے بعد دوبارہ مصیبت میں پھنسنے کا بہت بُرا انجام ہوتا ہے۔

له چوں۔ اگر توبہ میں ٹکاؤ نہ ہو اور اُس کی خوبی اُس پر واضح نہ ہو تو توبہ کرنے والے شخص کی مثال بے جڑ کے درخت کی سی ہے جو روز بروز خشک ہوتا جاتا ہے اور اُس کے پتے جھڑتے رہتے ہیں۔

۲ گازرے۔ ایک دھوبی کا ایک گدھا تھا جس کی کمر زخمی تھی اور پیٹ خالی رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ کمزور ہوگیا تھا۔ سنگلاخ۔ پتھریلی زمین۔ کور و کبود۔ یعنی تباہ اور بدحال۔ حوالی۔ اطراف۔ نیستاں۔ بنسیل کا جنگل۔ بیشہ۔ جھاڑی۔ شیر۔ وہ شیر کسی ہاتھی سے لڑکر زخمی اور لاغر ہوگیا اور جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہ رہا۔

۳ مدتے۔ ایک عرصہ سے وہ شکار کرنے کے قابل نہ تھا اور دوسرے درندے جو اُس کا بچا کھچا کھاتے تھے وہ بھی بھوکے تھے۔ چاشتخوار۔ ناشتہ۔ شیر۔ شیر نے لومڑی سے کہا کسی گدھے کو پھسلا کر میرے پاس لے آنا۔ مرغزار۔ سبزہ زار۔ فسون۔ منتر۔

یا خرے یا گاؤ بہرِ من بجو
یا گدھا یا بیل میرے لئے تلاش کر

زاں فسونہائے[1] کہ میدانی بگو
جو منتر تو جانتی ہے، وہ پڑھ

چوں بیابم قوتے از لحمِ خر
جب میں گدھے کے گوشت سے طاقت پکڑ لونگا

پس بگیرم بعد ازاں صیدِ دگر
اس کے بعد میں دوسرا شکار کرونگا

اندکے من میخورم باقی شما
میں تھوڑا سا کھا لوں گا، باقی تم

من سبب باشم شمارا در نوا
میں توشہ میں تمہارے لئے سبب بنجاؤنگا

از فسون واز سخنہائے خوشش
اس کو منتر اور اچھی باتوں سے

نرم گرداں زود تر اینجا کشش
نرم کر، جلد یہاں لے آ

[1] فسونہا۔ لومڑی کی چالاکیاں مشہور ہیں۔ لحم۔ گوشت۔ نوا۔ روزی۔ از فسون۔ یعنی گدھے کو بہکا کر میرے پاس لے آنا۔ تشبیہ۔ جس طرح شیر شکار کرتا ہے اور باقی درندے اس کا بچا ہوا کھا کر پیٹ بھرتے ہیں اسی طرح قطب زمانہ اسرار و معارف الٰہی کا شکار کرتا ہے اور اولیاء و انبیاء اس کے ذریعہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔

شرح

ایک دھوبی تھا اور اسکے پاس ایک گدھا تھا جس کی کمر زخمی اور پیٹ خالی اور جسم دبلا تھا اور ایک پتھریلی زمین میں رہتا تھا جس میں گھاس نہ تھا وہ وہاں رات دن بے گھاس اور بے پناہ رہتا تھا کیونکہ کھانے کے لئے وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ لہٰذا وہ گدھا وہاں رات دن مبتلائے مصیبت رہتا تھا وہ صحرا ایک نیستان اور بن کے قریب تھا جہاں کہ ایک شیر رہتا تھا جس کا کام شکار تھا —— اتفاقاً اس شیر کی ہاتھی سے لڑائی ہوگئی اس میں شیر زخمی ہوگیا۔ اور شکار کرنے سے عاجز ہوگیا اور ایک عرصہ تک ضعف کے سبب شکار سے عاجز رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور درندے بھی غذا سے محتاج ہوگئے کیونکہ وہ سب شیر کا بچا کھچا کھانے والے تھے بس جبکہ شیر بیمار ہوگیا تو وہ بھی تنگ ہوگئے آخر شیر نے لومڑی سے کہا کہ تو جا اور میرے لئے کسی گدھے کو شکار کر کے لائے اگر اس مرغ زار کے آس پاس سے کوئی گدھا مل جائے تو اسے باتیں بنا کے اور اسے دھوکا دے کے یہاں لے آ۔

خواہ گدھا ہو یا گائے۔ جو کچھ بھی ملے تو میرے لئے ڈھونڈ۔ اور جو تجھے باتیں بنانی آتی ہیں تو اس سے بنا اور اسے دھوکا دے کے یہاں لے آ۔ جب میں گدھے وغیرہ کے گوشت سے کسی قدر طاقت حاصل کر لوں گا اس میں سے کچھ میں کھالوں گا اور

جو بچے گا وہ تمہارا ہوگا۔ اس طرح میں تمہارے سامان خورش کا سبب بن جاؤں گا۔ پس تو اپنے افسوں اور اچھی باتوں سے اُسے نرم کر کے جلدی سے یہاں لے آ۔ آگے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

تشبیہ کرد نِ قطب کہ عارفِ واصل ست دراجرائے

قطب، عارف واصل (بحق)، کی مخلوق کو رحمت اور مغفرت کی اُن مراتب کے اعتبار

دادنِ خلق از قوتِ رحمت و مغفرت بر مراتبے کہ حقش

سے روزی دینے کی تشبیہ بیان کرنا جو اللہ نے اس کو الہام کیا ہے: اور شیر سے

الہام داد و تمثیل بشیر کہ اجرے خوار و باقی خوارِ وے اند

مثال دینا کیونکہ وہ اس کے روزی خوار اور بچا کھچا کھانے والے ہیں غیر

بر مراتبِ قربِ ایشاں بشیر نہ قربِ مکانی بلکہ از قربِ

سے نزدیکی کے اعتبار سے مکانی قرب کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفاتی قرب کے اعتبار

صفتی و تفاصیلِ ایں بسیار ست واللہ الہادی

سے اور اس کی بہت تفاصیل ہیں اور خدا ہدایت کرنے والا ہے

قطب[1] شیر و صید کردن کارِ اُو
قطب شیر ہے اور شکار کرنا اُس کا کام ہے
باقیاں ایں خلق باقی خوارِ اُو
باقی یہ مخلوق اُس کا بچا ہوا کھانے والی ہے

تا توانی در رضائے قطب کوش[2]
تجھ سے جب تک ہو سکے قطب کو راضی رکھنے کی کوشش کر
تا قوی گردد کند صیدِ وحوش
تاکہ وہ قوی ہو جائے اور وحشی جانوروں کا شکار کرے

چوں[3] برنجد بینوا مانند خلق
جب وہ رنجیدہ ہو جائیگا، مخلوق بے سر و سامان رہ جائیگی
کز کفِ عقلست جملہ رزقِ خلق
کیونکہ تمام لوگوں کی روزی عقل کے ہاتھوں سے ہے

زانکہ وجدِ خلق باقی خوردِ اوست
کیونکہ مخلوق کی روزی اُس کا پس خوردہ ہے
ایں نگہدار ار دلِ تو صید جوست
اگر تیرا دل شکاری ہے تو اس کا خیال رکھ

اُو[4] چو عقل و خلق چوں اعضائے تن
وہ (قطب) عقل کی طرح اور مخلوق جسم کے اعضاء کی طرح ہے
بستہ عقل ست تدبیرِ بدن
جسم کی تدبیر عقل سے وابستہ ہے

ضعفِ قطب از تن بُود از روح نے
قطب کی کمزوری جسم کی ہوتی ہے، نہ کہ روح کی
ضعف در کشتی بُود در نوح نے
کمزوری کشتی میں ہوتی ہے نہ کہ نوح میں

قطب آں باشد کہ گردِ خود تند
قطب وہ ہوتا ہے جو اپنے گرد گھومتا ہے
گردشِ افلاک گردِ اُو بُود
آسمانوں کی گردش اُس کے گرد ہوتی ہے

[1] قطب۔ جو شخص اپنے دور کا قطب ہوتا ہے وہ اسرار و معارف کا براہ راست استفادہ کرتا ہے اور دوسرے اولیاء، اوتاد، نجباء اور نقباء اس کے واسطے سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ [2] تا توانی۔ ہر فرض ہے کہ وہ قطب زمانہ کی خوشنودی حاصل کرے اور اس کو خوش رکھے۔

[3] چوں برنجد۔ اگر قطب رنجیدہ ہوتا ہے تو بقیہ لوگ بے سر و سامان رہ جاتے ہیں۔ وجد خلق۔ بقیہ لوگوں کی روزی اس کا پس خوردہ ہے۔

[4] او چو عقل۔ قطب اور بقیہ مخلوق کی وہی نسبت ہے جو عقل اور بقیہ اعضاء کی۔ اعضاء عقل کے ذریعہ خوراک حاصل کرتے ہیں لہٰذا قطب پر روحانی ضعف طاری نہیں ہو سکتا گزشتہ اشعار میں جس کے جس ضعف کا ذکر ہے وہ محض جسمانی ضعف ہے اس کی روح اور جسم کی وہی نسبت ہے جو حضرت نوح اور کشتی کی تھی۔ یاد رہے۔ قطب کو جس مدد کی ضرورت ہے وہ اس کی جسمانی مدد ہے۔

یا ریے دہ درمرمّت کشتیش
اُس کی کشتی کی مرمّت میں مدد کر

گر غلامِ خاص و بندہ گشتیش
اگر تو اُس کا خاص غلام اور بندہ ہو گیا ہے

یاریت در تو فزاید نے درو
تیری مدد، تجھ میں اضافہ کرے گی نہ کہ اُسمیں

گفت حق اِن تنصُرُوا اللہ ینصُرہ
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ہے اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو تمہاری مدد کرےگا

ہمچو رُوبہ صید گیر و کن فدیش
لومڑی کی طرح شکار کر اور اس پر قربان ہو جا

تا عوض گیری ہزاراں صید بیش
تاکہ تو ہزاروں سے زیادہ شکار بدلے میں حاصل کرلے

روبہانہ باشد آں صیدِ مُرید
مُرید کا شکار لومڑی کی طرح کا ہوتا ہے

مُردہ گیرد صید کفتارِ مُرید
سرکش بجو مُردے کا شکار کرتا ہے

مُردہ پیشِ اُو کشی زندہ شود
تو انکے سامنے مُردہ لیجائے گا وہ زندہ ہوجائے گا

چرک در پالیز روئیندہ شود
کھاد، فالیز میں اُگانے والا بن جاتا ہے

۵۲ یاریت۔ تو جو کچھ قطب کی بدنی خدمت کریگا وہ تیرے لئے ہی مفید ہے۔ گفت آنحضرتؐ کےساتھ مل کر جہاد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اُس مدد کا فائدہ تمہیں بصورت مددِ خداوندی حاصل ہوگا۔ ہمچو روبہ۔ جس طرح لومڑی شیر کے لئے شکار کرتی ہے اور اُس سے خود فائدہ اُٹھاتی ہے اسی طرح تم جو بھی قطب کی بدنی خدمت کروگے خود فائدہ اُٹھاؤ گے۔ مُرید۔ قطب کا ارادتمند جو کچھ قطب کو دے گا وہ لومڑی کے شکار کی طرح ہوگا کہ خود اُسکو مفید پڑیگا۔ مُرید۔ قطب کا منکر بجو ہے جس کی کمائی مُردار ہوتی ہے لیکن قطب کے پاس پہنچ کر اُس کا مُردار بن زائل ہوجاتا ہے جس طرح گوبر کا کھاد فالیز میں جا پڑتا ہے تو اُس کی خاصیت بدل جاتی ہے۔

شرح

قطب شیر ہے اور اس کا کام شکار کرنا ہے اور باقی لوگ اُس کا بچا ہُوا کھانے والے ہیں یعنی قطب حقائق و معارف کو حق سبحانہٗ سے حاصل کرتا اور دوسروں پر افاضہ کرتا ہے۔ پس تم سے جہاں تک ہوسکے قطب کو خوش رکھو اور ان کی مالی خدمت کرتے رہو تاکہ وہ قوی ہو جائے اور وحوش معارف و حقائق کا شکار کرے اور اس میں سے تمہیں بھی دے اس کی قوت کی اسلئے ضرورت ہے کہ جب وہ ضعیف و بیمار ہوتا ہے اور طاعات جسمانیہ پر قادر نہیں ہوتا تو مخلوق ان فیوض و برکات سے محروم ہوجاتے ہیں جبکہ وہ بذریعہ طاعات جسمانیہ کے حاصل کرکے مخلوق کو ان سے مستفیض کرتا کیونکہ وہ بمنزلہ عقل کے

ہے اور مخلوق بمنزلہ حلق کے اور حلق کو جس قدر غذا ملتی ہے وہ بتوسط عقل کے ملتی ہے پس مخلوق کو جس قدر غذائے روحانی ملتی ہے وہ بتوسط قطب ملتی ہے اور بصورت ضعف قطب اسکے اکتساب سے عاجز ہے اسلئے مخلوق کا حرمان لازم ہے کیونکہ مخلوق کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کا پس ماندہ تھا۔

اور صورت مذکورہ میں اس کو وہ غذائے خاص حاصل ہی نہیں ہوئی تو مخلوق کو کیا ہے پس اگر تمہارا دل صید معارف کا شائق ہے تو اس نکتہ کا لحاظ رکھو! اور شیخ کی خوب خدمت کرو تاکہ وہ کمزور نہ ہونے پائے اور پوری قوت کے ساتھ... طاعات جسمانیہ میں مصروف ہوکر خوب غذائے معارف حاصل کرے اور مخلوق کو اس سے بہرہ مند کرے اسی لئے کہ وہ بمنزلہ عقل کے ہے اور مخلوق بمنزلہ اعضائے جسمانیہ کے اور تدبیر و تربیت اعضا عقل سے وابستہ ہے لہٰذا عقل کی صحت ضروری ہے۔

ہم نے جو کہا تھا کہ قطب کو راضی کرو اور اسکی خوب خدمت کرو تاکہ وہ قوی ہو جائے سے اس سے معلوم ہوا تھا کہ قطب ضعیف بھی ہو جاتا ہے پس تم سمجھو کہ اس کا ضُعف صرف جسمانی ہوتا ہے نہ کہ روحانی۔ اور ضعف اس کی کشتیٔ تن میں آتا ہے نہ کہ نوح روح میں۔ کیونکہ قطب تو وہ ہوتا ہے جو اپنا مدار خود ہو۔ اور افلاک اسکے گرد گھومتے ہیں پس جو عالم کا محتاج الیہ ہو وہ کیونکر ضعیف اور محتاج تقویت ہو گا۔ ہاں اسکی کشتی تن میں ضعف اور شکستگی آسکتی ہے پس تم اگر اس کے غلام خاص ہو تو اسکو کشتیٔ تن کی اصلاح میں مدد دو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم شیخ کو نفع پہنچا رہے ہیں کیونکہ اس خدمت میں خود تمہارا فائدہ ہے نہ کہ اس کا۔ کیونکہ اسکی اعانت حق سبحانہٗ کی اعانت ہے اور حق سبحانہٗ کی اعانت میں حق سبحانہٗ کا کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ خود تمہارا فائدہ ہے کہ حق سبحانہٗ تمہاری اعانت کرتے ہیں سے چنانچہ فرماتا ہے ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم۔

پس حاصل یہ ہے کہ تم شکار کرو اور کماؤ اور شیخ پر قربان کردو۔ اسکی

معاوضہ میں تم کو ہزاروں صید معارف ملیں ـــــ یاد رکھو ! کہ مُرید خاص کی کمائی شیخ کے لیے ہوتی ہے جیساکہ اس لومڑی کا شکار شیر کے لیے - اسلئے اس کی کمائی دنیا نہیں ہوتی - جس کو حدیث میں جیفہ اور مُردار کہا گیا ہے برخلاف اسکے جو شخص اپنے نفس کے لیے کماتا ہے اس کی مثال ہنڈار کی سی ہے اور اسکی کمائی دنیا اور مردار ہے لیکن اگر تم نے اپنے ہی نفس کے لیے کمایا تھا اور اب تم اُس سے شیخ کی خدمت کرو - تو گو وہ اول مُردار یعنی دنیا تھا مگر اب وہ زندہ یعنی دین ہو جائے گا اور اسکی مثال ایسی ہو گئی جیسے کہ کھیت میں کھاد ڈالا جاتے اور وہاں وہ نبات بن جائے اور کھانے کے قابل بن جائے -

(فائدہ : قال مجدد الملۃ والدین افاض اللہ علینا من برکاتہ فی تقریر المقام قولہ تاتوانی در رضائے قطب کوش الخ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود اس پر معارف کا فیضان تمہاری ارضا اور خدمت پر موقوف ہے - بلکہ مطلب یہ ہے کہ فیضان للافاضۃ علیک موقوف ہے اس پر - راز اس میں یہ ہے کہ وہ راضی ہو کر تمہارے افاضہ کی طرف متوجہ ہوگا -

اور اس توجہ و جوش کے وقت عادۃ اللہ یہ ہے کہ اس پر خاص اسرار نفع خلق کے لیے فائض ہوتے ہیں - بخلاف خلوت کے کہ اس وقت اکثر فیضان خود اسکے انتفاع کے لیے فائض ہوتے ہیں - اسلئے آگے فرماتے ہیں ؎

ما دیت ور تو خزاید نے درو الخ انتھی لفظہ الشریف)

جوابِ گفتنِ روباہ شیر را

لومڑی کا شیر کو جواب دینا

گفت[۳] روبہ شیر را خدمت کنم ۔ حیلہا سازم ز عقلش برکنم

لومڑی نے شیر سے کہا میں خدمت بجا لاؤں گی ۔ تدبیریں کروں گی اسکو عقل سے بیگانہ کردونگی

حیلہ و افسوں گری کارِ من ست ۔ کارِ من دستاں و از رہ بردن ست

حیلہ اور منتر پڑھنا میرا پیشہ ہے ۔ میرا پیشہ، مکر اور دھوکا دینا ہے

از سرِ کُہ جانبِ جو میشتافت ۔ یک خرِ مسکینِ لاغر را بیافت

پہاڑ پر سے، نہر کی جانب دوڑ رہی تھی ۔ ایک کمزور مسکین گدھے کو پالیا

پس سلامے گرم کرد و پیش رفت ۔ پیشِ آں سادہ دلے درویش رفت

گرم جوشی سے سلام کیا اور سامنے آگئی ۔ اُس سیدھے اور غریب کے سامنے آگئی

گفت[۱] چونی اندریں صحرائے خشک ۔ درمیانِ سنگلاخ و جائے خشک

بولی، اس خشک میدان میں آپ کیسے ہیں؟ ۔ پتھریلی زمین اور خشک جگہ میں

گفت خر گر در غمم ور در ارم ۔ قسمتم حق کرد و من زاں شاکرم

گدھے نے کہا میں خواہ غم میں ہوں یا جنت میں ۔ اللہ نے میرا حصہ بنایا ہے میں اس پر شکر گذار ہوں

شکر گویم دوست را در خیر و شر ۔ زانکہ ہست اندر قضا از بد بتر

اچھائی اور برائی میں دوست کا شکر ادا کرتا ہوں ۔ کیونکہ حکمِ خداوندی میں برے سے بھی زیادہ برا ہے

چونکہ قسام اوست کفر آمد گلہ ۔ صبر باید صبر مفتاح الصلہ

جبکہ وہ تقسیم کرنے والا ہے تو شکوہ کفر ہے ۔ صبر کرنا چاہئے، صبر عطیہ کی کنجی ہے

باز گفت الصبر مفتاح الفرج ۔ صابراں را کے رسد جور و حرج

پھر اس نے کہا صبر کشادگی کی کنجی ہے ۔ صبر کرنے والوں کو سختی اور تنگی کب آئی ہے؟

راضیم[۲] من قسمتِ قسام را ۔ کہ خداوند ست خاص و عام را

میں تقسیم کرنے والے کی تقسیم پر راضی ہوں ۔ کیونکہ وہ خاص و عام کا آقا ہے

بہرہ ور از نعمتِ او خاص و عام ۔ میرساند روزیِ وحش و ہوام

اس کی نعمت سے خاص و عام فائدہ اُٹھاتے ہیں ۔ وہ وحشی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو روزی پہنچاتا ہے

مرغ و ماہی قسمتِ خود میخورند ۔ مور و مار از نعمتِ او می چرند

پرند اور مچھلیاں اپنا حصہ کھاتے ہیں ۔ چیونٹیاں اور سانپ اس کی نعمت کھاتے ہیں

[۱] گفت - لومڑی نے گدھے سے کہا آپ اس خشک پتھریلے جنگل میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ گفت خر۔ گدھے نے کہا یہ خدائی تقسیم ہے جو میرا حصہ ہے میں اس پر راضی ہوں۔ زانکہ - انسان کو ہر حالت میں شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے بدتر حالت میں نہیں کیا۔ چونکہ۔ اللہ کی تقسیم پر شکوہ کفر ہے۔ الصبر۔ صبر کرنے سے کشادگی پیدا ہوجاتی ہے۔

[۲] راضیم رزق خدا کا تقسیم کردہ ہے جبکہ وہ سب کا مالک ہے تو اس کی تقسیم پر راضی رہنا ضروری ہے۔ ہوام۔ کیڑے مکوڑے۔ مرغ۔ جس قدر جاندار ہیں سب اُس کی ہی نعمتوں سے رزق حاصل کررہے ہیں دنیا کی ساری مخلوق اس کے ہی خوانِ نعمت سے روزی حاصل کررہی ہے

[۳] گفت روبہ - لومڑی نے شیر سے کہا میں حکم کی تعمیل کروں گی اور اپنی تدبیر سے شکار کو بے وقوف بنادوں گی۔ دستاں۔ مکر۔ خرِ مسکیں۔ یعنی وہی دھوبی کا گدھا لومڑی اس کے پاس پہنچی اور اس کو گرم جوشی سے سلام کیا۔

خوانِ اُو سَرتاسَرِ عالَم گرفت
اُس کے دسترخوان نے پورے عالم کو گھیر لیا ہے

بر سرِ خوانش خلائق در شگفت
مخلوق اُس کے دسترخوان پر تعجب میں ہے

میؔ خورند و ہیچ کم ناید ازاں
وہ کھا رہے ہیں اور اُس میں کوئی کمی نہیں آتی ہے

کیست بے روزی بگو اَندر جہاں
بتا، دنیا میں بے روزی کون ہے!

باش راضی گر توئی دل زندہ
اگر تو زندہ دل ہے، راضی رہ

کو رساند روزیِ ہر بندہ
وہ ہر بندہ کو روزی پہنچاتا ہے

غیرِ حق جملہ عدو اند اوست دوست
اللہ (تعالیٰ) کے علاوہ سب دشمن ہیں وہ دوست ہے

با عدو از دوست شکوہ کے نکوست
دشمن سے دوست کا شکوہ کب بھلا ہے!

شُکرؔ کن تا نایدت از بد بتر
شکر ادا کرتا رہ، تاکہ تجھے بُرے سے بدتر نہ ملے

ورنہ مانی ناگہاں در گِل چو خر
ورنہ تو کیچڑ کے گدھے کی طرح رہ جائے گا

تا دہد دو غم نخواہم انگبیں
جب تک وہ بے بھاؤ پائیگا میں شہد نہ مانگونگا

زانکہ ہر نعمت غمے دارد قریں
کیونکہ ہر نعمت اپنے ساتھ کوئی غم رکھتی ہے

گنج بے مار و گُلِ بے خار نیست
خزانہ بغیر سانپ کے اور پھول بغیر کانٹے کے نہیں ہے

شادیِ بے غم دریں بازار نیست
بغیر غم کی خوشی اس بازار میں نہیں ہے

یک حکایت یاد دارم از پدر
مجھے باوا کی ایک کہانی یاد ہے

در نصیحت گفت روزے کاے پسر
اُس نے ایک روز نصیحت میں کہا اے بیٹا!

حکایتؔ دیدنِ خرِ سقّائے با نوائے اسپانِ تازی را در
سقّے کے گدھے کا، خاص اصطبل میں ساز و سامان کے ساتھ عربی گھوڑوں کو دیکھنے کی

آخرِ خاص و تمنّا بُردن آں دَولت را، در موعظہ آنکہ تمنّا
حکایت اور اُس دولت کی تمنّا کرنا اِس نصیحت کے بارے میں کہ

نباید بُردن اِلّا بمغفرت و عنایت کہ اگرچہ صد گوں رنجے
سوائے مغفرت اور مہربانی کے تمنّا نہ کرنی چاہیئے خواہ سینکڑوں تکالیف ہوں

بُوَد چوں لذّتِ مغفرت بُوَد ہمہ شیریں شود، باقی ہر دولتے
جب مغفرت کی لذت حاصل ہو جائیگی وہ (تکالیف) سب شیریں ہو جائینگی بقیہ ہر

کہ آں را نا آزمودہ تمنّا میبری با آں رنجے قرین ست
دولت کی بغیر آزمائے تو تمنّا کرے تو اُس کے ساتھ کوئی تکلیف ہوگی جس کو تو

کہ آں را نمی بینی چنانکہ از ہر دامے دانہ پیدا شود و
نہیں دیکھ رہا ہے، جیساکہ ہر جال کا دانہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور جال پنہاں ہوتا ہے

[؟] می خورند۔ ساری مخلوق کو وہ روزی پہنچا رہا ہے کوئی جاندار روزی سے محروم نہیں ہے۔ غیرِ حق۔ اللہ کے علاوہ سب دشمن ہیں اللہ سب کا دوست ہے تو دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا بیوقوفی ہے۔

[؟] شکر کن۔ جس حالت میں بھی جو ہے اُس کو شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اِس سے بدتر حالت میں نہیں ہے۔ تا دہد۔ جب تک مجھے معمولی روزی حاصل ہے میں بڑھیا روزی کی خواہش نہ کرونگا کیونکہ ہر بڑھیا نعمت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف وہ بات ضرور لگی ہوئی ہے خزانہ کے ساتھ سانپ ہے پھول کے ساتھ کانٹا ہے۔

[؟] حکایت۔ اِس حکایت سے یہ سمجھانا ہے کہ شاہی اصطبل کے گھوڑوں کو اچھی خوراک ملتی تھی تو اُس کے ساتھ انھیں جنگ میں تیر بھی کھانے پڑے۔ در موعظہ۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ مغفرت اور اللہ کی عنایت کا طالب بنے اگر اُس کو یہ چیز حاصل ہو جائیگی تو مصائب کی تلخی، شیرینی سے بدل جائے گی اگر انسان نہ آزمائی ہوئی نعمت کی تمنا کرے گا تو اُس کے ساتھ کی مصیبت سے پریشان ہو جائے گا۔

[؟] چنانکہ۔ دنیا کی ہر لذت کے ساتھ کوئی مصیبت وابستہ ہے دانہ ہے تو اُس کے ساتھ جال بھی ہے انسان دانہ کی تمنا کرتا ہے لیکن وہ جال سے غافل ہوتا ہے۔

فخ پنہانی تو دریں یک دام ماندہ و تمنا میبری
تو اس جال میں پھنسے تمنا رکھتا ہے کاش کہ اس دانے

کہ کاشکے با آں دانہا رفتمے پنداری کہ آں دانہا
تک پہنچ جاتا تو سمجھتا ہے کہ وہ دانے

بیدام است
بے جال کے ہیں

بود سقائے مر اُورا یک خرے — گشتہ از محنت دوتا چوں چنبرے
ایک سقہ کا ایک گدھا تھا — مشقت کی وجہ سے حلقہ کی طرح دہرا ہو گیا تھا

پشتش از بارِ گراں دہ جا ریش — عاشق و جویائے روزِ مرگ خویش
بھاری بوجھ کی وجہ سے اس کی کمر دس جگہ سے زخمی تھی — وہ اپنی موت کے دن کا جویاں اور عاشق تھا

جو کجا از کاہِ خشک او سیر نے — در عقب زخمے و سیخِ آہنے
جو کہاں ! وہ خشک گھاس سے بھی پیٹ بھرا نہ تھا — پیچھے زخم اور لوہے کی سیخ

میر آخر دید او را رحم کرد — کاشنائے صاحبِ خر بود مرد
اصطبل کے دارو غہ نے اسکو دیکھا، رحم کیا — کیونکہ وہ گدھے کے مالک کا شناسا تھا

پس سلامش کرد و پرسیدش ز حال — کز چہ ایں خر گشت دوتا ہمچو دال
اس کو سلام کیا اور اس سے حال پوچھا — کہ یہ گدھا دال کی طرح کیوں دہرا ہو گیا؟

گفت از درویشی و تقصیرِ من — کہ نمی یابد خور ایں بستہ دہن
اس نے کہا میری مفلسی اور کوتاہی سے — کیونکہ اس بے زبان کو جو نہیں ملتے ہیں

گفت بسپارش بمن تو روزِ چند — تا شود در آخرِ شہ زورمند
اس نے کہا اس کو چند دن کیلئے میرے سپرد کر دے — تاکہ شاہی اصطبل میں طاقتور بن جائے

خر بدو بسپرد و از زحمت برست — درمیانِ آخرِ سلطانش بست
اس نے گدھا اس کے سپرد کر دیا اور زحمت سے چھوٹ گیا — اس نے اس کو شاہی اصطبل میں باندھ دیا

خر زہر سو مرکبِ تازی بدید — با نوا و فربہ و خوب و جدید
گدھے نے ہر جانب عربی گھوڑے دیکھے — باسروسامان اور موٹے اور عمدہ اور نئے

زیرِ پاشاں رُوفتہ و آبے زدہ — کہ بوقت و جو بہنگام آمدہ
انکے پاؤں کی زمین جھاڑو دی ہوئی اور پانی چھڑکا ہوئی — گھاس اور جو بروقت حاضر

خارش و مالش مراپشاں را بدید — پوز بالا کرد کاے ربِّ مجید
گھوڑوں کی مالش اور کھریرا دیکھا — اس نے تھوتھنی اوپر اٹھا کر اے بزرگ پروردگار!

لہ عاشق۔ اس گدھے کو مصیبتوں کی وجہ سے موت کی تمنا تھی۔ جو کجا۔ اس گدھے کو جو تو درکنار خشک گھاس بھی پیٹ بھر نہ ملتی تھی اور ہر وقت لوہے کی سیخ سے پٹتا تھا جس سے اس کی پشت زخمی تھی میر آخور دارو غہ اصطبل۔ دال۔ حرف دال مڑی ہوئی شکل کا ہوتا ہے۔ بستہ دہن۔ بے زبان۔ آخر شہ۔ شاہی اصطبل۔

لہ خر۔ دھوبی کے گدھے نے شاہی اصطبل میں عربی گھوڑے دیکھے جو بہت عمدہ حالت میں تھے۔ زیر پا... اصطبل کی زمین پر چھڑکاؤ ہوتا اور گھاس اور دانہ بروقت سب گھوڑوں کو ملتا۔ خارش۔ ان کے بدن پر کھریرا پھرتا اور مالش ہوتی۔ پوز۔ اس گدھے نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا شروع کر دی کہ اللہ میاں میں بھی تیری مخلوق ہوں میں اس قدر مصیبت میں کیوں ہوں۔

نہ کہ مخلوقِ تو اَم گیرم خرم
کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں؟ مانا کہ میں گدھا ہوں

از چہ زار و پشت ریش و لاغرم
میں کس وجہ سے عاجز اور زخمی کمر اور لاغر ہوں

شب ز دردِ پشت و از جوعِ شکم
رات کو کمر کے درد اور پیٹ کی بھوک سے

آرزومندم بمُردن دمبدم
لمحہ بہ لمحہ میں مرنے کا آرزومند ہوں

حالِ ایں اَسپاں چنیں خوش بانوا
ان گھوڑوں کی ایسے ساز و سامان کے ساتھ عمدہ حالت

من چہ مخصوصم بتعذیب و بلا
میں عذاب اور مصیبت کے ساتھ مخصوص کیوں ہوں؟

ناگہاں آوازۂ پیکار شُد
اچانک جنگ کا اعلان ہو گیا

تازیاں را وقتِ زین و کار شُد
عربی گھوڑوں کی زین اور کام کا وقت آگیا

زخمہائے تیر خوردند از عدو
انھوں نے دشمنوں کے تیروں کے زخم کھائے

رفت پیکانہا در ایشاں سو بسو
جگہ جگہ ان میں تیر گھس گئے

از غزا باز آمدند آں تازیاں
وہ عربی گھوڑے جنگ سے لوٹے

اندر آخُر جملہ اُفتادہ سِتاں
اصطبل میں سب چت پڑے ہوئے تھے

پایہاشاں بستہ محکم با نوا
نوار سے اُن کے پاؤں مضبوط بندھے ہوئے تھے

نعلبنداں ایستادہ در قطار
نعلبند لائن میں کھڑے تھے

می شگافیدند تنہاشاں بنیش
انھوں نے نشتر سے اُن کے بدنوں میں چیرا دیا

تا بروں آرند پیکانہا ز ریش
تاکہ زخم سے تیر باہر نکالیں

چوں خر آں را دید میگفت اے خدا
جب گدھے نے انھیں دیکھا کہہ رہا تھا اے خدا!

من بفقر و عافیت دادم رضا
میں نے مفلسی اور آرام پر رضامندی دی

زاں نوا بیزارم و زیں زخم زشت
میں اُس سرو سامان سے اور اس بُرے زخم سے بیزار ہوں

ہر کہ خواہد عافیت دنیا بہشت
جس نے عافیت چاہی اُس نے دنیا چھوڑ دی

۵۳ شب۔ دن کی پٹائی سے رات بھر درد میں اور بھوک میں گذارتا ہوں اور ہر وقت موت کی تمنا کرتا ہوں یہ عربی گھوڑے کس قدر عیش و عشرت میں ہیں تونے مجھے مصائب کیلئے کیوں مخصوص کر دیا ہے۔

۵۱ ناگہاں۔ کچھ ہی دن بعد جنگ کا اعلان ہو گیا اور اُن عربی گھوڑوں پر زین کسے جانے کا موقع آگیا۔ زخمہا۔ یہ گھوڑے فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں گئے اور وہاں دشمنوں کے نیزوں اور تیروں سے زخمی ہوئے آخُر۔ جنگ سے واپس آکر یہ گھوڑے اصطبل میں چت گر گئے ...

پایہا ی۔ نعلبندوں نے اُن کے پاؤں نوار سے کسے اور تیر نکالنے کے لئے اُن کے بدنوں میں شگاف کرنے شروع کر دیئے۔

۵۲ چوں خر۔ دھوبی کے گدھے نے جب عربی گھوڑوں کی یہ حالت دیکھی تو دعا کرنے لگا کہ میں فقر اور عافیت پر راضی ہوں ساز و سامان کے ساتھ یہ زخم خوری مجھے منظور نہیں ہے۔ گفت۔ گدھے کی تقریر سن کر لومڑی نے کہا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ رزق تلاش کرو لہٰذا حلال رزق کی طلب حق ہے۔

شرح

لومڑی نے شیر سے کہا کہ میں حضور کی خدمت کروں گی اور میں ایسی تدبیریں کروں گی کہ شکار کو احمق بنا دوں گی۔ چالاکی اور منتر پھونکنا تو... میرا خاص کام ہے کیونکہ میرا کام ہی فریب دینا اور بے راہ کرنا

ہے - یہ کہہ کر وہ روانہ ہوگئی - وہ پہاڑ پر سے ندی کے طرف جارہی تھی کہ ایک بے
چارہ گدھا راہ میں اُسے مل گیا اُس نے اُسے نہایت تپاک سے سلام کیا اور آگے
بڑھ کر اس احمق فقیر کے پاس گئی وہاں جاکر اُس نے کہا کہ آپ اس خشک جنگل
میں پتھریلی زمین اور خشک مقام میں کیوں رہتے ہیں - گدھے نے جواب دیا کہ میں
مصیبت میں ہوں یا راحت میں - جس حال میں بھی ہوں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا
ہوں کیونکہ میرا یہ حصہ اسی نے مقرر کیا ہے - اور میں اس دوست کا بھلائی،
بُرائی ہر دو حالت میں شکر ادا کرتا ہوں - بھلائی میں شکر کرنا تو ظاہر ہے برائی
میں شکر اُس لئے کرتا ہوں کہ تقدیر الٰہی میں بُری حالت سے بھی زیادہ میری حالت ہے
پس میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے زیادہ بُرائی سے بچا لیا اور چونکہ
تقسیم کرنے والا وہ ہے اسلئے میں گلہ نہیں کرتا کیونکہ خدا کی شکایت کفر ہے بلکہ شکر
کرتا ہوں - اور صبر بھی جانتے ہیں کیونکہ صبر انعام خداوندی کا ذریعہ ہے یہ جواب
اس نے لومڑی کو دیا اور یہ بھی کہا کہ صبر فراخی کا ذریعہ ہے اسلئے میں صبر کرتا ہوں کیونکہ
صابروں کو تکلیف اور تنگی نہیں ہوتی - بلکہ ان کا صبر تکلیف کو کالعدم کر دیتا ہے -

الغرض! میں قسام ازل کی تقسیم پر راضی ہوں کیونکہ وہ عوام و خواص سب کا
مالک ہے اور سب کی خبر لیتا ہے اس کے انعام سے عوام و خواص سب متمتع ہیں اور وہ
وحوش اور کیڑوں سے مکوڑوں تک کو روزی دیتا ہے - ہوا میں پرندے اور پانی
میں مچھلیاں اپنا حصہ کھاتے ہیں اور چیونٹی اور سانپ تک اسکی نعمت کھاتے ہیں
اس کا خوان عالم کے اس سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا ہے اور
اس خوان پر مخلوق بیٹھی ہوئی متعجب ہے کیونکہ وہ اس میں سے کھاتے ہیں اور اس
میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی - اب مولانا مضمون ارشادی بیانیہ فرماتے ہیں کہ تم بتلاؤ کہ -

جہاں میں کون ہے جسے رزق نہیں ملتا - لامحالہ.. تم.. یہی کہو گے کہ کوئی نہیں
تو جب حق سبحانہٗ ایسے منعم اور ایسے محسن ہیں کہ ہر کسی کو لامحالہ رزق پہنچاتے ہیں
تو اگر تم زندہ ولی ہو تو تم کو خوش رہنا چاہیئے کیونکہ وہ ہر بندے کو روزی پہنچاتا ہے

لہٰذا تم کو بھی پہنچائے گا اور ہرگز شکایت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ جس سے تم شکایت کروگے وہ غیر خدا ہوگا اور غیر خدا دشمن ہے۔ پس یہ شکایت ہوگی دوست کی دشمن سے اور دوست کی شکایت دشمن سے کب اچھی بات ہے اور جو حالت بھی ہو۔ اس پر تم کو شاکر رہنا چاہیئے۔ تاکہ اس سے زیادہ برائی تم کو لاحق نہ ہو۔ ورنہ تم مصیبت میں یوں پھنس کر رہ جاؤ گے جیسے گدھا دلدل میں۔

اس مضمون کو ختم کر کے گدھے کے بیان کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گدھے نے کہا کہ میری تو یہ حالت ہے کہ جب تک مجھے چھاچھ (قوت لایموت) ملے میں شہد (عمدہ غذا) نہیں مانگتا۔ اسلیئے کہ ہر نعمت کے ساتھ ایک مصیبت ہوتی ہے اور جس طرح کوئی خزانہ بے سانپ کے اور کوئی گل بے خار کے نہیں ہے یوں ہی دنیا میں کوئی خوشی بے غم کے نہیں ہے پس میرا نعمت کی خواہش کرنا تمنا ہے اُس مصیبت کے جو اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

اسکے متعلق مجھے اپنے باپ کی ایک حکایت ہے سُنو! انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا ایک سقہ تھا اور اسکے پاس ایک گدھا تھا وہ گدھا تکلیف کے سبب حلقہ کی طرح ٹیڑھا ہوگیا تھا اور بھاری بوجھ کے سبب اس کی کمر متعدد مقامات سے زخمی تھی اور وہ مصیبت کے سبب اپنی موت کے دن کا عاشق اور اس کا طالب تھا۔ اُسے قوت کہاں نصیب تھی!..... گھاس بھی پیٹ بھر کر نہ ملتا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ آر کے کوچوں سے.. پیٹھ زخمی ہو رہی تھی اسکی یہ حالت دیکھ کر داروغہ اصطبل نے اس پر رحم کیا۔ کیونکہ وہ گدھے والے کا دوست تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک روز داروغہ مذکور سقے کے پاس آیا اور سلام کیا اور حالت دریافت کی اور کہا کہ یہ گدھا حرف دال کی طرح خمیدہ کیوں ہو رہا ہے اسنے جواب دیا کہ میری مفلسی ہے اور کمی معاش کے سبب۔ کیونکہ.. اس بے زبان کو جَو نہیں ملتے اس نے کہا کہ اچھا چند روز کے لیے ---------

تم اسے میرے حوالہ کر دو تاکہ یہ شاہی اصطبل میں رہ کر قوی ہو جائے اُسنے گدھا اسکے حوالے کر دیا۔ اور خود مصیبت سے چھوٹ گیا۔ داروغہ نے اسے لے جاکر شاہی اصطبل میں باندھ دیا۔ گدھے نے وہاں پہنچکر دیکھا کہ ہر طرف عربی گھوڑے کھڑے ہیں جو کہ باسامان اور موٹے تازے اور عمدہ اور نئے ہیں ان کا تھان صاف اور چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور وقت پر گھاس ملتا ہے اور وقت پر جَو آتے ہیں نیز اس نے دیکھا کہ... گھوڑوں کے کھرا کیا جاتا ہے اور ان کو ملا دلا جاتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر اُس نے آسمان کی طرف منہ کیا۔ اور... کہا کہ اے اللہ! رب مجید! مانا کہ میں گدھا ہوں مگر کیا تیری مخلوق نہیں ہوں۔ پھر کیا بات ہے کہ میں مصیبت زدہ ہوں اور میری کمر زخمی ہے اور دُبلا ہوں۔ اور رات کو پیٹھ کی تکلیف اور پیٹ کی بھوک سے ہر دم مرنے کا متمنی ہوں۔ مگر گھوڑوں کی جگہ ایسی اچھی اور باسامان ہے۔ پس میں اس عذاب اور مصیبت کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا ہوں اس کے بعد دفعۃً اعلانِ جنگ ہو گیا اور گھوڑوں پر زین کسے اور ان سے کام لینے کا وقت آگیا اور وہ دشمن کے مقابلہ پر بھیج دیئے گئے وہاں انہوں نے دشمن کے ہاتھ سے تیر کھائے اور ان کے جسموں میں ہر طرف پیکانیں گھس گئیں۔ آخر کار وہ جنگ سے واپس آئے اور اصطبل میں ان کو چت لٹایا گیا اور ان کے پاؤں نوار سے مضبوط باندھے گئے اور نعلبند قطار وقطار کھڑے ہوئے۔ ان کے جسموں کو نشتر سے چیرتے تھے تاکہ ان کے زخموں سے پیکانیں نکالیں .... جب گدھے نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ اے اللہ! میں فقر اور عافیت پر راضی ہوں اور انہیں ساز و سامان اور زخم سے برارت ظاہر کرتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص عافیت چاہے اس کو چاہیئے کہ دنیا کو چھوڑ دے اور تلذذات و نعمات کے پیچھے نہ پڑے۔ فائدہ: ہر کہ خواہد عافیت مولانا کا مقولہ ہے جو بطور انتقال کے ہے۔ واللہ اعلم)

جواب گفتن روباہ خر را
لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

گفت روبہ جُستنِ رزقِ حلال — فرض باشد از برائے امتثال
لومڑی نے کہا، حلال رزق کا تلاش کرنا — حکم بجا لانے کے لئے فرض ہوتا ہے

عالمِ اسباب و رزقِ بے سبب[۱] — می نیاید پس مہم باشد طلب
یہ عالمِ اسباب ہے اور بغیر سبب کے رزق — حاصل نہیں ہوتا ہے، تو طلب کرنا ضروری ہے

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللہ است امر — تا نیاید غصب کردن ہمچو نمر
"اور اللہ کا فضل طلب کرو" حکم ہے — تاکہ چیتے کی طرح چھیننا نہ پڑے

گفت پیغمبر کہ بر رزق اے فتیٰ — در فرو بستست و بر در قفلہا
پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ اے نوجوان! رزق کا — دروازہ بند ہے اور دروازے پر تالے ہیں

جنبش و آمد شد ما و اکتساب — ہست مفتاحے بر آں قفل و حجاب
ہماری حرکت اور آنا جانا اور کمانا — اُس تالے اور پردے کی کُنجی ہے

بے کلید[۲] ایں در گشادن راہ نیست — بے طلب ناں سُنّتِ اللہ نیست
بغیر کُنجی کے اِس دروازے کے کُھلنے کی راہ نہیں ہے — بغیر جستجو کے روٹی اللہ کی سنت نہیں ہے

گر تو بنشینی بچاہے اندروں — رزق کے آید برت اے ذوفنوں
اگر تو کنوئیں میں جا بیٹھے — تیرے پاس رزق کب آئیگا؟ اے صاحبِ تدابیر!

[۱] عالمِ اسباب۔ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں بلا تدبیر اور سبب اختیار کئے کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا ہے۔ وابتغوا۔ قرآن میں حکم ہے کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو۔ گفت۔۔۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے بند کردیئے ہیں اور دروازوں کو مقفل کردیا ہے انسان کی کوشش اور کمانا ان تالوں کی کنجی ہے

[۲] بے کلید۔ چابی کے بغیر کوئی تالا نہیں کھلتا ہے لہٰذا رزق حاصل کرنے کے لئے کمانا ضروری ہے۔ گر تو۔۔۔ لومڑی نے گدھے سے کہا اگر تو کنوئیں کے اندر جاکر بیٹھ جائے تو تیرے پاس رزق خود چل کر نہ آئے گا۔ گفت۔

شرح

لومڑی نے جواب دیا کہ روزی حلال کا تلاش کرنا اطاعت امرِ خداوندی کے لیے فرض ہے نیز عالم اسباب ہے اور رزق بے سبب کے حاصل ہوجائے ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا طلب ضروری ہے اسی لئے حق سبحانہٗ کا حکم ہے کہ وابتغوا من فضل اللہ جس کے معنی ہیں.. روزی تلاش کرو۔ پس تم کو روزی تلاش کرنا چاہیئے، اور چیتے کی طرح دوسروں کے مال پر خواہ مخواہ قبضہ کرنا نہیں چاہیئے۔

دیکھو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رزق کا دروازہ بند ہے اور اس پر قفل لگے ہوئے ہیں اور ہماری حرکت اور دوڑ دھوپ....

اور ہمارا کسب اس قفل کی کنجی ہے جس سے وہ کھلتا ہے اور بدوں طلب کے روزی ملنا خدا کی عادت نہیں ہے۔ دیکھو! اگر تم ایک کنوئیں میں بیٹھ جاؤ تو رزق تمہارے پاس کہاں سے آجائے گا۔ پس ان امور پر نظر کر کے تم کو رزق طلب کرنا چاہیئے۔

جواب گفتنِ آں خر روباہ را
اُس گدھے کا لومڑی کو جواب دینا

گفت از ضعفِ توکل باشد آں
اُس نے کہا توکل کی کمزوری سے یہ ہوتا ہے

ورنہ بدہد ناں کسے کو داد جاں
ورنہ وہ روٹی (بھی) دیتا ہے جس نے جان دی ہو

ہر کہ جوید بادشاہی و ظفر
جو شخص شاہی اور کامیابی چاہتا ہے

کم نیاید لقمۂ ناں اے پسر
اے بیٹا! (پہلے بھی) اسکے تئے روٹی کا لقمہ کم نہیں ہوتا ہے

دامّ و دَد جملہ شدہ اکالِ رزق
چرندے اور درندے سب رزق کھانیوالے ہیں

نے پئے کسب اند و نے حمالِ رزق
نہ وہ کمائی کے درپے ہیں، نہ رزق کو لادنے والے ہیں

جملہ را رزاق روزی می دہد
سب کو رزق دینے والا روزی دیتا ہے

قسمتِ ہر یک بہ پیشش می نہد
ہر ایک کا حصہ اُس کے سامنے رکھدیتا ہے

رزق آید پیشِ ہر کہ صبر جُست
جس نے صبر اختیار کیا رزق اُسکے سامنے آجاتا ہے

رنج و کوششہا ز بے صبری تست
محنت اور کوششیں تیری بے صبری کی وجہ سے ہیں

گدھے نے کہا کہ سبب کے بغیر رزق کا نہ آنا توکل نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اگر خدا پر پورا توکل کیا جائے تو رزق خود آتا ہے۔ ہر کہ۔ دنیا طلبی کے لئے جستجو کرنی پڑتی ہے ورنہ رزق تو خود پہنچتا ہے۔ دام و دام۔ چرنے والے جانور۔ اکال۔ زیادہ کھانے والا۔ رنج۔ چونکہ انسان بے صبر ہے اسلئے رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔

شرح اسکے جواب میں گدھے نے کہا کہ یہ باتیں توکل کی کمزوری کے سبب ہیں ورنہ جو بے طلب جان دیتا ہے وہ ہی بے طلب روٹی بھی دیگا۔ پس ہم کو توکل کو قوی کرنا چاہیئے۔ اور روٹی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیئے کیونکہ توکل اعلیٰ ہے اور جستجوئے رزق ادنی۔ طلب اعلیٰ کی ہونی چاہیئے ادنی خود مل جاتی ہے۔ مثلاً جو کوئی سلطنت اور فتح کا طالب ہوگا۔ روٹی اسے خواہ مخواہ مل جائیگی پس ہم کو پست ہمت کیوں بننا چاہیئے اور سلطنت کیوں نہ طلب کرنی چاہیئے۔

دیکھو! چرندے، درندے سب اپنی اپنی روزی کھاتے ہیں حالانکہ نہ وہ کسب کے درپے ہیں اور نہ روٹی کے پلے باندھے پھرتے ہیں۔ پس خدا سب کو روزی دیتا ہے

اور جس قدر اسکے لیے مقدر ہے اتنا اس کے سامنے رکھتا ہے اور جو شخص صبر اختیار کرتا ہے اسکو روٹی ضرور ملتی ہے۔ پس زحمت کسب اور رزق کے لیے... کوششیں یہ سب تمہاری بے صبری کا نتیجہ ہیں،

جوابِ گفتن روباہ خر را کہ من راضیم بہ قسمتِ خود

لومڑی کا گدھے کی اس بات کا جواب دینا کہ میں اپنے حصہ پر راضی ہوں

گفت روبہ[۳] آں توکل نادرست — کم کسے اندر توکل ماہرست
لومڑی نے کہا، یہ توکل نایاب ہے — بہت کم ہیں، جو توکل میں ماہر ہیں

گردِ نادر گشتن از نادانی ست — ہر کسے را کے رہِ سُلطانی ست
نایاب کا چکر لگانا نادانی ہے — ہر شخص کو شاہی کرنے کا راستہ کب میسر ہے؟

چوں قناعت را پیمبر گنج گفت — ہر کسے را کے رَسد گنجِ نہفت
جب کہ قناعت کو پیغمبرؐ نے خزانہ کہا ہے — ہر شخص کو چھپا ہوا خزانہ کب ملتا ہے؟

حدِ[۱] خود بشناس و بر بالا مپرّ — تا نیفتی در نشیبِ شور و شر
اپنا رتبہ پہچان اور اونچا نہ اُڑ — تاکہ تو شور و شر کے گڑھے میں نہ گرے

جہد کُن و اندر طلب سعیے نما — چوں نداری در توکل صبر را
محنت کر اور طلب میں کوشش کر — جبکہ تو توکل میں صبر نہیں کرسکتا ہے

[۳] گفت روبہ۔ لومڑی نے گدھے سے کہا اس قدر توکل کہ رزق خود آئے بہت کمیاب ہے ہر کسے۔ توکل کا یہ مرتبہ صرف شاہوں کو حاصل ہے۔ قناعت۔ آنحضورؐ نے قناعت اور صبر کو خزانہ سے تعبیر کیا ہے خزانہ ہر شخص کے ہاتھ نہیں آتا۔

[۱] حدِ خود۔ انسانوں کو اپنے رتبہ پر رہنا چاہیے ورنہ مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا جبکہ توکل کا مرتبہ حاصل نہیں ہے تو انسان کو رزق کی تلاش کرنی چاہیے۔ گفت خر۔ گدھے نے لومڑی سے کہا تو اُلٹی بات کرتی ہے توکل سے نہیں بلکہ لالچ سے شور و شر میں مبتلا ہوتی ہے۔

شرح

لومڑی نے کہا کہ جو حقیقی توکل ہے وہ شاذ و نادر ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو توکل کے ماہر ہیں۔ پس جبکہ توکل بہت... کم یاب ہے تو اس کا متلاشی ہونا حماقت ہے کیونکہ ہر کسی کو بادشاہی نہیں ملتی اور چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے اسلیے یہ خود دلیل ہے اسکی کمیابی کی۔ کیونکہ مخفی خزانہ ہر کسی کو نہیں ملتا۔ پس تم کو اپنے مرتبہ پر رہنا چاہیئے اور زیادہ بلند پروازی نہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم شور و شر کے گڑھے میں نہ گرو۔ اور چونکہ تم توکل کی حالت میں صبر نہیں کر سکتے۔ جس کی اس میں ضرورت ہے۔ لہٰذا تم کو کوشش کرنی چاہیئے اور طلب رزق میں سرگرم ہونا چاہیئے

بازجوابِ گفتنِ خر روباہ را
گدھے کا دوبارہ لومڑی کو جواب دینا

گفت خر معکوس میگوئی بداں
گدھے نے کہا، سمجھ لے تو نے اُلٹی بات کہہ دی ہے
شور و شر از طمع آید سوئے جاں
جان کی جانب شور و شر لالچ سے آتا ہے

از[۲] قناعت ہیچ کس بے جاں نشُد
قناعت سے کوئی شخص نہیں مرا ہے
از حریصی ہیچکس سُلطاں نشُد
لالچ کرنے سے کوئی شخص بادشاہ نہیں بنا ہے

ناں زخوکان و سگاں نبُود دریغ
رزق سوروں اور کتوں سے (بھی) رُکا ہوا نہیں ہے
کسبِ مردم نیست ایں باران و میغ
بارش اور اَبر انسانوں کی کمائی نہیں ہے

آنچنانکہ عاشقی بر رزق زار
جس طرح تو رزق کا عاشقِ زار ہے
ہست عاشق رزق ہم بر رزق خوار
رزق بھی، رزق کھانے والے کا عاشق ہے

گر تو نشتابی بیاید بر درت
اگر تو نہ دوڑے گا وہ تیرے در پر آئے گا
ور تو بشتابی دہد دردِ سرت
اگر تو دوڑے گا وہ تیرے سر میں درد کرے گا

[۳]در تقریرِ معنیِ توکل و حکایتِ آں زاہد کہ توکل را امتحان میکرد
توکل کے معنی کی تقریر اور اس زاہد کا قصہ جو توکل کا امتحان کرتا تھا اور

وَاز اَسباب منقطع شُد و از شہر بیروں آمد و از شوارع و
اسباب سے جدا ہوگیا تھا اور شہر سے باہر آگیا تھا اور راستوں اور

رہگذرِ خلق دُور شد و بپُس بُنِ کوہے مہجور در غایتِ گرسنگی
لوگوں کی رہگذر سے دُور ہوگیا تھا اور بے آباد پہاڑ کی جڑ کے نیچے انتہائی بھوک کی

سر بر سنگے نہاد و با خود گفت توکل کردم بر سبب سازی
حالت میں ایک پتھر پر سر رکھے ہوئے تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ (اے خدا) میں نے

رزاقِ تو و از اسباب منقطع شدم تا ببینم سببیت توکل را
تیری سبب سازی اور رزاقی پر توکل کیا ہے اور اسباب سے علیحدہ ہوگیا ہوں تاکہ میں توکل کے سبب بنانے کو دیکھوں

آں یکے زاہد شُنید از مصطفےٰ
ایک زاہد نے مصطفےٰ ﷺ (کی جانب) سے سُنا
کہ[۴] یقیں آید بجاں رزق از خدا
کہ جان کو رزق یقیناً پہنچتا ہے

گر بخواہی ور نخواہی رزقِ تو
خواہ تو چاہے، یا نہ چاہے، تیرا رزق
پیشِ تو آید دواں از عشقِ تو
تیرے عشق میں دوڑتا ہوا تیرے سامنے آجاتا ہے

از برائے امتحاں آں مرد رفت
اِمتحان کے لئے وہ شخص روانہ ہوا
در بیاباں نزدِ کوہے خفت تفت
جنگل میں پہاڑ کے پاس، جلدی جا سویا

---

۲ از قناعت۔ قناعت مُضر نہیں ہے اور حرص مفید نہیں ہے۔ ناں۔ رزق سوروں اور کتوں کو بغیر کمائے ملتا ہے بارش اور ابر انسانوں کی محنت کے بغیر ہوتی ہے۔ آنچناں۔ جس طرح انسان رزق پر عاشق ہے رزق بھی انسان پر عاشق ہے انسان صبر کرے تو وہ خود دوڑ کر آجاتا ہے۔

۳ در تقریر۔ ایک زاہد نے توکل کے سبب رزق ہونے کو آزمایا وہ شہر سے بہت دُور ایک پہاڑ کے نیچے جا بیٹھا شوارع۔ شارع کی جمع ہے، راستے۔ مہجور۔ یکہ و تنہا۔

۴ کہ۔ اس نے آنحضورؐ کی یہ بات سُنی تھی کہ رزق لامحالہ پہنچتا ہے رزق بھی انسان کا عاشق ہے۔ از برائے۔ آزمائش کے لئے یہ زاہد جنگل میں ایک پہاڑ کے پاس جا لیٹا۔

کہ ببینم رزق مے آید بمن
کہ میں دیکھتا ہوں رزق میرے پاس آتا ہے؟
تا قوی گردد مرا در رزق ظن
تاکہ رزق کے بارے میں میرا خیال مضبوط ہو جائے

کاروانے راہ گم کرد و کشید
ایک قافلہ نے راستہ گم کر دیا اور آ گیا
سوئے کوہ آں ممتحن[۲] را خفتہ دید
پہاڑ کی جانب اس آزمائش کرنیوالے کو سوتا دیکھا

گفت ایں مرد ایں طرف چون است عور
بولا یہ شخص اس طرف اکیلا کیوں ہے!
در بیاباں از رہ و از شہر دور
جنگل میں، راستہ اور شہر سے دور

اے عجب مردہ است یا زندہ کہ او
تعجب ہے، یہ مردہ ہے یا زندہ کہ وہ
می نترسد ہیچ از گرگ و عدو
بھیڑیئے اور دشمن سے بالکل نہیں ڈرتا ہے

آمدند[۳] و دست بروے می زدند
وہ آئے اور ہاتھ اس پر دھرا
قاصدا چیزے نگفت آں ارجمند
اس نیک بخت نے جان کر کچھ نہ کہا

ہم نجنبید و نجنبانید سر
ہلا بھی نہیں اور نہ سر ہلایا
وانکرد از امتحاں ہیچ او بصر
آزمانے کیلئے اس نے بالکل آنکھ نہ کھولی

پس بگفتند ایں ضعیف بے مراد
پھر انہوں نے کہا، یہ بے مراد کمزور
از مجاعت سکتہ اندر او فتاد
بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے

ناں بیاوردند و در دیگے طعام
وہ روٹی اور دیگچی میں کھانا لائے
تا بریزندش بحلقوم و بکام
تاکہ اس کے حلق اور تالوے میں ڈالدیں

پس بقاصد مرد دنداں سخت کرد
تو اس شخص نے جان بوجھ کر دانت بند کرئے
تا ببیند صدق آں میعاد مرد
تاکہ وہ شخص وعدہ کی سچائی دیکھ لے

رحم شاں آمد کہ ایں بس بینواست
ان کو رحم آیا کہ بہت بے سر و ساماں ہے
وز مجاعت ہالک مرگ و فناست
اور بھوک سے موت اور فنا میں تباہ ہے

کارد[۴] آوردند و قوم اشتافتند
وہ چھری لائے اور لوگ دوڑ پڑے
بستہ دندانہاش را بشگافتند
انہوں نے اس کے بند دانتوں کو کھولا

ریختند اندر دہانش شوربا
انہوں نے شوربا اس کے منہ میں ڈالا
می فشردند اندر و ناں پارہا
اس کے اندر انہوں نے روٹی کے ٹکڑے ملے تھے

گفت اے دل گرچہ خود تن میزنی
اس نے کہا اے دل! اگرچہ تو خاموش ہے
راز میدانی و نازے می کنی
تو راز جان گیا ہے اور ناز کر رہا ہے

گفت دل دانم بقاصد می کنم
دل نے کہا میں جانتا ہوں اور قصداً کر رہا ہوں
رازق اللہ است بر جان و تنم
میری جان اور جسم کا رزق دینے والا اللہ ہے

[۲] ممتحن۔ یعنی وہ زاہد جو توکل کی آزمائش کر رہا تھا۔ عور۔ ننگا، اکیلا۔

[۳] آمدند۔ وہ قافلہ والے اس کے پاس آئے اور اس کو ہلایا لیکن اس نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ از مجاعت۔ یعنی فاقہ کشی کی وجہ سے بیہوش ہو گیا ہے۔ قاصد۔ قصداً۔

[۴] کارد۔ چونکہ زاہد نے دانت بھینچ لئے تھے انہوں نے چھری کے ذریعہ اس کا منہ کھولا اور شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر اسکو کھلائے۔ گفت۔ اس زاہد نے اپنے دل سے کہا کہ تو راز کو جانتا ہے اور یہ آزمائش بطور ناز کے کر رہا ہے۔ گفت دل۔ دل نے جواب دیا کہ ہاں مجھے اس کا علم ہے کہ جان و جسم کا رازق اللہ ہی ہے۔ امتحان۔ مولانا فرماتے ہیں اس سے بہتر امتحان اور کیا ہوگا اس سے معلوم ہو گیا کہ صابروں کے پاس رزق خود چل کر آتا ہے۔ تا بدانی۔ یقیناً توکل اختیار کرنا چاہیئے حرص کرنا گدھا پن ہے۔

اِمتحاں زیں بیشتر خود چوں بُوَد
اس سے زیادہ کیا آزمائش ہوگی ؟

رزق سوئے صابراں خوش میرَوَد
صابروں کی جانب رزق اچھی طرح آتا ہے

تابدانی وز توکل نگذری
تاکہ تو سمجھ لے اور توکل سے درگذر نہ کرے

حِرص آوردن چہ باشد از خری
حرص کرنا کیا ہوتا ہے ؟ گدھے پن سے ہے

بعدازاں[2] بکشاد آں مسکیں دہن
اس کے بعد اس سکیں نے منہ کھول دیا

گفت کردم امتحانِ رزقِ من
کہا میں نے رزق کا امتحان کر لیا

ہرچہ گفتست آں رسولِ پاک جیب
جو کچھ اس پاک دل رسولؐ نے فرمایا

ہَست حق و نیست دروے ہیچ ریب
برحق ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو

[2] بعد ازاں۔ جب قافلہ والے جبراً اس زاہد کو کھانا کھلا چکے تو اس زاہد نے منہ کھولا اور کہا میں نے رزق کے معاملہ میں آنحضورؐ کے فرمان کو آزمایا وہ بالکل سچ ہے۔ تحریض۔ برانگیختہ کرنا۔ جُہد المُقِل۔ ناداری کی کوشش۔ دست۔ خدا نے تجھے اسی لئے دیئے ہیں کہ ہاتھوں سے کام کر۔ اپنا بھی بھلا کر اور کما کر دوسروں کی بھی مدد کر۔

شرح

گدھے نے کہا کہ دیکھ ! تو الٹی گفتگو کر رہی ہے۔ کہ قناعت کو موجب وقوع در فتنہ و فساد کہہ رہی ہے کیونکہ فتنہ و فساد طمع سے آدمی کو لاحق ... ہوتے ہیں نہ کہ قناعت سے اور تو جو مجھے ترک قناعت و اختیار حرص کے ترغیب دیتے ہیں اسکے متعلق میں کہتا ہوں کہ قناعت سے کوئی شخص مرتا نہیں اور محض حرص کے بدوں اعانتِ تقدیر الٰہی کوئی شخص بادشاہ نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں قناعت کو کیوں چھوڑا جائے اور حرص کو کیوں اختیار کیا جائے۔ روٹی تو سوروں اور کتوں کو بھی ملتی ہے پھر اس کے لیے دوڑ دھوپ کیوں کی جائے۔ اور بالفرض طلب رزق کے لیے کوشش بھی کی جائے تو اس میں بھی آخر میں توکل کی ضرورت ہے کیونکہ مبادی رزق غیر اختیاری ہیں مثلاً بارش اور ابر میں بندوں کے کسب کو کچھ دخل نہیں تو جبکہ کسب کا مآل بھی توکل ہی ہے۔ تو کسب کیوں گوارا کی جائے ابتدا ہی سے توکل کیوں نہ کر لیا جائے۔ جو ہمارے لئے رزق کا سامان کرتا ہے وہ پہنچا بھی دیگا یاد رکھو! جس طرح تم رزق پر عاشق ہو یونہی رزق ہی تم پر عاشق ہے۔ پس اگر تم اسکی طرف نہ دوڑو گے۔ تو وہ تمہاری طرف خود دوڑے گا اگر تم اسکی طرف دوڑو گے تو وہ تمہیں پریشان کریگا کیونکہ اس حالت میں وہ مطلوب ہے۔

عشق رزق کے ثبوت کے لیے ہم ایک واقعہ تم سے بیان کرتے ہیں سُنو! کسی زاہد نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ حق سبحانہٗ کی جانب سے رزق جاندار کو یقیناً پہنچتا ہے۔ پس خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ تمہارا رزق تمہارے عشق سے ضرور تمہارے پاس آئے گا۔ یہ سُنکر وہ شخص آزمائش کے لیے چلدیا اور جنگل میں ایک پہاڑ کے پاس جاکر لیٹ رہا۔ بدیں خیال کہ دیکھوں میرا رزق میرے پاس بھی آتا ہے تاکہ اگر وہ مجھے مل جائے تو میرا عقیدہ اور پختہ ہو جائے۔ اتفاق سے ایک قافلہ راستہ بھول گیا اور پہاڑ پر پہنچ گیا اور وہاں پہنچکر آزمائش کرنیولے کو سوتا پایا اُس وقت اُنھوں نے کہاکہ یہ آدمی یہاں جنگل میں؛ رستہ اور شہر سے دور بے سرو سامان کیوں پڑا ہے نہیں معلوم کہ یہ مردہ ہے یا زندہ۔ اگر زندہ ہے تو تعجب ہے کہ وہ بھیڑیے اور دشمن سے بھی نہیں ڈرتا۔ یہ خیال کرکے وہ لوگ آئے اور اُسے ٹٹولنا شروع کیا اُس نے قصداً کچھ نہ کہا۔ اور خاموش رہا نہ اُس نے حرکت کی اور نہ سر ہلایا اور آزمائش کے سبب اس نے آنکھ بھی نہ کھولی۔ جب انہوں نے دیکھاکہ زندہ تو ہے مگر حرکت نہیں کرتا تو انہوں نے کہا کہ یہ بے مراد ناتواں بھوک کے سبب بے حس و حرکت ہو گیا ہے۔ یہ خیال کرکے وہ ایک دیگچی میں کھانا لائے تاکہ اس کے حلق میں ٹپکا دیں۔

یہ حالت دیکھ کر اُس نے قصداً دانت بھینچ لئے تاکہ اُس وعدہ کی سچائی اُس پر پورے طور پر روشن ہو جائے اُس سے انکو اور بھی رحم آیا اور انہوں نے خیال کیاکہ یہ چارہ بہت ہی ناتواں ہے اور بھوک کے سبب لب دم ہے پس وہ لوگ دوڑ کر چھری لائے اور اُس کے بند دانتوں کو کھولا۔ اور اُس کے منہ میں شوربا ٹپکا دیا اور روٹی کے ٹکڑے اس میں ٹھونس دیئے یہ حالت دیکھ کر اُس نے اپنے دل سے کہا۔ کہ اے دل! اب کیوں خاموش ہے تو راز جانتا ہے اور ناز کرتا ہے تجھے ایسا نہ چاہیئے دل نے کہاکہ جی ہاں! میں جانتا ہوں مگر قصداً ایسا کرتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ خدا مجھے روزی پہنچا رہا ہے۔
اب تم سمجھو کہ اس سے زیادہ امتحان کیا ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ صابرین

کے پاس رزق خود آتا ہے - یہ قصہ ہم نے اسلیئے بیان کیا ہے کہ تم سمجھو! اور توکّل کو نہ چھوڑو - کیونکہ ایسے واقعات کے ہوتے ہوئے روٹی کے لیے حرص کرنا محض بے معنی ہے - خیر اسکے بعد اُس نے منہ کھولا اور کہا کہ میں نہ بھوکا ہوں نہ کمزور! میں نے اپنے رزق کا امتحان کیا تھا - پس ثابت ہوا کہ جو کچھ اُس پاک دامن رسول نے کہا تھا بالکل سچ ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے -

باز جواب گفتن روباہ خر را و تحریض کردن اُو خر را بکسب

لومڑی کا پھر گدھے کو جواب دینا اور اُس کو کمائی کی رغبت دلانا

گفت روبہ ایں حکایت را بہل
لومڑی نے کہا اس قصّہ کو چھوڑ

دست ہا در کسب زن جہد المقل
غریبانہ کوشش سے کمائی کے لئے ہاتھ چلا

دست داد ستت خدا کارے بکُن
خدا نے ہاتھ دیئے ہیں، کچھ کام کر

مکسبے کُن یاریِ یارے بکُن
کما، کسی دوست کی مدد کر

ہر کسے در مکسبے پا می نہد
جو شخص کمائی میں قدم دھرتا ہے

یاریِ یاران دیگر میکند
دوسرے دوستوں کی مدد کرتا ہے

زانکہ جملہ کسب نآید از یکے
اسلیئے کہ سارے پیشے ایک شخص سے نہیں ہوتے ہیں

ہم درو گر ہم سقا ہم حائکے
بڑھئی بھی ہو، سقا بھی، بُننے والا بھی

چوں بانباز ست عالم بر قرار
دنیا شرکت سے قائم ہے

ہر کسے کارے گزیند ز افتقار
ضرورت کی وجہ سے ہر شخص ایک پیشہ کرتا ہے

طبلخواری در میانہ شرط نیست
لوگوں میں بیٹھ رہنا مناسب نہیں ہے

راہِ سنّت کار و مکسب کردنیست
سنّت کا راستہ، کام اور کمائی کرنا ہے

جواب گفتن خر روباہ را کہ توکّل بہترین کسبہا کہ ہر کسے محتاج ست

گدھے کا لومڑی کو جواب دینا کہ توکّل بہترین کمائی ہے کیونکہ ہر شخص توکّل کا محتاج ہے

بتوکّل کہ اے خدا ایں کار من راست دار و دُعا متضمّن توکّل ست و

کہ اے خدا میرے اس کام کو سیدھا کر اور دعا توکّل پر مشتمل ہے اور

توکّل کسبے ست کہ بہیچ کسبے دیگر محتاج نیست

توکّل وہ کمائی ہے جو کسی دوسری کمائی کی محتاج نہیں ہے

۴ہ ہر کسے - معاشرے میں ہر شخص دوسرے کی کمائی کا محتاج ہے ہر پیشہ ہر شخص نہیں کر سکتا ہر پیشہ ور کما کر دوسرے کی مدد کرتا ہے - درو گر - بڑھئی، اپنے پیشے سے ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جن سے یہ کام نہیں آتا

[illegible]

لہ چوں - دنیا کا سارا شوربا بھی امداد سے قائم ہے - طبلخواری - پیٹ بھن، شکم پروری - راہ - سنّت طریقہ بھی ہے کہ انسانوں کو کسب کرنا چاہیئے - جواب گفتن - گدھے نے کہا توکّل بھی ایک پیشہ ہے اور ایسا پیشہ ہے کہ دوسرے پیشے اس کے محتاج ہیں اس لئے کہ ہر پیشہ ور اپنے اسباب ختم کر کے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتا ہے اور یہ دعا توکّل پر مبنی ہے اور توکّل خود ایسی چیز ہے کہ اُس میں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے -

گفت من بہ از توکل بر ربے
اُس نے کہا میں خدا پر توکل سے بہتر

می ندانم در دو عالم مکسبے [۲]
دونوں جہان میں کوئی کمائی بہتر نہیں جانتا ہوں

کسبِ شکرش را نمی دانم ندید
اُسکا شکر یہ ادا کرنے کی کمائی کی میں کوئی نظیر نہیں جانتا ہوں

تا کشد شکرِ خدا رزقِ مزید
حتّٰی کہ اللہ کا شکر مزید رزق کو کھینچ لاتا ہے

خود توکل بہترین کسبہاست
خود توکل بہترین کمائیوں میں سے ہے

زانکہ در ہر کسب دستت بر خداست
کیونکہ ہر کمائی میں تو خدا کی جانب ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے

کاے خدا کارِ مرا تو راست آر
کہ اے خدا! تو میرے کام کو درست کر دے

ویں دعا ہست از توکل در سرار
در اصل یہ دعا توکل ہی ہے، ہم نے

در توکل ہیچ نبود احتیاج
توکل میں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی ہے

فارغی از نقصِ ریع [۳] و از خراج
تو پیداوار اور آمدنی کے گھٹاؤ سے فارغ ہے

بحثِ شاں بسیار شد اندر خطاب
بات چیت میں ان کی بہت بحث ہوئی

ماندہ گشتند از سوال و از جواب
وہ سوال اور جواب سے تھک گئے

جوابِ گفتنِ روباہ خر را
لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

بعد ازاں گفتش کہ اندر تہلکہ
اسکے بعد اُس نے اُس سے کہا کہ ہلاکت میں ڈالنے کے بارے میں

نہی لا تُلقُوا بِاَیدِی تَہلُکہ
اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، کی نہی (وارد ہوئی) ہے

صبر در صحرائے خشک و سنگلاخ
خشک اور پتھریلے جنگل میں صبر کرنا

احمقی باشد جہانِ حق فراخ
حماقت ہے، اللہ کی دنیا وسیع ہے

نقل کن زیں جا بسوئے مرغزار
اس جگہ سے سبزہ زار میں منتقل ہو جا

می چرا آنجا بسبزہ گردِ جوئبار [۱]
وہاں چشمے کے کنارے پر سبزہ چر

مرغزارِ سبز مانندِ جناں
جنتیوں کی طرح کا سبزہ زار

سبزہ رستہ اندر آنجا تا میاں
وہاں کمر تک سبزہ اُگا ہوا ہے

خرم آں حیواں کہ او آنجا رود
وہ جانور خوش نصیب ہے جو وہاں چلا جائے

اُشتر اندر سبزہ ناپیدا شود
(اُس) سبزہ میں اونٹ چھپ جاتا ہے

ہر طرف در وے یکے چشمہ رواں
اس میں ہر جانب ایک چشمہ جاری ہے

اندر و حیوان مرفّہ در اماں
وہاں حیوان امن میں خوش عیش ہے

از خری او را نمیگفت اے لعیں
گدھے پن سے اسکو نہیں کہتا تھا کہ اے ملعون!

چوں از آنجائی چرا زاری چنیں
جبکہ تو اُس جگہ کی ہے، ایسی کمزور کیوں ہے؟

---

[۲] مکسب - پیشہ - کمائی۔ نظیر، مثال۔ تا کشد، قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ اگر تم شکر کروگے تو ہم اور زیادہ دیں گے۔ خود توکل۔ توکل بھی کمائی کا ایک طریقہ ہے اور ایسا طریقہ ہے کہ دوسرے طریقوں میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں کسی دوسرے پیشہ کی ضرورت نہیں۔ انسان جو بھی طریقہ اختیار کرتا ہے اس میں دعا کرتا ہے اور خدا پر بھروسہ کا اظہار کرتا ہے۔

[۳] ریع - پیداوار - خراج - آمدنی - بستا زاں۔ لومڑی نے کہا ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت ہے۔

[۱] جوئبار، چشمہ۔ مرغزار، سبزہ زار۔ وہاں ایسا سبزہ زار ہے جیسا جنت میں ہوگا۔ کمر کمر تک سبزہ اُگا ہوا ہے۔ اُشتر، اتنا اونچا سبزہ ہے جس میں اونٹ غائب ہو جاتا ہے۔ مرفہ، خوش عیش۔ از خری، گدھا بہرحال گدھا تھا مولانا فرماتے ہیں بس یہ نہ ہوا کہ لومڑی سے کہتا کہ اگر تیرا بیان صحیح ہے تو تو کیوں بدحال ہے۔

گو نشاطِ فربہی و فرِ تو
تیری شان و شوکت اور موٹاپے کی خوشی کہاں ہے؟

چیست ایں لاغرتنِ مضطرِ تو
تیرا پریشان اور کمزور جسم کیوں ہے ؟

شرح روضہ گر دروغ و زور نیست
اگر باغیچہ کی تفصیل جھوٹ اور فریب نہیں ہے

پس چرا چشمت ازاں مخمور نیست
تو تیری آنکھیں اُس سے مست کیوں نہیں ہیں؟

ایں گدا چشمی و ایں نادیدگی
یہ بھکاری پن اور ندیدہ پن

از گدائی تست نز بگلربگی
بھکاری ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ سرداری سے

چوں ز چشمہ آمدی چونی تو خشک
جبکہ تو چشمہ سے آئی ہے تو خشک کیوں ہے؟

گر تو نافِ آہوئی کو بوئے مشک
اگر تو ہرن کا نافہ ہے تو مشک کی خوشبو کہاں ہے؟

گر تو می آئی ز گلزارِ جناں
اگر تو جنتوں کے باغیچے سے آرہی ہے

دستۂ گل کو برائے ارمغاں
تحفہ کے لئے گلدستہ کہاں ہے ؟

زانچہ میگوئی و شرحش میکنی
تو جو کچھ کہہ رہی ہے اور اسکی تفصیل کررہی ہے

چوں نشانے در تو نامد اے سنی
اے سنی! تجھ میں اُس کی کوئی نشانی کیوں نہیں ہے؟

لہ گرتو۔ گدھا لومڑی سے کہتا کہ اگر وہ جنگل اِن خوبیوں کا ہے جو تو بیان کررہی ہے تو اُس جنگل کے اچھے آثار تجھ پہ کیوں نہیں ہیں اور تو کیوں لاغر اور کمزور ہے۔ پس چرا۔ اُس جنگل کی نعمتوں سے تیری نگاہیں مست ہونی چاہئیں۔ ایں۔ تیرا ندیدہ پن تو گداگری کی وجہ سے ہے سرداری کی وجہ سے نہیں ہے۔ بگلربگی۔ امیرالامرائی۔

ٹہ گرتو۔ گدھا لومڑی سے کہتا کہ اگر تو جنت کے باغیچہ سے آرہی ہے تو تیرے ہاتھ میں تحفہ کے لئے گلدستہ ہونا چاہیئے تھا۔ زانچہ۔ تونے جو باتیں بتائیں اُن سے تیرے اندر نشان کیوں نہیں ہے

شرح

لومڑی نے گدھے کی گفتگو سن کر جواب دیا کہ اس حکایت کو چھوڑنا چاہیئے ------۔ اور گو تھوڑا ہی سہی مگر حسب قدر بھی قدرت ہے کسب کرنا چاہیئے۔ خدا نے ہاتھ دیئے ہیں سو اسی لئے کہ کام کرو۔ اور کسب کرکے اپنے ابنائے جنس کی مدد کرو۔ دیکھو! ہر کوئی ایک جداگانہ کام کرتا ہے اور اپنے دوسرے ابناں جنس کی مدد کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے کیونکہ تمام کام ایک شخص نہیں کرسکتا اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بڑھئی ہی ہوجائے اور سقا بھی اور جولاہا بھی وغیرہ وغیرہ اور چونکہ عالم مشارکت فی الکسب اور ایک دوسرے کی اعانت سے قائم ہے لہٰذا ہر کوئی ایک جداگانہ کام اور پیشہ اختیار کرتا ہے مثلاً کوئی بڑھئی کا پیشہ کرتا ہے کوئی لوہار کا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی حالت میں تم کو بیٹھے بٹھائے کھانا مناسب نہیں ہے پس تم کو کوئی نہ کوئی کام ضرور کرنا چاہیئے کیونکہ طریق سنت کام کرنا اور کمانا ہے۔

شرح لومڑی کے جواب میں گدھے نے کہا کہ توکّل خود ایک کسب ہے اور میں اس سے بہتر دنیا میں کوئی کسب نہیں دیکھتا کیونکہ کسب کا حاصل

اختیار طریق رزق ہے۔ اور توکل خود بھی حصولِ روزی ------ کا ایک ذریعہ ہے۔ اسلئے یہ بھی ایک کسب ہے اور چونکہ اس میں براہِ راست استعانت من اللہ ہے اور دیگر مکاسب میں بواسطہ اس لیے یہ اُن سے... بڑھ کر ہی ہے دوسری بات یہ ہے کہ میں تمام جھگڑوں سے فارغ ہو کر طاعت حق میں مصروف ہوں جو کہ اس کا شکر ہے۔ پس سے میں بحالت توکّل کسب شکر میں مصروف ہوں اور اس کے برابر کوئی کسب نہیں سمجھتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بحکمِ لَئِن شکرتم لازیدنکم میرا شکر خدا بہت سا رزق میرے پاس لائے گا۔ اچھا اسکو بھی جانے دیجئے۔ اب میں کہتا ہوں کہ تمام مکاسب میں سب سے بڑھ کر اور سب سے بہتر توکل ہے کیونکہ ہر کسب میں تم خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو اور کہتے ہو کہ اے اللہ! تو میرے کام کو درست کر دے۔ اور دعا حقیقت میں توکل ہے پس ہر کام کا مدار توکل پر ہُوا۔ پس جبکہ ہر کام کا مدار توکل ہی پر ہے تو میں کام کر کے توکل کیوں کروں اور اسلیے ہاتھ سے ناک کیوں نہ کروں بلکہ براہِ راست ہی توکل کیوں نہ کروں بالخصوص کہ توکل میں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ اس میں کمی پیداوار کی فکر ہے اور نہ ادائیگی خراج کی۔ الغرض ان کی بہت کچھ بحث ہوئی حتیٰ کہ سوال و جواب سے تھک گئے

شرح جبکہ بہت کچھ بحث ہو چکی اور ہر دو فریق تھک گئے تو اس کے بعد لومڑی نے آخری تقریر کی اور کہا کہ ہلاکت کے باب میں تم

حق سبحانہٗ کی ممانعت اور ارشاد لَا تُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلَی التَّهلُکَۃِ پر غور کرو۔ اور سمجھو کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے پس سے اس خشک جنگل اور پتھریلی زمین میں صبر کرنا جو کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے سخت حماقت ہوگا۔ خدا کی زمین وسیع ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ اس قدر وسعت کے ہوتے ہوئے اس مقام پر اپنے کو محبوس

کر دیا جائے۔ تم کو یہاں سے فلاں سبزہ زار میں چلنا چاہیئے اور وہاں ندی کے کنارے سبزہ چرنا چاہیئے وہ سر سبز سبزہ زار ہے جو کہ جنت کے مشابہ ہے اور وہاں کمر کمر تک سبزہ اگا ہوا ہے بڑی خوشی ہے اس جانور کے لیے جو وہاں جائے کیونکہ وہاں سبزہ میں اونٹ گم ہو جاتا ہے۔ اس قدر کثرت ہے اور ہر طرف چشمے جاری ہیں غرضکہ وہاں جانور خوشحال اور تکالیف سے بالکل مامون ہوتا ہے یہاں تک لومڑی کی گفتگو ختم ہوئی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گدھے نے اپنے گدھے پن سے اس سے یہ نہ کہا کہ مردود جب تو ایسے سبزہ زار میں رہتی ہے تو پھر تو اس قدر تباہ حال کیوں ہے تیری فربہی کی نشاط اور تیری شان وشوکت کہاں ہے اور یہ ڈگمگاتا ہوا جسم لاغر کیوں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ تو اس چمنستان کے حالات بیان کرتی ہے سب جھوٹ اور فریب ہیں کیونکہ اگر باغ کی یہ تفصیل واقعی ہے اور جھوٹ اور فریب نہیں ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تیری آنکھوں میں اس کا نشہ کیوں نہیں ہے یہ گداچشمی اور ندیدہ پن۔ تو مفلسی ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ ریاست وامارت سے پس میں پوچھتا ہوں کہ جب تو چشمہ میں سے آئی ہے تو سوکھی کیوں ہے اور اگر تو نافہ ہے تو بتا بوئے مشک کہاں ہے اور اگر تو باغ جنت سے آئی ہے تو تحفہ کے لیے تیرے پاس گلدستہ کہاں ہے۔ غرضکہ جس سبزہ زار کی تو حالت بیان کرتی اور جس کی تو شرح کرتی ہے اسکے آثار تیرے اندر کیوں نہیں ہیں۔ کسی نے اونٹ سے کہا تھا کہ اے مبارک قدم تو کہاں سے آرہا ہے اسنے جواب دیا کہ تمہاری گلی کے گرم حمام سے۔ اس نے سنکر کہا کہ بجا ارشاد ہے خود آپکے گھٹنے ہی کہہ رہے ہیں کہ آپ حمام سے آرہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تو جھوٹا ہے اور تیرا حال تیرے قال کو جھٹلا رہا ہے۔

مثل آوردنِ اشتر در بیانِ آنکه در مخبر دولتے فرو اثرِ آں جو

اونٹ کی مثال لانا، اِس بارے میں کہ اقبالمندی کی بات کرنیوالے میں اسکی شان ہو

نہ بینی جائے متہم داشتن باشد کہ او مقلدست دراں

اور اثر اگر تو نہ دیکھے تو تہمت لگانے کا موقع ہوگا کہ وہ اس بارے میں مقلد ہے

آں یکے میگفت اشتر را کہ ہے — از کجامی آئی اے اقبال پے

ایک نے اونٹ سے کہا کہ ہاں — اے مبارک قدم! تو کہاں سے آرہا ہے؟

گفت[1] از حمامِ گرمِ کوئے تو — گفت خود پیداست از زانوئے تو

اس نے کہا، تیری گلی کے گرم حمام میں سے — اُس نے کہا، کہ تیری ران سے خود ظاہر ہے

مارِ موسیٰؑ دید فرعونِ عنود — مُہلتے میخواست نرمی می نمود

سرکش فرعون نے (حضرت) موسیٰؑ کا سانپ دیکھا — مُہلت چاہنے لگا اور نرمی برتتا تھا

زیرکاں گفتند بائستے کہ ایں — تُند تر گشتی چو ہست او ربِّ دیں

عقلمندوں نے کہا، چاہیئے تھا کہ یہ — زیادہ برہم ہوجاتا اگر مذہب کا خدا ہے

معجزہ گر اژدہا گر مار بُد — نخوت و خشمِ خدائیش چہ شُد

معجزہ خواہ اژدھا یا سانپ تھا — اُس کا خدائی غصہ اور تکبر کہاں گیا!

ربِّ اعلیٰ گر ویست اندر جلوس — بہرِ یک کرمے چہ ست ایں چاپلوس

اگر وہ تخت پر بلند خدا ہے — تو ایک کیڑے کی وجہ سے یہ خوشامد کیسی ہے؟

نفسِ[2] تو تا مستِ نُقل ست و نبید — دانکہ روحت خوشۂ غیبی ندید

تیرا نفس جب تک چبینے اور شراب کا مست ہے — سمجھ لے کہ تیری روح نے غیبی خوشہ نہیں دیکھا ہے

کہ علامات ست زاں دیدارِ نُور — اَلتَّجَافِیْ مِنْکَ عَنْ دَارِ الْغُرُوْر

کیونکہ اُس نور کے دیدار کی علامتیں ہیں — دھوکے کے جہان سے تیرا بچاؤ

مُرغ چوں بر آبِ شورے می تند — آبِ شیریں را ندیدست او مدد

پرند جب کھاری پانی کا چکر لگائے — اُس نے میٹھے پانی کی مدد نہیں دیکھی ہے

بلکہ[3] تقلیدست آں ایمانِ او — رُوئے ایماں را ندیدہ جانِ او

بلکہ اُس کا وہ ایمان نقلی ہے — اُس کی جان نے ایمان کا چہرہ نہیں دیکھا ہے

پس خطر باشد مقلد را عظیم — از رہ و رہزن زشیطانِ رجیم

لہٰذا مقلد کے لئے بڑا خطرہ ہے — راستہ اور ڈاکو کا ملعون شیطان کی جانب سے

چوں ببیند نورِ حق ایمن شود — ز اضطراباتِ شکِ او ساکن شود

جب وہ اللہ (تعالیٰ) کا نور دیکھ لیتا ہے مطمئن ہوجاتا ہے — وہ شک کی پریشانیوں سے سکون پالیتا ہے

مثل۔ اِس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کی حالت اُس کے قول کی تردید کردیتی ہے۔

[1] گفت۔ ایک شخص نے اونٹ سے دریافت کیا آپ کہاں سے آرہے ہیں اُس نے کہا تیرے محلہ کے حمام میں سے غسل کرکے آرہا ہوں اُس اونٹ کی رانیں سنی ہوئی تھیں وہ طنزاً بولا ہاں تمہاری رانیں تمہاری بات کی تصدیق کررہی ہیں۔ مارِ موسیٰؑ۔ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کے اژدھے کو دیکھ کر فرعون کی جو حالت ہوئی اُس نے خود اپنے خدائی کے دعوے کی تردید کردی۔ جلوس یعنی تختِ شاہی پر جلوس کے وقت۔

[2] نفسِ تو۔ جب تک انسان دنیاوی لذتوں کی طرف مائل ہے تو اُس نے اُخروی نعمتوں کی لذت نہیں چکھی ہے اب اگر وہ اس حالت میں کمال کا مدعی ہو تو خود اُس کا عمل اُس کی تکذیب کردیگا اور اُس کا دعویٰ فرعونی دعویٰ ہوگا۔ کہ۔ آخرت کے نور کے دیدار کی علامت یہی ہے کہ انسان دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے۔ مرغ۔ جو پرند کھاری پانی کا چکر کاٹتا ہے یقیناً اُس نے میٹھا پانی نہیں دیکھا ہے۔

[3] بلکہ۔ دنیادار کا ایمان محض تقلیدی ہے مشاہدہ پر مبنی نہیں ہے۔ پس خطر۔ تقلیدی ایمان والا بہت جلد شیطان کے بہکانے میں آجاتا ہے۔ چوں بہ بیند۔ تحقیقی ایمان کے بعد شکوک و شبہات زائل ہوجاتے ہیں۔

تا کفِ[1] دریا نیاید سوئے خاک — کاصلِ او آمد بود در اصطکاک

جب تک دریا کا جھاگ زمین پر نہیں آجاتا — جو اُس کی اصل ہے، وہ اضطراب میں رہتا ہے

خاکی ست آں کف غریب اندر آب — در غریبی چارہ نبود ز اضطراب

وہ جھاگ خاکی ہے، پانی میں بے وطن ہے — بے وطنی میں اضطراب سے چھٹکارا نہیں ہے

چونکہ چشمش باز شد آں نقش خواند — دیو را بر وے دگر دستے نماند

جب اُس کی آنکھ کھلی، اُس نے وہ نقش پڑھ لیا — شیطان کا پھر اُس پر قابو نہ رہا

گرچہ بارو باہ خر اسرار گفت — سرسری گفت و مقلد وار گفت

اگرچہ گدھے نے لومڑی کو اسرار سنائے — سرسری طور پر، کہے اور مقلدانہ کہے

آب[2] را بستود او تائق نبود — رخ درید و جامہ او عاشق نبود

اُس نے پانی کی تعریف کی، مشتاق نہ تھا — منہ نوچا اور کپڑے پھاڑے، عاشق نہ تھا

از منافق عذر رد آمد نہ خوب — زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

منافق کا عذر مردود ہے، بھلا نہیں ہے — کیونکہ وہ لبوں پر ہے، دلوں میں نہیں ہے

بوئے سیبش ہست و جزوِ سیب نے — بود در او جز ازپئے آسیب نے

اس میں سیب کی خوشبو ہے اور سیب کا جز نہیں ہے — اس میں خوشبو، ستانے کے سوا نہیں ہے

حملۂ زن[3] در میانِ کارزار — نشکند صف بلکہ گردد کارزار

میدان جنگ میں عورت کا حملہ — صف شکن نہیں ہے، بلکہ کام بگڑ جاتا ہے

گرچہ می بینی چو شیر اندر صفش — تیغ بگرفتہ ہمی لرزد کفش

اگر تو اُس کو صف میں شیر کی طرح دیکھے — اس نے تلوار پکڑی ہے (لیکن)، اُس کا ہاتھ لرز رہا ہے

وای آنکہ عقلِ او مادہ بود — نفسِ زشتش نر و آمادہ بود

اُس پر افسوس ہے جس کی عقل، مادہ ہو — اُس کا بُرا نفس نر اور آمادہ ہو

لاجرم مغلوب باشد عقلِ او — جز سوئے خسراں نباشد نقلِ او

لامحالہ اُس کی عقل مضطرب ہوگی — ٹوٹے کے سوا اُس کی منتقلی نہ ہوگی

حملۂ مادہ بصورت ہم جری ست — آفتِ او ہمچو آں خر از خری ست

مادہ کا حملہ دیکھنے میں ہی بہادرانہ ہے — اُسکی مصیبت بھی اُس گدھے کی طرح گدھے پن سے ہے

وصفِ حیوانی بود بر زن فزوں — زانکہ سوئے رنگ و بو دارد رکوں

عورت پر حیوانی وصف غالب ہوتا ہے — کیونکہ اس کا میلان رنگ اور بو کی طرف ہوتا ہے

---

[1] کفِ دریا۔ دریا کی سطح پر جو خشکی کی چیزیں ہوتی ہیں جب تک وہ دریا میں رہتی ہیں اُنہیں اضطراب طاری رہتا ہے جب وہ ساحل سے لگ جاتی ہیں جو اُن کی اصل ہے تو ساکن ہوجاتی ہیں۔ چونکہ۔ جب مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے تو پھر اُس پر شیطان قابو نہیں پاتا ہے۔ گرچہ۔ گدھے نے لومڑی سے حقائق پر مبنی تقریریں کیں لیکن اُسکی ساری باتیں تقلیدی تھیں لہٰذا لومڑی کے جھانسے میں آگیا۔

[2] آب۔ گدھے کی باتیں ایسی ہی تھیں جیسے کوئی شخص پانی کی تعریفیں کرے لیکن خود پیاسا نہ ہو، عاشق کا حلیہ بنائے اور حقیقتاً عاشق نہ ہو۔ از منافق۔ منافقین عذر پیش کرتے تھے لیکن وہ عذر حقیقت پر مبنی نہ ہوتے تھے لہٰذا مردود تھے۔ بوئے۔ منافقین مومنین کی خو بو پیدا کرلیتے تھے لیکن اُن میں ایمان نہ ہوتا تھا اور خو بو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے اختیار کرلیتے تھے۔

[3] حملۂ زن۔ لومڑی اور گدھے کے معرکہ میں گدھے کے حملے ایسے ہی تھے جس طرح میدانِ جنگ میں عورت کا حملہ۔ تیغ بگرفتہ۔ عورت ہاتھ میں تلوار تو لے لیتی ہے لیکن اُس کا دل لرزتا ہے۔ وای۔ جس شخص کی عقل مادہ ہو اور نفس نر ہو اس کی تباہی لازمی ہے۔ لاجرم۔ زنانہ عقل لامحالہ مردانہ نفس سے مغلوب ہوجائے گی۔ حملۂ مادہ۔ عورت کے حملہ کا انجام وہی ہوتا ہے جو گدھے کے حملوں کو تھا کہ آخر میں لومڑی نے اُس کو پھنسالیا۔

اے خنک آنکس کہ عقلش نر بود
وہ شخص قابلِ مبارکباد ہے جس کی عقل نر ہو

عقلِ جزویش نر و غالب بود
اُس کی جزوی عقل نر اور غالب

رنگ[2] و بوئے سبزہ زار آں خر شنید
اُس گدھے نے سبزہ زار کے رنگ و بو کو سونگھا

تشنہ محتاجِ مطر شد و ابر نے
پیاسا بارش کا محتاج ہو گیا اور ابر نہیں ہے

اسپرِ آہن بود صبر اے پدر
اے بابا! صبر لوہے کی ڈھال ہوتی ہے۔

صد دلیل آرد مقلد در بیاں
مقلد سو دلیلیں بیان کرتا ہے

مشک آلود ست اما مشک نیست
مشک آلودہ ہے، لیکن مشک نہیں ہے

تاکہ[3] پشکے مشک گردد اے مرید
اے مرید! تاکہ مینگنی مشک بنے

کہ نباید خورد جو ہمچو خراں
گدھوں کی طرح جو نہ کھانے چاہئیں

جز قرنفل یاسمن یا گُلِ مجر
لونگ یا چنبیلی یا گلاب کے سوا نہ چر

معدہ را خو کن بداں ریحان و گل
اُس ریحان اور گلاب کا معدہ کو عادی بنا لے

خوئے معدہ زیں کہ و جو باز کن
اس گھاس اور جو سے معدے کی عادت چھڑا

معدۂ[1] تن سوئے کہداں میکشد
جسم کا معدہ، چر کی طرف لے جاتا ہے

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود
جو گھاس اور جو کھاتا ہے ذبح ہو جاتا ہے

نفسِ زشتش مادہ و مضطر بود
اُس کا بُرا نفس مادہ اور بے چین ہو

نفسِ اُنثیٰ را خرد سالب بود
مادہ نفس کو عقل مسلوب کر لینے والی ہوتی ہے

جملہ بجہاز طبعِ او رمید
اُس کی طبیعت میں سے ساری دلیلیں بھاگ گئیں

نفس را جوع البقر بد صبر نے
نفس کو انتہائی بھوک تھی، صبر نہ تھا

حق نوشتہ بر سپر جاء الظفر
اللہ تعالیٰ نے ڈھال پر لکھ دیا ہے فتح ہوئی

از قیاسے گوید آں را نز عیاں
وہ قیاس سے بتاتا ہے، نہ کہ مشاہدے سے

بوئے مشکستش ولے جز پشک نیست
اُس میں مشک کی بو ہے لیکن مینگنی کے سوا کچھ نہیں ہے

سالہا باید دراں روضہ چرید
سالوں اس باغیچہ میں چرنا چاہیے

آہوانہ در ختن چرا ارغواں
ہرنوں کی طرح ختن میں گل بابونہ چر

رو بصحرائے ختن با آں نفر
ان لوگوں کے ساتھ ختن کے جنگل میں چلا جا

تا بیابی حکمت و قوتِ رُسل
تاکہ تو رسولوں کی روزی اور حکمت حاصل کرے

خوردنِ ریحان و گل آغاز کن
ریحان اور گلاب، کھانا شروع کر دے

معدۂ دل سوئے ریحاں میکشد
دل کا معدہ ریحان کی طرف کھینچتا ہے

ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود
جو اللہ کا نور کھاتا ہے، قرآن بن جاتا ہے

---

[1] وصفِ حیوانی۔ عام حیوانات رنگ و بو کا تو احساس کر لیتے ہیں لیکن اُن میں عقل کا مادہ نہیں ہے کہ حقیقت تک پہنچ سکیں عورت بھی ظاہر پر ریجھ جاتی ہے عقل سے کام لیکر حقیقت تک نہیں پہنچتی ہے۔ عقل۔ اگر انسان میں نر عقل ہوتی ہو تو وہ نفس پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔

[2] رنگ و بوی۔ اُس گدھے نے رنگ و بو کو دیکھا عقل سے کام نہ لیا۔ تشنہ۔ وہ گدھا گھاس پانی کا محتاج تھا جس کے اسباب وہاں مہیا نہ تھے یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ کوئی پیاسا بارش کا منتظر بن بیٹھے اور ابر موجود نہ ہو۔ جوع البقر ایک بیماری ہے جس میں انسان کھاتا رہتا ہے لیکن اُس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اسپر مشہور ہے الصبر مفتاح الفرج ۔ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ مقلد۔ مقلد کے دلائل سنے سنائے ہوتے ہیں۔ مشک۔ مقلد کے دلائل کا یہی حال ہوتا ہے جیسا کہ مینگنی پر مشک مل دیا جائے۔

[3] تاکہ۔ مشاہدہ کیلئے سالوں مجاہدے کی ضرورت ہے۔۔۔۔ کہ نباید۔ اسکے حاصل کرنے کے لئے روحانی خوراک کی ضرورت ہے۔ جز قرنفل۔ ہر قسم کی روحانی غذائیں کھانے کے بعد مشاہدہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ مقصد۔ رسولوں کی روزی اور حکمت جب حاصل ہوتی ہے جبکہ سالہا مجاہدہ ہو۔ بلکہ یہاں تک کہ روح بنے خوئے معدہ زیں کہ و جو۔

[1] معدہ۔ جسمانی معدہ حیوانی غذاؤں کی طرف رغبت کرتا ہے روحانی معدہ اسرار

نیمِ تو مُشک ست نیمی پُشک ہیں
خبردار! تیرا آدھا مُشک (اور) آدھا مینگنی ہے

ہیں میفزا پُشک افزا مُشکِ چیں
خبردار: مینگنی نہ بڑھا چین کا مُشک بڑھا

آں مقلِد صد دلیل و صد بیاں
وہ مقلد سو دلیلیں اور سو بیان

در زباں آرد ندارد ہیچ جاں
زبان پر لاتا ہے، کوئی جان نہیں رکھتا ہے

جانِ اُو خالی ازاں گفتارِ اُو
اُس کی جان اُس کی گفتگو سے خالی ہے

کز آتش بے مغز زاں اسرارِ اُو
اُس کے اسرار سے اُس کا دماغ بے مغز ہے

چونکہ گوینده ندارد جان و فر
چونکہ کہنے والا جان اور شان و شوکت نہیں رکھتا ہو

گفت اُو را کے بُود برگ و ثمر
اُس کی گفتگو میں پھل اور پتے کب ہونگے؟

میکند گستاخ مردم را براه
وہ انسانوں کو راستہ (چلنے) میں دلیر بناتا ہے

اُو بجاں لرزاں ترست از برگِ کاه
وہ گھاس کے پتے سے زیادہ جان سے لرزنے والا ہے

پس حدیثش گرچہ بس با فر بُود
اُس کی بات اگرچہ بہت شان و شوکت والی ہو

در حدیثش لرزه ہم مُضمر بُود
لیکن اُس کی بات میں کپکپا ہٹ پوشیدہ ہوگی

فرقِ میانِ دعوتِ شیخِ کاملِ واصل و میانِ سخن

کامل شیخ واصل (بحق) کی دعوت اور ان ناقصوں کی بات کے درمیان فرق ہونا

ناقصانِ فاضل کہ فضلِ تحصیلی بر خود بستہ اند

کے جو محض ہیں اور جنہوں نے دوسروں سے فضل لیکر اپنے آپ سے وابستہ کر لیا ہے

شیخِ نورانی ز رہ آگہ کند
نورانی شیخ راہِ (حق) سے آگاہ کرتا ہے

با سخن ہم نور را ہمره کند
بات کے ساتھ نور ہمراہ کرتا ہے

جہد کن تا مست و نورانی شوی
تو کوشش کر تاکہ مست اور صاحبِ نور بنے

تا حدیثت را شود نورش روی
تاکہ اس کا نور تیری بات کے ساتھ ہو

ہر چہ در دوشاب جوشیده شود
جو چیز انگور کے شیرے میں جوش دیدی جائے

در عقیده طعمِ دوشابش شود
عقیدہ میں اُس کا مزہ، انگور کے شیرے کا ہوجاتا ہے

از جزر و ز سیب و بہ و ز گردگاں
گاجر اور سیب اور بہی یا اخروٹ

لذتِ دوشاب یابی تو ازاں
تو اُن میں انگور کے شیرے کا مزہ پائیگا

علم اندر نور چوں فرغوده شد
علم، جب نور سے گھل مل گیا

پس ز علمت نور یابد قومِ لُد
تو تیرے علم سے سرکش قوم نور حاصل کرتی ہے

ہر چہ گوئی باشد آں ہم نورِ ناک
تو جو کچھ کہے وہ بھی نورانی ہو گا

کاسماں ہرگز نبارد غیرِ پاک
کیونکہ آسمان پاک کے علاوہ نہیں برساتا ہے

کی غذا چاہتا ہے۔ ترک: جو شخص حیوانی غذاؤں کا عادی ہوتا ہے وہ ہلاک ہوجاتا ہے، نورانی غذا سے انسان ترکی کی طرح متبرک بن جاتا ہے نیمِ تو۔ انسان میں دو قوتیں ہیں حیوانی بھی اور ملکوتی بھی۔ آں مقلد۔ وہ شخص جو سُنی سُنائی باتیں بیان کرتا ہے اُس کی صرف زبانی تقریر ہوتی ہے اُس میں کوئی جان نہیں ہوتی ہے نہ اُس کے دماغ میں اُس کے اسرار ہوتے ہیں۔

۲ چونکہ۔ جب کہنے والے میں کوئی جان نہ ہو تو اُس کی بات بے نتیجہ ہوتی ہے۔ می کند۔ دوسروں کو تو وہ بہادر بناتا ہے لیکن خود لرزتا ہے۔ پس۔ اِس مقلد کی تقریر اگرچہ پُر شوکت ہوتی ہے، لیکن اُس میں خوف بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ فرق۔ شیخ کامل اور ناقص انسان کی رہنمائی میں بڑا فرق ہے۔ شیخ نورانی صاحبِ نور شیخ صحیح رہنمائی کرتا ہے اور اُس کی بات پُر تاثیر ہوتی ہے۔

۳ جہد کن۔ انسان کو خود صاحبِ نور بننا چاہیئے تاکہ بات میں تاثیر ہو۔ اور اُس کی بات کے لیے بمنزلہ حرف روی کے ہو جو شعر کے آخر میں لازمی ہے اور اُسی حرف پر قافیہ کا دار ہوتا ہے۔ ہر چہ۔ بات میں نور اسی طرح پیوست ہوجاتا ہے جس طرح

۵ علم اندر نور۔ جب علم کا نور میں مربّی بن جاتا ہے تو پھر اُس علم کی تاثیر سرکش قوم پر ہوتی ہے۔ فرغوده۔ آمیختہ و پیچیده۔ ہر چہ اب نورانی شخص جو بات بھی کہیگا اُس میں نور اور پاکیزگی ہوگی۔

آسماں شو ابر شو باراں ببار
آسمان بن جا، ابر بن جا، بارش برسا

ناوداں بارش کند نبود بکار
پرنالہ بارش برساتا ہے، وہ کارآمد نہیں

آب اندر ناوداں عاریت ست
پرنالہ میں پانی مانگا ہوا ہے

آب اندر ابر و دریا فطرت ست
ابر اور دریا میں اصل پانی ہے

فکر و اندیشہ ست مثلِ ناوداں
فکر اور خیال، پرنالہ جیسا ہے

وحی مکشوف ست ابر و آسماں
کھلی ہوئی وحی، ابر اور آسمان ہے

آبِ باراں باغ صد رنگ آورد
بارش کا پانی باغ کو سو رنگ کا بنا دیتا ہے

ناوداں ہمسایہ در جنگ آورد
پرنالہ پڑوسی کو جنگ پر آمادہ کر دیتا ہے

باز گردم سوئ آں روباہ و خر
میں لومڑی اور گدھے کی طرف لوٹتا ہوں

تا چساں از راہ بُرد آں خرِ نگر
دیکھو اُس گدھے کو کس طرح راستے سے بھٹکا دیا

آسماں۔ آسمان اور ابر کا اپنا ذاتی پانی ہے، پرنالہ کا پانی اپنا نہیں ہے آسمان کا ہے۔ ۲ فکر و اندیش۔ فکر اور خیال کی مثال پرنالے کے پانی کی سی ہے اور وحی کی مثال ابر کی سی ہے آبِ باراں۔ بارش کا پانی سینکڑوں فائدے کا سبب ہے، پرنالہ کا پانی عموماً پڑوس سے جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔

شرح

بیان بالا سے معلوم ہوا کہ جب حال قال کے مخالف ہوتا ہے تو وہ قال کے جھوٹ ہونے کو ظاہر کرتا ہے اس کے لیے ہم ایک اور نظیر تم کو سُناتے ہیں سُنو! جبکہ فرعون نے جو کہ مدعی الوہیت اور قائل انا ربکم الاعلیٰ تھا موسیٰ علیہ السلام کے اژدہے کو دیکھا تو وہ ڈر گیا اور جنگ کے لیے مہلت مانگی اور نرمی کرنے لگا۔ اس وقت کے عقلاء نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ اگر یہ خدا ہوتا تو اسکو تو اور سخت ہونا چاہیئے تھا۔ معجزہ موسیٰ خواہ اژدہا تھا یا سانپ اس کا تو مملوک اور مخلوق تھا۔ پھر اس کی خدائی نخوت و قہر کو کیا ہُوا کہ وہ یہ گستاخی اور مقابلہ دیکھ کر جنبش میں نہیں آتا۔ پس معلوم ہُوا کہ اس کا دعوٰی بالکل جھوٹا ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض رب اعلیٰ یہ ہی ہے جیسا کہ اس کا دعوٰے ہے تو ایک کیڑے کے سبب یہ خوشامد کیوں ہے۔ انہیں واقعات سے تم یہی سمجھ لو کہ جب تک تمہارا نفس مثل و نیند... وغیرہ ماکولات و مشروبات میں مست اور ان میں منہمک ہے اس وقت تک خواہ وہ کتنا ہی دعوٰے ولایت کرے بالکل غلط ہے۔ اور اس نے خوشہ غیبی (غذائے رُوحانی) کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ نورِ حق (جو کہ غذائے رُوح) ہے اسکے دیکھنے کی یہ علامت ہے۔ کہ تم کو دنیا سے بعد اور نفرت

ہو۔ اور یہ بات تم میں پائی نہیں جاتی۔ پس دعوائے ولایت سراسر غلط ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی جانور آب شور پر گرے تو سمجھا جاتا ہے کہ آب شیریں کی روانی نہیں دیکھی۔ علیٰ ہذا جبکہ اسکو غذائے جسمانی کی طرف رغبت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے غذائے روحانی نہیں دیکھی۔ بلکہ ہنوز اس کا ایمان تقلیدی ہے اور اسکی روح نے حقیقی ایمان کی صورت نہیں دیکھی ایسی حالت میں اسکے لیے سخت خطرہ ہے کیونکہ مقلد کو راہ اور راہزن یعنی شیطان رجیم کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن جبکہ وہ نورِ حق سبحانہٗ دیکھ لے گا اسوقت بے کھٹکے ہو جائے گا اور شکوک کے باعث جو اسے اضطرابات لاحق ہوتے ہیں وہ جاتے رہیں گے اور اسے بالکل سکون ہو جائے گا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تک خس و خاشاک دریا زمین پر نہیں آتے جو کہ ان کی اصل ہے اس وقت تک وہ پانی کے ٹکڑوں میں مضطرب رہتے ہیں کیونکہ وہ خاکی ہیں اور پانی میں مسافرت کی حالت میں نہیں اور مسافرت میں اضطراب اور قلق لازمی ہے لیکن جبکہ وہ خشکی میں پہنچ جاتے ہیں جو کہ ان کا وطن اصلی ہے۔ تو انہیں سکون ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا جبکہ اس کو عالمِ غیب سے تمکن ہو رہا ہے اس وقت اسکے تمام اضطرابات فنا ہو جاتے ہیں اور جبکہ اسکی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اس تحریر غیبی کو پڑھ لیتا ہے جو کہ اس کی روح پر لکھی جاتی ہے تو اب شیطان کو اس پر تسلط نہیں رہتا اور وہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ کا۔۔ مصداق ہو جاتا ہے خیر تو گدھے نے لومڑی سے اسرار بیان کئے تھے۔ مگر چونکہ وہ مقلد بنا۔ اور یہ امور اسکو ذوقاً معلوم نہ تھے بلکہ سُنی سُنائی کہتا تھا۔ اسلئے اس نے جو کچھ کہا وہ اوپرے دل سے اور مقلدانہ کہا اور اسنے گویائی کی تعریف کی۔ مگر اسکے دل میں اسکی وقعت نہ تھی اور وہ اس کا مشتاق نہ تھا۔ اور گو اسنے منہ نوچا اور گریبان پھاڑا مگر وہ عاشق نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ یہ فعل اس کا محض بناوٹ سے ناشی تھا اور دل سے نہ تھا۔ پس چونکہ اس کے الفاظ باوجود پرمغز ہونے کے محض زبان سے تھے نہ کہ دل سے۔ اسلئے وہ محض بے حقیقت تھے۔

یہی وجہ ہے کہ منافقین کا عُذر تشھد انک لرسول اللہ مردود قرار پایا اور پسندیدہ نہ ہُوا۔ چنانچہ اس کے جواب میں فرمایا گیا واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون ۔ کیونکہ وہ منہ ہی منہ میں تھا۔ دلوں میں نہ تھا اور اس کے پاس بوئے سیب تو تھی مگر سیب نہ تھا اور محض بوئے سیب بجُز موجب مضرت ہونے کے اور کیا ہو سکتی ہے کیونکہ جس چیز میں بوئے سیب ہو۔ اور کوئی اسکو سیب سمجھ کر کھائے تو وہ خواہ مخواہ اسے نقصان کریں گے۔ کیونکہ اس میں سیب کے خواص و فوائد نہ ہوں گے۔ جس کی اُسے ضرور نہ تھی۔ بلکہ اور خواص ہوں گے جن کی اسے ضرورت نہ تھی فیں اس کا یہ جملہ محض فرقانہ تھا۔ اور جنگ میں عورت کا حملہ دشمن کی صف کو تو درہم برہم نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے خود اپنی فوج کی حالت تباہ ہو جاتی ہے کیونکہ اگرچہ تم اسکو صف میں شیرانہ تلوار لئے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ مگر بزدلی سے اس کا ہاتھ کانپ رہا ہے پس وہ دشمن کے حملہ کی تاب نہ لائیں گے اور بھاگے گی اور دوسری فوج پر اس کا بُرا اثر پڑے گا۔ جبکہ تم کو جنگ میں عورت کی حالت معلوم ہوگی۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ افسوس ہے! اس شخص کی حالت پر جس کی عقل مادہ ہو اور اس کا نفس زشت نہ اور اسکے مغلوب کرنے پر مستعد ہو۔ کیونکہ اس حالت میں عقل لامحالہ مغلوب ہوں گے اور اس طرح... خسارہ کی طرف جائے گی۔ کیونکہ وہ مادہ ہے اور مادہ کا حملہ بھی اگرچہ بظاہر بہادرانہ ہو مگر تاہم بیکار ہے کیونکہ اس گدھے کی طرح یہ بھی احمق ہے اور جس طرح گدھے کی حماقت نے اسکے حملہ کو بے کار کر دیا تھا اور اس طرح اسے نقصان پہنچایا تھا۔ یوں ہی حماقتِ عقل عقل کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ وہ عورت ہے اور عورت پر وصف حیوانی غالب ہوتا ہے کیونکہ وہ رنگ و بُو اور تلذذ و تنعم کیطرف مائل ہوتی ہے اور تلذذ و تنعم میں انہماک صفتِ حیوانات ہے لہٰذا عورت پر غلبہ حیوانیت لازم ہے اور غلبہ حیوانیت کیلئے حماقت لازم ہے پس عقل مغلوب نفس ضرور احمق ہوگی اور اسکی حماقت اسے یونہی نقصان پہنچائیگی جیسے گدھے کی حماقت نے گدھے کو نقصان پہنچایا تھا جبکہ عقل کے مادہ ہونیکی بُرائی معلوم ہوگئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ بڑے مزہ میں ہے وہ شخص جسکی عقل نر ہو اور اس کا نفس مادہ و مجبور اور اسکی عقل

جری نر اور غالب ہو اور اُس نے نفس مادہ کی عقل کو چھین لیا اور اُس پر قبضہ کر لیا ہو اسلئے نفس اُس کا تابع ہو۔
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سمجھو! کہ گدھے نے جبکہ سبزہ زار کی رنگ اور بُو کا حال سُنا تو تمام دلائل اسکی طبیعت ... سے کافور ہو گئے اور وہ پیاسا اور ابر کا محتاج ہوا مگر وہاں ابر نہ تھا۔ یعنی وہ سبزہ زار کا طالب ہُوا۔ حالانکہ وہاں سبزہ زار نہ تھا۔ اور نفس کو سخت بھوک لاحق ہوئی اور وہ بے صبر ہو گیا اور جبکہ وہ بے صبر ہو گیا تو سارا کام بگڑ گیا۔ کیونکہ صبر ایک لوہے کی ڈھال ہے جو سختت سے سخت کو برداشت کرا دیتی ہے اسلئے کہ حق سبحانہٗ نے صبر پر فتح لکھ دی ہے پس صبر کی سپر سے مصائب پر فتح حاصل ہوتی ہے۔
الغرض گدھا لغزش کھا گیا اور منشا لغزش تقلید تھا۔ کیونکہ مقلّد گو سینکڑوں دلائل بیان کرے مگر وہ صرف عقلی گدے لگاتا ہے اور معائنہ و مشاہدہ یعنی ذوق اور حال سے نہیں کہتا۔ اسلئے اس کا بیان مُشک آلود ہو جاتا ہے۔ مگر مشک نہیں ہوتا اور وہ بوئے مُشک رکھتا ہے۔ مگر واقعی میں مینگنی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا۔ یعنی مقلّد کی گفت گو کا ظاہر اچھا ہوتا ہے مگر باطن خراب! پس اگر تم اپنی مینگنی کو مُشک بنانا چاہتے ہو یعنی اپنے بظاہر اچھی اور بباطن بُری گفت گو کو ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں اچھی کرنا چاہتے ہو۔ تو تم کو گلزارِ معرفت میں برسوں تک چرنا اور اُس سے مستفید ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس مینگنی کے مُشک بننے کے لئے ضرورت ہے کہ برسوں اس باغ میں چرا جائے لہٰذا تم گدھوں کی طرح کاہ و جو یعنی غذائے جسمانی ... نہ کھاؤ۔ بلکہ ختن یعنی عالمِ غیب میں جاکر ارغوان ..... یا قرنفل یا یاسمین یا گل چرو اور اہل اللہ کے ساتھ صحرائے ختن یعنی عالمِ غیب میں جاؤ اور اپنے معدہ روحانی کو ریحان و گل کا عادی بنا دو۔ تاکہ تم کو ادراک حقائق علیٰ ما ہی علیہ خاص ہو جو کہ پیغمبروں کی غذا ہے، اور تم اپنے معدہ کو کاہ ... و جو یعنی غذائے جسمانی سے الگ کرو اور ریحان و گل یعنی غذائے روحانی کھانا شروع کرو۔ کیونکہ معدہ جسمانی پاخانہ میں لے جاتا ہے اور معدہ

روحانی غذائے روحانی کی طرف لے جاتا ہے جو کہ ریحان ہے فیض جو کاہ وجو کھاتا ہے
وہ فنا ہوتا ہے اور جو کہ نور حق کھاتا ہے قرآن کی طرح باقی اور معدن اسرار الٰہیہ اور معظم و
مکرم ہوتا ہے۔ ہاں تم کاہ وجو نہ کھاؤ اور نور حق کھاؤ۔
دیکھو! تم آدھی مشک ہو اور آدھی مینگنی یعنی ایک جزء تمہارا روح ہے جو کہ عمدہ
ہے اور ایک جزء جسم! جو کہ بُرا ہے۔ سو تم مشک کو ترقی دو اور مینگنی کو نہ بڑھاؤ یعنی
روحانیت کو بڑھاؤ اور جسمانیت کو ترقی نہ دو۔ خیر حاصل یہ ہے کہ مقلد سو دلیلیں
بیان کرتا اور سو تقریریں کرتا ہے۔ مگر اس میں روحانیت بالکل نہیں ہوتی اور اس
کے روح میں ان کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا اور اس کی کھوپڑی ان کے اسرار سے بالکل
خالی ہوتی ہے اسی لیے ان دلیلوں اور تقریروں کا اثر بھی نہیں ہوتا کیونکہ جب کہنے
والے میں روحانیت اور باطنی شان و شوکت نہ ہو۔ تو اس کی گفتگو بھی بے نتیجہ
ہوا کرتی ہے وہ آدمیوں کو راہ چلنے پر دلیر کرتا ہے مگر بوجہ عدم یقین کے ...
خود اس کی جان پتے سے زیادہ کانپتی ہے اور اس کی گفتگو نہایت ہی پرشوکت
ہو۔ مگر روح کے اثر سے اس میں بھی لرزہ اور تھراہٹ مُستتر ہوتی ہے ——
پس یہ لرزہ مخفیہ قبول سے مانع ہوتا ہے۔ برخلاف عارف کامل کے کہ وہ ہدایت
اور راہنمائی کرتا ہے تو اس کے ساتھ نور بھی بجتا ہے —— جس سے سامعین کے
دل میں سکون اور طمانیت پیدا ہوتی ہے اور اسلئے وہ اسے قبول کرتے ہیں پس تم
اس کی کوشش کرو کہ شراب معرفت سے مست اور نورِ معرفت سے منور ہو جاؤ۔ تاکہ

تاکہ نور تمہاری گفتگو کے تابع ہو۔ دیکھو قاعدہ ہے کہ جو چیز شیرۂ انگور میں عقیدہ
(ایک قسم کا کھانا ہے) کے اندر پکائے جاتے ہیں اس میں شیرہ کا مزہ آجاتا ہے اور خواہ
وہ گاجر ہو یا سیب یا بہی اخروٹ اس سے تم کو شیرہ انگور کا مزہ آتا ہے یوں ہی
جب علم نور میں لتھڑ جاتا ہے تو اس دقت تمہارے علم سے معاندین تک کو نور حاصل ہوتا
ہے خواہ وہ اپنے عناد سے اس کو رد کر دیں۔ یہ دوسری بات ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو

وہ ایک نور اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ اُس وقت تمہاری حالت آسمان کی سی ہوتی ہے اور آسمان سے جو کچھ برستا ہے وہ میل کچیل اور نجاستوں سے پاک ہوتا ہے یوں ہی جو کچھ تم کہتے ہو وہ بھی ظلمت شکوک سے پاک صاف ہوتا ہے۔ پس تم آسمان اور اَبر بن جاؤ اور مینہ برساؤ اور پرنالہ نہ بنو۔ کیونکہ پرنالہ کی بارش کسی کام کی نہیں اسلئے کہ اس میں ہزاروں کدورتیں اور نجاستیں شامل ہوتی ہیں۔ نیز پرنالہ کا پانی عاریتی ہوتا ہے اور اَبر و دریا کا پانی فطری جو خود اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

مطلب ہمارا یہ ہے کہ عقل و قیاس کو چھوڑو اور کشف و الہام حاصل کرو۔ کیونکہ عقل و فکر کی مثال پرنالہ کی سی ہے۔ جسکے مدرکات میں کدورات و شکوک و اوہام شامل ہوتے ہیں۔ اور وحی کشفی اَبر و آسمان کے مشابہ ہے چونکہ صافی عن الغبار ہوتی ہے۔ نیز بارش کا قاعدہ ہے کہ وہ باغ صد رنگ تیار کرتی ہے اور پرنالہ پڑوسی کو لڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔ پس وحی کشفی روح میں سینکڑوں معرفت کے پھول کھلائیگی اور گفتگوئے قیاسی جنگ و جدل پیدا کریگی۔ خیر اب ہم لومڑی اور گدھے کیطرف لوٹتے ہیں دیکھیں اُس نے اسے کیونکر گمراہ کیا ہے۔

زبوں شدنِ خر در دستِ روباہ از حرصِ علف

گھاس کی حرص کی وجہ سے گدھے کا لومڑی کے ہاتھوں مغلوب ہو جانا

خَر دو سہ حملہ بر و بہ سخت کرد ۔۔۔ چوں مقلِّد بُد فریبِ اُو بخورد

گدھے نے لومڑی پر دو تین سخت حملے کیے ۔۔۔ چونکہ مقلِّد تھا اُس کا فریب کھا گیا

طَنطَنۂ اِدراک و بینائی نداشت ۔۔۔ دَمدَمۂ روبہ برو سکتہ گماشت

وہ علم اور بصیرت کا کرّ و فر نہ رکھتا تھا ۔۔۔ لومڑی کے مکر نے اُس پر سکتہ طاری کر دیا

حرصِ خوردن آنچناں کردش ذلیل ۔۔۔ کہ زبونش کرد با پانصد دلیل

کھانے کی حرص نے اس کو ایسا ذلیل کیا ۔۔۔ کہ پانچ سو دلیلیں ہوتے ہوئے اسکو مغلوب کر دیا

۵۳ باز گردیم۔ اب گدھے کا قصّہ سُن لومڑی نے جسکو کس طرح گمراہ کر دیا۔ خر۔ گدھے نے لومڑی پر جوابی حملے کئے لیکن چونکہ مقلِّد تھا آخر میں خود پسپا ہو گیا۔ طنطنہ۔ چونکہ گدھے کو نور باطنی حاصل نہ تھا لومڑی کا مکر اُس پر غالب آگیا اور گدھے کی حرص نے دلیلوں کے ہوتے ہوئے اُس کو ذلیل کر دیا۔ حکایت۔ اس حکایت سے یہ بتایا ہے کہ مقلِّد کی دلیل ایسی ہی ہے جیسے ہیجڑے کی تلوار۔

حکایت آں مخنث و پرسیدن لوطی ازو در حالت لواطت

ہیجڑے کا قصہ اور لوطی کا لواطت کی حالت میں اُس سے دریافت کرنا

کایں خنجر از بہرِ چیست گفت از بہرِ آنکہ ہر کہ با من بد اندیشد

یہ خنجر کس واسطے کے لئے ہے اُس نے کہا اس لئے کہ جو میرے ساتھ بُری بات

اِشکمش بشگافم لوطی بر سرِ اُو آمد و شد میکرد و میگفت

سوچے گا میں اُس کا پیٹ پھاڑ دوں گا لوطی اُس پر چڑھتا اور اُترتا تھا

اَلحمدُ لِلّٰہ کہ من با تو بد نمی اندیشیم ؎۱

ور کہہ رہا تھا خدا کا شکر ہے کہ میں تجھ سے بُرے کام کی نیت نہیں رکھتا ہوں

بیت من بیت نیست اقلیم ست ہزلِ من ہزل نیست تعلیم ست

میرا شعر، کوٹھری نہیں ہے ایک خطہ ہے میرا مذاق، مذاق نہیں ہے، تعلیم ہے

قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ؎۲

اللہ تعالیٰ کا قول ہے بیشک اللہ حیا نہیں کرتا اس بارے میں کہ وہ مچھر کی مثال بیان کرے

اے فَمَا فَوْقَھَا فِیْ تَغْیِیْرِ النُّفُوْسِ بِالْاِنْکَارَاتِ مَاذَا اَرَادَ اللّٰہُ

پس اس سے جو زیادہ (چھوٹی چیز کی) جو انکار کی وجہ سے نفوس میں تغیر پیدا کرنے کیلئے اللہ نے

بِھٰذَا مَثَلًا و آنکہ جواب میفرماید کہ ایں خواتم یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا

بھی بڑی ہوئی ہوں (انہوں نے کہا) اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہو اور یہ کہ جواب فرماتے ہیں کہ یہ چاہا

وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا کہ ہر فتنہ ہمچو میزانست کہ بسیار ازو سُرخ رُو

اس سے بہت گمراہ ہوں اور بہت سے ہدایت پائیں کیونکہ ہر آزمائش ایک ترازو ہے کہ بہت سے اُس سے

شوند و بسیاراں بے مُراد شوند و لَو تَاَمَّلْتَ فِیْہِ قَلِیْلًا

سُرخرو ہو جاتے ہیں اور بہت سے بے مُراد ہو جاتے ہیں اور اگر تو اس میں تھوڑا سا بھی غور

لَوَجَدْتَ فِیْ نَتَائِجِہِ الشَّرِیْفَۃِ کَثِیْرًا

کرے تو اس میں بہت سے عمدہ فوائد پائے گا

کونِ دہے را لوطیے در خانہ بُرد ؎۳ سرنگوں افگندش و در وے فشرد

ایک اغلام کرانے والے کو ایک اغلام کرنے والا گھر لے گیا اُس کو اوندھا گرایا اور اس میں گھسیڑ دیا

بر میانش خنجرے دید آں لعیں پس بگفتش در میانت چیست ایں

اُس ملعون نے اُس کی کمر پر خنجر دیکھا تو اُس سے کہا تیری کمر میں یہ کیا ہے؟

گفت آنکہ با من اَر یک بد منش بد بیندیشد بدرم اِشکمش

اُس نے کہا یہ کہ اگر کوئی بدطینت میرے ساتھ بُرے کام کا ارادہ کرے تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں

؎۱ الحمد للہ۔ اُس لوطی نے طنزاً کہا۔ بیت، پہلا بیت شعر کے معنی میں اور دوسرا بیت کوٹھری کے معنی میں ہے یعنی میرے اشعار میں بہت سے معانی ہیں۔ ہزل میں چونکہ مولانا نے یہاں بہت فحش قصہ نقل کیا ہے اس کی توجیہ کرتے ہیں۔

؎۲ اِنّ اللہ۔ قرآن نے سمجھانے کیلئے جب مچھر اور اُس کے پر کی مثالیں دیں تو کفار نے اعتراض کیا کہ قرآن میں ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں کیوں دی جاتی ہیں تو قرآن نے اُس کے جواب میں کہا کہ نہمائش کیلئے اس طرح کی مثالیں دینا کوئی بُری بات نہیں ہے اور ایک آزمائش بھی ہے کہ اس قسم کی مثالوں سے کچھ اعتراض کرکے گمراہ ہوں اور کچھ مقصد سمجھ کر ہدایت یاب ہوں۔

؎۳ کونِ دہے۔ اغلام کرانے والا اس سے کندہ اور گندہ بنا ہے بہ بیان۔ کر۔ بدمنش۔ بدطینت۔

گفت لوطی حمد للہ را کہ من
انعام کرنے والے نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ میں نے

بد نیندیشیدہ ام با تو بفن
کسی فریب سے تیرے ساتھ برا ارادہ نہیں کیا

چونکہ[1] مردی نیست خنجرہا چہ سود
جبکہ بہادری نہیں ہے، خنجروں سے کیا فائدہ؟

چوں نباشد دل ندارد سود خود
جب دل نہ ہو، خود فائدہ نہیں دیتی

از علیؓ میراث داری ذوالفقار
حضرت علیؓ سے تجھے ذوالفقار میراث میں ملی

بازوی شیرِ خدا ہستت بیار
تیرے پاس شیرِ خدا کا بازو ہے تو لا

گر فسونے[2] یاد داری از مسیحؑ
اگر تو حضرت عیسیٰؑ کی دعا یاد رکھتا ہے

کو لب و دندانِ عیسیٰؑ اے وقیح
اے بے شرم! (حضرت) عیسیٰؑ کا ہونٹ اور دانت کہاں؟

کشتی سازی ز توزیع و فتوح
تو چندے اور نذرانوں سے کشتی بناتا ہے

کو یکے ملاحِ کشتی ہمچو نوحؑ
حضرت نوحؑ جیسا کوئی ایک ملاح کہاں ہے؟

بت شکستی گیرم ابراہیمؑ وار
مان لیا... تو نے حضرت ابراہیمؑ کی طرح بت توڑ ڈالے

کو بتِ تن را فدا کردن بنار
جسم کے بت کو آگ میں فنا کرنا کہاں ہے؟

گر دلیلت ہست اندر فعل آر
اگر کام میں تیرے پاس دلیل ہے، لا

تیغ چوبیں را بداں کن ذوالفقار
اس کے ذریعہ لکڑی کی تلوار کو ذوالفقار بنا لے

آں دلیلے کو ترا مانع شود
وہ دلیل جو تیرے لئے مانع ہے

از عمل آں نقمتِ صانع شود
عمل سے، وہ خدا کا عذاب ہے

خائفان[3] راہ را کردی دلیر
تو نے راستے میں ڈرنے والوں کو بہادر بنا دیا

از ہمہ لرزاں تری تو زیر زیر
چپکے چپکے تو سب سے زیادہ لرزنے والا ہے

بر ہمہ درسِ توکل می کنی
تو سب کو توکل کا درس دیتا ہے

در ہوا تو پشہ را رگ می زنی
تو ہوا میں مچھر کی رگ پر (نشتر) مارتا ہے

اے مخنث پیش رفتہ از سپاہ
اے ہیجڑے، تو لشکر سے آگے ہوا

بر دروغ و ریشِ تو کیرت گواہ
تیرے جھوٹ اور داڑھی پر تیرا آلہ گواہ ہے

چوں ز نامردی دل آگندہ بود
جب نامردی سے دل پُر ہو

ریش و سبلت موجبِ خندہ بود
داڑھی اور مونچھیں ہنسی کا سبب ہوتی ہیں

توبہ کن اشکباراں چوں مطر
توبہ کر، بارش کی طرح آنسو بہا

ریش و سبلت راز خندہ باز خر
داڑھی اور مونچھ کو مذاق سے بچا

داروی مردی بخور اندر عمل
عمل میں مردانگی کی دوا کھا

تا شوی خورشیدِ گرم اندر حمل[4]
تاکہ تو برجِ حمل میں گرم سورج بن جائے

داروی مردی کن و عنیں مشو
مردانگی کی دوا کر اور نامرد نہ بن

تا بروں آیند صد گوں خوبرو
تاکہ سیکڑوں قسم کے خوبصورت پیدا ہوں

---

[1] چونکہ۔ جب انسان میں بہادری نہ ہو تو اس کے لئے خنجر اور شمشیر کی لوہے کی جنگی ٹوپی بیکار ہے.... ذوالفقار۔ آنحضورؐ کی مشہور تلوار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی۔ شیرِ خدا۔ حضرت علیؓ کا لقب اسد اللہ ہے۔

[2] گر فسونے۔ اگر کوئی حضرت مسیحؑ کی طرح دم رکھے جس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے، تو وہ حضرت مسیحؑ کے ہونٹ اور دانت کہاں سے لائے گا۔ توزیع: چندہ۔ فتوح: نذرانہ۔ تو: حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جسم کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ گر دلیل۔ دلیل درحقیقت عمل ہے۔ آنکہ۔ جو دلیل عمل سے مانع بنے وہ عذابِ الٰہی ہے۔

[3] خائفاں۔ بے عمل انسان دوسروں کو وعظ کہہ کر بہادر بناتا ہے، خود بزدلی دکھاتا ہے۔ در ہوا۔ ایسا ماہر ہے کہ ہوا میں مچھر کے نشتر مار کر اس کا خون پینا جانتا ہے۔ کیر۔ آلہ تناسل جس سے ہیجڑا محروم ہوتا ہے۔ ریش۔ ہیجڑے کی داڑھی ایک مذاق ہے۔ توبہ کن۔ راہِ سلوک کے ہیجڑے کو یہ علاج ہے کہ وہ اللہ کے دربار میں گریہ و زاری کا کرے

[4] حمل۔ سورج جب برجِ حمل میں ہوتا ہے اس کی شعاعیں زمین پر بہت تیز گرم پڑتی ہیں۔ عنین۔ نامرد۔ تا بروں۔ مرد کے حسین اولاد پیدا ہوتی ہے۔

معدہ را بگذار و سوئے دل خرام
معدہ کو چھوڑ اور دل کی جانب چل
تا کہ بے پردہ زحق آید سلام
تاکہ اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے بغیر حجاب کے سلام آئے

رستمی گر بایدت خنجر بگیر
اگر تجھے رستم بننا چاہیئے، خنجر پکڑ
ور بحیزی مائلی چادر بگیر
اگر تو ہیجڑے پن کی جانب مائل ہے چادر اوڑھ لے

رستمی گر بایدت جوشن بپوش
اگر تجھے رستم بننا چاہیئے، زرہ پہن لے
ور بحیزی مائلی رو کون فروش
اگر تو ہیجڑے پن کی جانب مائل ہے جا مقعد بیچ

یکدو گامے رو تکلف ساز خوش
ایک دو قدم چل، خوب تکلف کر
تا ترا عشقش کشد اندر برش
تاکہ تجھے عشق، اپنی آغوش میں کھینچ لے

بر سر میداں چو مرداں پائیدار
میدان میں مردوں کی طرح جم
تا نگردی مبتلا در پائے دار
تاکہ تو سُولی کے نیچے مبتلا نہ ہو

تا کے از جامہ زناں ہمچو زناں
عورتوں کی طرح زنانہ لباس سے کب تک (تعلق رکھیگا)
در صفِ مرداں درآ ہمچوں سناں
نیزے کی طرح مردوں کی صف میں آجا

لہ معدہ۔ مجاہدے کرے روزے رکھے تو قرب خداوندی میسّر آجائے گا۔
۲ لہ رستمی۔ اگر تو راہِ سلوک کا رستم بننا چاہتا ہے تو مجاہدے کے خنجر سے نفس کُشی کر ورنہ عورتوں کی طرح چادر اوڑھ کر خانہ نشین بن جا۔ یکدو۔ راہِ سلوک بن تکلف سے ہی آگے قدم رکھ پھر جذبہ شروع ہوگا۔ دار۔ سولی۔ سناں۔ بھالا

شرح

گدھے نے لومڑی پر دو تین حملہ سخت کئے لیکن چونکہ مقلد تھا۔ اسلئے آخرکار لومڑی کے دھوکے میں آگیا اور چونکہ وہ شوکت ادراک و بصیرت نہ رکھتا تھا اسلئے لومڑی کے فریب نے اسے دم بخود کر دیا اور کھانے کی حرص نے اسے اس قدر ذلیل کیا کہ باوجود پانچ سو دلیلوں کے اُسے مغلوب کر دیا اس مقام پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی۔ گو ہے تو فحش مگر ہمیں اس سے نصیحت مقصود ہے اسلئے ہم اس کے فحش ہونے کی پرواہ نہیں کرتے۔

کیوں کہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ان اللہ لا یستحیٖ ان یضرب مثلاً ما بعوضۃً فما فوقہا۔ یعنی لوگ جو مچھر کی مثال بیان کرنے پر اعتراض کرتے ہیں سو اُن کو واضح ہو کہ حق سبحانہٗ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتے خواہ وہ مچھر ہو۔ یا معترضین کی نظر میں اس سے بھی بڑھ کر قابل انکار و اعتراض ہو۔ ماذا اراد اللہ بھٰذا مثلاً۔ یعنی حق سبحانہٗ کا ایسی مثال سے کیا مقصود ہے اس کا جواب یہ ہے یضلّ بہٖ کثیراً و یھدی بہٖ کثیراً۔ یعنی اس سے وہ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں

اور بہت سوں کو ہدایت فرماتے ہیں ۔۔۔ گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے ظاہر کو دیکھ کر ۔۔۔ اعتراض کرتے ہیں اور ہدایت وہ پاتے ہیں جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اس ۔۔۔۔۔۔ کو قابل اعتراض نہیں جانتے ۔ پس یوں ہی ہم نصیحت کے لئے ایسی مثالیں بیان کرتے ہیں جو کہ بظاہر قابل انکار ہیں اور بباطن پر نصیحت ۔ تاکہ بروں کی برائی اور اچھوں کی اچھائی ظاہر ہو جائے ۔

اچھا اب حکایت سنو ! ایک اغلام کرنے والے کو ایک مغلم اپنے گھر لے گیا اور اسکو اوندھا لٹا کر اس سے بدفعلی کرنے لگا ۔ اسی اثناء میں اس نے اس کی کمر میں خنجر لگا دیکھا اس پر اس نے کہا کہ تیری کمر میں یہ کیا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ وہ ہے کہ اگر کوئی بدطینت میری نسبت شرارت کا خیال کرے تو میں اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں ۔ یہ سنکر اغلام باز نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے تیری نسبت برائی کا خیال نہیں کیا ۔ اس سے تم یہ نتیجہ نکالو کہ جب مردانگی بھی نہ ہو تو خنجر بے کار ہیں ۔

اور جب دل ہی نہ ہو تو خود سے کیا فائدہ ۔ علیٰ ہذا جب عمل ہی نہ ہو تو محض دلائل کیا کام دے سکتے ہیں ۔ ہم نے مانا کہ تمہارے پاس علیؑ کی ذوالفقار ہے مگر بازوئے شیرِ خدا بھی ہے یا نہیں ۔ اگر ہے تو وہ لاؤ ۔ اور ہم نے مانا کہ تم کو مسیح علیہ السلام کا افسوں یاد ہے مگر لب و دندان عیسیٰ کہاں ؟ ضرورت تو اسکی ہے ۔

علیٰ ہذا ! ہم نے مانا کہ تم چندے اور دیگر آمدنی سے نوح علیہ السلام کی سی کشتی بنا سکتے ہو ، مگر نوح کا سا ملاح کہاں ہے ۔ نیز ہم نے فرض کیا کہ تم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح بت توڑ دیئے مگر اُن کی طرح بت جسم کو آگ میں جھونکنا ۔ یہ بات تم میں کہاں ہے پس جس طرح تم ذوالفقار سے علی ۔ اور افسوں سے مسیح اور کشتی سے نوح اور بت شکنی سے ابراہیم نہیں ہو سکتے ۔ یوں ہی محض دلائل سے ولی اور صاحب کمال نہیں ہو سکتے ۔ اگر تمہارے پاس دلائل ہیں تو انکو عمل میں لاؤ اور اس طرح اپنے ۔۔۔۔۔۔ غیر مؤثر دلائل کو ذوالفقار اور مؤثر بناؤ ۔ ورنہ محض دلائل کس کام کے ۔ بلکہ وہ تو بجائے مفید ہونے کے الٹا مضر ہیں کیونکہ جو دلیل عمل سے مانع ہو یعنی جس دلیل پر عمل نہ ہو وہ تو عذاب الٰہی کا ذریعہ ہے

کیونکہ یہ دلیل خدا کی حجت ہے بندہ پر۔ جس کی بنا پر وہ اسکو سزا دیگا۔ اور کہے گا کہ جب تو جانتا تھا تو تُو نے عمل کیوں نہیں کیا۔ تم راہِ خدا سے ڈرنے والوں کو تو جرأت دِلاتے ہو لیکن درپردہ تم سب سے زیادہ ڈرتے ہو۔ اور تم سب کے سامنے توکل کا وعظ کہتے ہو۔

مگر تمہارے حرص کی یہ حالت ہے کہ ہَوا میں مچھر کے فصد کھولتے ہو۔ بدیں خیال کہ شاید اس میں سے خون مل جائے۔ یعنی جہاں کہیں تم کو نفع کا دھوکا بھی ہوتا ہے تم وہیں سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ارے ہیجڑے جو کہ فوج کے آگے آگے ہے تیری دھوکا دینے والی داڑھی کے دھوکا پر تیرا ذکر شاہد ہے۔ ہم نے مانا کہ تیری داڑھی مونچھ ہے اور تیری صورت مردانہ ہے لیکن یہ امر تیرے لئے کوئی فخر کی بات نہیں کیونکہ تو بُزدل ہے اور قاعدہ ہے کہ جب دل بُزدلی سے پُر ہو تو داڑھی اور مونچھ موجبِ تمسخر ہوتے ہیں نہ کہ موجبِ فخر

یعنی اے بنے ہوئے شیخ اور مدعی کمال جو کہ مُریدوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ تیری حالت خود تیرے فریب کو ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ وضع صوفیانہ تیرے لیے کچھ مفید نہیں کیونکہ اگر ظاہری حالت مشائخ کی سی ہو۔ اور باطن پلید تو یہ وضع اہلِ فہم کے نزدیک موجب تمسخر ہے نہ کہ قابلِ وقعت۔ پس تُو اس حرکت سے توبہ کر اور مینہ کی طرح آنسو برسا۔ تاکہ تو آفتاب حمل کی طرح دوسروں کی روحانی سرسبزی و شادابی کا باعث اور خود شاندار اور بابرکت ہو جائے۔

دیکھ تو نامردمت بن۔ بلکہ رجولیت کا علاج کر تاکہ ہر طرف سے سینکڑوں قسم کے حسین تیرے لیے نکل آئیں۔ یعنی تو اپنی اصلاح کر تاکہ تو فیوض ربانیہ کا مرجع بن جائے اور تو پُری معدہ کے فکر چھوڑ کر پُری دل کی فکر کر! تاکہ حق سبحانہٗ کی طرف سے بے حجابانہ تجھ پر سلام ہو۔

[فائدہ: بے حجابانہ سے رفع حجاب خاص مراد ہے جو کہ عوام اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہے۔ ورنہ مطلق حجاب مرتفع نہیں ہو سکتا]

ہم تم کو نصیحت کر چکے اب تم کو اختیار ہے اگر تم کو رستمی درکار ہے تو خنجر لو

اور اگر ہیجڑے پن کی طرف رغبت ہے تو اوڑھنا اوڑھو۔ اور اگر تمہیں رستمی درکار ہے تو جوشن پہنو۔ اور اگر ہیجڑے پن کی خواہش ہے تو جاؤ اغلام کراتے پھرو۔ خلاصہ یہ کہ ہم تم کو مشیخیت اور رندی کا طریق بتا چکے اب تمہیں اختیار ہے خواہ شیخ بنو اور اس کا طریق اختیار کرو اور خواہ دنیا دار بنو اور اُن کی وضع اختیار کرو ـــــ آگے پھر جوش شفقت ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ تم طول راہ اور اس کی صعوبتوں سے خوف زدہ نہ ہو جاؤ اور ہمت نہ ہارنا۔ اسلئے کہ اس راہ کو طے کرنا کچھ مشکل نہیں تم دو ایک قدم بہ تکلف چلو تاکہ آئندہ تمہارے لیے سہولت ہو جائے اور عشق تم کو اپنے آغوش میں لیکر مطلوب تک پہنچادے اور تم کو کچھ بھی زحمت نہ ہو۔ اور تم مردوں کی طرح معرکۂ نفس و شیطان میں قدم جماؤ۔ تاکہ تم سولی کے پاؤں میں نہ الجھ جاؤ اور ہلاکتِ ابدی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ تم عورتوں کی طرح زنانہ لباس میں کب تک رہو گے اسے چھوڑو اور سناں کی طرح مردوں کی صف میں آکر شامل ہو اور مردوں کی طرح جدوجہد کرو۔ اور عورتوں کی طرح ہمت نہ ہارو۔

غالب شدن حیلۂ روباہ بر استعصام و تعفّفِ خر و کشیدنِ

گدھے نے بچاؤ اور حفاظت پر لومڑی کے حیلہ کا غالب آجانا اور لومڑی کا

روباہ خر را بسوئے بیشۂ شیر

گدھے کو شیر کی کچھار کی جانب کھینچ لے جانا

روبہ اندر حیلہ پائے خود فشرد
لومڑی نے مکاری میں قدم رکھا

ریشِ خر بگرفت واں خر را ببرد
گدھے کی داڑھی پکڑی اور اُس گدھے کو لے گئی

مُطربِ آں خانقہ کوتا کہ تفت
اُس خانقاہ کا قوال کہاں ہے؟ کہ جلد

دَف زند کہ خَر برفت و خَر برفت
دَف بجائے، کہ گدھا گیا، گدھا گیا

چونکہ خرگوشے برد شیرے بچاہ
جب خرگوش شیر کو کنوئیں میں پہنچا دے

چوں نیارد روبہے خَر تا گیاہ
تو لومڑی گدھے کو گھاس کے پاس کیوں نہ لے آئیگی!

گوش را بربند و افسونہا مخَر
کان بند کرلے اور منتر نہ سُن

جز فسونِ آں ولیِّ داد گر
اُس فریاد رس ولی کے منتر کے سوا

استعصام۔ حفاظت چاہنا۔ تعفّف۔ پاکدامنی
بیشہ۔ جھاڑی۔

۴۳ پائے خود فشرد یعنی کھڑی ہوگئی۔ ریشِ خر گرفت۔ یعنی غالب آگئی۔ مطرب پہلے قصہ گذر چکا ہے کہ "خر برفت" کی دُھن میں دوسرے صوفیوں نے ایک صوفی کا گدھا بیچ کھایا تھا۔ چونکہ پہلے قصہ گذر چکا ہے کہ خرگوش نے دھوکے سے شیر کو کنوئیں میں گرادیا تھا

۵۱ گوش۔ مولانا سالک کو نصیحت کرتے ہیں کہ صرف شیخ کے قول پر عمل کر

آں فسونہا خوشتر از حلوائے اُو
اُس (فیروزی) کے حلوے سے یہ منتر بہتر ہیں
آنکہ صد حلواست خاکِ پائے اُو
کیونکہ سینکڑوں حلوے اُس کے پاؤں کی خاک ہیں

خُمہائے خُسروانی پُر زِ مے
شراب سے پُر شاہی مٹکوں نے
مایہ بُردہ از مےِ لبہائے وے
اُس کے ہونٹوں سے سرمایہ حاصل کیا ہے

عاشقِ مے باشد آں جانِ بعید
وہ (اُس سے) دور جان شراب کی عاشق ہو گئی
کو مے لبہائے لعلش را ندید
جس نے اُس کے لعل جیسے ہونٹوں کی شراب نہ دیکھی

آبِ شیریں چوں نہ بیند مُرغِ کور
اندھا پرند جب میٹھا پانی نہیں دیکھے گا
چوں نگردد گِردِ چشمہ آبِ شور
وہ کھاری پانی کا چکر کیوں نہ کاٹے گا؟

موسیِٰ جاں سینہ را سینا کُند
روحانی موسیٰؑ، سینہ کو سینا بنا دیتا ہے
طوطیانِ کُور را بینا کُند
اندھی طوطیوں کو بینا بنا دیتا ہے

خسروِ شیرینِ جاں نوبت زدست
روح کے شیریں شاہ نے ڈنکا پیٹ دیا ہے
لاجرم در شہر قند ارزاں شدست
لامحالہ شہر میں شکر سستی ہو گئی ہے

یُوسفانِ غیب لشکر میکشند
غیبی یوسف لشکر کشی کر رہے ہیں
تنگہائے قند مصری میرسند
مصری شکر کے بورے پہنچ رہے ہیں

اُشترانِ مصر را رُو سوئے ما
مصری اونٹوں کا رُخ ہماری جانب ہے
بشنوید اے طوطیاں بانگِ درا
اے طوطیو! گھنٹے کی آواز سنو

شہرِ ما فردا پُر از شکر شود
کل کو ہمارا شہر، شکر سے بھر جائے گا
شکر ارزان ست ارزاں تر شود
شکر سستی ہے (اور) زیادہ سستی ہو جائیگی

در شکر غلطید اے حلوائیاں
اے حلوائیو! شکر میں لوٹو
ہمچو طوطی کوریِ صفرائیاں
طوطی کی طرح، صفرائی لوگوں کے اندھے پن کے علی الرغم

نیشکر کوبید کار اینست و بس
کھانڈ کھوندو، بس کام یہی ہے
جاں بر افشانید یار اینست و بس
جان چھڑک دو، بس دوست یہی ہے

یک تُرش در شہرِ ما اکنوں نماند
ہمارے شہر میں اب کوئی کھٹا نہیں رہا
چونکہ شیریں خسرواں را بر نشاند
چونکہ شیریں نے بہت سے خسرو بٹھا دیے ہیں

نُقل بر نُقل ست و مے بر مے ہلا
آگاہ، نقل پر نقل، شراب پر شراب ہے
بر منارہ رو بزن بانگِ صلا
منارہ پر چڑھ جا، بلاوے کا اعلان کر دے

سرکہ نُہ سالہ شیریں میشود
نو سال کا سرکہ میٹھا ہو جائے گا
سنگِ مرمر لعل و زریں میشود
سنگِ مرمر لعل اور سنہرا ہو جائے گا

ا٥ منارہ۔ بلند جگہ پر چڑھ کر اعلان کیا جاتا ہے۔ ترا۔ یعنی بگڑنے بدکار۔ آفتاب یعنی شیخ کامل۔ ذرہ ہا۔ یعنی معتقدین۔ چشمہا۔ اب سالکوں کی نگاہیں مخمور ہیں۔ منصور۔ حلاجؒ نے فنا کے بعد بقا باللہ حاصل کر کے انا الحق کا نعرہ لگا دیا تھا۔
٢٥ نوجوان۔ مشہور ہے کہ زلیخا حضرت یوسفؑ کی دعا سے نوجوان بن گئی تھی مُراد یہ ہے کہ روح کی کمزوری کے بعد اُس کو نوجوانی حاصل ہو گئی۔ ہیچند۔ مشہور ہے کہ کالا دانہ کی دھونی سے نظر بد زایل ہو جاتی ہے۔ تو جہاں۔ یہ احوال جو ذکر کئے گئے ہیں خود تیرے ہیں تو ان سے خوش رہ تا کہ دنیا اصل مراد حاصل کر لے۔ گر خرے۔ اگر لومڑی گدھے کو ہلاک کر رہی ہے کرنے دے تو گدھا نہ بن اور بھیڑیے مکر زندہ رہ۔
٣٥ حکایت۔ اس حکایت سے یہ بتاتا ہے کہ اگر انسان، انسان بن جائے تو پھر گدھا پکڑنے والے سے اسے کوئی خطرہ نہیں جب تک انسان گدھا ہے وہ فریب کھاتا ہے۔

آفتاب اندر فلک دستک زناں
سورج آسمان میں دستک دے رہا ہے

ذرّہا چوں عاشقاں بازی کناں
ذرّے عاشقوں کی طرح رقص کر رہے ہیں

چشمہا مخمور شد از سبزہ زار
سبزہ زار سے آنکھیں نشیلی ہو گئی ہیں

گل شگوفہ میکند بر شاخسار
شاخوں پر پھول کھل رہے ہیں

چشمِ دولت سحرِ مطلق میکند
دولت کی آنکھ پورا جادو کر رہی ہے

رُوح شد منصور اناالحق میزند
روح منصور بن گئی ہے اناالحق کا نعرہ لگا رہی ہے

شد زیوسف آں زلیخا نوجواں
یوسفؑ کی وجہ سے زلیخا جوان ہو گئی

عشرت از سرگیر خوش خوش دماں
خوشی خوشی مسرت سے از سرِ نو عیش منا

آتشے اندر دلِ خود بر فروز
اپنے دل میں آگ روشن کرے

دفعِ چشمِ بد سپندانے بسوز
نظرِ بد کے دفع کرنے کے لئے کالا دانہ جلا

تو بحالِ خویشتن میباش شاد
تو اپنے حال پر خوش رہ

تا بیابی در جہانِ جاں مُراد
تاکہ تو جان کے جہان میں مراد حاصل کرے

گر خرے رامی بُرد رُوبہ زسر
اگر لومڑی گدھے کا سر کاٹ دیتی ہے

گو بُبر تو خر مباش و غم مخور
کہدے کاٹ دے، تو گدھا بن اور غم نہ کھا

حکایتِ آں شخص کہ از ترس خویشتن را در خانہ انداخت
اُس شخص کی حکایت جس نے خوف سے اپنے آپ کو گھر میں جا ڈالا، رُخساروں

رُخہا زرد کردہ چوں زعفران و لبہا کبود چوں نیل و دست
کو زعفران کی طرح زرد کئے ہوئے، اور ہونٹوں کو نیل کی طرح نیلا کئے ہوئے، ہاتھ درخت

لرزاں چوں برگِ درخت، خداوندِ خانہ پُرسید کہ خیر ست
کے پتوں کی طرح کپکپاتے ہوئے، گھر کے مالک نے دریافت کیا خیر ہے

وچہ واقعہ است گفت از بیروں خرمی گیرند بسُخرہ گفت
اور کیا واقعہ ہے؟ اُس نے کہا، باہر بیگار میں گدھے پکڑ رہے ہیں اُس نے کہا

تو خر نیستی چہ میترسی گفت بجدّ می گیرند و تمیز برخاستہ است
تو تو گدھا نہیں ہے کیوں ڈرتا ہے؟ اس نے کہا کوشش کر کے پکڑ رہے ہیں اور تمیز اٹھ گئی ہے

امروز ترسم کہ مرا خر گیرند
اب میں ڈرتا ہوں کہ مجھے گدھا سمجھ لیں

آں یکے از ترس در خانہ گریخت
ایک شخص خوف سے گھر میں بھاگ آیا

زرد رُو و لب کبود و رنگ ریخت
چہرہ زرد، ہونٹ نیلے، رنگ فق

آں لب ترنہا:
دوسرے لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں سے شیخ کی بات بدرجہا بہتر ہے۔ غمہای شاہی شراب میں مستی شیخ کی باتوں کی مستی سے آتی ہے۔ عاشق جو شخص شیخ سے دور ہوگا اور اُس نے شیخ کی باتوں کی مستی نہ حاصل کی ہوگی وہ شراب کی مستی سے محبت کر سکیگا۔

له آب شیریں۔ چونکہ یہ شیخ کی باتوں کی مستی سے محروم ہے اس لئے دوسروں کی باتوں پر دھیان دیتا ہے۔ مُرتبہ جاں۔ شیخ کا فیض بیضہ کو کوہ طور بنا دیتا ہے۔ خسرو۔ شیخ نے صلائے عام دے دی ہے اسی لئے اس وقت شہر میں قند ارزاں ہے۔ تو شغاب نیب۔ اس سے مراد روحانی شیوخ ہیں، حضرت یوسفؑ کی مناسبت سے قندِ مصری کا ذکر کیا ہے جس سے روحانی اسرار مراد ہیں۔

سه اشتران مصر۔ یعنی روحانی شیوخ۔ دِرا۔ جرس، گھنٹہ۔ طوطیان۔ وہ سالک جو اسرار کے طالب ہیں۔ صفراییان۔ جس شخص میں خلط صفراء کا غلبہ ہوتا ہے اس کو شکر اچھی نہیں لگتی اس سے مراد منکرین ہیں۔ شکر۔ اس سے مراد روحانی اسرار ہیں۔ ابد یعنی شیخ کامل نیک تُرش۔ اس سے مراد منکر بے شرم

[illegible]

۳

صاحبِ خانہ بگفتش خیر ہست — کہ ہمی لرزد ترا چوں بید دست

گھر کے مالک نے اُس سے کہا خیر ہے؟ کہ تیرا ہاتھ بید کی طرح لرز رہا ہے

واقعہ چونست چوں بگریختی — رنگِ رُخسارہ چنیں چوں ریختی

کیا واقعہ ہے، تو کیوں بھاگا! رُخسار کا رنگ کیوں فق ہو گیا!

گفت بہرِ سُخرۂ شاہِ حروں — خر ہمی گیرند امروز از بروں

اُس نے کہا ظالم بادشاہ کی بیگار کے لئے آج باہر سے گدھے پکڑ رہے ہیں

گفت[۲] میگیرند خر اے جانِ عم — چوں نہ خر رو ترا زیں چیست غم

اُس نے کہا اے بچا کی جان! وہ گدھے پکڑ رہے ہیں جبکہ تو گدھا نہیں ہے، جا تجھے اس سے کیا غم ہے!

گفت بس جدند و گرم اندر گرفت — گر خرم گیرند ہم نبود شگفت

اُس نے کہا وہ پکڑنے میں سخت اور سرگرم ہیں اگر مجھے بھی گدھا سمجھ لیں تو تعجب نہیں ہے

بہرِ خرگیری برآوردند دست — جدِّ جد تمییز ہم برخاستہ است

گدھے پکڑنے میں اُنھوں نے ہاتھ نکالے ہیں بہت کوشش میں تمیز بھی اُٹھ گئی ہے

چونکہ بے تمییزیاں ما سرورند — صاحبِ خر را بجائے خر برند

چونکہ بے تمیز لوگ ہمارے سردار ہیں گدھے کی بجائے گدھے والے کو پکڑ لے جائینگے

نیست[۳] شاہِ شہرِ ما بیہودہ گیر — ہست تمییزش سمیع ست و بصیر

ہمارے شہر کا بادشاہ خواہ مخواہ پکڑنے والا نہیں ہے اُسکو تمیز ہے، وہ سننے والا دیکھنے والا ہے

آدمی باش و ز خرگیراں مترس — خر نہٖ اے عیسیٰ دوراں مترس

تو آدمی بن جا اور گدھا پکڑنے والوں سے نہ ڈر تو گدھا نہیں ہے اے زمانے کے عیسیٰ تو نہ ڈر

چرخِ چارم ہم ز نورِ تو پرست — حاش للہ کہ مقامت آخرست

چوتھا آسمان بھی تیرے نور سے پُر ہے۔ خدا بچائے کہ تیرا مقام اصطبل ہو

تو ز چرخ و اختراں ہم برتری — گرچہ[۵] بہرِ مصلحت در آخری

تو آسمان اور ستاروں سے بھی بالاتر ہے اگرچہ مصلحتاً تو اصطبل میں ہے

میرِ آخر گرچہ در آخر بود — ہر کہ اُو را خر بگوید خر بود

اصطبل کا داروغہ اگرچہ اصطبل میں ہوتا ہے جو اُس کو گدھا کہے، وہ گدھا ہے

میرِ آخر دیگر و خر دیگرست — نے ہر آنکو اندر آخر شد خرست

داروغۂ اصطبل دوسری چیز ہے اور گدھا دوسری چیز ہے یہ نہیں ہے کہ جو اصطبل میں ہے وہ گدھا ہے

چہ در افتادیم در دنبالِ خر — [۶] از گلستاں گوی و ز گلہائے تر

ہم گدھے کے پیچھے کیا پڑ گئے چمن اور تر پھولوں کی بات کر

از انار و از ترنج و شاخِ سیب — وز شراب و شاہدانِ بے حسیب

انار کی اور لیموں کی اور سیب کی ٹہنی کی اور شراب کی اور بے حساب معشوقوں کی

ف۱ اس بیت میں شہر میں گدھے پکڑے جا رہے تھے ایک شخص ڈر کر ایک گھر میں گھس گیا۔ بید۔ بید کے درخت [illegible] کی لچک مشہور ہے۔ سُخرہ۔ بیگار۔ حروں۔ سرکش، ظالم۔

ف۲ گفت۔ صاحب خانہ نے کہا۔ گدھا نہیں ہے تو کیوں [illegible] جدِّ جد۔ کوشش [illegible] کے لئے [illegible] گدھے کی تمیز [illegible] چونکہ جب بے تمیز سردار ہیں۔ تو گدھے کی بجائے یہ لوگ گدھے والے کو بھی پکڑ سکتے ہیں۔

ف۳ نیست۔ اس شعر کا تعلق اس حکایت کی سُرخی کے پہلے شعر عیسیٰ چوں نہ خر ہے سے ہے۔ آدمی۔ انسان بن جا۔ عیسیٰ۔ انسان کو عیسیٰ صفت ہونا چاہیے خر عیسیٰ نہ ہونا چاہیے۔ چرخ چارم۔ جبکہ انسان کو عیسیٰ صفت ہونا چاہیے۔ تو جیسا کہ حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان پر ہیں اسی طرح انسان کامل کا مقام بھی چوتھا آسمان ہے۔

ف۵ گرچہ۔ ہدایت دینے اور پانے کے لئے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ میرِ آخر۔ اصطبل میں ہونے سے گدھا ہونا ضروری نہیں ہے داروغۂ اصطبل، اصطبل میں ہے لیکن گدھا نہیں ہے..... اسی طرح اہل اللہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیادار نہیں ہیں۔ چہ۔ مولانا کا اپنے آپ کو خطاب ہے کہ گدھے کے قصہ کو چھوڑ کر عالمِ آخرت

یا ازاں دریا کہ موجش گوہرست — گوہرش گویندہ و بینا ورست
یا اُس دریا کی، جس کی موج موتی ہے — اُس کا موتی گویا اور بینا ہے

یا ازاں مُرغاں کہ گلچیں میکنند — بیضہا زریں و سیمیں می کنند
یا اُن پرندوں کی، جو پھول چُنتے ہیں — سونے اور چاندی کے انڈے دیتے ہیں

یا ازاں بازاں کہ کبکاں پرورند — ہم نگوں اشکم ہم استاں میپرند
یا اُن بازوں کی جو چکوریں پالتے ہیں — پیٹ کے بل بھی اور چت بھی اُڑتے ہیں

نردبانہائیست پنہاں در جہاں — پایہ پایہ تا عنانِ آسماں
دنیا میں مخفی سیڑھیاں ہیں — درجہ بدرجہ، آسمان کی بلندی تک

ہر گروہ را نردبانے دیگرست — ہر روش را آسمانے دیگرست
ہر گروہ کی ایک دوسری سیڑھی ہے — ہر رفتار کے لئے ایک دوسرا آسمان ہے

۳؎ ہر یکے از حالِ دیگر بے خبر — مُلک باپہنا و بے پایان و سر
ہر ایک دوسرے کی حالت سے بے خبر ہے — مُلک وسیع ہے اور بے ابتدا اور بے انتہا ہے

ایں دراں حیراں کہ اُو از چیست خوش — واں دریں خیرہ کہ حیرت چیستش
یہ اُسکے بارے میں حیران کہ وہ کس چیز سے خوش ہے؟ — وہ اِسکے بارے میں حیران ہے کہ اُسکی حیرت کس وجہ سے ہے

صحنِ ارض اللہ واسع آمدہ — ہر درختے از زمینے سر زدہ
اللہ کی زمین کا صحن وسیع ہے — ہر درخت ایک زمین سے اُگا ہے

۴؎ بر درختاں شکر گویاں برگ و شاخ — کہ زہے مُلک و زہے عرصہ فراخ
درختوں پر پتّے اور شاخیں شکر ادا کرتی ہیں — کہ عجب مُلک ہے اور عجب وسیع میدان ہے

بُلبلاں گردِ شگوفہ پُر گرہ — کہ ازاں چہ میخوری مارا بدہ
بلبلیں تہ بہ تہ شگوفے کے چاروں طرف (گھومتی ہیں) — کہ اُس میں سے کیا کھا رہا ہے؟ ہمیں دے

ایں سخن پایاں ندارد کُن رجوع — سُوئے آں رُوباہ و شیر و سقم و جوع
یہ بات خاتمہ نہیں رکھتی ہے، واپسی کر — اُس لومڑی اور شیر اور بیماری اور بھوک کی جانب

۲؎ از گلستاں۔ یہ سب جنت کی چیزیں ہیں۔ دریا۔ اِس سے مراد ذاتِ حق ہے۔ مُرغان۔ یعنی اولیاء اللہ۔۔۔ بازاں۔ یعنی ملائکہ۔ کبکاں۔ یعنی نفوسِ قدسیہ۔ نردبانہا۔ یعنی عروج کے مختلف راستے ہیں مشہور ہے کہ اللہ تعالےٰ کی جانب جانیوالے راستے انسانوں کے سانسوں کی تعداد کی بقدر ہیں۔ عنان۔ فضا جو نظر آتی ہے۔ روش یعنی سلوک۔

۳؎ ہر یکے۔ ہر سالک پر جو تجلّی ہے دوسرا اُس سے بیخبر ہے حتّٰی کہ بسا اوقات مرید پر جو تجلّی ہوتی ہے شیخ اُس سے بے خبر ہوتا ہے۔ ایں۔ ہر سالک چونکہ دوسرے سالک کی تجلّی سے بے خبر ہے اِسلئے وہ دوسرے پر حیران ہوتا ہے۔ صحن۔ قربِ الٰہی اسقدر وسیع ہے کہ اُسمیں طرح طرح کے معارف اُگے ہوئے ہیں۔

۴؎ بر درختاں۔ ہر درخت کی شاخ و برگ خدا کی تسبیح میں مصروف ہے۔ بُلبلاں۔ یعنی سچے عاشق۔ ایں سخن۔ یہ عالمِ غیب کا بیان نہ ختم ہونے والا ہے۔

شرح

لومڑی دھوکا دینے پر جم گئی اور بالآخر اُسنے دھوکا دے لیا اور گدھے کی ڈاڑھی پکڑ کر لے گئی۔ کہاں ہے اُس خانقاہ کا قوّال جس کا قصّہ دفترِ دوم میں مذکور ہُوا۔ تاکہ وہ تیزی کے ساتھ گائے، گدھا چل دیا۔ گدھا چل دیا۔ کیونکہ یہ بہت اچھا ہو

سچ ہے کہ فریب بُری بلا ہے اسکے ذریعہ سے ایک خرگوش شیر کو کنوئیں پر لے جاکر ہلاک کردیتا ہے جیساکہ تم کو دفتر اوّل میں معلوم ہوا اور جبکہ خرگوش شیر کو کنوئیں میں ڈال کر ہلاک کرسکتا ہے تو ایک بوڑھے گدھے کو سبزہ تک کیوں نہ لے جاسکے گی خود لے جاسکے گی۔ اور لے گئی۔ بس تم اپنے کان بند کرو۔ اور بجز افسونِ ولی حق کے کسی کا افسوں نہ سُنو! ولی حق کا کون سا افسون! اس کا وہ افسون جوکہ شیرینی اور مفید ہونے میں حلوے سے بڑھ کر ہے اور اس کا وہ افسوں کہ سینکڑوں حلوے اسکے پاؤں کی خاک ہیں۔ اُس ولی حق کی یہ شان ہے کہ شراب سے بھرے ہوئے شاہی مٹکے اس کے برتنوں کے شراب سے کب انکار کرتے ہیں اور ایسی حالت میں اس شراب معروف کا وہی عاشق ہوسکتا ہے جسنے اُس کے لب لعل کی شراب نہیں دیکھی اور ایسے کو اس پر عاشق ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ جب کوئی اندھا جانور آبِ شیریں کو نہ دیکھے گا تو وہ چشمہ آبِ شور کا طواف کیوں نہ کریگا ضرور کرے گا پس جو اسکی شراب لب لعل نہ دیکھے گا وہ ضرور اسی شراب پر عاشق ہوگا۔

صاحبو! وہ موسیٰ رُوح سینہ کو طورِ سینا کی طرح مہبط انوار الٰہیہ بنا دیتا ہے اور اندھی طوطیوں یعنی محجوبین کو بینا اور صاحبِ بصیرت کردیتا ہے اس رُوح کے شیریں خسرو نے جو نقارہ بجایا ہے تو ہمارے شہر میں شکر سستی ہوگئی ہے کیونکہ شاہدانِ غیبی کثرت سے آرہے ہیں اور قند مصری کی گونوں پر گونیں چلی آرہی ہیں۔ ایسی حالت میں شکر کو کون پوچھتا ہے۔ ارے طوطیو! مصر کی قند سے لدے ہوئے اونٹ ہماری طرف آرہے ہیں۔ دیکھو! وہ گھنٹی کی آواز آرہی ہے۔ پھر کل کو ہمارا شہر شکر سے بھر جائے گا اور کچھ تو شکر سستی ہے کل اور بھی سستی ہوجائیگی اور اے شیریں کے شائقو! تم طوطی کی طرح لوٹو۔ گو مبتلائے صفرا ... لوگوں کو اسسے ناگواری لاحق ہو اور اب تم گنے چوسو۔ کیونکہ اب اسکے سوا کچھ کام نہیں ہے۔ اور بس معشوق پر جان فدا کرو۔ کیونکہ صرف یہ ہی ایک شخص ہے جو معشوقی کے قابل ہے۔ جب سے اس شیریں خسرو نے شکر افشانی شروع کی ہے اس وقت

سے ہمارے شہر میں ایک چیز کھٹی نہیں رہی - سب میٹھی ہوگئیں -
نقل پر نقل اور شراب پر شراب ہے - دیکھو! تم منارہ پر کھڑے ہو کر اعلان کردو!
کہ آؤ جیسی شراب پیتے ہو نبیذ اب تو سال کا پرانا سرکہ شیریں ہو رہا ہے اور سنگ
مرمر، لعل اور زریں ہو رہا ہے - آفتاب فلک پر تالیاں بجا رہا ہے اور ذرے شوق
میں اچھل کود کر رہے ہیں - سبزہ کی یہ حالت ہے کہ سبزہ زار کے دیکھنے سے آنکھوں میں
نشہ آتا ہے اور شاخوں پر پھول کھل رہے ہیں اور چشم دولت کا غضب کا جادو
کر رہی ہے کسی کو پانی میں نہیں چھوڑا - سب پر اپنا تسلط جما لیا اور ان کو مدہوش
کر دیا - اور روح منصور بن کر .... اُنا الحق کہہ رہے ہیں اور اس یوسف نے زلیخا
کو نوجوان کر دیا ہے پس تم اب نئے سرے خوش خوش عیش و عشرت میں مصروف اور اپنے سینہ
میں عشق کی آگ جلاؤ اور رفع چشم بد کے لیے یہ سپندان روشن کرو اور اپنی حالت
میں خوش رہو - تاکہ عالمِ روح میں تمہارا مقصد حاصل ہو - اگر گدھے کو لومڑی سر
پکڑ کر لے جاتی ہے تو لے جانے دو - تم گدھے نہ بنو اور پرواہ نہ کرو (خلاصہ یہ کہ عارف
کامل ہی مطلوب ہے لوگوں کو اسی کا طالب ہونا چاہیئے اس کے وقت میں فیض ربانیہ
کی کثرت ہوتی ہے - اور اہل معنی کے لیے وہ نہایت عیش کا زمانہ ہوتا ہے اور اس وقت
بہت دلوں کی بگڑی ہوئی سنور جاتی ہے اور جو لوگ ان کی صحبت سے آدمی ہو جاتے
ہیں ان کو شیطان اور نفس کا خطرہ نہیں رہتا) ایک شخص خوف سے ایک گھر میں بھاگا -
خوف کے مارے چہرے کا رنگ زرد تھا - ہونٹ نیلے تھے اور منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں
اسکی یہ حالت دیکھ کر صاحب خانہ نے پوچھا کہ میاں خیر تو ہے - تمہارا جسم بید کی طرح کانپ
رہا ہے - بات کیا ہے اور تم کیوں بھاگتے ہو اور تمہارے چہرہ کا رنگ کیوں اُڑ گیا ہے
اسنے جواب دیا کہ بادشاہ کے بیگار کے لیے لوگ باہر گدھے پکڑ رہے ہیں یہ سُنکر اس
نے جواب دیا کہ میاں گدھے ہی تو پکڑ رہے ہیں جبکہ تم گدھے نہیں ہو - تو تمہیں کیا فکر ہے
تم جاؤ اپنا کام کرو اسنے کہا کہ جناب! وہ اس کام میں نہایت سر گرم ہیں - ایسی حالت
میں اگر وہ مجھے بھی گدھا ہی سمجھ لیں تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ انہوں نے گدھوں کے پکڑنے پر سخت دست

درازی کی ہے اور تمیز اُٹھ گئی ہے اور چونکہ ہمارے سردار بے تمیز ہیں اسلئے وہ گدھے والے کو بھی بجائے گدھے کے لیجاتے ہیں۔ سو صاحبو! ------------

ہمارے ملک کا بادشاہ اس بیہودگی سے نہیں پکڑتا۔ اُس کو آدمیوں اور گدھوں میں امتیاز ہے وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے بس تم آدمی ہو جاؤ اور گدھا پکڑنے والوں .. (نفس و شیطان) سے نہ ڈرو کیونکہ اگر انہوں نے تم پر دست درازی کی ہے تو وہ بادشاہ انکو روک دیگا۔ تم گدھے نہیں ہو بلکہ عیسیٰ دوراں ہو پھر کیوں ڈرتے ہو بالکل خوف نہ کرو تمہارے نور سے تو چرخ چہارم پر ہے کیونکہ تمہاری خلقت ہی اسکی خلقت اور اسکے نور کا سبب ہے

پھر اصطبل تمہاری جگہ کیوں ہونے لگا تھا۔ حاشا للہ ایسا نہو ..... کہ تم مصلحۃً اصطبل (دُنیا) میں رکھے گئے ہو مگر تم تو آسمان اور ستاروں سے بھی رفیع القدر ہو اور ہرگز گدھے نہیں ہو اور نہ تمہارے اصطبل دنیا میں ہونے کے لیے تمہارا گدھا ہونا لازم ہے کیونکہ .. .. داروغہ اصطبل ہی اصطبل میں ہوتا ہے مگر گدھا نہیں ہوتا جو اسے گدھا کہے وہ خود گدھا ہے داروغہ اصطبل اور چیز ہے گدھا اور چیز۔ اُسکے اصطبل میں ہونے سے اس کا گدھا ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ کچھ ضرور نہیں ہے اگر کوئی اصطبل میں ہو گدھا ہو۔ لاحول ولا قوۃ۔ ہم کیا گدھے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ابھی اس کا ذکر چھوڑو۔ اور گلستان۔ گل تر۔ انار، ترنج۔ شاخ سیب شراب، بے شمار معشوقوں کا ذکر کرو۔ اور فیوض عالمِ غیب کو بیان کرو یا اس دریا کا ذکر کرو جس کی موج موتی ہے اور جس کا موتی .... بولنے والا اور دیکھنے والا ہے یعنی حق سبحانہٗ، کا ذکر کرو جنہں انسان کو پیدا کیا جو اپنی گرانی قدر کے سبب بمنزلہ موتی کے ہے یا اُن جانوروں کا ذکر کرو جو گل چینی کرتے اور سونے چاندی کے انڈے دیتے ہیں یعنی اُن مقدس لوگوں کا ذکر کرو جو خود عالمِ غیب سے فیض یاب ہوتے اور اعمال صالحہ کرتے ہیں مگر خدمتِ خلق اُن سے متعلق نہیں ہے یا اُن بازوں کا ذکر کرو جو کہ چکوروں کی تربیت کرتے ہیں اور اوندھے بھی اڑتے ہیں اور سیدھے بھی یعنی اُن اہل اللہ کا ذکر کرو جو کہ لوگوں کی تربیت کرتے اور حسب قوت و استعدا بعنوان مختلف ترقی کرتے ہیں۔ بعنوان مختلف

ہم نے اسی لیے کہا کہ آسمان تک درجہ بدرجہ مخفی سیڑھیاں لگے ہوئے ہیں اور ہر گروہ کے لیے ایک جداگانہ سیڑھی ہے اور ہر رفتار کے لئے ایک دوسرا آسمان مرتبت ہے اور ان لوگوں میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک کے حال کی دوسرے کو خبر نہیں کیونکہ ملک معنی نہایت وسیع اور بے حد و نہایت ہے اور ان کے احوال میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک دوسرے کو جوش دیکھ کر حیران ہے کہ یہ جوش کیوں ہے دوسرا اسکی حیرت سے متحیر ہے کہ یہ حیران کیوں ہے اس میں تحیر کی بات کیا ہے نیز صحن ارض اللہ اور سرزمین قلب نہایت وسیع ہے اور ہر درخت معرفت ایک جداگانہ زمین سے پیدا ہوا ہے اور ان درختوں کی شاخیں اور پتے (آثار و نتائج) بونے والے کا شکر کر رہے ہیں کہ عجیب فراخ زمین ہے اور... بلبلیں (طالبین) شگوفوں کے گرد مجتمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو غذا تم نے کھائی ہے جس سے تم کو یہ حسن و لطافت حاصل ہوئے ہیں اس سے تم ہم کو بھی دو۔ خیر یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی اس سے لومڑی اور شیر اور اسکی بیماری اور بھوک کی طرف لوٹنا چاہیے اور ان کا بیان کرنا چاہیے۔

بُردنِ روباه آں خر را پیشِ شیر و جَستنِ خر از شیر و عتاب کردنِ
لومڑی کا اُس گدھے کو شیر کے سامنے لے جانا اور گدھے کا شیر سے کود بھاگنا اور لومڑی

روباه با شیر کہ ہنوز خر دور بُود کہ تعجیل کردی و عُذر گفتنِ شیر و
کا شیر پر غصہ کرنا کہ گدھا ابھی دور تھا، کہ تو نے جلدی کردی اور شیر کا معذرت کرنا

لابہ کردنِ شیر روباه را کہ برو بارِ دیگرش بفریب
اور شیر کا لومڑی کی خوشامد کرنا کہ جا دوبارہ اُس کو فریب دے

چونکہ روباہش بسُوئے مَرج بُرد
لومڑی جب اُس کو چراگاہ کی جانب لے گئی

تا کُند شیرش بحملہ خُرد مُرد
تاکہ شیر حملے سے اُس کو خُرد بُرد کر دے

دور بُود از شیر و آں شیر از نبرد
وہ شیر سے دُور تھا اور شیر نے جنگ کی وجہ سے

تا بہ نزدیک آمدن صبرے نکرد
اُس کے نزدیک آجانے تک صبر نہ کیا

گنبدی کرد از بُلندی شیرِ ہول
ہوناک شیر نے اونچائی سے چھلانگ لگائی

خود نبُودش قُوّت و اِمکانِ حُول
اُس میں خود، قُوّت اور طاقت کا اِمکان نہ تھا

۲۵ بُردن۔ لومڑی گدھے کو بہکا کر شیر کے پاس لے گئی، گدھا قریب نہ پہنچا تھا کہ شیر نے ناکام حملہ کر دیا اور گدھا بھاگ گیا۔ شیر نے لومڑی کی خوشامد کی کہ دوبارہ گدھے کو لا۔ مرج۔ چراگاہ۔ دور۔ گدھا ابھی شیر سے دور تھا شیر نے حملہ کر دیا۔

خر ز دورش دید و برگشت و گریخت
گدھے نے اُس کو دور سے دیکھا اور پلٹ گیا اور بھاگ گیا

تا بزیرِ کوہ تازاں نعل ریخت
پہاڑ کے نیچے تک بھاگا چلا گیا

گفت روبہ شیر را اے شاہِ ما
لومڑی نے شیر سے کہا، اے ہمارے بادشاہ!

چوں نکردی صبر در وقتِ وغا
تو نے معرکہ کے وقت صبر کیوں نہ کیا؟

تا بہ نزدیکِ تو آید آں غوی
تاکہ وہ گمراہ تیرے قریب آجاتا

تا بہ اندک حملۂ غالب شوی
تاکہ تو تھوڑے سے حملے سے غالب ہوجاتا

مکرِ شیطان ست تعجیل و شتاب
عجلت اور جلد بازی شیطان کا مکر ہے

لطفِ رحمان ست صبر و احتساب
صبر اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنا خدا کی مہربانی ہے

دُور بُود و حملہ را دید و گریخت
وہ دُور تھا اور حملہ دیکھا اور بھاگ گیا

ضعفِ تو ظاہر شد و آبِ تو ریخت[1]
تیری کمزوری ظاہر ہوگئی اور تیری آبرو ریزی ہوگئی

گفت من پنداشتم بر جاست زور
اُس نے کہا، میں سمجھا طاقت بحال ہے

خود بُدم زیں ضعفِ خود نادان و کور
اپنی اس کمزوری سے میں خود نادان اور اندھا تھا

لیک گفتم زورِ من بر جا بُود
لیکن میں نے کہا، میری طاقت بحال ہوگی

نے کہ در من ضعفِ دست و پا بُود
نہ کہ مجھ میں ہاتھ اور پاؤں کی کمزوری ہوگی

نیز جوع و حاجتم از حد گذشت
لیکن میری بھوک اور ضرورت حد سے گذر گئی

صبر و عقلم از تجوّع یاوہ گشت
بھوک کی وجہ سے میرا صبر اور عقل بیکار ہوگئی

گر توانی بارِ دیگر از خرد
اگر تو عقلمندی سے دوبارہ

باز آوردن مر او را می سزد
اس کو پھر لاسکے تو مناسب ہے

منتِ بسیار دارم از تو من
مجھ پر تیرا بہت احسان ہے

جہد کن باشد بیاریش بفن
کوشش کر، شاید مکر سے تو اس کو دوبارہ لے آئے

گر[2] خدا روزی کند آں خر مرا
اگر اللہ تعالےٰ اُس گدھے کو میری روزی بنادیگا

بعد ازاں بس صیدہا بخشم ترا
اُس کے بعد تجھے بہت شکار بخشوں گا

گفت آرے گر خدا یاری دہد
اُس نے کہا ہاں اگر خدا مدد کرے گا

بر دلِ او از عمی مہرے نہد
اُس کے دل پر اندھے پن کی مُہر لگا دے گا

پس[3] فراموشش شود ہولے کہ دید
تو وہ اُس خوف کو بھول جائیگا جو اُس نے دیکھا

از خریِ او نباشد ایں بعید
اُس کے گدھے پن سے یہ بعید نہیں ہے

لیک چوں آرم من او را بر متاز
لیکن جب میں اُس کو لے آؤں، دوڑ نہ پڑنا

تا بباد ش ندہی از تعجیل باز
تاکہ تو پھر جلدی کی وجہ سے اسکو برباد نہ کردے

۳ہ تندی کردن - چوکڑی بھرنا - حول - طاقت - نعل ریختن - تیز دوڑنا - وغا - جنگ - غوی - گمراہ یعنی گدھا - مکر شیطان - حدیث شریف ہے جلد بازی شیطانی ہے اور آہستگی خدا کی جانب سے ہے

لہ آب ریختن - بے آبرو ہونا - گفت - شیر نے کہا میں سمجھا تھا کہ میری قوت بحال ہے اور میں اپنی کمزوری سے ناواقف تھا - لیک - شیر نے کہا میں سمجھا تھا کہ مجھ میں طاقت ہے اور میرے ہاتھ پاؤں کمزور نہیں ہیں - نیز - دوسری وجہ جلد حملہ کی یہ بھی ہوئی کہ بھوک بہت لگ رہی تھی اور بھوک میں عقل گم ہوگئی تھی - گر توانی - تیری عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ تو اُس کو دوبارہ لے آ - منت - تیرا مجھ پر بہت احسان ہے مزید کرم ہوگا کہ دوبارہ لے آئے۔

۲ہ گر خدا - اگر خدا نے مجھے گدھے کی روزی دے دی تو میں کھا کر قوی ہوجاؤں گا پھر بہت شکار کرکے تجھے کھلایا کروں گا - گفت - لومڑی نے کہا اگر خدا کی مدد شامل حال رہی تو پھر گدھے کے دل پر اندھے پن کی مہر لگ جائے گی۔

۳ہ پس - پہلے حملہ کا خوف وہ بھول جائیگا - لیک - لیکن اگر میں جلد میں اُس کو لے آؤں، تو جلدی کرکے اسکو برباد نہ کردینا۔

گفت آرے تجربہ کردم کہ من — سخت رنجورم مخلخل گشتہ تن

اس نے کہا، ہاں میں نے تجربہ کرلیا ہے کہ میں — سخت بیمار ہوں، جسم ڈھیلا ہوگیا ہے

تا بہ نزدیکم نیاید خر تمام — من نہ جُنبم خفتہ باشم بر قوام

جب تک گدھا بالکل میرے پاس نہ آجائیگا — میں حرکت نہ کرونگا سوتا رہونگا طریقہ کے مطابق

رفت روبہ گفت اے شہ ہمتے — تا بپوشد عقلِ اُو را غفلتے

لومڑی روانہ ہوئی، بولی اے شاہ! — تاکہ غفلت اُس کی عقل کو چھپا دے

توبہا کردست خر با کردگار — کہ نگردم غرّۂ ہر نابکار

گدھے نے خدا سے بہت توبہ کرلی ہوگی — کہ میں ہر نالائق کے دھوکے میں نہ آؤں

عقلِ خر بازیچۂ دستانِ ماست — فکرتش کباذۂ طفلانِ ماست

گدھے کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے — اُس کی سمجھ ہمارے بچوں کی نرم کمان ہے

توبہایش را بفن برہم زنیم — ما عدوّے عقل و عہدِ روشنیم

ہم مکر سے اُس کی توبہ کو توڑ دیں گے — ہم عقل اور روشن عہد کے دشمن ہیں

کلّۂ خر گوئے فرزندانِ ماست — فکرتش بازیچۂ دستانِ ماست

گدھوں کا کلّہ ہماری اولاد کی گیند ہے — اُس کی سمجھ ہمارے مکر کا کھلونا ہے

عقل کاں باشد ز دورانِ زحل — پیشِ عقلِ کل ندارد آں محل

وہ عقل جو زحل کی رفتار سے (پیدا) ہو — عقلِ کُل کے سامنے وہ مرتبہ نہیں رکھتی ہے

از عطارد وز زحل دانا شد اُو — ما ز دادِ کردگارِ لطف خُو

وہ عطارد اور زحل سے عقلمند بنا ہے — ہم مہربان خدا کی عنایت سے

عَلَّمَ الْاِنْسَاں خمِ طغرائے ماست — علمِ عنداللہ مقصدہائے ماست

"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ" ہمارے طغرا کا دائرہ ہے — اللہ کا علم، ہمارے مقاصد ہیں

تربیہ آں آفتابِ روشنیم — رَبِّیَ الْاَعْلٰی ازاں رو می زنیم

ہم اُس روشن سورج کی تربیت ہیں — اسی لئے ہم رَبِّیَ الْاَعْلٰی کا نعرہ لگاتے ہیں

تجربہ گر دارد اُو با ایں ہمہ — بشکند صد تجربہ زیں دمدمہ

اگر وہ تجربہ رکھتا ہے تو اس سب کے ہوتے ہوئے — سینکڑوں تجربے اس مکر سے ٹوٹ جائیں گے

بُو کہ توبہ بشکند آں سست خُو — در رسد شومیِ اشکستن درو

ہوسکتا ہے کہ وہ کاہل توبہ توڑ دے — (توبہ) توڑنے کی بدبختی اُس میں اثر کرے

مخلخل۔ ڈھیلا۔ تا بہ نزدیکم۔ شیر نے کہا اس بار جب وہ قریب آجائیگا تو حملہ کرونگا ورنہ قاعدہ کے مطابق سوتا رہوں گا۔ ہمت۔ باطنی توجہ۔

لہ نابکار۔ نالائق۔ بازیچہ۔ کھلونا۔ دستاں۔ مکر۔ کباذہ۔ بچوں کے کھیلنے کی نرم کمان۔ توبہایش۔ لومڑی نے کہا ہم اُس کی توبہ کو توڑ دیں گے۔ کلّۂ خر۔ گدھے ہمارے بچوں کا کھلونا ہیں اور اُن کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے یہی حال شیطان اور عوام کا ہے۔ زحل۔ زحل ستارے کی تاثیر سے بچہ کی عقل میں ذہانت پیدا ہوتی ہے لیکن زحل کی عطا کردہ عقل، عقلِ کل کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ از عطارد۔ عوام کی عقول عطارد اور زحل ستاروں کی تاثیر سے ہیں شیطان کی عقل خداداد ہے۔

۲ہ عَلَّمَ الْاِنْسَان۔ ان اشعار میں مولانا نے لومڑی کی زبان سے عقلِ کامل کے صفات بیان فرمائے ہیں قرآن پاک میں ہے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں مذکور ہے قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ آپ کہہ دیجئے علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ تربیہ۔ عقلِ کامل کو اللہ کی تربیت حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ خداوندِ قدوس کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ تجربہ۔ لومڑی نے کہا، مجرّب۔ ہوسکتا ہے کہ وہ گدھا اپنی توبہ توڑ ڈالے اور توبہ شکنی کی بدبختی میں مبتلا ہوجائے۔

در[۵۳] بیانِ آنکہ نقضِ عہد و توبہ مُوجبِ بلا بُوَد بلکہ مُوجبِ مسخ

اس کا بیان کہ توبہ اور عہد کو توڑنا مصیبت کا سبب ہوتا ہے بلکہ مسخ کا

ست چنانکہ در حقِ اصحابِ سبت و اصحابِ مائدہ عیسیٰ

سبب ہے، چنانچہ سبت والوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان والوں کے

علیہ السّلام کہ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیرَ و اندریں

بارے میں ہے اور کردیا اُن میں سے بندر اور سُؤر اور اِس اُمت میں

اُمت مسخ دل باشد نعوذُ باللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ و روزِ قیامت

دل مسخ ہوگا ہم اِس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور قیامت کے

تن را صورتِ دل دہند

دن بدن کو دل کی صورت دے دینگے

نقضِ[۱] میثاق و شکستِ توبہا
مُوجبِ لعنت شَوَد در انتہا

عہد کا توڑنا اور توبہ کا توڑنا
انجام کار، لعنت کا سبب ہوتا ہے

نقضِ عہد و توبہ اصحابِ سبت
مُوجبِ مسخ آمد و اہلاک و مقت

سبت والوں کا توبہ اور عہد کو توڑنا
مسخ اور ہلاکت اور عتاب کا سبب بنا

پس خدا آں قوم را بوزینہ کرد
چونکہ عہدِ حق شکستند از نبرد

تو خدا نے اُس قوم کو بندر بنا دیا
چونکہ اُنھوں نے ضد سے اللہ کا عہد توڑا

اندریں[۲] اُمت نہ بُد مسخِ بدن
لیک مسخِ دل بُوَد اے ذُو الفطن

اِس اُمت میں جسمانی مسخ نہ تھا
لیکن اے سمجھدار! دل کا مسخ ہوتا ہے

چوں دلِ بوزینہ گردد آں دلش
از دلِ بوزینہ شد خوار آں گلش

جب اُس کا دل، بندر کا دل ہو گیا
اُس کی مٹی، بندر کے دل سے زیادہ ذلیل ہو گئی

گر ہنر بودے دلش را ز اختیار
خوار کے بُودے بصورت آں حمار

اگر اُس کے دل میں کوئی اختیاری ہُنر ہوتا
تو صورت کے اعتبار سے وہ گدھا ذلیل کیوں ہوتا؟

آں سگِ اصحاب خوش بُد سیرتش
ہیچ بودش منقصت زاں صورتش

اصحاب (الکہف)، کے کُتّے کی سیرت اچھی تھی
اُس صورت سے اُسکو کوئی نقصان تھا؟

مسخِ[۳] ظاہر بُود اہلِ سبت را
تا بہ بیند خلق ظاہر کبت را

سبت والوں کا مسخ ظاہر تھا
تاکہ کھلے ہوئے اوندھے مُنہ ہونے کو مخلوق دیکھ لے

از رہِ سر صد ہزاران دگر
گشتہ از توبہ شکستن خوک و خر

باطنی طور پر دوسرے لاکھوں
توبہ توڑنے کی وجہ سے سؤر اور گدھے بنے ہیں

۵۳ دربیان۔ اب مولانا سمجھاتے ہیں کہ اللہ کے عہد اور توبہ کو توڑنے سے بدبختی آتی ہے پہلی قوموں میں تو عہد شکنی کی وجہ سے سؤر اور بندر بنا دی گئیں الخنزیر کی امت میں سے صوری مسخ تو نہیں ہے لیکن باطنی مسخ ہوتا ہے یعنی دل سؤر اور بندر بن جاتا ہے اور قیامت میں یہ انسان اُس دل کی صورت اختیار کرے گا۔

۱ نقض۔ یہود نے عہد کیا تھا کہ وہ ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار نہ کھیلا کریں گے لیکن انھوں نے اِس عہد کو توڑا اور اِس کے نتیجہ میں اُن کو مسخ کر کے بندر اور سؤر بنا دیا گیا۔ سَبت۔ ہفتہ کا دن۔ مُقت۔ غصہ، عتاب۔ بوزینہ۔ بندر۔ شکستند۔ عہد کے باوجود ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کھیلنے لگے۔

۲ اندریں۔ اُمتِ محمدیہ میں صوری مسخ نہ ہوگا باطنی مسخ ہوگا۔ چوں دلِ بوزینہ۔ جب انسان کا دل، بندر کا دل بن جائے تو اُس کا جسم بندر کے دل سے بھی بدتر ہے۔ گر ہنر۔ حُسن و خوبی میں صورت سے زیادہ دل معتبر ہے۔۔۔ اصحاب۔ اصحاب کہف کے کتّے کا دل بھلا تھا صورت کی بُرائی سے اُس پر کوئی عیب نہ آیا۔

۳ مسخ ظاہر۔ جسمانی مسخ میں یہ حکمت ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ از رہِ سر۔ باطنی طور پر لاکھوں ممسوخ ہیں جو عہد شکنی کی وجہ سے گدھے اور سؤر بنے ہوئے ہیں۔

شرح

جبکہ لومڑی گدھے کو چراگاہ کی جانب اسلئے لے گئی کہ شیر اُسے حملہ کرکے چٹ کرجائے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ گدھا ہنوز دُور تھا۔ شیر نے اسکے پاس آنے تک صبر نہ کیا اور اس ہولناک شیر نے اونچے سے جست کی۔ مگر اس میں جست کی قوت اور طاقت نہ تھی اسلئے وہ گدھے تک نہ پہنچ سکا گدھے نے دُور سے یہ واقعہ دیکھا اور وہیں سے لوٹ گیا اور دامن کوہ تک اتنا بھاگا کہ بھاگتے ہوئے نعل بھی ٹوٹ کر گر پڑی۔ یہ حالت دیکھ کر لومڑی نے شیر سے کہا کہ حضور! آپنے معرکہ میں اس قدر صبر کیوں نہ کیا کہ وہ آپکے قریب آجاتا۔ تاکہ معمولی سے حملہ میں آپ اس پر غالب ہوجاتے —— یہ بات نہایت نامناسب تھی۔ آپ کو واضح ہو کہ عجلت شیطانی فریب ہے اور صبر اور عجلت سے پرہیز عنایت حق سبحانہٗ ہے (کما قال صلی اللہ علیہ وسلم العجلة من الشیطان والتانّی من الرحمٰن) وہ ہنوز دُور تھا آپنے اس پر حملہ کردیا اس نے حملہ کو دیکھا اور بھاگ گیا اس سے آپ کی کمزوری ظاہر ہوئی اور آبرو جاتی رہی۔ شیر نے جواب دیا کہ میں سمجھتا تھا کہ اس قدر میری قوت قائم ہے اور مجھے اپنے اتنے ضعف کی خبر نہ تھی۔ میں واقع میں نہایت کمزور تھا۔ مگر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس قدر میری قوت ضرور قائم ہوگی اور مجھ میں ہاتھ پاؤں کی اتنی کمزوری نہ ہوگی۔ ایک وجہ تو میرے حملہ کی یہ تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ میری بھوک اور احتیاج غذا حد سے بڑھ گئی تھی اور بھوک کے سبب میرا صبر اور میری عقل سب جاتے رہے تھے اگر تجھ سے اپنے عقل کے زور سے اس کو دوبارہ ... لانا ممکن ہو تو بہت مناسب ہے میں تیرا بہت ممنون ہوں گا پس تو کوشش کر۔ ممکن ہے کہ تو کامیاب ہو اور اسے جا کر لا سکے سے لے آ۔ اگر خدا نے مجھے وہ گدھا دیدیا۔ تو میں تجھے سینکڑوں شکار دوں گا اس نے کہا اچھا! میں اُسے لاؤں گی بشرطیکہ خدا میری مدد کرے اور اسکے دل پر اندھے پن کی مُہر کردے اور جس خوف کو وہ دیکھ چکا ہے اسکو بھول جائے اور یہ امر اُسکے گدھے پن سے کچھ بعید نہیں ہے لہٰذا کامیابی کا ظن غالب ہے لیکن جب میں اُسے لے آؤں تو

دوڑنہ پڑنا ورنہ عجلت کی بدولت وہ پھر ہاتھ سے جاتا رہے گا اسنے کہا کہ بہت اچھا! اب مجھے تجربہ ہو گیا ہے کہ میں بہت بیمار ہوں اور میرا جسم بہت ڈھیلا ہو گیا ہے جب تک وہ گدھا پورے طور پر میرے قریب نہ آجائے گا۔ میں حرکت نہ کروں گا بلکہ ٹھیک طور پر لیٹا رہوں گا۔ یہ سنکر لومڑی چلدی۔ اور کہا کہ حضورؐ دعا فرمائیں کہ اسکی عقل کو غفلت چھپالے اسنے خدا سے بہت توبہ کی ہے کہ اب میں کسی نالائق کے دھوکا میں نہ آؤں گا۔ لیکن وہ کیا چیز ہے اور اسکی توبہ کیا ہے گدھوں کی عقل تو ہمارے مکر کا کھلونا ہے ان کی فکر ہمارے بچوں کی چکنی ہیزم ہے پس ہم اس میں جس طرح چاہیں تصرف کر سکتے ہیں کہ ہم اسکی توبہ کو اپنی چالاکی سے درہم برہم کر دیں گے۔ کیونکہ ہم تو عقل اور جان روشن کے دشمن ہیں۔ گدھوں کی کھوپڑی ہمارے بچوں کے گیند ہے اور ان کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے یعنی گدھوں کے دماغ اور اسکی عقل میں تو ہمارے بچے بخوبی تصرف کر سکتے ہیں پھر میں تو بالاولیٰ کر سکتی ہوں۔ عقل خرو عقل روباہ سے مولانا۔ عقل جزوی و عقل کلی۔ یعنی عقل معاش اور عقل معاد کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عقل جو زحل کی گردش کا نتیجہ ہو۔ عقل کُل کے سامنے کچھ وقعت نہیں رکھتی کیونکہ اس میں تو عطارد اور زحل کے اثر دانائی آئی ہے اور ہم اہل اللہ کو حق سبحانہٗ کی خاص عنایت سے دانائی حاصل ہوئی ہے پس کجا تاثیر زُحل اور کجا تاثیر خالقِ زُحل۔ ہمارے طغرا کا خم علم الانسان ہے یعنی ہم کو تعلیم حق کا شرف حاصل ہے اور علم خداوندی وہبی ہمارا مقصود ہے اور ہم اس آفتاب روشن کی تربیت یافتہ ہیں اسی لیے ہم خاص اُسی پروردگار کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب وہ ہے جو سب سے بالاتر ہے ایسی حالت میں ارباب عقل معاش ہمارے برابر کیونکر ہو سکتی ہیں۔

خیر تو لومڑی نے کہا کہ گو اسکو تجربہ ہو چکا ہے مگر بااین ہمہ ہمارا فریب ایک تجربہ تو کیا اُسکے سو تجربوں کو پاش پاش کر دیگا ــــ الغرض امید ہے کہ اس سُست طبع کی توبہ ٹوٹ جائیگی اور اسکی توبہ توڑنے کی نحوست اسے لاحق ہوگی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ عہدوں کا توڑ دینا اور توبہ کی شکست آخر میں موجب لعنت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اصحابِ سبت[ع] کا عہد اور توبہ کو توڑ دینا انکی مسخ اور ہلاکت اور مبغوضیت کا سبب ہو گیا اور جبکہ انہوں نے معاہدہ کو توڑ دیا تو حق سبحانہٗ نے اسکو بندر بنا دیا تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ امت مسخ سے مامون ہے اسلئے نقضِ عہود کا وبال ہم پر نہ ہوگا کیونکہ اس آیت میں مسخ ابدان ضرور نہیں ہے مگر مسخ قلوب تو ہے پس توبہ شکن کا دل بندر کے دل کی مانند ہو جاتا ہے اور اس بندر کے سے دل کے سبب اس کی مٹی خراب ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ اصل چیز دل ہے۔ نہ کہ جسم۔ پس اگر اس گدھے کے دل کے لیے اسکی اختیار سے کمالِ دانائی وغیرہ حاصل ہوتا تو وہ اپنے صورت خرانہ کے سبب ذلیل نہ ہوتا۔ دیکھو سگ اصحاب کہف کی سیرت اچھی تھی تو کیا صورت سگ سے .... اسکے رتبہ میں کچھ کمی آگئی ہر گز نہیں پس معلوم ہُوا کہ اصل چیز دل ہے اسکی درستی ہے اور اس کا فساد۔ پس تم عدم مسخ صورت سے مغرور نہ ہونا۔ کیونکہ نہ صلاح ظاہر کوئی وصف ہے نہ مسخ ظاہر کوئی عیب۔

رہی یہ بات کہ جب مسخ ظاہر منقصت نہیں ہے تو مسخ ظاہر سے اہل سبت کو کیوں سزا دیگئی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مسخ ظاہر اسلئے تھا کہ لوگ اسکے قہر حق کا مشاہدہ کرلیں اور عبرت پکڑیں۔ ورنہ مسخ ظاہر تو فی نفسہٖ کوئی سزا نہیں تھی۔ الحاصل توبہ توڑنے کی بدولت لاکھوں آدمی سور اور گدھے ہو گئے ہیں پس تم کو عہد شکنی سے نہایت احتراز چاہیئے۔

[ع] یہ لقب ہے اُن لوگوں کا جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کی تعظیم فرض ہوئی تھی مگر انہوں نے اسکی بے حرمتی کی تھی۔ ۱۲ منہ۔

دوم بار آمدنِ روباہ بر آں خرِ گریختہ تا باز بفریبدش

بھاگے ہوئے گدھے کے پاس لومڑی کا دوبارہ آنا تاکہ اُس کو پھر فریب دے

پس[1] بیامد زود روبہ سوئے خر — گفت خر از چوں تو یارے الحذر
پھر بہت جلد لومڑی گدھے کی جانب آئی — گدھے نے کہا، تم جیسے دوست سے پناہ ہے

ناجواں مردا چہ کردم با تو من — کہ مرا با شیر کردی پنجہ زن
اے بزدل! میں نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ — کہ تو نے مجھے شیر سے بھڑا دیا

ناجواں مردا چہ کردم من ترا — کہ بہ پیشِ اژدہا بردی مرا
اے نامرد! میں نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ — کہ تو مجھے اژدہے کے سامنے لے گئی

موجبِ[2] کینِ تو با جانم چہ بود — غیر خبثِ جوہرِ تو اے عنود
میری جان سے تیرے کینہ کی کیا وجہ تھی؟ — اے سرکش بسوائے تیری طبیعت کی خباثت کے

ہمچو کژدم کو گزد پائے فتے — نارسیدہ از وے او را آفتے
بچھو کی طرح جو جوان کے پاؤں میں کاٹتا ہے — بغیر اس کے کہ کوئی تکلیف اُس کو اس سے پہنچے

یا چو دیوے کو عدوِ جانِ ماست — نارسیدہ زحمتش از ما و کاست
یا شیطان کی طرح جو ہماری جان کا دشمن ہے — ہماری جانب سے اُس کو زحمت اور نقصان پہنچے بغیر

بلکہ طبعاً خصمِ جانِ آدمی ست — از ہلاکِ آدمی در خرمی ست
بلکہ وہ فطرت سے آدمی کی جان کا دشمن ہے — آدمی کی تباہی سے خوشی میں ہے

از پئے ہر آدمی او نگسلد — خو و طبعِ زشتِ خود را کے ہلد
وہ ہر آدمی کا پیچھا کرنے سے باز نہیں آتا ہے — وہ اپنی بُری عادت کب چھوڑتا ہے؟

زانکہ[3] خبثِ ذاتِ او بے موجبے — ہست سوئے ظلم و عدواں جاذبے
کیونکہ اُس کی ذاتی خباثت بغیر کسی سبب کے — ظلم اور زیادتی کی جانب کھینچنے والی ہے

ہر زماں خواند ترا تا خرگہے — کہ در اندازد ترا اندر چہے
وہ تجھے ہر وقت خوشی کی جگہ بُلاتا ہے — کہ تجھے کسی کنویں میں ڈال دے

کہ فلاں جا حوض آب ست و عیون — تا در اندازد بحوضت سرنگوں
کہ فلاں جگہ پانی کی حوض اور چشمے ہیں — تاکہ تجھے حوض میں اوندھا گرا دے

آدمی را باہزاراں کر و فر — اندر افگند آں لعیں در شور و شر
آدمی کو باوجود ہزاروں شان وشوکت کے — اُس ملعون نے شور و شر میں ڈال دیا ہے

آدمی را باہمہ وحی و نذیر — اندر افگند آں لعیں بر دینِ بیر
باوجود ہر طرح کی وحی اور ڈراوے کے آدمی کو — وہ ملعون کنویں پر لے گیا (اور) اندر گرا دیا

---

۱ پس بیامد۔ جب لومڑی دوبارہ گدھے کے پاس آئی تو اُس نے اُس سے پناہ مانگی۔ ناجواں۔ گدھے نے لومڑی کو کہا اے بزدل میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے مجھے شیر کے بالمقابل جا کھڑا کیا۔ اژدہا۔ یعنی شیر۔

۲ موجب۔ گدھے نے لومڑی سے کہا تو میری جان کی دشمن محض باطنی خباثت کی وجہ سے بنی۔ کژدم۔ بچھو بغیر کسی وجہ کے محض بدطینتی کی وجہ سے ڈنک مارتا ہے۔ یا چو دیوے۔ شیطان بھی انسان کو بغیر کسی وجہ کے ہلاک کرتا ہے۔ بلکہ۔ شیطان کو انسان سے طبعی خصومت ہے اسی لئے وہ ہر آدمی کے درپے ہے۔

۳ زانکہ۔ شیطان کی ذاتی عداوت بغیر کسی وجہ کے اس کو انسان پر ظلم کرنے کو آمادہ کرتی ہے۔ ہر زماں۔ انسان کو خوشی کی جگہ کی طرف بُلا کر کنویں میں دھکا دیدیتا ہے۔ کہ فلاں۔ لالچ دلا کر تباہ کر دیتا ہے۔ آدمی۔ شاندار آدمی کو بھی شور و شر میں مبتلا کر دیتا ہے۔

بیگناہے بیگزندِ سابقے[1]
بغیر کسی پہلی خطا اور تکلیف کے
کے رسید او را ز مردم زشتیے
انسان سے اُس کو بُرائی کب پہنچتی ہے؟
گفت رُو بہ آں طلسمِ سحر بُود
لومڑی نے کہا، وہ جادو کا طلسم تھا
ورنہ[2] من از تو بتن مسکیں ترم
ورنہ میں تو جسم میں تجھ سے زیادہ کمزور ہوں
گر نہ زاں گونہ طلسمے ساختے
اگر اُس جگہ ایسا طلسم نہ بنا تا
یک جہانِ بینوا چوں پیل و اُرج
ہاتھی اور گینڈے جیسے بھوکوں کا ایک عالم ہے،
من تُرا خود خواستم گفتن بدرس
میں تجھے سکھانے میں خود کہنا چاہتی تھی
لیک رفت از یادِ علم آموزیت
لیکن تجھے علم سکھانا بھول گئی
دیدمت در جوعِ[3] کلب و بینوا
میں نے تجھے جوع الکلب میں اور بے سر و سامان دیکھا
ورنہ با تو گفتمے شرحِ طلسم
ورنہ میں تجھ سے طلسم کی شرح کر دیتی
شُد فراموش آنکہ گویم مر تُرا
میں بھول گئی کہ تجھ سے کہوں

کے رسید او را ز آدم ناحقے
کب اُس پر آدم سے ظلم ہوا ہے؟
کو دمادم آرد از غم تفتیے
کہ وہ ہر وقت غم کے پشتے لگا رہا ہے
کہ تُرا در چشم چوں شیرے نمود
جو تجھے شیر جیسا دکھائی دیا
کہ شب و روز اندر آنجا میچرم
لیکن دن رات اُس جگہ چرتی ہوں
ہر شکم خوارے بدانجا تاختے
ہر پیٹو، وہاں دوڑ جاتا
بے طلسمے کے بماند سبز مرج
بغیر طلسم کے چراگاہ سبز کہاں رہ سکتی ہے؟
کہ چناں ہولے اگر بینی مترس
کہ اگر تو اس طرح ڈر دیکھے تو نہ ڈرنا
کہ بُدم مستغرقِ دل سوزیت
کیونکہ میں تیرے فکر میں ڈوبی ہوئی تھی
می شتابیدم کہ آئی تا دوا
میں دوڑ پڑی کہ تو دوا تک آجائے
کاں خیالے می نماید نیست جسم
کہ وہ ایک خیال نظر آتا ہے، جسم نہیں ہے
حلِ آں مشکل مہیبِ دل رُبا
اُس خوفناک دل کو اُڑانے والی مشکل کا حل

[1] بیگناہے۔ انسان کی کوئی خطا نہیں نہ انسان نے شیطان کا کچھ بگاڑا ہے۔ گفت۔ لومڑی نے گدھے سے کہا تجھے جو شیر نظر آیا وہ کوئی حقیقتاً شیر نہ تھا بلکہ ایک طلسم تھا طلسم۔ وہ موہوم خیال جو عجیب شکل میں نظر آنے لگے، وہ بھیانک تصویر جو کسی دفینہ وغیرہ پر بنا دی جاتی ہے۔

[2] ورنہ۔ اگر حقیقی شیر ہوتا تو میں جو تجھ سے بھی کمزور جسم کی ہوں وہاں کیسے بچ سکتی تھی۔ گر نہ۔ طلسم بنانے کی وجہ یہ ہے کہ ہر پیٹو وہاں نہ پہنچ سکے۔ یک جہاں۔ بیل اور گینڈے بھوکے پھرتے ہیں اگر طلسم نہ ہوتا تو وہ چراگاہ کو کھا جاتے۔ اُرج۔ گینڈا۔ من ترا۔ میں تجھے پہلے ہی اِس طلسم کی حقیقت بتانا چاہتی تھی لیکن میں بھول گئی۔ کہ بُدم۔ چونکہ میں تیرے غم میں تھی اِس لئے طلسم کی حقیقت بتانا بھول گئی۔

[3] جوعِ کلب۔ جوع البقر وہ بیماری جس میں ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے۔ دوا یعنی غذا کا آں۔ میں بتا دیتی کہ وہ طلسم خیالی چیز ہے کوئی حقیقی شیر نہیں ہے مشکل۔ یعنی وہی شیر۔ گفت۔ گدھے نے لومڑی سے کہا میں تیری بُری صورت دیکھنا نہیں چاہتا میرے سامنے سے چل جا تجھے خدا نے بدبخت بنایا ہے اور دوسرے چہرے کو بھی بے شرم و بدبخت بنایا ہے۔

شرح

شیر کے کہنے سے لومڑی گدھے کے پاس آئی۔ گدھے نے اس کو دیکھتے ہی کہا کہ تجھ جیسے دوست سے بچنا چاہیئے تو ہرگز دوستی کے قابل نہیں ہے۔ ارے ناجوان مرگ۔ میں نے تیرے ساتھ کیا کیا تھا کہ تو نے میرا شیر سے مقابلہ کرادیا۔ تجھے جوانی سے پہلے موت آئے تو بول تو سہی میں نے کیا بگاڑا تھا کہ تو نے کسی اژدھے کے سامنے لیجا کھڑا کیا۔ آخر تیری اس عداوت اور غصہ کا سبب کیا تھا کچھ بھی نہیں بجز اسکے کہ تو خبیث الطینۃ ہے ــــ اب مولانا نظائر سے اُسکے خبث طینت کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ یونہی خبیث الطینت تھی جیسے بچھو جو کہ آدمی کے پاؤں میں ڈنگ مارتا ہے حالانکہ اس سے اسکو کوئی صدمہ نہیں پہنچا ہوتا۔ یا جیسے شیطان جو کہ ہماری جان کا دشمن ہے حالانکہ مجھ سے اسکو کوئی تکلیف یا نقصان نہیں پہنچا وہ طبعاً آدمی کی جان کا دشمن ہے اور اسکی ہلاکت سے خوش ہے اور کسی شخص کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ چھوڑے تو جب جبکہ اپنی خصلت کو چھوڑے اور اپنی خصلت و طبیعت کو کیسے چھوڑ سکتا ہے پس آدمی کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑ سکتا چونکہ اس کا خبث ذاتی بدوں کے سبب کے اسکو ظلم و تعدی کی طرف کھینچتا ہے اسلئے وہ ہر وقت تمہیں خیمہ کی طرف بلاتا ہے۔ تاکہ اس ساتھ سے تمہیں کوئیں میں لے جا ڈالے۔ اور کہتا ہے کہ فلاں جگہ پانی کا حوض اور چشمے ہیں وہاں چلو! اور مقصد یہ ہے کہ تمہیں حوض میں سر کے بل گرادے۔ چنانچہ اس شیطان مردود نے باوجود آدم علیہ السلام کی شان و شوکت کے انکو فتنہ و فساد میں ڈال دیا اور باوجود وحی الٰہی اور دھمکی کے۔ اس ملعون نے انہیں لے جاکر کنوئیں میں دھکا دیدیا۔ حالانکہ انہوں نے پیشتر اس کا کوئی قصور کیا تھا اور ان سے اسکو کوئی نقصان پہنچا تھا۔ آخر کوئی بتلائے کہ ان کی طرف سے اسکو کوئی ناحق تکلیف کب پہنچی تھی اور انہی کے کیا تخصیص ہے ہم تو کہتے ہیں کہ نوع انسان کی جانب سے کب اسے کوئی برائی پہنچی ہے کہ وہ دمبدم اس کے لیے غم کی ڈھیر لاتا ہے اور لاکر انکو پہناتا ہے یعنی غمگین کرتا ہے کہیں بھی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مقتضائے طبیعتش اینست وہٰذا ہو المدعی۔ خیر تو لومڑی نے

اس کے جواب میں کیا جو کہ تمہیں شیر دکھائی دیتا تھا - وہ درحقیقت شیر نہ تھا طلسم شیر تھا - ورنہ اگر وہ فی الحقیقت شیر ہوتا تو میں کیسے بچتے - میں تو تم سے زیادہ ضعیف ہوں - حالانکہ میں رات دن وہیں چرتی ہوں -

دیکھو! اگر ایسا طلسم نہ بنایا جاتا تو ہر حریص وہاں دوڑ جاتا کیونکہ ایک عالم محتاج ہے مثلاً ہاتھی گینڈا[2] وغیرہ - ایسی حالت میں وہ سبزہ زار سرسبز کیسے رہ سکتا تھا جانور دو ہی دن میں اسے اُجاڑ دیتے - میں تو اول ہی تم کو یہ سبق پڑھا دینا چاہتا تھا کہ دیکھو! اگر اس قسم کی کوئی ہیبت ناک چیز تمہیں نظر آئے تو ڈرنا مت لیکن یہ تعلیم میری یاد سے جاتی رہی کیونکہ میں تمہاری دل سوزی میں مستغرق تھی - بدیں وجہ کہ میں نے تم کو بھوک میں مبتلا اور بے سروسامان پایا - اسلئے میں جلدی کرتی تھی - کہ تم جس قدر جلد ممکن ہو - اپنی مرض کی دوا تک پہنچ جاؤ اس وجہ سے مجھے تم سے کہنا یاد نہ رہا - ورنہ میں تجھے اُس طلسم کی حالت ضرور بیان کر دیتی - اور کہہ دیتی کہ ایک خیالی صورت دکھلائی دیتی ہے اور جسم نہیں ہے مگر کیا کروں - میں تم سے اُس ہیبت ناک اور دل .... اڑا دینے والی شکل کا قصہ بیان کر دینا بالکل بھول گئی -

جواب گفتن خر روباہ را
گدھے کا لومڑی کو جواب دینا

گفت رَو رَو ہیں زپیشم اے عدو
اُس نے کہا اے دشمن میرے سامنے سے دُور ہو

تا نہ بینم رُوئے تو اے زشت رُو
اے بدصورت! تاکہ میں تیرا مُنھ نہ دیکھوں

آں خدائے کہ تُرا بدبخت کرد
جس خدا نے تجھے بدبخت بنایا ہے

رُوئے زشتت را وقیح وسخت کرد
تیری بھدی صورت کو بے شرم اور سخت بنایا ہے

باکدامیں رُوئی می آئی بمن
تو کس مُنھ سے میرے سامنے آرہی ہے

ایں چنیں سغری[1] ندارد کرگدن
ایسی بے حیائی گینڈا (بھی) نہیں رکھتا ہو

رُفتۂ درخون وجانم آشکار
تو کھلم کھلا میرے خون اور جان کے درپے ہوئی

کہ تُرا من رہبرم تا مرغزار
کہ میں تیری جنگل کے لئے رہبر ہوں

[1] سغری: سخت روئی، بے حیائی۔ کرگدن۔ گینڈا۔ رُفتۂ: تو میرے خون اور جان کے درپے تھی

تا بدیدم رُوئ عزرائیل را
یہاں تک کہ میں نے ملک الموت کا منہ دیکھ لیا

باز آوردی فن و تسویل را
تو پھر مکاری اور حیلہ لائی ہے

گرچہ من ننگِ خرانم یا خرم
اگرچہ میں گدھوں کے لئے موجبِ شرم یا گدھا ہوں

جانورم جاندارم این را کے خرم
میں جانور ہوں میں جاندار ہوں، اسکو میں کب پسند کرتا ہوں

آنچہ من دیدم ز ہولِ بے اماں
جو میں نے بے پناہ ڈر دیکھا ہے

طفل دیدے پیر گشتے در زمان
(اگر) بچہ دیکھ لے تو فوراً بوڑھا ہو جائے

بیدل[۲] و جاں از نہیبِ آں شکوہ
اُس خوف کے ڈر سے بے دل اور بے جان ہو کر

سر نگوں خود را در افگندم ز کوہ
میں نے اپنے آپ کو پہاڑ سے اوندھا گرا لیا

بستہ شد پایم در اندم از نہیب
اُس وقت ڈر سے میرے پاؤں بندھ گئے

چوں بدیدم آں عذابِ بے حجیب
جب میں نے کھلم کھلا وہ عذاب دیکھا

عہد کردم با خدا کاے ذُوالمِنَن
میں نے اللہ (تعالیٰ) سے عہد کیا کہ اے احسانوں والے!

بر گشا زیں بستگی تو پائے من
اس قید سے میرے پاؤں کھول دے

تا ننوشم وسوسہ کس بعد ازیں
اس کے بعد میں کسی کے بہکانے میں نہ آؤں گا

عہد کردم نذر کردم اے معیں
اے مددگار! میں نے عہد کر لیا میں نے منت مان لی

حق[۳] گشادہ کرد آندم پائے من
اللہ (تعالیٰ) نے اُس وقت میرے پاؤں کھول دیئے

زاں دعا و زاری و ہیہائے من
میری دعا اور عاجزی اور ہائے ہائے سے

ورنہ اندر من رسیدے شیر نر
ورنہ وہ نر شیر مجھ پر آ پڑا تھا

چوں بُدے در زیر پنجہ شیر خر
گدھے کا شیر کے پنجہ میں کیا حال ہوتا؟

باز بفرستادت آں شیرِ عریں
اُس کچھار کے شیر نے پھر تجھے بھیجا ہے

سوئے من از مکر اے بئس القریں
کرے میری جانب اے بُرے ساتھی!

حقِّ ذاتِ پاکِ اللہُ الصَّمَد
اللہ پاک بے نیاز کی قسم

کہ بُود[۱] بہ مارِ بد از یارِ بد
کہ بُرے ساتھی سے بُرا سانپ بہتر ہوتا ہے

مارِ بد جانے ستاند اے سلیم
اے بیوقوف! بُرا سانپ جان لے لیتا ہے

یارِ بد آرد سُوئے نارِ جحیم
بُرا ساتھی دوزخ کی جانب لاتا ہے

از قرین بیقول و گفت و گوئے او
ساتھی سے اُس کی گفتگو اور بات کے بغیر

خُو بدزدد دل نہاں از خُوئے او
دل خفیہ طور پر عادت اُس کی عادت سے چرا لیتا ہے

چونکہ او افگند بر تو سایہ را
جب وہ تجھ پر سایہ ڈالتا ہے

دزدد آں بے مایہ از تو مایہ را
وہ بے مایہ تیرا سرمایہ چرا لیتا ہے

تا بدیدم۔ گدھے نے لومڑی سے کہا تو نے ملک الموت کے سامنے لے جا کھڑا کیا۔ تسویل۔ حیلہ سازی۔ کے خرم۔ اگرچہ میں جانور اور گدھا ہوں لیکن ہلاک ہونا کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ طفل۔ مصائب سے بچہ بوڑھا بن جاتا ہے۔

[۲] بیدل۔ اُس شیر کے خوف سے میں نے اپنے آپ کو پہاڑ پر سے اوندھا گرا دیا۔ بستہ۔ اُس خوف سے میرے پاؤں کام نہ دیتے تھے۔ عہد کردم۔ اُس وقت میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر میرے پاؤں کھول دے تو میں پھر کسی کے بہکائے میں نہ آؤنگا۔

[۳] حق گشادہ۔ اُس عہد اور دعا کی برکت سے میرے پاؤں کھل گئے اور میں بچ بھاگا ورنہ شیر دبوچ لیتا اور پھر ظاہر ہے شیر کے پنجہ میں میرا کیا حال ہوتا۔ باز۔ اب مکر کرنے کے لئے شیر نے تجھے دوبارہ بھیجا ہے۔ عریں۔ شیر کی جھاڑی۔ بئس القرین۔ بُرا ساتھی۔

[۱] کہ بُود۔ شریر ساتھی سے شریر سانپ بھلا، سانپ تو محض مار ڈالتا ہے لیکن بُرا ساتھی تو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ از قرین۔ ساتھی کی خو بو انسان میں مخفی طور پر اثر کر جاتی ہے۔ چونکہ او۔ جب بُرے ساتھی کا سایہ پڑتا ہے تو وہ تیرا سارا سرمایہ چُرا لیتا ہے۔

عقلِ تو گر اژدہائے گشت مست
تیری عقل اگر مست اژدہا ہے

یارِ بد اُو را زمرد داں کہ ہست
بُرے دوست کو اُس کا زمرد سمجھ

دیدۂ عقلت بدُو بیروں جہد
اُس سے تیری عقل کی آنکھیں باہر نکل پڑینگی

طعنِ اُو اندر کفِ طاعوں نہد
اُس کا نیزہ مارنا، تجھے طاعون کے ہاتھ میں دھر دیگا

۲۵ درجہاں نبُود بتر از یارِ بد
دنیا میں بُرے دوست سے بدتر کوئی نہیں ہے

ویں مرا عین الیقیں گشتست خود
یہ میرے لئے خود آنکھوں دیکھی یقینی بات ہوگئی ہے

عقل بجوانہ السا... عقلمند ہو لیکن بُرے کی صحبت اُس کو کھا جاتی ہے۔
۲۵ درجہاں۔ دنیا میں بُرے یار سے بُری کوئی چیز نہیں ہے اب تو تیرے مقابلہ کی وجہ سے اس بارے میں بے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے

شرح

گدھے نے جواب دیا کہ ارے دشمن! جا میرے سامنے سے چلی جا کہ مجھے تیری صورت نہ دکھائی دے جس خدا نے تجھے بدبخت بنایا ہے اُسی نے تیرے بھونڈے منہ کو بے حیا اور سخت بھی بنایا ہے کہ باوجود اس قدر سخت عداوت کے پھر تو میرے سامنے موجود ہے اور ذرا نہیں چھپتی، - ارے تجھے شرم نہیں آتی تو کیا منہ لے کر میرے سامنے آتی ہے سچ تو یہ ہے کہ بڑی ہی بے حیا ہے ایسی سخت روئی تو گینڈے میں بھی نہیں کیونکہ تو نے یہ کہہ کر کہ میں تجھے سبزہ زار میں لے جاتی ہوں میرے مار ڈالنے کی صریح تدبیر کی تھی حتیٰ کہ میں نے عزرائیل کی صورت بھی دیکھ لی تھی — اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ تو مجھے صورت نہ دکھاتی مگر اب تو پھر مکر و فریب لے کر آئی ہے۔ سو میں گو ننگ خراں یا خر ہوں لیکن جانور اور جاندار تو ہوں تھوڑا بہت حس و شعور بھی رکھتا ہوں پھر میں اس بات کو کیوں ماننے لگا ہوں۔ اسلئے کہ جو بے اماں خوف میں دیکھ چکا ہوں وہ اس قدر سخت تھا کہ اگر بچہ دیکھتا تو شدت خوف سے بوڑھا ہو جاتا۔ اور میں نے اس خوف کی عظمت کے سبب بے دل اور بے جاں ہو کر اپنے کو پہاڑ سے سر کے بل گرا دیا تھا۔ اور جبکہ میں نے اس بے حجاب عذاب کو دیکھا تھا تو اس وقت خوف سے میرے پاؤں سُن ہو گئے تھے اور میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اے ذو المنن تو اس بستگی سے میرے پاؤں

کھول دے تاکہ اب میں کسی کا فریب نہ کھاؤں - اب میں تجھ سے اس بات کا عہد اور ندا کرتا ہوں کہ میں اس کی باتوں میں نہ آؤں گا۔ سو اس وقت خدا نے میری اس دعا اور تضرع اور ہائے ہائے کے سبب میرے پاؤں کشادہ کر لئے تھے ورنہ شیر مجھ تک پہنچ جاتا - پھر وہ اگر شیر مجھ پر قابو پالیتا تو اس وقت میری کیا حالت ہوتی - یہ واقعہ تو گذر گیا تھا - اب اس شیر بیشہ نے مکر سے تجھے میری طرف پھر بھیجا ہے سو اب میں اس بات میں نہ آؤں گا کیونکہ تو یار بد ہے اور میں خدائے بے نیاز کی ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یار بد سے خبیث سانپ بہتر ہے -

اب مولانا اس مقولہ کو موجہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبیث سانپ تو فقط جان ہی لیتا ہے یار بد تو جہنم میں لے جاتا ہے کیونکہ دل چپکے چپکے قرین بد کی خصلت بدوں اسکی تعلیم کے بھی اُڑا لیتا ہے پس اگر ساتھ میں تعلیم بھی ہو تب تو بالا ولی اڑلائے گا نیز جبکہ وہ تم پر سایہ ڈالتا ہے تو وہ تمہارے خصائل حمیدہ کو دور کر دیتا ہے اور اس طرح اس میں برائیاں آجاتی ہیں کیونکہ تمہاری عقل اگر اژدہا سے مست ہو تو تم سمجھو کہ یار بد اسی لیے زمرد ہے اُس سے تمہاری عقل کی آنکھیں نکل پڑتی ہیں اور وہ اندھی ہو جاتی ہے اور نیک و بد میں اسکو تمیز نہیں رہتی اسلئے وہ اچھائیوں کو چھوڑ کر برائیاں اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح اُس شیطان کا کُوجا تم کو طاعون روحانی کے پنجہ میں پھنسا دیتا ہے اور موت روحانی میں مبتلا کر کے جہنم میں پہنچا دیتا ہے -

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سُنو! کہ گدھے نے کہا کہ دنیا میں یار بد سے بد تر اور خطرناک کوئی شے نہیں ہے اور مجھے تو مشاہدہ کی بنار پر اس کا حق الیقین ہو گیا ہے - فائدہ: طعن او اندر کف طاعون سند میں ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ طاعون جنات کے کوچے کا اثر ہے -

جوابِ گفتن روباہ خر را
لومڑی کا گدھے کر جواب دینا

گفت روبہ صافِ ما را دُرد نیست
لومڑی نے کہا ہمارے نیر میں کوئی تلچھٹ نہیں ہے

لیک تخییلاتِ وہمی خُرد نیست
لیکن وہمی تخیلات (بھی) چھوٹی چیز نہیں ہیں

ایں ہمہ وہمِ تو است اے سادہ دل
اے بھولے! یہ سب تیرا وہم ہے

ورنہ بر تو نے غشی دارم نہ غل
ورنہ میں تجھ سے نہ کھوٹ رکھتی ہوں نہ کینہ

از خیالِ زشتِ خود منگر بمن
اپنے برے خیال سے مجھے نہ دیکھ

بر مُحبّاں از چہ داری سُوئے ظن
دوستوں پر تو کیوں بدظنی کرتا ہے!

ظنِ نیکو بر براخوانِ صفا
مخلصوں پر نیک گمان کر

گرچہ آید ظاہر از ایشاں جفا
اگرچہ بظاہر اُن سے ظلم سرزد ہو

ایں خیال و وہمِ بد چوں شُد پدید
جب یہ بُرے خیال اور وہم ظاہر ہوئے ہیں

صد ہزاراں یار را از ہم بُرید
لاکھوں دوستوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیا ہے

مُشفقے کو کرد جور و امتحاں
جس مہربان نے زیادتی اور امتحان کیا ہو

عقل باید کہ نباشد بدگماں
عقل کو چاہیئے کہ بدگمان نہ ہو

خاصہ من بد رگ نبودم زشتِ قسم
خصوصاً میں بُری قسم کی بدفطرت نہیں ہوں

آنکہ دیدی بد نہ بد بُود آں طلسم
جو تو نے دیکھا، وہ بُرا نہ تھا وہ طلسم تھا

ور بُدے بد آں سگالش قدر را
اگر (بالفرض) والتقدیر وہ خیال بُرا تھا

عفو فرمایند از یاراں خطا
(تو) دوستوں کی غلطی معاف کر دیتے ہیں

عالمِ وہم و خیال و طبع و بیم
وہم اور خیال اور مزاج اور ڈر کی دنیا

ہست رہرو را یکے سدِّ عظیم
سالک کے لئے ایک بڑی رکاوٹ ہے

نقشہائے ایں خیالِ نقشبند
اس نقش بنانے والے خیال کے نقوش

چوں خلیلے را کہ کُہ بد شُد گزند
حضرت ابراہیم خلیل (اللہ) جیسے کیلئے جو پہاڑ تھے نقصان دہ ہے

گفت ہٰذا ربّی ابراہیمؑ راد
عقلمند (حضرت) ابراہیمؑ نے کہا یہ میرا رب ہے

چونکہ اندر عالمِ وہم اُوفتاد
چونکہ وہ وہم کے عالم میں مبتلا ہو گئے

ذکرِ کوکب را چنیں تاویل گفت
ستارے کے بارے میں ایسی تاویل کی

آنکسے کو گوہرِ تاویل سُفت
اُس ذات نے جس نے تعبیر کے موتی پرو دیئے

عالمِ وہم و خیالِ چشم بند
وہم کی دنیا اور آنکھوں کو بند کر دینے والے خیال نے

آنچناں کُہ را ز جائے خویش کند
ایسے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دیا

گفت۔ لومڑی نے کہا میری شراب میں کوئی تلچھٹ نہیں یعنی میں صاف اور غلطی سے بری ہوں لیکن وہم بھی کوئی معمولی چیز نہیں صحیح بات کو غلط دکھا دیتا ہے ورنہ مجھ میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔

۳ از خیال۔ وہم کی بنیاد پر دوستوں سے بدظنی مناسب نہیں ہے مخلصوں کے بارے میں بہتر خیال رکھنا چاہیئے خواہ اُن سے بظاہر کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے۔ اسی خیال بدگمانی سے بہت سے دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

۴ مشفقے۔ دوست آزمائش کیلئے کچھ زیادتی بھی کرتا ہے تو عقلمندی یہی ہے کہ اُس سے بدگمانی نہ کی جائے۔ قدرا۔ ہم نے اس کا قافیہ پہلے مصرع سے قرار دے کر بالفرض والتقدیر کے معنی کئے ہیں بعض نسخوں میں حق رہا ہے تو اس کا تعلق دوسرے مصرع سے کیا جائے اور یہ معنی کئے جائیں کہ برے مقدر کی اس غلطی کو معاف کر دیا جائے۔

۵ عالم۔ وہم اور خیال راہرو کے لئے مانع بنتے ہیں ان وہمی خیالات سے حضرت ابراہیم کو بھی تکلیف پہنچی اور انھوں نے وہم کی بنیاد پر ستارے کو کہہ دیا کہ یہ میرا خدا ہے اور پھر اس غلطی کا احساس کرکے اس سے رجوع کیا۔ ہٰذا ربّی۔ "یہ میرا خدا ہے" مولانا نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی بنیاد اسی کا وہم قرار دیا اور بعض مفسرین کے نزدیک ان کا یہ قول قوم کو ان کی غلطی

تا هٰذا ربّی آمد قالِ اُو — خر بط و خر را چہ باشد حالِ اُو

یہاں تک "یہ میرا خدا ہے" اُن کا قول ہوا — احمق اور گدھے کا کیا حال ہوگا؟

غرق گشتہ عقلہای چوں جبال — در بحارِ وہم و گردابِ خیال

پہاڑوں جیسی عقلیں ڈوب گئیں — وہم کے سمندروں اور خیال کے بھنور میں

عقلِ ثابت ترز گرداوہم بیں — کہ چہ فرمودست گفتن اے امیں

دیکھ وہم نے بہت جمی ہوئی عقل کو — کیا کہہ دینے کو کہا۔ اے امین!

کوہہا را ہست زیں طوفاں فضوح — کو امانے جز کہ در کشتیِ نوح

اس طوفان سے پہاڑوں کی رسوائیاں ہیں — نوح کی کشتی کے سوا امن کہاں ہے؟

زیں خیالِ رہزنِ راہِ یقیں — گشت ہفتاد و دو[1] ملّتِ اہلِ دیں

یقین کے راستہ کو ڈاکو کے اس خیال کی وجہ سے — دیندار بہتّر فرقے بن گئے

مردِ ایقاں رَست از وہم و خیال — موی ابرو را نمی گوید ہلال

صاحب یقین وہم اور خیال سے نجات پاگیا — وہ ابرو کے بال کو چاند نہیں کہتا ہے

واں کہ را نورِ عمر نبود سند — موئے ابروئے کجے راہش زند

جس کا سہارا عمر کا نور نہ ہو — ابرو کا ٹیڑھا بال اُس کو بھٹکا دیتا ہے

صد ہزاراں کشتی با ہول و سہم — تختہ تختہ گشتہ در دریائے وہم

لاکھوں کشتیاں خوف اور ڈر سے — وہم کے دریا میں تختہ تختہ ہو گئی ہیں

کمتریں فرعونِ چُستِ فیلسوف — ماہِ اُو در برجِ وہمی در خسوف

کم از کم فرعون، چالاک اور فلسفی — اُس کا چاند وہم کے برج میں گرہن میں ہے

کس نداند رُوسپی[2] زن کیست آں — وانکہ داند نیستش بر خود گماں

کوئی نہیں جانتا وہ رنڈی عورت کون ہے! — اور جو جانتا ہے اُس کو اپنے بارے میں گمان نہیں ہوتا

چوں تُرا وہمِ تو دارد خیرہ سر — از چہ گردی گردِ وہمِ آں دگر

جبکہ تیرا وہم، تجھے حیران بنا دیتا ہے — تو دوسرے کے وہم کے کیوں چکر کاٹتا ہے؟

عاجزم من از منیِ خویشتن — چہ نشینی پُر منی تو پیشِ من

میں اپنی خودی سے عاجز ہوں — تو خودی سے بھرا ہوا میرے سامنے کیوں بیٹھتا ہے!

[3] از من و ما ہر کہ ایں در میزند — عاشقِ خویش ست برلامی تند

جو خودی اور انانیت کیساتھ اس دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہو — وہ اپنا عاشق ہے۔ فنا کا چکر کاٹتا ہے

بے من و مائی ہمی جویم بجاں — تا شوم من گوئیِ آں خوش صولجاں

میں (دل و) جان سے بیخود اور بے انانیت والے کو ڈھونڈتا ہوں — تاکہ میں اُس اچھے بلے کی گیند بن جاؤں

ہر کہ بے من شد ہمہ منہا خود اوست — یار جملہ شد چو خود را نیست دوست

جو بے خود ہوگیا، تمام خودیاں وہ خود ہے — وہ سب کا دوست بن گیا جبکہ اپنا دوست نہیں

کا احساس دلانے کے لئے تھا۔ وہم کی بنیاد پر عقیدہ کا اظہار نہ تھا۔ تاویل۔ دوسرے معنی میں تاویل سے صحیفوں کی تفسیر مُراد ہے۔

[1] ہفتاد و دو۔ اُمت کے بہتّر فرقے اسی وہم کی بنیاد پر بن جائیں گے حدیث شریف ہے کہ میری اُمت بہتّر فرقوں میں بٹ جائیگی جن میں سے ایک نجات پائیگا اور وہ فرقہ ہوگا جو میری اور اصحاب کی سُنت پر عمل کریگا بقیہ اکثر فرقے جہنمی ہونگے مردِ ایقاں پہلے ایک قصہ گزرا ہے جس میں بیان کیا گیا تھا کہ ایک صاحب کی ابرو کا بال مُڑا ہوا تھا اور وہ اُنکی آنکھ کے سامنے آگیا تھا وہ چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے تو اُنہوں نے اُس ابرو کے بال کو چاند سمجھ لیا اور کہنے لگے کہ چاند نظر آرہا ہے جس کی تصحیح حضرت عمرؓ نے کی اور جب وہ مُڑا ہوا بال ہٹا دیا گیا تو وہ چاند غائب ہو گیا۔ فرعون دنیا کے اور واقعات سے قطع نظر فرعون ہی کو دیکھو اُسنے وہم کی بنیاد پر کیا دعویٰ کر دیا۔

[2] رُوسپی زن۔ یعنی وہ دیّوث جسکی بیوی زانیہ ہے وہ بیوی کو زانیہ نہیں سمجھتا ہے اور اگر سمجھتا بھی ہے تو اپنے آپ کو دیّوث نہیں سمجھتا یہ بھی سب وہم کی کارفرمائی ہے۔ جو بیچارہ انسان کیلئے اپنے وہم کا علاج بھی مشکل ہے تو دوسرے کے وہم کا کیا علاج کرسکتا ہے۔ عاجزم جبکہ انسان خود خودی میں مبتلا ہو تو دوسرے کی خودی کا علاج نہیں کرسکتا۔

[3] از من۔ جو انسان خودی میں پھنسا ہے وہ تو خود اپنا عاشق ہے اُس کو مقامِ فنا حاصل نہیں

آئینہ بے نقش شُد یا بد بہا   زانکہ شُد حاکیِ جملہ نقشہا

وہ بے نقش کا آئینہ بن گیا، قیمت پائے گا   کیونکہ وہ تمام نقشوں کا مظہر بن گیا

ہر گز جو شخص خودی فنا کر دے اب اس میں اپنی خودی نہیں ہے اس میں مخلوقِ خدا کی خودی ہے اور وہ جملہ خلق اللہ کا دوست ہے۔ آئینہ جب انسان کے دل میں خود اپنا نقش نہیں ہے تو اس دل کی قدر و قیمت ہے اس میں دوسروں کی تصویریں نمایاں ہو سکتی ہیں۔

ہو سکتا۔ جس من۔ ایسے شیخ کی تلاش کرنی ضروری ہے جو انانیت اور خودی کو فنا کر چکا ہو پھر اس کی اطاعت ضروری ہو

شرح

لومڑی نے کہا کہ ہماری صاف دوستی میں تو فریب کی تلچھٹ کی آمیزش نہیں ہے مگر وہم کی تخیلات ---- معمولی نہیں ہیں انہوں نے تم کو بدظن کر دیا ہے اور جو کہ تم کو میری نسبت خیال ہے یہ سب تمہارا وہم ہے ورنہ میں نہ تم سے دھوکا کرتی ہوں نہ خیانت۔ تم کو اپنے برے خیال سے مجھے نہ دیکھنا چاہیے۔ دوستوں سے کیوں بدگمانی کرتے ہو ہم کو یہ بات مناسب نہیں ہے بلکہ تم کو چاہیے کہ اگر دوستوں سے بظاہر کوئی زیادتی بھی ہو جائے تو اس کو اچھے ہی پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ بدگمانی نہایت بُری شے ہے۔

دیکھو! جب یہ خیال اور وہم جلوہ گر ہوا ہے تو سینکڑوں دوستوں کے تعلقات کو اس نے منقطع کر دیا ہے بالخصوص مجھ پر تو بدگمانی ہونی ہی نہ چاہیے کیونکہ نہ میں بدذات ہوں اور نہ بدجنس۔ میں سچ کہتی ہوں کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا وہ فی الحقیقت کوئی بُری شے نہ تھی بلکہ محض طلسم تھا لیکن سے اگر مان لیا جائے کہ میں نے تمہاری نسبت برا ہی خیال کیا تھا تو آخر خطا بھی ہو جاتی ہے اور خطا کو معاف بھی کر دیا کرتے ہیں۔ یہاں سے مولانا مذمت وہم و خیال کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالمِ وہم و خیال اور عالمِ نفس و طمع اور عالمِ خوف بے جا سالک کے لیے ایک زبردست رکاوٹ ہے کیونکہ قوتِ خیالیہ مصورہ کی بنائی ہوئی تصویریں۔ خلیل اللہ جیسے شخص کے لئے جو کہ پہاڑ کی طرح غیر متزلزل تھے مُضر ثابت ہوئیں ہیں چنانچہ جس وقت وہ عالمِ وہم میں پھنسے ہیں اور وہم کا ان پر غلبہ ہوا ہے اور عقل عارضی طور پر مغلوب ہو گئی ہے تو انہوں نے حق سبحانہٗ کو طلب

کرتے ہوئے شمس و قمر اور دیگر ستارہ کی نسبت هٰذَا رَبِّي کہدیا۔
جس کسی نے هٰذَا رَبِّي کی توجیہ کی ہے اسنے اسکی یہ بھی وجہ بیان کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ــــ پس تم غور کرو کہ اس نظر بندی کرنے والے عالم وہم وخیال نے اپنے غیر متنزلزل پہاڑ کو اپنے مقرِ اصلی سے تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک ستارہ کی نسبت هٰذَا رَبِّي کہہ دیا پھر اس عالم میں احمق اور گدھے کی کیا حالت ہو گی۔
جناب من! وہم کے سمندر اور خیال کے بھنور میں پہاڑوں جیسی عظیم الشان ڈوب گئی ہیں دیکھ! ابراہیم علیہ السلام کی پہاڑ سے زیادہ نہ جنبش کرنے والے عقل کو وہم نے کیا کہنے کو کہا اور اسنے کیا کہہ دیا۔
الغرض! یہ طوفان وہم وخیال پہاڑوں کو ذلیل کر دیتا ہے ایسی حالت میں یقین کے سوا جو کہ بمنزلہ کشتی نوح کے ہے اور کہیں اماں نہیں اور اس سے نجات دلانے والا صرف یقین ہے صاحب یقین شخص وہم وخیال سے نجات پا جاتا ہے اور وہ موئے ابرو کو ہلال نہیں کہتا اور نور عمرؓ جس کا مستند نہیں ہوتا۔ یعنی جو کہ وہ نور بصیرت نہیں رکھتا۔ جو کہ حضرت عمرؓ کو حاصل تھا۔ موئے ابروئے کج اس کا راہ مارتا ہے۔ اور خیال اسکو گمراہ کرتا ہے۔
القصہ وہم نہایت خطرناک چیز ہے۔ عقل کی ہزاروں ہولناک اور عظیم الشان کشتیاں جن کو دیکھنے سے ڈر لگے دریائے وہم میں پاش پاش ہو گئیں ان میں ادنیٰ درجہ کا آدمی فرعون تھا۔ جو کہ نہایت ہوشیار اور فلسفی تھا۔ مگر اس کی عقل کا چاند بھی برج وہمی میں آ کر گہن میں آ گیا تھا۔
آگے ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں ــــ اور چونکہ وہ لومڑی گدھے کو یوں نصیحت کر رہی تھی جیسے کوئی ولی کسی دنیا دار کو نصیحت کرتا ہے اور باوجودیکہ خود بھی دنیا دار ہونے کے سبب مبتلائے وہم تھی۔ مگر گدھے کو وہم سے روک رہی

تھی ۔۔۔۔ اسلئے مولانا اس کے مناسب مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ لومڑی گدھے کو مبتلائے وہم کہتی تھی حالانکہ خود بھی مبتلائے وہم تھی
اصل بات یہ ہے کہ واقع میں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی عورت فاحشہ ہے ہاں
بنا پر وہم اس کا علم ہوتا ہے سو جس کو بنا پر وہم اس کا علم ہوتا ہے اسکو دوسروں
ہی کے سبب وہم ہوتا ہے - اپنی نسبت اسے وہم بھی نہیں ہوتا۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ حقیقتاً تو بدوں کی برائی کا خدا ہی کو علم ہے لیکن
لوگوں کو جوان کا علم ہے وہ بنا بر وہم ہے مگر انکو برائی کا وہم دوسروں کی...
نسبت ہوتا ہے اور اپنی نسبت نہیں ہوتا۔ اسی بنار پر لومڑی نے گدھے کو
مبتلائے وہم کیا اور اپنے کو مبتلائے وہم نہ جانا۔

اب ہم ان لوگوں کو خطاب کرتے ہیں جو دوسروں کی نسبت وہم کا الزام
لگاتے ہیں اور انکو نصیحت کرتے ہیں حالانکہ خود بھی مبتلائے خودی ہیں اور کہتے
ہیں کہ جب تیرا وہم خود تجھ کو پریشان کرتا ہے تو تو اپنے وہم کی فکر کیوں نہیں کرتا
دوسروں کے وہم کے پیچھے کیوں پڑتا ہے وہ تو بے چارہ اپنی مصیبت میں خود گرفتار
ہے تو اسکے پاس ہٹ کر اس کی مصیبت میں اور اضافہ کرتا ہے کیونکہ ہر ہمنشیں
دوسرے ہمنشیں سے کچھ نہ کچھ چراتا ہے پس جبکہ تو بھی مبتلائے وہم ہے تو اگر
اسکے پاس بیٹھے گا۔ گو بغرض نصیحت ہی ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تجھ سے صفت
وہم چرائے گا اور اسکی مصیبت میں اور اضافہ ہو گا پس جبکہ وہ اپنی خودی سے
خود پریشان اور مجبور ہے تو کیا ضرور ہے کہ تم بھی خودی سے پُر ہو کر اُس کے پاس
بیٹھو۔ اور اسکی مصیبت میں اضافہ کرو۔

یاد رکھو! کہ جو شخص مبتلائے خودی ہو کر طالب حق بنتا اور مسندِ مشیخیت و
ارشاد پر جلوہ گر ہوتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے اوپر عاشق اور لاشے کا طالب ہے
ہم تو دل سے ترک خودی اور فنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم ترک خودی کے سبب اس..
خوش چوگاں یعنی حق سبحانہٗ کی گیند بن جائیں اور وہ جس طرف ہم کو لے جائے اس

طرف جائیں کیونکہ فنا عجیب چیز ہے جو شخص فانی ہو جاتا ہے وہ سب سے متحد باتحاد توافق ہو جاتا ہے اور جبکہ وہ اپنا دوست نہیں رہتا اور اسلئے اپنے کو مٹا دیتا ہے تو وہ سب کا دوست ہو جاتا ہے

دیکھو ! آئینہ جب حصول صفا کے سبب بے نقش یعنی بے زنگ ہو جاتا ہے تو لوگوں میں اس وقت وقعت اور قدر و قیمت حاصل ہو جاتی ہے اسلئے کہ اس وقت اس میں سب کی صورتیں منقش ہوتی ہیں اور ہر ایک اس کو اپنے موافق جانتا ہے اسلئے اس کا کوئی مخالف نہیں ہوتا۔

(فائدہ ۱: اس پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ بیان خلاف واقع ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو لازم تھا کہ انبیاء و اولیاء کا کوئی دشمن نہ ہوتا حالانکہ اُن کے دشمن ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود مولانا نے دفتر دوم بہ ذیل سرخی ملامت کردن مردماں شخصے راکہ یہ تہمت کشت ۔یہی سوال قائم کر کے اس کا مفصل جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ درحقیقت انبیاء و اولیاء کے دشمن نہیں ہیں بلکہ خود اپنے دشمن ہیں ۔

۲: اگر یوں سوال کیا جائے کہ اس سے لازم ہے کہ انبیاء و اولیاء کسی کے دشمن نہ ہوں حالانکہ وہ بھی لوگوں کے دشمن ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دشمنی ان کی ذاتی دشمنی نہیں ہوتی ۔ بلکہ ان کی دشمنی خدا کے لیے ہوتی ہے اسلیے کہ وہ خدا کے دشمن ہوتے ہیں ۔

حکایتِ شیخ محمدؒ سررزی غزنوی قدس اللہ روحہ العزیز

شیخ محمد سررزی غزنوی کی حکایت خدا اُن کی معزز روح کو پاک کرے

زاہدے در غزنی از دانش مزی
غزنی میں ایک زاہد عقل سے پروردہ

بُد محمد نام و کنیت سررزی
نام محمد اور کنیت سررزی تھی

بُود افطارش سررز ہر شبے
ہر شام کو اُن کا افطار انگور کی کونپل تھی

ہفت سال اُو دائم اندر مطلبے
سات سال وہ ہمیشہ (حصول) مقصد میں تھے

بس عجائب دید از شاہِ وجود
موجودات کے شاہ کے انھوں نے بہت سے عجائب دیکھے

لیک مقصودش جمالِ شاہ بُود
لیکن اُن کا مقصد شاہ کا جمال تھا

بر سرِ کُہ رفت آں از خویش سیر
وہ اپنے آپ سے بیزار ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے

گفت بنما یا فتادم من بزیر
غرض کیا دکھا دے، ورنہ میں نیچے کود دوں گا

گفت نامد نوبتِ آں مکرمت
فرمایا اُس اعزاز کا موقع نہیں آیا ہے

ور فرو اُفتی نمیری نکشمت
اگر تم نیچے گر دو گے، نہ مرو گے میں تمھیں مار دوں گا

اُو فرو افگند خود را از وِداد
اُنھوں نے عشق میں اپنے آپ کو نیچے پھینک دیا

درمیانِ عُمقِ آبے اُو فتاد
ایک پانی کی گہرائی میں جا پڑے

چوں نمُرد از نکسِ آنجاں سیر مَرد
جب اندھا گرنے سے نہ مرے وہ جان سے بیزار آدمی

از فراقِ مرگ بر خود نوحہ کرد
اپنی موت کے فراق پر رونے لگے

کایں حیات اُو را چو مرگے می نمود
کیونکہ یہ زندگی اُن کو موت کی طرح نظر آتی تھی

کار پیشش باژگونہ گشتہ بُود
معاملہ اُن کے لئے اُلٹا ہوگیا تھا

موت را از غیب می کرد اُو کدے
موت کی وہ غیب سے بھیک مانگتے تھے

اِنَّ فِی مَوْتِیْ حَیَاتِیْ می زدے
بیشک میری موت میں میری زندگی ہے کا نعرہ لگاتے تھے

موت را چوں زندگی قابل شُدہ
موت کو زندگی کی طرح قبول کرنے والے بن گئے تھے

با ہلاکِ جانِ خود یک دل شُدہ
اپنی جان کی ہلاکت پر مطمئن ہو گئے تھے

سیف و خنجر چوں علیؓ ریحانِ اُو
(حضرت) علیؓ کی طرح تلوار اور خنجر اُنکا ریحان تھا

نرگس و نسریں عدوِّ جانِ اُو
نرگس اور نسرین اُن کے جان کے دشمن تھے

ک‍ لہ حکایت۔ چونکہ پہلے ایسے شیخ کی ضرورت کا اظہار کیا تھا جس میں خودی اور انانیت نہ ہو اس کے مناسب محمد سررزی غزنوی رہ کا ذکر کیا ہے جو اس صفت کے ساتھ موصوف تھے۔ سررزی۔ سررز انگور کی بیل کی کونپل چونکہ یہ روزہ اُسی سے افطار کرتے تھے اسلئے اُنکا لقب سررزی پڑ گیا تھا۔ غزنوی غزنی کا رہنے والا غزنی اور غزنین بھی شہر ہے جس میں سلطان محمود غزنوی پیدا ہوئے تھے۔ مطلبے۔ یعنی وصول الی اللہ۔ شاہِ وجود۔ اللہ تعالےٰ۔ جمال یعنی اُن کا مقصد عجائب دیکھنا نہ تھا بلکہ دیدار خداوندی تھا۔

لہ خویش سیر۔ یعنی اُن کا بغیر دیدارِ خداوندی کے زندگی سے دل بھر گیا تھا اور زندہ رہنا نہ چاہتے تھے۔ گفت۔ دیدارِ جمال کی درخواست پر اُن کو جواب ملا ابھی تمھیں وہ مقام حاصل نہیں ہے جس میں دیدار ہو سکے ور۔ اگر تم پہاڑ سے گرا کر بھی اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرو گے تو تمھیں مرنے نہ دیا جائے گا اور گرنے سے تمہارا بدن شکستہ نہ ہوگا۔ درمیان۔ وہ پہاڑ سے کود کر پانی میں جا گرے۔ نکس۔ اوندھا۔ از فراق۔ چونکہ اُن کا زندگی سے دل بھر چکا تھا اور اوندھا گرنے سے بھی نہ مرے تو رونے لگے

لہ کایں۔ لوگوں کو زندگی عزیز ہے اُن کے لئے اُلٹی بات ہو گئی اُن کو اپنی موت پیاری تھی۔ موت۔ وہ موت

کی تمنا کرتے تھے اسلئے کہ اُن کو یقین تھا کہ موت کے بعد دیدارِ جمال ہو جائے گا۔ یک دل شدہ۔ یعنی وہ مطمئن تھے۔ چوں علیؓ۔ پہلے مولانا بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کے لئے اسبابِ موت دنیا کی لذتوں سے زیادہ پیارے تھے۔

بانگ[1] آمد روز صحرا سوئے شہر
آواز آئی، جنگل سے شہر کی جانب جاؤ

بانگِ طرفہ از ورائے سِرّ و جہر
عجیب آواز، آہستہ اور بلند کی آواز کے علاوہ

گفت اے دانائے رازم مُو بمُو
عرض کیا، اے میرے تمام رازوں کے جاننے والے!

چہ کنم در شہر از خدمت بگو
شہر میں کیا خدمت کروں؟ فرمایئے

گفت خدمت آنکہ بہرِ ذُلِّ نفس
فرمایا خدمت یہ ہے کہ نفس کو ذلیل کرنے کیلئے

خویشتن سازی تو چوں عباسِ دِبس
تو اپنے آپ کو عباس دبس کی طرح بنا لے

مُدتے از اغنیا زر می ستاں
ایک مدت تک، مالداروں سے روپے لے

پس بدرویشانِ مسکیں می رساں
پھر مسکین درویشوں کو پہنچا

خدمتت اینست تا یکچند گاہ
ایک وقت تک تیری یہی خدمت ہے

گفت[2] سمعاً طاعۃً اے جاں پناہ
عرض کیا، اے جاں پناہ! میں نے سنا قبول کیا

بس سوال و بس جواب و ماجرا
بہت سے سوال، بہت سے جواب اور قصہ

بُد میانِ زاہد و ربُّ الوریٰ
زاہد اور مخلوق کے رب کے درمیان ہوا

کہ زمین و آسماں پُر نور شُد
کہ زمین اور آسمان نور سے بھر گئے

در مقالات آں ہمہ مذکور شُد
"مقالات" میں وہ سب مذکور ہیں

لیک کوتہ کردم آں گفتار را
لیکن میں نے وہ گفتگو مختصر کر دی

تا ننوشد ہر خسے اسرار را
تاکہ ہر کمینہ اسرار کو نہ سنے

[1] بانگ۔ چونکہ خدا نے انکو اس مرتبہ پر پہنچانا تھا جس میں دیدار جمال ہو تو غیبی آواز نے ان کو ہدایت کی کہ وہ شہر میں جائیں زنبیل گردانی کریں اور بھیک مانگیں۔ گفت۔ ان بزرگ نے سوال کیا کہ شہر میں جا کر کیا کروں تو جواب ملا اپنے آپ کو عباس دبس بنا لو.... عباس دبس۔ یہ ایک بھکاری تھا جو طرح طرح کے حیلوں سے گداگری کرتا تھا کبھی مجمع کو رُلا دیتا تھا کبھی ہنسا دیتا تھا اور مختلف طریقوں سے بھیک مانگتا تھا "جامع الحکایات" میں اس کے قصے مذکور ہیں بعض لوگوں نے اس گداگر کا نام عباس دوس لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ دوس قبیلہ کا تھا۔

[2] گفت۔ ان بزرگ نے عرض کیا کہ اس حکم کو بجا لاؤں گا۔ کہ زمین۔ ان بزرگ اور خدا تعالیٰ کی وہ باتیں ہوئیں جن سے آسمان اور زمین منور ہو گئے۔ مقالات۔ یہ کتاب کا نام ہے جس میں شیخ محمد سرزی کے قصے مذکور ہیں بعض لوگوں نے اس کو مولانا روم کی تصنیف قرار دیا ہے۔

شرح

غزنی میں ایک درویش تھے جو کہ علم یا عقل میں بہت بڑھے ہوئے تھے ان کا نام محمد تھا اور لقب سرازی۔ کیونکہ وہ ہر شام کو سراز یعنی انگور کے پتوں سے روزہ کھولتے تھے وہ سات سال سے حق سبحانہٗ کی طلب میں تھے اور انہوں نے حق سبحانہٗ کی طرف سے بہت کچھ عجائب و غرائب دیکھے تھے لیکن ان کی طرف انہوں التفات نہیں کیا کیونکہ ان کا مقصود جمال حق سبحانہٗ کا مشاہدہ تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ جان سے بیزار درویش پہاڑ پر چڑھے

اور جوش و غلبہ عشق میں عرض کیا کہ اپنا جمال دکھلا دیجئے ورنہ میں نیچے گر کر اپنی جان دے دوں گا۔ حکم ہوا کہ ابھی اس شرف کا وقت نہیں آیا۔ اگر گرو گے تو مرو گے نہیں اور ہم تمہیں نہ ماریں گے۔ عشق کا غلبہ تھا لہٰذا بیتاب ہو کر پہاڑ کے نیچے گر پڑے مگر وہ زمین پر نہ گرے بلکہ ایک پانی کے اندر جا پڑے اور اس طرح مرنے سے بچ گئے پس جبکہ وہ جان سے آزردہ درویش گر کر بھی نہ مرے تو ان کو موت کی جدائی کا صدمہ ہوا اور اپنی حالت پر خوب روئے کیونکہ ان کو یہ زندگی موت دکھائی دیتی تھی اور ان کے نزدیک معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ اسلئے وہ حق سبحانہ سے موت کی درخواست کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مر جانے ہی میں میری زندگی ہے انہوں نے موت کو یوں قبول کیا تھا جیسے اور لوگ زندگی کو قبول کرتے ہیں اور وہ موت پر عاشق ہو گئے تھے۔

حضرت علی کی طرح سیف و خنجر انکو ریحان معلوم ہوتے تھے اور نرگس و نسرین ان کے دشمن جانتے تھے یہ واقعہ بھی ہو چکا اسکے بعد انکو آواز آئی کہ جنگل سے شہر کی طرف جاؤ۔ یہ آواز عجیب تھی کہ نہ آہستہ تھی اور نہ زور سے۔ کیونکہ یہ صفات حروف و صوت کے ہیں۔ اور آواز حق سبحانہ حرف و صوت سے منزہ ہے۔

اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے تمام اسرار کے جاننے والے خدا! مجھے حکم دیجئے کہ میں شہر میں جا کر کیا کام کروں حکم ہوا کہ ذلت نفس کے لیے تم اپنے کو عباس کی طرح گداگر بنا لو۔ تمہارا یہ ہی کام ہے اور کچھ نہیں۔ تم ایک وقت معین تک امراء سے مال لے کر فقراء کو دو۔ کچھ دنوں تک تمہارا یہی کام ہے انہوں نے عرض کیا کہ میں نے سُن لیا اور میں تعمیل کروں گا۔ حق سبحانہ اور اُن درویش کے درمیان اور بھی بہت سے سوال و جواب اور بہت کچھ گفت و شنید ہوئی۔ جن سے زمین و آسمان نور سے بھر گئے وہ سب کتاب مقالات یا مقامات شیخ سرزئی میں مذکور ہے مگر میں نے اس گفتگو کو مختصر کر دیا تاکہ نااہل اسرار پر مطلع نہ ہو۔ (فائدہ: یہ گفتگو الہامی تھی)

آمدنِ شیخ بعد از چندیں سال از بیابان بشہرِ غزنین

شیخ کا بہت سے سالوں کے بعد جنگل سے غزنی میں آنا اور غیبی اشارے سے

و زنبیل[عہ] گردانیدن باشارتِ غیبی و تفرقہ کردن آنچہ

جھولی گھمانا اور جو کچھ جمع ہوتا اُس کو فقراء میں

جمع آمدہ بر فقراء

تقسیم کردینا

ہر کرا جاں زعزِ لبیک ست
جس شخص کی جان لبیک کی عزت سے وابستہ ہے

نامہ بر نامہ پیک بر سست
اُس کیلئے خط پر خط اور قاصد پر قاصد ہے

رُد[لہ] بشہر آورد آں فرماں پذیر
اُس حکم ماننے والے نے شہر کا رُخ کیا

شہرِ غزنیں گشت از رُویش مُنیر
غزنی شہر اُن کے چہرے سے منور ہوگیا

از فرح خلقے باستقبال رفت
مخلوق خوشی سے استقبال کیلئے روانہ ہوئی

اُو درآمد از رہِ دُزدیدہ تفت
وہ جلدی چور راستہ سے اندر آگئے

جملہ اعیان و مہاں برخاستند
سب بڑے اور سردار کھڑے ہوگئے

قصر ہا از بہرِ اُو آراستند
اُن کی وجہ سے مکانات کو آراستہ کیا

گفت[ٹہ] من از خود نمائی نامدم
اُنھوں نے کہا میں خود نمائی کے لئے نہیں آیا ہوں

جز بخواری و گدائی نامدم
ذلت اور بھکاری پن کے سوا کے لئے نہیں آیا ہوں

نیستم در عزمِ قال و قیل من
میں بات چیت کے ارادہ میں نہیں ہوں

در بدر گردم بکف زنبیل من
میں ہاتھ میں جھولی لے کر در بدر گھوموں گا

بندہ فرمانم کہ امر ست از خدا
میں حکم کا غلام ہوں، کیونکہ خدا کا حکم ہے

کہ گدا باشم گدا باشم گدا
میں بھکاری بنوں، میں بھکاری بنوں، بھکاری

در گدائی لفظ نادر ناورم
میں بھکاری پن میں نیا لفظ نہ لاؤں گا

جز طریقِ خس گدایاں نسپرم
کمینہ فقیروں کے سوا طریقہ نہ اختیار کروں گا

تا شوم غرقِ مذلت من تمام
تاکہ میں پوری طرح ذلت میں ڈوب جاؤں

تا سقطہا بشنوم از خاص و عام
تاکہ خاص و عام سے بُرا بھلا سُنوں

امرِ[ٹلہ] حق جانست من آں را تبع
خدا کا حکم جان ہے، میں اُس کے تابع ہوں

اُو طمع فرمود ذلّ من قنع
اس نے لالچ کا حکم دیا اور جس نے قناعت کی ذلیل ہوا

چوں طمع خواہد ز من سُلطانِ دیں
جبکہ دین کا شاہ مجھ سے طمع چاہتا ہے

خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں
اس کے بعد قناعت کے سر پر دُھول

عہ زنبیل گردانیدن۔ مجھے قرینہ میں معلوم ہوا تھا کہ مولوی فرقہ میں یہ ریاضت اب بھی باقی ہے اِن کا شیخ کسی کو اپنے حلقہ میں جب داخل کرتا ہے تو مختلف ریاضتیں کرا لیتا ہے اور اُس میں یہ ریاضت بھی داخل ہے کہ اُس مُرید کو چالیس روز گداگری کرنی پڑتی ہے

لہ رد بشہر۔ ہر غیبی اشارے کے بعد محمد سرزری غزنی میں پہنچے لوگوں نے انکے استقبال کے لئے شہر کو سجایا لیکن وہ بغیر اطلاع خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہوگئے اور اپنے لئے اس اعزاز کو پسند نہ کیا۔

ٹہ گفت۔ خفیہ طور پر غزنی میں پہنچنے کے بعد اُنھوں نے لوگوں سے کہا میں غزنی میں خود نمائی کے لئے نہیں آیا ہوں میں تو اپنے آپ کو ذلیل کرنے اور بھیک مانگنے کے لئے آیا ہوں۔ زنبیل۔ کاسۂ گدائی، کشکول، زگدائی۔ بھیک بھی عام فقیروں کی طرح مانگوں گا تاکہ اچھی طرح ذلیل ہوں اور لوگوں سے بُرا بھلا سُنوں۔

ٹلہ امرِ حق۔ خدا جب لالچ اور طمع کا حکم دے تو پھر قناعت ذلت ہے اور ذلت میں عزت ہے۔ اور ذلت جب خدا کسی سے ذلت کا طالب ہو تو طالبِ خدا عزت کو پسند نہیں کرتا ہے۔ بیت۔ یعنی میں مفلس رہتے ہیں میں گدا بھکاری ہوں کا شئ تعالیٰ فقیروں کی صدا ہوتی ہے اگر توفیق ہے تو کچھ خدا کے لئے دو۔

او مذلت خواست کے عزت تنم — او گدائی خواست تا میری کنم

اُس نے ذلت چاہی میں کب عزت کے درپے ہونگا! — اُس نے بھکاری پن چاہا، میں کب امیری کروں گا؟

بعد ازیں گدیہ و مذلت جانِ من — بیست عباس اندر انبانِ من

اس کے بعد بھیک اور ذلت میری جان ہے — میری جھولی میں بیس عباس ہیں

شیخ بر میگشت و زنبیلے بدست — شیٔ لِلّٰہ خواجہ توفیقیت ہست

شیخ گھومتے تھے اور جھولی ہاتھ میں — اے خواجہ ہاں اگر تجھے کچھ توفیق ہے تو کچھ دے

برتر از کرسی و عرش اسرارِ او — شیئاً للّٰہ شیئاً للّٰہ کارِ او

ان کے باطنی احوال کرسی و عرش سے برتر تھے — کچھ خدا کے لئے، کچھ خدا کیلئے اُن کا کام تھا

انبیا ہر یک ہمیں فن میزنند — خلق مفلس گدیہ ایشاں میکنند

ہر ایک نبی اسی طرح نعرہ لگاتا ہے — مخلوق مفلس ہے، اُن سے بھیک مانگتے ہیں

اَقرِضُوا اللہ اَقرِضُوا اللہ میزنند — باژگوں بر اُنصُرُوا اللہ می تنند

اللہ کو قرض دو، اللہ کو قرض دو، کہتے ہیں — اُلٹا، اللہ کی مدد کرو، پر عمل کرتے ہیں

در بدر ایں شیخ می آرد نیاز — بر فلک صد در برائے شیخ باز

یہ شیخ در بدر، عاجزی کرتے ہیں — شیخ کیلئے آسمان پر سینکڑوں دروازے کھلے ہوئے ہیں

آں گدائی کہ بجد میکرد او — بہرِ یزداں بود نے بہرِ گلو

وہ بھکاری پن جو وہ کوشش سے کر رہے تھے — خدا کے لئے تھا، نہ کہ حلق کے لئے

ور بکردے نیز از بہرِ گلو — آں گلو از نورِ حق دارد غلو

اگر وہ حلق کے لئے بھی کرتے — وہ حلق خدا کے نور سے پُر تھا

در حقِ او خوردِ نان و شہد و شیر — بہ ز چلّہ و ز سہ روزہ صد فقیر

اُن کیلئے روٹی اور شہد اور دودھ کی خوراک — سینکڑوں فقیروں کے چلّہ اور سہ روزہ سے بہتر تھی

نور مینوشد مگو ناں می خورد — لالہ میکارد بصورت می چرد

نور پی رہے ہیں، مت کہو روٹی کھا رہا ہے — لالہ بو رہے ہیں بظاہر چر رہے ہیں

چوں شرارے کو خورد روغن ز شمع — نور افزاید ز خوردش بہرِ جمع

جیسا کہ وہ آگ جو شمع کا روغن کھا رہی ہے — اُس کے کھانے سے لوگوں کیلئے نور بڑھتا ہے

نان خورے را گفت حق لَا تُسرِفُوا — نور خوردن را نگفت است اِکتَفُوا

اللہ (تعالیٰ) نے روٹی کھانے والے کیلئے فرمایا اسراف نہ کر — نور کھانے کے لئے، بس کرو، نہیں فرمایا

ایں گلوئے ابتلا بود ویں گلو — فارغ از اسراف و آمن از غلو

یہ حلق آزمائش تھا اور یہ حلق — اسراف سے بے نیاز ہے اور غلو سے محفوظ ہے

ف ۱ برتر۔ شیخ کا مقام عرش و کرسی سے بلند تھا لیکن انھوں نے بھکاری۔ اختیار کر لیا۔ میرا انبیاء۔ انبیاء کا بھی طریق کار یہی ہے کہ باوجود ہر قسم کے غنیٰ کے مفلس مخلوق سے بھیک مانگتے ہیں۔ اقرضوا۔ انبیاء کہتے ہیں کہ خدا کو قرض دو اور اللہ کی مدد کرو حالانکہ مخلوق خود قرض اور مدد کی محتاج ہے۔ در بدر۔ شیخ در بدر مارے پھرتے تھے حالانکہ آسمان کے سینکڑوں دروازے اُن کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

ف ۲ آں گدائی۔ شیخ کا یہ بھکاری پن اپنے لئے نہ تھا خدا کے حکم کے مطابق تھا اور اگر وہ اپنے لئے بھی کہتے تو وہ اُس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اُن کا کھانا پینا اُن کے لئے نور بنتا تھا اور اُن کے لئے دنیا کی لذتیں دوسرے سالکوں کے مجاہدوں سے بہتر تھیں۔ سہ روزہ۔ تین دن کا صوم وصال۔ نور۔ ایسے بزرگ کھانا کھاتے ہیں تو وہ نور بن جاتا ہے۔

ف ۳ چوں۔ بزرگ کے لئے دنیا کی لذتیں بھی دوسروں کے لئے باعثِ افادہ بنتی ہیں جس طرح آگ موم بتی کو کھاتی ہے تو دوسروں کو نور حاصل ہوتا ہے۔ نان خورے۔ جن کی غذائیں محض بدنی ہیں ان کے لئے قرآن کا حکم ہے کُلُوا وَاشرَبُوا وَلَا تُسرِفُوا کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو لیکن جن کی غذا نور بنتی ہے اُنکو اِکتَفُوا یعنی کفایت کرو کا حکم نہیں ہے وہ جو چاہیں

اور جس قدر چاہیں کھائیں۔ ایں گلو۔ عام انسان کا حلق اُس کے لئے ابتلا کا سبب ہے اور شیخ کا کھانا

اَمر و فرماں بُود نے حرص و طَمع
حکم اور فرمان تھا نہ کہ لالچ اور طمع

آنچناں جان حرص را نبوَد تبع
ایسی جان حرص کے تابع نہیں ہوتی ہے

گر[1] بگوید کیمیا مِس را بِدہ
اگر کیمیا تانبے سے کہے کہ دے

تو بمن خود را طَمع نبُود فرہ
تو اپنے آپ کو مجھے، (تو یہ) زیادتی اور لالچ نہ ہو گا

آں گدائی کہ بجد میکرد اُو
وہ بھکاری پن جو وہ کوشش سے کر رہے تھے

بُود از آثارِ حکمتہائے ہُو
وہ اللہ کی حکمتوں کا نتیجہ تھا

گنجہائے خاک تا ہفتم طبق
زمین کے خزانے ساتویں طبقہ تک

عَرضہ کردہ بُود پیشِ شیخ حق
اللہ (تعالیٰ) نے شیخ کے سامنے پیش کر دیئے تھے

شیخ گفتا خالقا مَن عاشقم
شیخ نے کہا، اے خالق! میں تو عاشق ہوں

ور بجویم غیرِ تو مَن فاسقم
اگر میں تیرے غیر کی جستجو کروں تو میں فاسق ہوں

ہشت جنت گر در آرم در نظر
اگر میں آٹھوں جنتوں کو نظر میں لاؤں

ور کنم خدمت مَن از خوفِ سقر
اگر میں دوزخ کے ڈر سے عبادت کروں

مؤمنے باشم سلامت جوئے مَن
میں سلامتی کا طالب ہوں، ایک مومن بنوں گا

زانکہ ایں ہر دو بُود حظِ بدَن
کیونکہ یہ دونوں چیزیں بدن کا حصہ ہیں

عاشقے[2] کز عشقِ یزداں خورد قوت
وہ عاشق جس نے خدا کے عشق کی روزی کھا لی

صد بدن پیشش نیرزد تُرہ توت
اس کے آگے سینکڑوں بدن شہتوت کی قیمت نہیں رکھتے

ویں بدن کہ دارد آں شیخِ فطن
وہ سمجھدار شیخ جو یہ بدن رکھتے ہیں

چیزِ دیگر گشت کم خوانش بدَن
وہ دوسری چیز بن گیا، اس کو بدن نہ کہو

عاشقِ عشقِ خدا وانگاہ مُزد
عشقِ خدا کا عاشق اور پھر مزدوری

جبرئیلِ مؤتمن آنگاہ دُزد
امانتدار جبرئیل، اور پھر چور

عاشق[3] آں لیلیِ کور و کبُود
اندھی، نیلی، لیلیٰ کا عاشق

مُلکِ عالم پیشِ اُو یک تُرہ بُود
دنیا کی سلطنت اس کے سامنے ایک ترہ تھی

پیشِ اُو یکساں شدہ بُد خاک و زر
اس کے لئے مٹی اور سونا یکساں ہو گیا تھا

زر چہ باشد کہ نہ بُد جاں را خطر
سونا کیا ہوتا ہے، اس کو جان کا خطرہ نہ تھا

شیر و گرگ و دَد ازو واقف شدہ
شیر اور بھیڑیا اور درندہ اس سے واقف ہو گیا تھا

ہمچو خویشاں گردِ اُو گِرد آمدہ
اپنوں کی طرح اُس کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے

کایں شدست از خوئے حیواں پاک پاک
کہ یہ حیوان کی خصلت سے بہت پاک ہو گیا ہے

پُر ز عشق و لحم و شحمش زہرناک
عشق اور زہریلے گوشت اور چربی سے پُر ہے

---

[1] گر بگوید۔ اگر کیمیا تانبے کو کہے تو اس میں تانبے ہی کا فائدہ ہے۔ آں گدائی۔ شیخ جو بھیک مانگ رہے تھے اس میں خدائی حکمتیں پنہاں تھیں۔ گنجہائے۔ خدا نے شیخ کے سامنے زمین کے سارے خزانے پیش کر دیئے تھے، لیکن شیخ نے عرض کر دیا تھا کہ اگر میں زر کا طالب بنوں تو عاشق نہیں بلکہ فاسق ہوں۔ ہشت۔ اگر کوئی جنت کے شوق یا دوزخ کے ڈر سے عبادت کرتا ہے تو وہ مومن تو ہے عاشق نہیں ہے کیونکہ دوزخ اور جنت کا تعلق بدن سے ہے۔

[2] عاشقے۔ جس عاشق نے خدا کے عشق کی روزی کھا لی اس کے لئے بدن ہیچ ہو جاتا ہے اور جنت و دوزخ کا تعلق بدن سے ہے لہٰذا وہ جنت کی تمنا کرتا ہے اور نہ اس سے دوزخ کا خوف عبادت کراتا ہے۔ ویں بدن۔ شیخ کا بدن، بدن تو تھا لیکن اس میں جسمانی صفات نہ تھے۔ عاشق۔ عشق مزدوری نہیں چاہتا ہے جنت اور دوزخ عبادت کی مزدوری ہے جس طرح جبرئیل امین سے چوری کا تصور نہیں ہو سکتا اسی طرح عاشق سے مزدوری کی خواہش کا تصور غلط ہے۔

[3] عاشق۔ عاشقِ خدا تو بڑی چیز ہے لیلیٰ کے عاشق کے لئے بھی دنیا کی سلطنت ہیچ تھی مجنوں کے نزدیک سونے اور مٹی میں فرق نہ تھا نہ اس کو جان کا خطرہ تھا۔

زہرِ دد باشد شکر ریزِ خرد
عقل کا شکر کا بکھاور، درندہ کا زہر ہوتا ہے

زانکہ نیکِ نیک باشد ضدِ بد
کیونکہ اچھا نیک، بد کی ضد ہوتا ہے

لحمِ عاشق را نیارد خورد دد
درندہ، عاشق کا گوشت نہیں کھا سکتا

عشق معروفست پیشِ نیک و بد
ہر نیک و بد کے لئے عشق پہچانی ہوئی چیز ہے

ور خورد فی المثل دام و ددش
بالفرض اگر اس کو جانور اور درندہ کھالے

لحمِ عاشق زہر گردد بکشدش
عاشق کا گوشت زہر بن جائے، اُسکو ہلاک کردے

ہر چہ جز عشق ست شد مأکولِ عشق
جو عشق کے سوا ہے، وہ عشق کی غذا ہے

دو جہاں یکدانہ پیشِ نولِ عشق
عشق کی چڑیا کے لئے دونوں جہاں ایک دانہ ہیں

دانہ مر مرغ را ہرگز خورد
دانہ مرغ کو کبھی کھاتا ہے!

کاہداں مر اسپ را ہرگز چرد
آخور کبھی گھوڑے کو کھاتا ہے!

بندگی کن تا شوی عاشق لعل
عبادت کر، تو شاید عاشق بن جائے

بندگی کسب ست آید در عمل
عبادت کسب ہے، عمل میں آجاتی ہے

بندہ آزادی طمع دارد ز جد
بندہ قسمت سے آزادی کا لالچ رکھتا ہے

عاشق آزادی نخواہد تا ابد
عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا

بندہ دائم خلعت و ادرار جوست
بندہ ہمیشہ خلعت اور انعام کا جویاں ہے

خلعتِ عاشق ہمہ دیدارِ اوست
عاشق کی سب خلعت اُس کا دیدار ہے

در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق کہنے اور سننے میں نہیں سماتا

عشق دریائیست قعرش ناپدید
عشق وہ دریا ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں ہے

قطرہ ہائے بحر را نتواں شمرد
سمندر کے قطروں کو شمار نہیں کیا جا سکتا

ہفت دریا پیشِ آں بحر ست خرد
اُس سمندر کے سامنے ساتوں دریا چھوٹے ہیں

ایں سخن پایاں ندارد اے فلاں
اے فلاں! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے

باز رد در قصۂ شیخِ زماں
شیخِ زمانہ کے قصہ کی طرف واپس چل

در معنیِ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ
اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا کے معنی

۱ کاہداں. مجنوں میں حیوانی صفات ختم ہو گئی تھیں اور ملکوتیت پیدا ہو گئی تھی اُس کا گوشت و پوست عشق سے زہرناک ہو گیا تھا. زہر. عشق عقل کے لئے شکر کا بکھاور ہے اور درندوں کے لئے زہر. شکر ریز. وہ شکر جو دلہن پر نچھاور کی جاتی تھی. لحمِ عاشق. عاشق کا گوشت عشق سے زہریلا ہو جاتا ہے اگر درندہ اُس کو کھالے تو مر جاتا ہے. ہر چہ. ہر چیز عشق کی خوراک ہے. دو جہان اُس کے لئے ایک دانہ ہے دانہ پرندہ کو نہیں کھاتا پرندہ دانہ کو کھاتا ہے.
۲ کاہداں. گھوڑا آخور کی گھاس کھاتا ہے آخور گھوڑے کو نہیں کھاتا. بندگی. عبادت کسبی چیز ہے عمل میں آ سکتی ہے عشق محض عطیہ خداوندی ہے. بندہ. عبادت گزار آزادی چاہتا ہے عاشق گرفتاری چاہتا ہے عبادت گزار انعام کا خواہاں ہے عاشق صرف دیدار کا طالب ہے.
۳ در نگنجد. عشق کی حقیقت ناقابلِ بیان ہے وہ دریائے ناپیدا کنار ہے. قطرہ. سمندر کے قطرے شمار کرنا ممکن کہ دریائے عشق تو وہ دریا ہے کہ اسکے بالمقابل دنیا کے سات سمندر ایک چھوٹا سمندر ہیں. ڈنگر کی باتیں کس طرح بیان ہو سکتی ہیں. شیخ زماں. شیخ محمد سرزری

شد چنیں شیخے گدائے کو بکو
ایسے شیخ گلی گلی کے بھکاری بن گئے

عشق آمد لا اُبالی اِتَّقُوا
عشق لا پروا ہے

عشق جوشد بحر را مانندِ دیگ
عشق سمندر کو دیگ کی طرح کھولا دیتا ہے

عشق ساید کوہ را مانندِ ریگ
عشق پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے

عشق بشگافد فلک را صد شگاف
عشق لرزاند زمیں را از گزاف

عشق آسمان میں سو شگاف ڈال دیتا ہے
عشق زمین کو آسانی سے لرزا دیتا ہے

با محمدؐ بود عشقِ پاک جفت
بہرِ عشق اُو را خدا لولاک گفت

پاک عشق محمد کا ساتھی تھا
عشق کی وجہ سے خدا نے آپ کے بارے میں لولاک فرمایا

منتہی در عشق چوں اُو بود فرد
پس مر اُو را ز انبیا تخصیص کرد

عشق میں چونکہ وہ منتہی اور یکتا تھے
تو انبیاء میں سے اُن کو مخصوص کر لیا

گر نبودے بہرِ عشقِ پاک را
کے وجودے دادمے افلاک را

اگر آپ پاک عشق کے لئے نہ ہوتے
زمین آسمانوں کو وجود کب عطا کرتا!

من بداں افراشتم چرخِ سنی
تا علوِ عشق را فہمی کنی

میں نے اونچے آسمان کو اسی لئے بلند کیا
تاکہ آپ عشق کی بلندیوں کو سمجھ لیں

منفعتہائی دگر آید ز چرخ
آں چو بیضہ تابع آید ایں چو فرخ

آسمان کے دوسرے فوائد (بھی) ہیں
وہ انڈے کی طرح تابع ہیں، یہ مرغی کے بچے کی طرح ہیں

خاک را من خار کردم یکسری
تا ز ذلِ عاشقاں بوئی بری

میں نے مٹی کو بالکل پستی بنایا
تاکہ آپ عاشقوں کی ذلت کا پتہ لگا لیں

خاک را دادیم سبزی و نوی
تا ز تبدیلِ فقیر آگہ شوی

مٹی کو ہم نے تازگی اور سبزی بخشی
تاکہ آپ فقیر کی تبدیلی سے آگاہ ہو جائیں!

با تو گویند ایں جبالِ راسیات
وصفِ حالِ عاشقاں اندر ثبات

یہ جمے ہوئے پہاڑ آپ کو بتاتے ہیں
عاشقوں کی حالت جماؤ میں

گرچہ آں معنیست ویں نقش اے پسر
تا بفہمِ تو کند نزدیک تر

اے بیٹا! اگرچہ وہ ہستی ہیں اور یہ صورت ہے
تاکہ (یہ تشبیہ) تیری سمجھ کے زیادہ قریب کر دے

غصہ را با خار تشبیہے کنند
آں نباشد لیک تنبیہے کنند

غصہ کو کانٹے سے تشبیہ دیتے ہیں
وہ وہ نہیں ہوتا لیکن تنبیہ کرتے ہیں

آں دلِ قاسی کہ سنگیں خوانند
نامناسب بد مثالے راندند

وہ سخت دل جس کو پتھر کا کہتے ہیں
مناسب نہیں ہے، ایک مثال دیتے ہیں

در تصور در نیاید عینِ آں
عیب بر تصویر بنہ نفیش مداں

اگر وہ بعینہ تصور میں نہ آئے
اس مثال پر عیب لگا اس کا انکار نہ کر

لہ چرخ چنیں۔ اس قدر بزرگ شیخ اور عشق اس سے گداگری کر رہا ہے عشق لاابالی جو چاہے کرتا ہے اس سے ڈرتے رہو۔ عشق۔ عشق کے کارنامے یہ ہیں کہ وہ سمندر کو دیگ کی طرح اُبال دیتا ہے پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے عشق آسمان میں شگاف کر دیتا ہے زمین کو لرزا دیتا ہے۔

ؔ۲ با محمدؐ۔ عشق کی عظمت یہ بھی ہے کہ وہ آنحضورؐ کو لگا تو خدا نے اُنکے بارے میں فرمایا کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا۔ منتہی۔ اور انبیاء میں بھی عشق تھا لیکن آنحضورؐ میں درجۂ اتم تھا۔ من بداں۔ آسمان کی بلندی عشق کی بلندی سمجھانے کے لئے ہے۔۔۔ منفعتہای۔ آسمان کی بلندی میں اصل منفعت یہی ہے منفعتوں کی مثال انڈے کی اور اس منفعت کی خال چوزے کی سی ہے، جو اصل ہے۔

ؔ۳ خاک۔ زمین اور پستی پیدا کرنے کی منفعت یہ ہے کہ عاشقوں کی ذلت کو اس سے سمجھ لو۔ خاک زمین خشک ہوتی ہے پھر اس میں سبزہ زار اُگ جاتا ہے اس سے عاشقوں کی تبدیلی کو سمجھ لو۔ با تو۔ پہاڑوں کا جماؤ عاشقوں کا جماؤ سمجھنے کے

[illegible]

شرح

خیر تو جب اُن کو گداگری کا حکم ہوا تو وہ مطیع فرمان دُرویش متوجہ شہر ہوئے اور شہر غزنی ان کے روئے منور سے منور ہوا

لوگ تو خوش خوش ان کے استقبال کو گئے مگر وہ خفیہ راستہ سے شہر میں آپہنچے اس کے بعد تمام امراء ان کی خدمت پر کمر بستہ ہوئے اور محلات ان کے لیے سجائے مگر انہوں نے کہا کہ میں خود نمائی کی غرض سے نہیں آیا بلکہ میں تو صرف گداگری کے لیے آیا ہوں اور میرا عزم لوگوں کو تعلیم و تلقین کا نہیں ہے بلکہ میں ہاتھ میں جھولے لیے ہوئے در بدر پھروں گا۔ کیونکہ مجھے حق سبحانہٗ کا یہ حکم ہے کہ میں فقیر بنوں میں اس کا مطیع ہوں پس میں فقیر ہی بنوں گا اور فقیری مجھے مہذب طریق سے نہ کروں گا اور سوال میں شاندار الفاظ استعمال نہ کروں گا۔ بلکہ معمولی فقیر بنوں گا اور ذلیل فقیروں کی روش کے سوا اور کوئی روش اختیار نہ کروں گا۔ تاکہ میں سر سے پاؤں تک ذلت میں ڈوب جاؤں اور تاکہ میں ہر خاص و عام سے سخت سست سنوں گا خدا کا حکم جان کے برابر ہے اور میں اس کا متبع ہوں پس چونکہ اس نے طمع کا حکم دیا ہے لہٰذا میں طامع اور گداگر بنوں گا کیونکہ ایسی حالت میں جو قناعت و ترک گداگری کرے وہ ارتکاب معصیت کے سبب ذلیل ہے جبکہ خدا خود مجھ سے طمع اور گداگری چاہتا ہے تو قناعت کے سر پر خاک جب وہ ذلت چاہتا ہے تو میں کب عزت کے درپے ہوں گا اور جب وہ گداگری چاہتا ہے تو میں کب رئیس بنوں گا۔ میں تو ایسے دھڑلے کی گداگری کروں گا کہ اس گداگری اور ذلت جان کے بعد بیس ۲۰ عباس میرے قبیلے میں ہوں گے۔

الغرض! انہوں نے گداگری اختیار کی اور جھولے ہاتھ میں لئے پھرتے تھے اور کہتے تھے "جناب کچھ توفیق ہے اچھا خدا کے لیے کچھ دیجئے حالت تو انکی یہ تھی کہ ان کے اسرار عرش و کرسی سے بالاتر تھی اور کام ان کا یہ کہ خدا کے لیے کچھ دو۔ خدا واسطے کچھ دو۔ کیوں اسلیئے کہ وہ انبیاء کے قدم پر تھے اور انبیاء بھی یہی کام کرتے ہیں اور مخلوق خود مفلس ہے مگر وہ اس سے مانگتے ہیں اور کبھی اقرضوا اللّٰہ اقرضوا اللّٰہ

کے نعرہ لگاتے ہیں اور کبھی انصروا اللہ کہتے ہیں جو کہ اُلٹی ... بات ہے کیونکہ خدا تو خود سب کی مدد کرتا ہے اسکو مدد کی کیا حاجت ہے اور جو خود محتاج مدد ہیں اُس کی کیا مدد کر سکتے ہیں مگر یہ حق سبحانہٗ کی عنایت ہے کہ اُن کی خود اپنی مدد کو حق سبحانہٗ نے اپنی مدد قرار دیا ہے اور خود ان کے اپنے لیے خرچ کرنے کو خدا کا قرض دینا ٹھہرایا ہے۔

خیر یہ درویش جو دربدر گداگری کرتے ہیں حالانکہ آسمان پر سو دروازہ ان کے لیے کُھلے ہوئے ہیں پھر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انکو خدا کا حکم ہے اور خدا کے لیے وہ گداگری کرتے ہیں نہ کہ خود اپنے کھانے کے لیے۔ لیکن اگر بالفرض وہ اپنے ہی کھانے کے لیے کرتے تب بھی کوئی بری بات نہیں کیونکہ ان کا حلق نورِ حق سے لبریز ہے اسلئے ان کے لئے کھانا برا نہیں ہے بلکہ ان کے حق میں روٹی، شہد، دودھ وغیرہ سینکڑوں فقیروں کے چلہ اور صیام ایام بیض سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ روٹی نہیں کھاتے بلکہ نور کھاتے ہیں اور گو بظاہر چرتے ہیں مگر فی الحقیقت لالہ کاری ہ. کرتے اور روح میں صفات حمیدہ بڑھاتے ہیں ان کے کھانے کی ایسی مثال ہے جیسے شعلہ چراغ تیل پیتا ہے مگر اس کھانے سے لوگوں کے لیے نور بڑھتا ہے جب یہ حالت ہے تو ان کے لیے زیادہ کھانے کی ممانعت نہیں ہے اسلئے کہ حق سبحانہٗ نے روٹی کھانے کے لئے لاتُسرِفوا کہا ہے نور کھانے کو نہیں کہا کہ بس کرو۔ روٹی کھانے والا حلق زیرِ امتحان ہے اسکو ضرورت ہے اسراف سے ممانعت کی۔ اور نور کھانے والا حلق اس مرتبہ کو طے کر گیا ہے اور اسلئے وہ اسراف اور غلو سے بے تعلق ہو گیا ہے۔ اب نہ وہاں اسراف ہے اور نہ حد سے تجاوز۔ لہٰذا اسراف کی ممانعت بھی نہیں ہے (فائدہ: ابن گلوی ابتلا ربد الخ سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ اہل اللہ حدِ تکلیف سے خارج ہو جاتے ہیں اور مکلف نہیں رہتے بلکہ تحقیق اسکی یہ ہے کہ اوامرِ الٰہیہ مقید بقیود۔ اور مبنی بر مصالح خاصہ ہوتے ہیں اسلئے وہ اپنے مواقع کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں نہ کہ عام مثلاً حکم ہے کہ زکوٰۃ دو مگر یہ مقید ہے اس قید کے

ساتھ کہ مال نامی ہو حوائج ضروریہ سے فارغ ہو، حولانِ حول ہو چکا ہو۔ پس جہاں یہ قید پائی جائے گی وہیں یہ حکم بھی ہوگا اور جہاں یہ قید نہ پائی جائے گی وہاں یہ حکم نہ ہوگا۔ علی ہٰذا القیاس امر لاتسرفوا مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ غذا موجب تقویت نفس ہو۔ پس جہاں غذا موجب تقویت دفع ہوگی وہاں کثرت اکل کی ممانعت نہ ہوگی اسلئے جو لوگ اس حکم کے مخاطب ہوں گے وہ اس حکم کے لحاظ سے زیر امتحان ہوں گے اور جو لوگ مخاطب نہ ہوں گے وہ فارغ از امتحان ہوں گے پس شعر مذکور میں اہل اللہ سے امتحان خاص کی نفی کی گئی ہے نہ کہ امتحان عام کی لیکن یہ امر بھی واضح رہے کہ اہل اللہ کا نفس گو نہایت مضمحل ہو جاتا ہے مگر بالکل مردہ نہیں ہو جاتا ـــــ دلیل اسکی خود مولانا کا ارشاد یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس الخ۔ اور حق سبحانہٗ کا ارشاد حکایت عن یوسف علیہ السلام وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ ہے اسلئے یہ حکم مبنی بر اغلب احوال ہوگا نہ کہ کلی۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ بحالت صحت عقل مرفوع القلم اور مطلق العنان نہیں ہو سکتا ـــــ اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ گو احکام شرعیہ مقید بقیود و شروط بشرائط خاصہ ہوتے ہیں۔ مگر ہر کسی کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اپنے عقل سے مقید کرے۔ بلکہ یہ کام یا خود شارع کر سکتا ہے یا وہ لوگ جو رمز شناس مثلاً مجتہدین وحی ہیں۔ واللہ اعلم)

غرضکہ وہ گداگری بحکم و فرمان الٰہی تھی نہ کہ حرص و طمع سے کیونکہ یہ مقدس لوگ تابع حرص نہیں ہوتے۔ نیز یہ گداگری خود ان لوگوں کی منفعت کے لیے تھی اسلئے بھی حرص نہ تھی۔ مثلاً کیمیا تانبے سے کہے کہ تو اپنے کو مجھے دیدے تو یہ حرص نہ ہوگی۔ بلکہ خود کیمیا کا احسان ہوگا۔ پس ان وجوہ سے یہ گداگری ممنوع اور قبیح نہ تھی اور جو گداگری وہ کرتے تھے وہ حکمت الٰہیہ کے آثار نامتناہیہ کا ایک اثر تھی نہ کہ عام گداگری وہ عام گداگری کیسے کر سکتے تھے کہ حق سبحانہٗ نے ساتوں۔۔۔ زمینوں کے خزانے ان کے سامنے پیش کئے تھے۔ مگر شیخ نے کہا کہ اے اللہ! اے اللہ! ایسا تو عاشق ہوں میں خزانے کیا کروں گا۔ اگر میں تیرے سوا اور کا طالب ہوں تو عاشق

کا ہے کو ہوں گا۔ یں تو نفس پرست عاشق ہوں گا اور اگر میں طاعت میں آٹھوں جنتوں کو پیش نظر رکھوں یا خوف دوزخ سے عبادت کروں تو اس وقت میں عامی مومن اور سلامتی کا طالب ہوں گا۔ کیونکہ ان دونوں کا تعلق جسم سے ہے نہ کہ روح سے پس اس وقت میں اپنے جسم کو مضرت سے بچانے والا اور اسکو نفع پہنچانے والا ہوگا جو کہ عامۂ مومنین کے شان ہے نہ کی عاشق کی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جو عاشق غذائے عشق خداوندی کھاتا ہے اسکے سامنے ایک جسم کیا، سو جسم توت کے پتے کے برابر بھی نہیں ہوتے پھر وہ بدن کی کیا فکر کرتا۔ شاید کوئی کہے کہ بزرگ کھاتے تھے پیتے تھے اسکو گرمی سردی سے بچاتے تھے وغیرہ وغیرہ اور عاشق الٰہی بھی تھے ——— پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ عشاق الٰہی کو بدنوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی اسلئے اس کا جواب دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو بدن شیخ کو حاصل ہے وہ بدن نہیں رہا۔ بلکہ کچھ اور بھی ہوگیا ہے تم اسے بدن نہ کہو کیونکہ وہ روح ہوگیا ہے (فائدہ: تفصیل اسکی یہ ہے کہ جسم میں ذاتی دو قسم کی صفات ہیں ذمیمہ وغیر ذمیمہ۔ مثلاً حرص کینہ وغیرہ صفات ذمیمہ ہیں۔ لون، تحیز و تشکل وغیرہ غیر ذمیمہ ہیں۔ علیٰ ہذا روح میں بھی دو قسم کے اوصاف ہیں حمیدہ وغیر حمیدہ صبر قناعت وغیرہ صفات حمیدہ ہیں۔ جوہریت لطافت، بدنیت وغیرہ غیر حمیدہ پس ارباب تصوف جب روح اور جسم کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے صفات حمیدہ و ذمیمہ کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

مثلاً جب کہتے ہیں کہ روح جسم ہو گئے تو اس سے اسکی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے جسم کی صفات ذمیمہ اختیار کرلیں اور جب کہتے ہیں کہ جسم روح ہوگیا تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی صفات ذمیمہ کو چھوڑ دیا اور صفات حمیدہ سے متصف ہوگیا پس جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب جسم صفات ذمیمہ سے خالی ہوگیا تو اب اس کی خدمت جسم بمعنی مراد ارباب تصوف جسم کی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ اب وہ

روح کی خدمت ہے - فاتضح المسرام وللہ الحمد) ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ عاشق خدا حظوظِ جسمانیہ کی پرواہ نہیں کرتے اسلئے وہ جنت و دوزخ کے لئے طاعت نہیں کرتے اب اسکی وجہ سنو - وجہ یہ ہے کہ یہ طاعت باُجرت ہے اور عاشق خدا ہو اور مزدوری چاہے - ناممکن ہے - جبرائیل امین ہو اور چور ہو محال ہے عاشق خدا تو بڑی چیز ہے - ایک ذلیل لیلیٰ کے عاشق کی یہ حالت تھی کہ سلطنت عالم اس کے سامنے ہیچ تھی اور مٹی اور سونا اس کے نزدیک برابر ہو گئے تھے سونا تو کیا چیز ہے - اسکے نزدیک خود جان کی کوئی وقعت نہ رہی تھی اور عشق نے اُسکے یوں قلبِ ماہیت کر دی تھی - کہ شیر اور لومڑے اور دیگر درندے اسسے واقف ہو گئے تھے اور عزیزوں کی طرح اس کے گرد جمع ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب عام جانداروں کا سا نہیں رہا - بلکہ ان کی خصلت و طبیعت سے پاک صاف ہو گیا ہے اب یہ عشق سے پُر ہے اور اس کا گوشت اور اسکی چربی زہر آلود ہو گئے ہیں - کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب عشق زہر ہے تو بری چیز ہے کیونکہ وہ درندوں کے لئے زہر ہے اور جو چیز درندوں کے حق میں زہر ہو وہ عقلاء کے حق میں شکر ریز ہوتی ہے کیونکہ ان دونوں کے طبائع میں تضاد ہے پس جو چیز ایک طبیعت کے لیے مُضر ہو گی - اسکی ضد کے لیے خواہ مخواہ مفید ہو گی مثلاً جو چیز اچھے کے حق میں اچھی ہے وہ بُرے کے حق میں ضرور بُری ہو گی -

خیر تو وہ درندوں کے حق میں زہر ہے لہٰذا درندے عاشق کا گوشت نہیں کھا سکتے - کیونکہ عشق کو بری اور بھلی درندے اور عقلاء سب جانتے ہیں اور اپنے لپنے موافق خواص سے واقف ہو - اسلیے درندے بھی جانتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے زہر ہے اور اسلئے وہ عاشق کا گوشت نہیں کھاتے اور اگر بالفرض اُسے کھا بھی لیں تو وہ ہضم نہیں ہو سکتا - بلکہ انکے حق میں زہر ہو جائے گا اور انہیں مار ڈالے گا -

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ عشق آکل ہے اور تمام جہان ماکول - اور ہر دو عالم اس کی چونچ کے سامنے ایک دانہ ہیں جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ماکول آکل کو نہیں کھا سکتا - بتلاؤ کبھی دانہ بھی جانور کو کھاتا ہے اور سمجھو کہ کبھی گھاس بھی گھوڑے

کو چیرتا ہے ہرگز نہیں پس یونہی عشق کو بھی کوئی چیز نہیں کھا سکتی اور جب عشق کو کوئی چیز نہیں کھا سکتی تو اس گوشت کو بھی نہیں کھا سکتے جس میں عشق ساری ہے۔ وہو المدعی۔ پس اگر تم درندوں (نفس و شیطان) سے بچنا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ تمہیں نہ کھا جائیں۔ تو تم عاشق حق سبحانہٗ ہو جاؤ۔ تم یہ کہو گے کہ ہم عاشق کیسے ہو جائیں عشق تو اختیاری شے نہیں ہے کہ جو چاہے عاشق ہو جائے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے مبادی تو اختیاری ہیں۔ تم ان مبادی کو اختیار کرو اور بتکلف طاعت حق سبحانہٗ کرو امید ہے کہ تم کو عشق حاصل ہو جائے گا۔ گو عشق اختیاری اور کسبی نہیں۔ مگر اطاعت تو کسبی ہے اور وہ تو عمل میں آ سکتی ہے پس تم طاعت کرو۔ اس طرح تم کو عشق حاصل ہو جائے گا۔ عشق بڑی چیز ہے اور اس میں اور بندگی میں بہت فرق ہے۔ بندہ اور غلام کی تو دلی خواہش آزادی ہوتی ہے اور عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا۔ نیز بندہ ہمیشہ خلعت اور وظیفہ چاہتا ہے۔

برخلاف عاشق کے کہ اس کی خلعت صرف دیدار یار ہے۔ پس بندہ اور غلام کی طاعت اور عاشق کی طاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس کا خلوص اس کے خلوص سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ عشق کی حالت میں کیونکر بیان کروں یہ مضمون گفت و شنید میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ عشق ایک دریا ہے جس کی تہہ ہی معلوم نہیں اور معلوم ہے کہ کوئی دریا کے قطرے نہیں گن سکتا۔ پھر عشق کا بیان مکمل اور مفصل کوئی کیونکر کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے تو ساتوں سمندر چھوٹے ہیں۔

خیر یہ گفت گو تو ختم نہیں ہو سکتی۔ اب لوٹنا چاہیئے اور شیخ سرازی کا قصہ بیان کرنا چاہیئے۔ تم غور کرو کہ ایسا عظیم المرتبہ شیخ گلی گلی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ کیوں محض اسلئے کہ وہ عاشق ہے۔ سو عشق بھی عجیب بے نیاز ہے نہ یہ کسی کی عزت کا لحاظ کرتا ہے نہ کسی کی عظمت کا۔ پس اے خواستگاران عزت و جاہ! تم اس سے بچتے رہنا۔ عشق وہ شے ہے کہ دریا کو ہانڈی کی طرح اُبالتا ہے اور پہاڑ کو پیس کر ریت بنا دیتا ہے۔ عشق آسمان کے سو ٹکڑے کر دیتا ہے اور عشق زمین کو سخت متزلزل کر دیتا ہے یہ تو اس کی سختی کی حالت تھی اب اس کی

برکات سُنو! عشق منشأ وجود عالم ہے کیونکہ حق سبحانہٗ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا اُس عشق کے سبب اسکو لولاک لما خلقت الافلاک فرمایا۔ یعنی اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوتی اور اسلیے تمہیں پیدا نہ کرتا تو عالم کو پیدا نہ کرتا۔ پس عالم کو میں نے تمہاری خاطر پیدا کیا ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق سبحانہٗ کو اور انبیاء اور صلحاء سے محبت نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ آپ محبوبیت میں خرد اور کامل ہیں ---- اسلئے انبیاء وصلحاء میں سے آپ کو مخصوص بالذکر کیا گیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب مضمون سابق سُنو! حق سُبحانہٗ بھی فرماتے ہیں کہ اگر عشق کی وجہ نہ ہوتی اور مجھے اسکی حالت کا اظہار مقصود نہ ہوتا تو میں عالم کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے آسمان کو اسلئے رفعت دی ہے کہ تم اس عشق کی رفعت سمجھو اور خیال کرو کہ جس سبب کا مسبب اتنا رفیع ہے اُس مسبب کی رفعت کس قدر ہوگی۔ گو آسمان سے اور منفعتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ مگر وہ بیضہ کی طرح غیر مقصود ہیں اور یہ بچہ کی طرح مقصود ہے اور میں نے زمین کو اسلئے متذلل پیدا کیا ہے کہ تم عاشقوں کے تذلل کو سمجھو۔ اور میں نے اسکو اسلئے سر سبز کیا ہے تاکہ تم فقراء کے تبدل وتغیر حالت سے واقف ہو جاؤ۔ اور سمجھو کہ جس طرح زمین کو اس تذلل کا یہ ثمرہ ملا کہ وہ سر سبز وشاداب ہو گئی۔ یوں ہی فقراء کے تذلل سے اُن کو سر سبزی وشادابی روحانی حاصل ہوتی ہے اور یہ جمے ہوئے اور مضبوط پہاڑ، عشاق کی ثابت قدمی کی حالت بتاتی ہے۔

غرضکہ ہر چیز سے مقصود عشق اور عشاق کے حال پر دلالت ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو رفعت آسمان اور تذلل وشادابی زمیں اور قرار جبال امور حسیہ ہیں اور رفعت عشق وتذلل وشادابی وثبات عشاق امر معنوی وعقلی اسلئے کہ یہ ان کی صحیح نظیر نہیں ہو سکتے مگر مقصود محض تقریب فہم ہے اور محاورات میں ایسا کہا جاتا ہے چنانچہ غصہ کو خار سے تشبیہ دیتے ہیں گو غصہ خار نہیں ہوتا۔ مگر اس سے غصہ کی حالت بتلائی جاتی ہے۔ علیٰ ھٰذا قلب قاسی اور سخت دل کو پتھر کا دل کہتے ہیں گو یہ ٹھیک نہیں ہے لیکن تقریب فہم کے لیے تشبیہ دیتے ہیں اور وجہ ان تقریبی مثالوں کے اختیار کی یہ ہے کہ بیان میں عین حالت عشق وعشاق کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی اس لئے اگر بیان میں کچھ نقص ہو تو اسکو تصوّر

کا نقصان سمجھو اس سے حقیقت کو منتفی اور معدوم نہ سمجھو۔

رفتنِ[۲] شیخ در خانۂ امیرے بہرِ گدیہ روزے چہار بار زنبیل
شیخ کا ایک امیر کے گھر پر غیبی اشارے سے چار مرتبہ مع زنبیل کے بھیک

باشارتِ غیب و عتاب کردنِ امیر اُو را بدان وقاحت
مانگنے جانا اور امیر کا اُن پر اِس بے شرمی کے لئے ناراض ہونا اور

و عُذر گفتنِ اُو امیر را
اُن کا امیر سے معذرت کرنا

شیخ روزے چار کرت چوں فقیر
شیخ ایک دن میں فقیر کی طرح چار مرتبہ
بہرِ گدیہ رفت در قصرِ امیر
بھیک کے لئے امیر کے محل میں گئے

در کفش زنبیل و شیٔ للہ زناں
انکے ہاتھ میں زنبیل اور شیٔ اللہ کیلئے کا نعرہ لگاتے ہوئے
خالقِ جاں می بجوید تائے ناں
جان کا پیدا کرنے والا، ایک روٹی مانگتا ہے

نعلہائے[۳] بازگونہ است اے پسر
اے بیٹا! اُلٹی نعل بندیاں ہیں
عقلِ کُلی را کُند ہم خیرہ سر
جو مکمل عقل کو بھی حیران کر دیتی ہیں

چوں امیرش دید گفتش اے وقیح
جب امیر نے اُن کو دیکھا اُنہوں نے کہا، اے بے شرم
گو میت چیزے مَنہ نامم شحیح
میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں میرا نام بخیل نہ رکھ

اے خسِ بے شرم چندیں جست و جوئے
اے کمینہ بے شرم! اتنی بھاگ دوڑ
تا کے و تا چند بار رزقِ دو توئے
کب تک اور کتنی دوگنے رزق کے لئے؟

ایں چہ سغری و چہ رُو لیست و چہ کار
یہ کیا ذلت اور کیا منہ اور کیا کام ہے؟
کہ بروزے اندر آئی چار بار
کہ تو ایک دن میں چار بار آتا ہے

کیست اینجا شیخ اندر بندِ تو
بڑھے! یہاں تیری قید میں کون ہے؟
مَن ندیدم نَر گدا مانندِ تو
میں نے تجھ جیسا بڑا فقیر نہیں دیکھا

حُرمت و آبِ گدایاں بُردہ
تُو نے فقیروں کی عزت اور آبرو برباد کر دی
ایں چہ عباسیِ زشت آوردہ
یہ کیا بُری عباسیت تو نے اختیار کی

غاشیہ بر دوشِ تو عباسِ دبس
عباس دبس تو تیرا غلام ہے
ہیچ ملحد را مباد ایں نفسِ نحس
یہ منحوس نفس کسی بے دین کا نہ ہو

گفت امیرا بندہ فرمانم خموش
انہوں نے کہا اے امیر! میں حکم کا غلام ہوں تو چپ رہ
ز آتشم آگہ نہ چندیں مجوش
تو میری آگ سے آگاہ نہیں ہے اِس قدر جوش میں آ

---

[۱] غفتہ۔ انسان کا غُصّہ ایک معنوی چیز ہے لیکن اُس کو کانٹے سے تشبیہ دی جاتی ہے دلِ قاسی بخت دل کو پتھر سے تشبیہ دی جاتی ہے اگر مُشبّہ بہ سے مُشبّہ پورا سمجھ میں نہ آئے تو یہ تشبیہ کا نقصان ہے اس سے مُشبّہ کا انکار نہ کرنا چاہیئے

[۲] رفتن۔ شیخ اشارۂ غیبی سے ایک امیر کے گھر پر ایک دن میں چار مرتبہ بھیک مانگنے گئے جس پر اس امیر نے اُن کو برا بھلا کہا۔ کرت۔ مرتبہ۔ قصر۔ محل۔ در کفش۔ اُن کے ہاتھ میں زنبیل تھی اور وہ شیئاً للہ کی صدا لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالےٰ ایک عدد روٹی مانگتا ہے۔

[۳] نعلہای۔ یہ عجب اُلٹے معاملے ہیں خدا خود غنی اور شیخ مستغنی اور مخلوق محتاج لیکن اللہ کا حکم ہوا کہ شیخ ان محتاجوں سے روٹی مانگیں۔ وقیح بے شرم۔ شحیح۔ امیر نے کہا کہ مجھے بخیل نہ کہنا مجبوراً مجھے یہ باتیں کہنی پڑ رہی ہیں.... اے خس۔ اس امیر نے شیخ کو کہا کمینے روٹی کیلئے بار بار اس قدر تگ و دو کیوں ہے... سغری۔ بخت رُوئی، بے حیائی۔ بند تو۔ یہاں کوئی تیرا قیدی اور غلام ہے جو بار بار تیری خدمت کرے۔ نر گدا۔ بڑا بھکاری۔

[۱] عباسی۔ عباس دبس مشہور بھکاری تھے اسلئے عباسی کے معنیٰ بھکاری بن ہو گئے غاشیہ گھوڑے کی زین کا غلاف غاشیہ بر دوش یعنی خادم تھجود۔ بڑھیں۔ گفت۔ شیخ نے فرمایا میں یہ

بهرِ ناں در خویش حرصِ ار دیدمے
اگر میں اپنے اندر روٹی کی حرص دیکھتا

اشکمِ نانخوارہ را بدریدمے
روٹی کھانے والے پیٹ کو پھاڑ ڈالتا

هفت سال از سوزِ عشقِ جسم پز
جسم کو پکا دینے والی عشق کی گرمی سے سات سال

در بیاباں خوردہ اَم من برگِ رز
میں نے جنگل میں انگور کے پتے کھائے ہیں

تا ز برگِ خشک و تازہ خوردنم[2]
یہاں تک کہ خشک اور تر پتے کھانے سے

سبز گشتہ بود ایں رنگِ تنم
میرے جسم کا یہ رنگ سبز ہوگیا

تا تو باشی در حجابِ بو البشر
جب تک تو آدمیت کے پردے میں ہے

سرسری در عاشقاں کمتر نگر
عاشقوں کو سرسری نظر سے نہ دیکھ

زیرکاں کہ موی‌ها بشگافتند
ذہین لوگ جنھوں نے موشگافیاں کی ہیں

علمِ هیئت را بجاں دریافتند
انھوں نے علم ہیئت کو (دل و) جان سے دریافت کر لیا

علمِ نیرنجات[3] و سحر و فلسفہ
شعبدوں اور جادو اور فلسفہ کا علم

گرچہ نشناسند حق المعرفہ
اگرچہ پورے طور پر وہ نہ جان سکے

لیک کوشیدند تا امکانِ خود
لیکن اپنے مقدور بھر انھوں نے کوشش کی

برگذشتند از همہ اقرانِ خود
اپنے تمام ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے

عشق غیرت کرد و ز ایشاں در کشید
عشق نے غیرت کی اور ان سے جُدا ہوا

شد چنیں خورشید ز ایشاں ناپدید
ایسا سورج ان سے پوشیدہ ہوگیا

نورِ چشمے کہ بروز استارہ دید
آنکھ کی وہ روشنی جس نے دن میں ستارہ دیکھ لیا

آفتابے چوں ازو رو در کشید
ایسا سورج اس سے کیوں چھپ گیا؟

زیں گذر کن پندِ من بپذیر ہیں
اس کو چھوڑ، ہاں میری نصیحت مان لے

عاشقاں را تو بچشمِ عشق بیں
تو عاشقوں کو عشق کی نظر سے دیکھ

وقتِ نازک[1] گشت و جاں در رصد
وقت نازک ہوگیا اور جان انتظار میں ہے

با تو نتواں گفت ایں دم عذرِ خود
اس وقت تجھ سے اپنا عذر نہیں بیان کیا جاسکتا

فهم کن موقوفِ آں گفتن مباش
سمجھ لے، کہنے پر موقوف نہ رہ

سینہ‌ہائے عاشقاں الم خراش
عاشقوں کے سینے کو زخمی نہ کر

نے گمانے بردہ تو زیں نشاط
نہیں، تو نے عیش و عشرت میں بدگمانی کی ہے

حزم را مگذار و میکن احتیاط
پختہ کاری کو نہ چھوڑ اور احتیاط کر

واجب[5] ست و جائز ست و مستحیل
فرض ہے اور جائز ہے اور حرام ہے

ایں وسط را گیر در حزم اے دخیل
اے دوست! احتیاط میں تو اس درمیانہ کو اختیار کرلے

بیشک اللہ کے کرم سے مانگتا ہوں میرے دل میں عشق کی آگ لگی ہے۔ بهرِ ناں۔ اگر میں اپنے اندر روٹی کی حرص دیکھوں تو اپنا پیٹ پھاڑ دوں ہفت۔ میں نے سات سال تک جنگل میں انگور کے پتوں پر گزارہ کیا ہے۔

[2] تا ز برگ۔ یعنی سبز پتے کھانے سے بدن کا رنگ سبز ہوگیا یا بدن میں خوشحالی ہوگئی۔ ابو البشر۔ حضرت آدم یہاں مطلقاً انسان مراد ہے۔ زیرکاں۔ ذہین لوگ جو بال کی کھال نکالتے ہیں انھوں نے بہت سے دنیوی علم حاصل کئے لیکن انکو عشق کا علم حاصل نہ ہوسکا۔

[3] نیرنجات۔ شعبدے۔ اقران۔ ساتھی۔ عشق۔ عشق کی غیرت کا تقاضہ ہوا اور ان کی آنکھوں سے پوشیدہ رہا تو تعجب حیرت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے ہلیک بین تھے لیکن انکو عشق نظر نہ آیا۔ زیں۔ یعنی بات۔

[1] وقت نازک۔ شیخ نے امیر سے کہا میں اپنے عشق کی پوری کیفیت بیان نہیں کرسکا۔ فہم کن۔ سمجھ لے یہ بھکاری ہیں مجھ سے عشق کرا رہے ہیں آگے کہتے ہیں۔ تو نے اپنی عیش و عشرت کی زندگی کی وجہ سے مجھ پر بدگمانی کی ہے تجھے اس میں احتیاط برتنی چاہیئے۔

[5] واجب۔ حزم، احتیاط کے مختلف مرتبے ہیں ایک فرض ہے مثلاً اگر کوئی فاسق اور کاذب خبر دے تو احتیاط فرض ہے اگر کوئی نیک آدمی خبر دے تو احتیاط جائز ہے، اگر خدا اور رسول کوئی خبر دے تو اس میں احتیاط برتنا حرام ہے۔ مستحیل۔ ناممکن یعنی حرام۔ دخیل یعنی دوست۔ مخرق صوفیانہ۔ تصرف۔ خرچ کرنا۔

شرح ایک روز کا واقعہ ہے کہ شیخ مذکور ایک امیر کے مکان پر چار مرتبہ فقیرانہ سوال کرنے گئے ان کے ہاتھ میں جھولے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ خدا کے لیے کچھ دلوائیے - اب مولانا تعجب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! کیسی عجیب بات ہے کہ روٹی کا پیدا کرنے والا روٹی مانگ رہا ہے - صاحبو! یہ اُلٹی باتیں ہیں جو کہ عقل کل کو بھی مخبوط الحواس کر دیتی ہیں (فائدہ: یہاں چند امور توضیح طلب ہیں امر اول یہ کہ شیخ کے فعل کو حق سبحانہٗ کی طرف کیوں منسوب کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ فانی تھے اسلیے ان کا فعل گویا کہ حق سبحانہٗ کا فعل تھا یعنی چونکہ یہ گدائی بامر حق سبحانہٗ تھی اسلئے گویا کہ خدا ہی مانگ رہا تھا - دوم یہ کہ عقل کلی سے اس مقام پر عقل معاش کامل مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ دنیا میں بہت سی ایسی الٹی باتیں ہیں جن کی حقیقت اہل دنیا کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی عاقل ہوں نہیں معلوم ہو سکتی)

خیر جبکہ امیر نے اُسے دیکھا تو کہا کہ ارے بے حیا! میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں مگر تو مجھے کنجوس نہ کہنا کیونکہ اس کا منشا کنجوسی نہیں ہے بلکہ تیری خیر خواہی ہے وہ بات یہ ہے کہ ارے ذلیل اور بے شرم تو رزق کی اس قدر تلاش المضاعف فریب کے ساتھ کب تک کرے گا یہ کیا بے حیائی اور کیا منہ اور کیا حرکت ہے کہ دن میں چار مرتبہ آئے - یہاں کون آپکے فکر میں ہے اور کون روٹی لئے ہوئے بیٹھا ہے کہ جس وقت آپ آئیں کھانا آپکو تیار ملے [فائدہ: کیست اینجا شیخ اندر بند تو" کے بعض محشیں نے یہ معنی لکھے ہیں کہ یہاں آپ کا کون مرید اور معتقد ہے واللہ اعلم) میں نے اپنی عمر میں تجھ سا بڑا بھکاری نہیں دیکھا تو نے بھکاریوں کی آبرو خاک میں ملا دی - ارے تو نے یہ کیا بری گداگری اختیار کی ہے عباس دُبسی جو کہ گداگری میں ضرب المثل تھا تو تو اس سے بھی بڑھ گیا اور وہ بھی تیرا غلام ہو گیا خدا نہ کرے کہ کسی کافر کا بھی ایسا منحوس نفس ہو - یہ ملامت سنکر شیخ نے فرمایا کہ اے امیر! خاموش رہ - میں بحکم خداوندی ایسا کرتا ہوں اور تم میرے آگ سے واقف نہیں ہو - پس اس قدر غصہ نہ کرو اگر میں اپنے اندر روٹی کی حرص دیکھتا تو بجائے اسکے بھیک مانگوں - میں اس روٹی کھانے والے پیٹ ہی کو پھاڑ ڈالتا - جناب!

میری تو یہ حالت ہے کہ جسم کو پکا دینے والے عشق کے جلن کے سبب میں نے سات برس تک جنگل میں انگور کے پتے کھائے ہیں۔ یہاں تک کہ خشک اور سبز پتوں کے کھانے سے میرے جسم کا رنگ سبز ہو گیا تھا۔ پھر میں کیا روٹی کی حرص کروں گا پس جب تک توانسانیت کے جامہ میں ہے (تاکہ توانسانیت کے جامہ میں رہے) عشاق کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا۔ کیونکہ ان کی حالت کا معلوم ہونا سخت دشوار ہے چنانچہ وہ عقلاء جنہوں نے موشگافیاں کیں۔ اور علم ہیئت اور علم نیرنجات اور علم سحر اور علم فلسفہ کو دل وجان سے دریافت کیا اور گو وہ ان کو جیسا جاننا چاہیئے ویسا نہ جان سکے مگر انہوں نے اس کے جاننے میں امکانی کوشش کی اور اپنے اقران پر فائق ہو گئے عشق نے غیرت کی ...... اور ان سے کھینچ لیا اور ایسا آفتاب تاباں ان کی نظر سے مخفی ہو گیا۔ شیخ بوعلی سینا کی وہ آنکھ جو دن کو ستارہ دیکھتی تھی تو دیکھ لے تو ایک آفتاب نے اس سے کیسے منہ پھیر لیا اور اس کو محسوس نہ ہُوا۔ پھر تیری تو کیا حقیقت ہے پس تو اپنی اس روش کو چھوڑ! میرا کہنا مان اور عاشقوں کو عشق کی نظر سے دیکھ! یعنی جس طرح عشق ان کی قدر و منزلت کرتا ہے تو بھی ان کی وقعت کر۔ یا یہ کہ تو بھی عشق حاصل کر اور پھر ان کو دیکھ! عشاق پر وقت نازک ہوتا ہے اس کی جان جلوۂ جاناں کی متردد و منتظر ہوتی ہے اسلئے وہ اس وقت اپنا عذر نہیں بیان کر سکتے پس تم قرائن و احوال سے اس کو سمجھ لیا کرو اور خود ان کے کہنے پر نہ رہا کرو کہ وہ بھی اپنی حالت بیان کریں اور معذوری ظاہر کریں تو سمجھو ورنہ نہیں۔ ایسا نہ کیا کرو۔ اور عشاق کے سینوں کو طعن ملامت سے زخمی نہ کیا کرو جیسا.. اس وقت تم نے کیا ہے۔ اچھا بتلاؤ کیا تم نے میری گداگری سے طلب عیش و عشرت کا خیال نہیں کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ مجھے اس سے تعیش و تلذذ مقصود ہے ضرور کیا ہے۔ اور یہ ایک بدگمانی ہے جو کہ حزم کے خلاف ہے پس تم حزم کو ہاتھ سے نہ دو اور احتیاط رکھو۔ تم کو واضح ہو کہ امور تین قسم کے ہوتے ہیں۔ واجب، ممکن، ممتنع۔ پس باب حزم میں تم نیچ کا درجہ لے لو ...... مثلاً اگر کوئی گدا تمہارے پاس آئے تو اس وقت تین صورتیں ہیں اوّل یہ کہ اس کا کامل ہونا واجب ہو۔ دوم یہ کہ اس کا کمال

ممکن ہو۔ سوئم یہ کہ اس کا کمال محال ہو۔ پس احتیاط یہ ہے کہ تم اوسط درجہ لے لو اور سمجھو کہ ممکن ہے کہ کامل ہو اور ممکن ہے کہ نفس پرست ہو اور اس بنا پر تم اس کی تذلیل اور توہین نہ کرو (ھٰذا ھو المرام والمحشون خبطوا فی ھذا المقام)

گریاں شدنِ امیر از نصیحتِ شیخ و عکسِ صدقِ او و ایثار کردنِ مخزن بعد ازاں جرأت و گستاخی و استعصامِ شیخ وقبول ناکردنِ شیخ و گفتن کہ من بے اشارت نیارم تصرف کردن کہ بے امرِ غیب نتانم

شیخ کی نصیحت اور اُن کی سچائی کے پرتو سے امیر کا رو پڑنا اور جرأت اور گستاخی کے بعد خزانہ پیش کر دینا اور شیخ کا بچنا اور شیخ کا قبول نہ کرنا اور فرمانا کہ میں بغیر اشارے خرچ نہیں کر سکتا ہوں کیونکہ میں بغیر غیبی حکم کے نہیں لے سکتا ہوں

ایں[۳] بگفت و گریہ در شد ہائے ہائے
یہ فرمایا اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے
اشکِ غلطان بر رُخِ او جائے جائے
جگہ جگہ اُن کے چہرے پر آنسو بہہ رہے تھے

صدقِ او ہم بر ضمیرِ میر زد
اُن کی سچائی نے امیر کے دل پر بھی اثر کیا
عشق ہر دم طرفہ دیگے میپزد
عشق ہر وقت ایک عجیب دیگ پکاتا ہے

صدقِ عاشق بر جمادے می تند
عاشق کی سچائی، پتھر پر اثر کرتی ہے
چہ عجب گر بر دلِ دانا زند
کیا تعجب ہے اگر عقلمند کے دل پر اثر کرے

صدقِ موسیٰ بر عصا و کوہ زد
حضرت موسیٰ کی سچائی نے لاٹھی اور پہاڑ پر اثر کیا
بلکہ بر دریائے پُر اشکوہ زد
بلکہ ہیبتناک دریا پر اثر کیا

صدقِ احمدؐ بر جمالِ ماہ زد
حضرت احمدؐ کی سچائی نے چاند کے حُسن کو متاثر کیا
بلکہ بر خورشید رخشاں راہ زد
بلکہ روشن سورج کا راستہ روک دیا

رُو[۵] برو آوردہ ہر دو در نفیر
آمنے سامنے دونوں رونے (اور) فریاد کرنے لگے
گشتہ گریاں ہم امیر و ہم فقیر
امیر اور فقیر بھی رو پڑا

ساعتے بسیار چوں بگریستند
جب بہت دیر تک روئے
گفت میر او را کہ خیز اے ارجمند
امیر نے اُن سے کہا، اے اقبالمند! اٹھو

ہر چہ خواہی از خزانہ بر گزیں
جو چاہو خزانے سے لے لو
گرچہ استحقاق داری صد چنیں
اگرچہ ایسے سو گنے کے مستحق ہو

---

[۳] ایں بگفت۔ شیخ نے امیر کو نصیحت کی اور پھر زار زار رونے لگے۔ صدقِ او۔ اُن کی سچائی نے امیر پر اثر کیا۔ صدقِ عاشق۔ عاشق کی سچائی غیر جاندار کو بھی متاثر کر دیتی ہے امیر تو پھر جاندار تھا۔ صدقِ موسیٰ۔ حضرت موسیٰ کی سچائی نے لاٹھی اور پہاڑ کو متاثر کر دیا لاٹھی اژدھا بن گئی کوہِ طور میں زلزلہ آ گیا۔ بلکہ بحر دریا نیل نے راستہ دے دیا۔ صدقِ احمدؐ۔ حضورؐ کی سچائی سے شق القمر ہوا اور سورج واپس ہو گیا۔

[۵] رُو برو۔ اب شیخ بھی رو رہے تھے اور امیر بھی رو رہا تھا سامنے۔ جب بہت دیر تک دونوں رو چکے تو امیر نے شیخ سے کہا کہ اگرچہ آپ میرے خزانہ سے بھی سو گنے کے مستحق ہیں لیکن بہر حال میرا خزانہ حاضر ہے انہیں سے جو چاہیں لے لیں۔ خانہ۔ امیر نے کہا میرے گھر کو اپنا گھر سمجھیں جو چاہے لیں آپ کیلئے تو دونوں جہان حقیر ہیں۔ گفت۔ شیخ نے فرمایا مجھے خدا کا یہ حکم نہیں ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے خود لوں۔ ذخیلانہ۔ دستانہ۔

خانۂ آنِ تست ہر چیت میل ہست
آپ کا گھر ہے، جو آپ کی خواہش ہے

برگزیں خود ہر دو عالم اندکست
خود پسند کر لیجئے، دونوں جہان تھوڑے ہیں

گفت دستوری نداد ندم چنیں
فرمایا، انھوں نے ایسی اجازت نہیں دی ہے

کہ بدستِ خویش چیزے برگزیں
کہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز لے لینا

من زخود نتوانم ایں کردن فضول
میں یہ بیہودہ بات اپنی جانب سے نہیں کر سکتا

کہ کنم من ایں دخیلانہ دخول
کریں دوستانہ دخل دوں

ایں بہانہ[۲] کرد و مُہرہ در ربود
یہ بہانہ کیا اور وہ بازی جیت گئے

مانع آں بُد کاں عطا صادق نبود
مانع یہ تھا کہ وہ بخشش پُر خلوص نہ تھی

گرچہ صادق بُود بے غل بُود و خشم
اگرچہ وہ سچا، بے کھوٹ اور بغیر غصہ کے تھا

لیک شیخ را ہر صدق می ناید بچشم
(لیکن)، ہر سچ بھی شیخ کی نظر میں نہیں آتا

گفت فرمانم چنیں دادست آں
فرمایا، مجھے خدا نے یہی حکم دیا ہے

کہ گدایانہ برو نانے بخواہ
کہ فقیرانہ جا، روٹی مانگ

ما گدایانہ ازاں درخواستیم
ہم نے اسی وجہ سے فقیروں کی طرح درخواست کی

ورنہ از اموال بے پرواستیم
ورنہ ہم مالوں سے بے پروا ہیں

[۲] ایں بہانہ۔ شیخ نے یہ بہانہ کیا شیخ کو دراصل لینا ہی منظور نہ تھا اسلئے کہ یہ امیر کی عطا اخلاص کے لئے نہ تھی بلکہ شیخ کی عظمت کی وجہ سے شیخ کیلئے تھی۔ مُہرہ در ربود یعنی وہ شطرنج کی چال چلے جس سے مخالف مات کھا جائے۔ گرچہ۔ امیر اگرچہ اپنے قول میں سچا تھا لیکن شیخ نے اس سچائی کو پسند نہ کیا اسلئے کہ اس میں غیر اللہ کی بو تھی۔ ماگدایانہ۔ شیخ نے کہا ہم تو خدائی حکم سے صرف بھیک مانگتے ہیں ورنہ ہم مالوں سے بے نیاز ہیں۔

شرح

شیخ نے یہ تقریر کی اور امیر نے ہائے ہائے کر کے رونا شروع کیا اور اس کے رخساروں پر جگہ جگہ آنسو ڈھل رہے تھے۔

بات یہ تھی کہ شیخ کے خلوص نے امیر کے دل پر اثر کیا تھا۔ واقعی عشق بھی عجیب چیز ہے کہ یہ ہر دم ایک عجیب ہانڈی پکاتا اور ہر وقت ایک نیا گل کھلاتا ہے۔ دیکھو! امیر دو منٹ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہو گیا تم اس سے متعجب نہ ہونا۔ کیونکہ سچائی اور خلوص کا اثر تو جمادات پر ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ اس نے ایک ذی شعور کے دل پر اثر کیا تو تعجب کی کیا بات ہے۔ دیکھو! موسیٰ علیہ السلام کے صدق نے لاٹھی اور پہاڑ پر اثر کیا۔ چنانچہ لاٹھی اژدہا بن گئی اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ورفعنا فوقھم الطور۔ بلکہ اس کا اثر پرشکوہ سمندر پر ہوا کہ وہ خشک ہو گیا نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص نے چاند کے حسن پر اثر کیا۔ کہ چاند ٹکڑے ہو گیا بلکہ آفتاب رخشاں کا راہ مار دیا کہ اسکو آگے چلنے سے روک کر پیچھے ہٹا دیا۔ (فائدہ

اس میں اشارہ ہے ایک روایت کی طرف جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر رکھے سو رہے تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور حضرت علیؓ کی نماز عصر کی قضا ہو گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو آفتاب کو لوٹا دے اس پر آفتاب لوٹ آیا۔

یہ واقعہ گو فی نفسہ ممکن ہے۔ مگر محققین نے اسکے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے گو بعض محققین نے تعدد طرق سے دھوکا کھا کر اسکو صحیح یا حسن بھی کہا ہے مگر میرے نزدیک یہ واقعہ حضرات شیعہ کا تراشا ہوا ہے جو لباس تسنن پہن کر ابن سبا کے اختراعی دین کی ترویج من ہمہ تن کوشاں تھے۔ واللہ اعلم) خیر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف منہ لئے ہوئے رو رہے تھے اور امیر بھی رو رہا تھا اور شیخ بھی۔ جب ایک عرصہ تک رو چکے تو امیر نے ان سے کہا گو میرا خزانہ آپ کے قابل نہیں ہے اور آپ اس کے مستحق ہیں کہ ایسے سینکڑوں خزانہ آپ کو دیے جائیں مگر آپ تشریف لے چلیں اور جس قدر آپ چاہیں۔ میرے خزانہ سے لے لیں میرا مکان آپ ہی کا مکان ہے پس آپ تکلف کو کام نہ فرمائیں اور وہاں چلکر آپ جو چاہیں لے لیں گو میرا خزانہ آپ کے لائق نہیں ہے کیونکہ آپ کے سامنے ہر دو عالم بے حقیقت ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اسکی اجازت نہیں ہے اور مجھ سے یہ نہیں کہا گیا کہ جو چاہو لے لو۔ اسلیے میں یہ بیہودگی نہیں کر سکتا۔ کہ مداخلت بے جا کروں۔ یہ عذر کیا اور بچ گئے اور اس طرح اس معرکہ میں بازی جیت ..... لینے سے مانع یہ تھا کہ وہ عطا صدق کامل سے ناشی نہ تھی اسلئے کہ وہ غلبہ حال میں تھی پس ممکن تھا کہ بعد کو پچھتاتا گو اسوقت وہ عطا صدق دل سے تھے اور اسوقت دل میں کوئی کھوٹ یا ناخوشی نہ تھی مگر ہر صدق شیخ کی نظر میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ صدق کامل دیکھتا ہے بنا بریں انہوں نے عذر کر دیا اور کہدیا کہ مجھے تو حق سبحانہ کا یہ حکم ہے کہ فقیرانہ جاؤ اور روٹی مانگو اور اسی لیے ہم گدایانہ سوال کرتے ہیں ورنہ ہمیں مال کی ضرورت نہیں ہے۔

اِشارت آمدن از غیب شیخ کہ ایں دو سال بفرمان

شیخ کو غیب سے اشارہ ہونا کہ ہمارے حکم کے مطابق اِن دو سال میں تم

ما بستدی و بدادی[3] بعد ازیں بدہ و مستاں دست در

نے لیا اور دیا اس کے بعد دو اور لو نہیں بوریئے کے نیچے ہاتھ

زیرِ حصیر میکن کہ آنرا چوں انبانِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ڈالو کیونکہ ہم نے اس کو تمہارے لئے (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے

کردیم درحقِ تو ہر چہ خواہی بیابی تا یقین شود عالمیاں را کہ

تھیلے کی طرح کر دیا ہے، تم جو چاہو گے لے لوگے تاکہ دنیا والوں کو یقین آجائے کہ اس

ورائے ایں عالم عالمے[1] ست کہ خاک بکف گیری زر شود و

عالم کے علاوہ کوئی عالم ہے جس میں تم مٹی ہاتھ میں لو تو سونا ہو جائے اور

مُردہ درو آید زندہ شود و نحسِ اکبر درو آید سعدِ اکبر شود و کفر

مُردہ اُس میں آجائے تو زندہ ہو جائے نحسِ اکبر اُس میں آئے تو سعدِ اکبر بن جائے کفر

درو آید ایمان شود و زہر درو آید تریاق شود نہ داخلِ ایں

اُس میں آئے تو ایمان بن جائے زہر اُس میں آئے تو تریاق بن جائے وہ نہ اس عالم میں

عالم است نہ خارجِ ایں عالم نہ فوق نہ تحت نہ متصل

داخل ہے اور نہ اس عالم سے خارج نہ اوپر نہ نیچے نہ ملا ہوا نہ جُدا

نہ منفصل بیچوں و بیچگونہ —— ہر دم ازو ہزار اثر و نمونہ

بے مثال اور بے کیف ہے ہر وقت اُس سے ہزاروں اثر اور نمونے

ظاہر میشود چنانکہ صنعتِ دست با صورتِ دست و غمزہ

ظاہر ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ ہاتھ کی دستکاری، ہاتھ کی صورت کے ساتھ اور آنکھ

چشم با صورتِ چشم و فصاحتِ زبان با صورتِ زبان نہ

کی ادا، آنکھ کی صورت کے ساتھ اور زبان کی فصاحت، زبان کی صورت کے ساتھ نہ

داخل ست نہ خارج نہ متصل و نہ منفصل وَالعَاقِلُ تَکفِیہِ الاِشَارَۃُ

داخل ہے نہ خارج ہے نہ متصل ہے نہ جدا ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

تا[2] دو سال ایں کار کرد آں مردِ کار

اُن کارگزار نے دو سال یہ کام کیا

بعد ازاں امر آمدش از کردگار

اُس کے بعد اُن کو خدا کا حکم پہنچا

بعد ازیں می دہ و لے از کس مخواہ

اس کے بعد دے، لیکن کسی سے نہ مانگ

ما بدادیمت زغیب ایں دستگاہ

ہم نے تجھے غیب سے یہ قدرت دیدی ہے

---

[3] و بدادی۔ دو سال بھیک منگوانے کے بعد شیخ کو حکم ہوا کہ اب تک تو تم نے لیا اور فقیروں کو دیا اب بغیر مانگے فقیروں کو دو بوریے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو اور بانٹ دیا کرو۔ انبان۔ تھیلا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو کھجوروں کا ایک تھیلا عنایت فرمایا تھا وہ اُسی سے بے حساب کھاتے اور خرچ کرتے رہتے تھے وہ تھیلا اُنکے حضرت ابوہریرہؓ کی شہادت کے وقت غائب ہو گیا۔

[1] عالمکست۔ عالمِ اسباب کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے جہاں اشیاء کا وجود بغیر کسی سببِ عادی کے ہو جاتا ہے اور اس کا ظہور اس عالم میں ہو جاتا ہے معجزوں کا تعلق اُسی عالم سے ہے اور اِس عالم میں بھی اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔ نحسِ اکبر۔ زحل ستارہ اس کے اثرات منحوس مانے گئے ہیں۔ سعدِ اکبر مشتری ستارہ اس کے اثرات اچھے مانے گئے ہیں۔

[2] تا دو سال۔ دو سال تک شیخ محمد سررزی کا یہ طریقہ رہا کہ وہ بھیک مانگتے تھے اور اُس کو غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے لیکن پھر دو سال بعد اُن کو حکم ہوا کہ اب تم لوگوں سے نہ مانگو ہم تمہیں خود دیں گے تم غریب و محتاجوں میں وہ تقسیم کر دیا کرو۔

۵۰ ہرکہ خواہد از تو از یک تا ہزار
جو تجھ سے ایک سے ہزار تک مانگے
دست در زیرِ حصیرے کن برآر
بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈال، نکال لے

ہیں ز گنجِ رحمتِ بے مر بدہ
رحمت کے بے حساب خزانہ سے دے
در کفِ تو خاک گردد زر بدہ
تیرے ہاتھ میں مٹی سونا بن جائیگی، دے

ہرچہ خواہندت بدہ مندیش ازاں
جو تجھ سے مانگیں دے، اُس کی فکر نہ کر
دادِ یزداں را تو بیش از بیش داں
تو خدا کی عطا کو بیش از بیش سمجھ

در عطائے ما نہ تخسیر[۵۱] و نہ کم
ہماری عطا میں نہ ٹوٹا ہے۔ اور نہ کمی
نے پشیمانی نہ حسرت زیں کرم
اس عطا میں نہ شرمندگی ہے، نہ حسرت

دست زیرِ بوریا کن اے سند
اے معتمد! بوریے کے نیچے ہاتھ کر
از برائے روئے پوشِ چشمِ بد
بری نظر سے پردے کے لئے

پس ز زیرِ بوریا پُر کن تو مشت
پھر تو بوریے کے نیچے سے مٹھی بھرے
دہ بدستِ سائلِ بشکستہ پشت
کمر ٹوٹے ہوئے مانگنے والے کے ہاتھ میں دیدے

بعد ازیں از اجرِ ناممنون بدہ
اس کے بعد ختم نہ ہونے والا اجر دے
ہرکہ خواہد گوہرِ مکنوں بدہ
جو چاہے اُس کو اچھوتا موتی دے

رو یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ تو باش
جاؤ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ بن
ہمچو دستِ حق گزافہ رزق پاش
اللہ کے ہاتھ کی طرح مفت رزق بانٹ

۵۲ وامِ داراں را ز عہدہ وا رہاں
قرض داروں کو ذمہ داری سے چھڑا
ہمچو باراں سبز کن فرشِ جہاں
دنیا کی زمین کو بارش کی طرح سبز کردے

بود یک سالِ دگر کارش ہمیں
ایک سال اور اُن کا یہی کام رہا
کہ بدادے زر ز کیسہ ربِ دیں
دین کے رب کی تھیلی میں سے سونا بانٹتے

زر شدے خاکِ سیہ اندر کفش
کالی مٹی ان کے ہاتھ میں سونا بن جاتی
حاتمِ طائی گدائے در صفش
حاتم طائی اُن سے بھیک مانگنے والوں کی صف میں تھا

۵۳ دانستنِ شیخ ضمیرِ سائل را بے گفتن و دانستن قدرِ وامِ وامداراں

بغیر کہے شیخ کا سائل کے دل کی بات جان لینا اور مانگے بغیر قرض خواہوں اور قرض کی مقدار

بے گفتنِ ایشاں و گفتن کہ نشانِ ایں باشد کہ اُخْرُجْ

کو جان لینا اور کہنا کہ علامت یہ ہوتی ہے کہ میری مخلوق کی جانب میری

بِصِفَاتِیْ اِلَی الْخَلْقِ فَمَنْ رَاٰکَ فَقَدْ رَاٰنِیْ

صفات کے ساتھ نکل جس نے تجھے دیکھا اُس نے مجھے دیکھا

---

۵۰ تبرک۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ سے فرمایا کہ تم اپنے بوریئے کے نیچے سے جو چھپا ہوا ہے جس قدر چاہو نکال کر تقسیم کردیا کرو۔ در کفِ تو۔ تم جتنی ہاتھ میں لوگے تو سونا بن جائیگی۔

۵۱ تخسیر۔ ٹوٹا۔ دست۔ بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈالنے کا حکم محض نظرِ بد سے بچانے کے لئے ہے۔ ناممنون۔ جو منقطع نہ ہو۔ مکنوں۔ چھپا ہوا۔ تو اب تیرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو مفت عطایا کرتا ہے

۵۲ وامِ داراں۔ مقروضوں کا قرض ادا کر۔ بود۔ ایک سال تک شیخ کا یہی کام تھا کہ بوریئے کے نیچے سے نکال کر ضرورتمندوں کو دیتے رہتے تھے۔ حاتم۔ حاتم طائی جیسا سخی بھی اُن کے بھکاریوں کی صف میں ہوتا تھا۔

۵۳ دانستن۔ شیخ فقیر کی ضرورت خود بخود جان جاتے تھے اور حسبِ ضرورت اسکو دیدیتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوچکے تھے۔ حاجتمند خود سائل اپنی حاجت نہ بیان کرتا وہ اُس کے دل کی بات جان جاتے تھے جس قدر قرض ہوتا وہ ادا کردیتے جتنی رقم میں کوئی قید ہوتا اسکو دیدیتے۔

حاجتِ خود گر نگفتے آں فقیر — اُو بدادے و بدانستے ضمیر

اگر فقیر اپنی ضرورت نہ بتاتا — وہ دے دیتے اور دل جان جاتا

پیشِ اُو روشن ضمیرِ ہر کسے — از فقیر و وام دار و محبسے[۱]

اُن کے لئے ہر شخص کے دل کی بات روشن تھی — فقیر اور قرض خواہ اور قیدی کی

آنچہ در دل داشتے آں پشت خم — قدرِ آں دادے بدونے بیش و کم

وہ دُھری کمر والا جو دل میں رکھتا — اُس کی بقدر اُس کو دیدیتے زیادہ نہ کم

پس بگفتندے چہ دانستی کہ اُو — ایں قدر اندیشہ دارد اے عمو

تو لوگوں نے اُن سے کہا آپ کیسے جان لیتے ہیں — اے چچا! کہ وہ اس قدر سوچتا ہے؟

اُو بگفتے خانۂ دل خلوت ست — خالی از کدیہ مثالِ جنّت ست

وہ فرماتے، کہ دل کا گھر خالی ہے — جو سوال سے خالی ہو وہ جنّت کی طرح ہے

اندرو جز عشقِ یزداں کار نیست — جز خیالِ وصلِ اُو دیار نیست

اس میں خدا کے عشق کے سوا معاملہ نہیں ہے — وصل کے خیال کے سوا اُس میں کوئی رہنے والا نہیں ہے

خانہ را من روفتم از نیک و بد — خانہ ام پُرست از عشقِ احد

میں نے اچھے بُرے سے دل کو صاف کر لیا ہے — میرا گھر خدا کے عشق سے پُر ہے

ہر[۲] چہ بینم اندرو غیرِ خدا — آں من نبود بود عکسِ گدا

پس اس میں خدا کے علاوہ جو کچھ دیکھتا ہوں — وہ میرا نہیں ہوتا، فقیر کا عکس ہوتا ہے۔

گر در آبے نخل یا عرجوں نمود — جز ز عکسِ نخلۂ بیروں نبود

اگر پانی میں کھجور کا درخت یا شاخ نظر آئی — باہر کے کھجور کے درخت کے عکس کے سوا نہ تھا

در تگِ آب ار ببینی صورتے — عکسِ بیروں باشد آں نقش اے فتے

پانی کی تہہ میں اگر تو کوئی صورت دیکھے — اے نوجوان! وہ نقش باہر کا عکس ہوگا

لیک تا آب از قذیٰ خالی شدن — تنقیہ شرط ست در جوئے بدن

لیکن پانی کے کوڑے کرکٹ سے خالی ہونے تک — بدن کی نہر کی صفائی ضروری ہے

تا[۳] نماند تیرگی و خس درو — تا امیں گردد نماید عکسِ رو

تاکہ اس میں کدورت اور گھاس (پھونس) نہ رہے — حتیٰ کہ وہ امین بن جائے (اور) چہرے کا عکس دکھا دے

جز گِلابہ در تنت کو اے مُقِل — آب صافی کن ز گِل اے خصمِ دل

اے مفلس! کیچڑ کے سوا تیرے بدن میں کیا ہے؟ — اے دل کے دشمن! پانی کو مٹی سے صاف کرلے

تو بر آنی ہر دمی کز خواب و خور — خاک ریزی اندریں جو بیشتر

تیرا یہ حال ہے کہ سونے اور کھانے سے — اس نہر میں اور زیادہ مٹی ڈالتا ہے

---

[۱] محبس۔ بمعنی مفعول قرار دے کر ہم نے قیدی کا ترجمہ کیا ہے۔ پشت خم یعنی بوجھ سے دبا ہوا۔ پس بگفتند۔ لوگوں نے اُن سے معلوم کیا کہ آپ دل کی بات کیسے جان لیتے ہیں۔ اُو بگفتے۔ وہ شیخ جواب میں کہتے کہ ہم لوگوں کا دل جنّت کی طرح احتیاج سے خالی ہے اُس میں سوائے عشقِ خداوندی کے کوئی چیز نہیں ہے ہم نے اپنے دل کو عشقِ خداوندی کے سوا سے بالکل خالی کر لیا ہے۔

[۲] ہر چہ۔ اب ہمارے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ فقیر کا عکس ہوتا ہے اس وجہ سے ہم اُس کی سب ضرورت جان لیتے ہیں۔ گر در آب۔ پانی صاف چیز ہے اُس میں اگر کھجور کا درخت نظر آئے گا تو وہ باہر کا عکس ہوگا اور پانی میں جو تصویر بھی دیکھو گے وہ باہر کا عکس ہوگی لیکن دل کو صاف کرنے کیلئے مجاہدات کے ذریعہ اس کا... تنقیہ ضروری ہے۔

[۳] تا نماند۔ جب اُس میں خود گدلا پن نہ رہے گا تب اُس میں بیرونی عکس نظر آسکے گا۔ جز گلابہ۔ انسان کا بدن کیچڑ سے بنا ہے اُس کی صفائی کے لئے بہت محنت درکار ہے۔ تو بر آئی۔ تو ہر وقت خواب و خور میں لگا ہوا ہے جس سے اُس کی کدورت میں اور اضافہ ہوتا ہے

سببِ دانستنِ ضمیرہائے خلق
لوگوں کے دل کی بات جاننے کا سبب

چوں[1] دلِ آں آب ازینہا خالیست
جب اس پانی کا دل اِن سے خالی ہے
عکسِ رُوہا از بروں در آب جست
تو باہر سے چہروں کا عکس پانی میں جا پڑا

پس مصفّا کن درونِ خویش را
تو اپنے باطن کو صاف کرے
تا بدانی سرِ ہر درویش را
تاکہ تو ہر فقیر کے دل کی بات جان لے

پس ترا باطن مصفّا ناشدہ
تیرا باطن مصفّیٰ نہیں ہوا
خانہ پُر از دیو و نسناس و دَدہ
بھوت اور بن مانس اور درندوں سے بھرا گھر ہے

اے خرے[2] زاستیزہ ماندہ در خری
او گدھے! تو جھگڑے کی وجہ سے گدھے پن میں رہا
کے ز ارواحِ مسیحا بو بری
حضرت مسیح کی روحوں سے تو کب واقف ہوگا!

کے شناسی گر خیالے سر کند
اگر کوئی خیال نمودار ہوا، تو کب پہچانے گا
کز کدامیں مکمنے سر بر کند
کہ کس نہاں خانہ سے وہ ابھرا؟!

چوں خیالے میشود در زہد تن
زہد میں جسم خیال کی طرح ہو جاتا ہے
تا خیالات از درونہ روفتن
باطن سے خیالات کو صاف کرنے میں

ایں خیالِ کژ بروب از اندروں
باطن میں سے یہ ٹیڑھا خیال نکال دے
تا نگرداند ترا زاہلِ بروں
تاکہ وہ تجھے باہر والوں میں سے نہ بنا دے

[1] چوں۔ جب آبِ دل میں صفائی پیدا ہو جائیگی ہر خارجی چیز کا عکس اُس میں نظر آنے لگے گا۔ تا بدانی۔ جب تو اُس کو مصفّیٰ کرے گا پھر ہر سائل کا عکس تیرے دل میں نمودار ہو جائے گا۔

[2] اے خرے۔ جب انسان گدھے پن میں مبتلا رہے گا تو وہ خرِ عیسیٰ بجو عیسیٰ نہ ہوگا۔ مکمن۔ چھپنے کی جگہ۔ چوں۔ جب انسان زہد اختیار کرتا ہے اور خیالات سے دل کو پاک کرتا ہے تو اُس کا جسم خیال کی طرح لطیف ہو جاتا ہے۔ زاہلِ بروں۔ یعنی از اہلِ بروں۔

شرح

شیخ نے دو سال تک یہ خدمت انجام دی اُسکے بعد ان کو حق سبحانہٗ کا حکم ہُوا۔ کہ جب تم لوگوں کو دو اور کسی سے نہ مانگو۔ لو ہم نے تم کو یہ قدرت عطا کر دی کہ جو کوئی بھی ایک سے لے کر ہزار تک تم سے مانگے تم بوریے کے نیچے ہاتھ ڈالو۔ اور نکال لو۔ پس تم اس بے مشقت خزانۂ رحمت میں سے لوگوں کو دو اور ضرور دو۔ تمہارے ہاتھ میں مٹی سونا ہو جائے گی۔ ہم لوگ جو کچھ بھی تم سے مانگیں تم بے کھٹکے دو اور کچھ خیال نہ کرو کہ کہاں سے آئے گا۔ بلکہ تم عطاءِ حق سُبحانہٗ کو بیش از بیش سمجھو۔ اسکے نزدیک کسی کا مطلوب خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ پس تم فکر کو اصلاً دل میں راہ نہ دو۔ کیونکہ ہمارے خزانہ میں کمی نہیں۔

اور نہ ہم کو دیکھ کر پچھتاوا یا افسوس ہوتا ہے - بلکہ چشم بد کی روپوشی کے لیے بوری کے نیچے ہاتھ لے جاؤ - اور وہاں سے مٹھی بھر کر شکستہ سائل کے حوالہ کردو بس اب سے تم یہی کرو کہ ہماری خدمات کا جو نا منقطع اجر ہے اس میں سے تم لوگوں کو دو اور اگر کوئی گوہر مکنون بھی مانگے تو بھی دے دو - اچھا اب جاؤ! ہم تمہارے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بناتے ہیں بس تم ید اللہ فوق ایدیہم کا مصداق بنو اور حق سبحانہٗ کے ہاتھ کی طرح بے حساب صرف کرو - قرض داروں کے قرضہ کے بار سے سبکدوش کرو اور ابر کی طرح جہاں کو سر سبز و شاداب کردو - خیر تو تیسرے سال ان کا یہی کام تھا کہ حق سبحانہٗ کے تھیلے میں سے لوگوں کو روپیہ دیتے تھے اور راکھ ان کے ہاتھ میں سونا ہوتی تھی اور بخشش کی یہ حالت تھی کہ حاتم طائی اس کے گداؤں کی صف میں ایک گدا تھا نیز یہ بات بھی تھی اگر کوئی اپنی حاجت شرم کے مارے نہ کہتا تو وہ اسکی مقصد دلی پر مطلع ہو جاتے اور اسے دیدیتے خواہ کوئی فقیر ہو - خواہ قرض دار - یا قیدی خواہ اور کچھ - وہ ہر کسی کے خیال پر مطلع ہو جاتے اور جس قدر حال اس کے دل میں ہوتا اتنا اسے دیدیتے تھے نہ کم ہوتا تھا نہ زیادہ - اس پر لوگ استفسار کرتے کہ آپ کو کیا معلوم کہ اُسکو اتنے روپوں کا خیال ہے اُس کے جواب میں فرماتے کہ میرا دل تو خالی ہے اور اس میں گداگری کو دخل نہیں ہے - بلکہ وہ جنت کی مثل ہے جہاں گداگری کا نام نہیں ہے اور اس میں عشق حق سبحانہٗ کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں اس میں جو کچھ ہے وہ اس صاحب خانہ کے وصل کا خیال ہے میں نے ہر بھلی بُری بات سے اپنے دل کو صاف کر دیا ہے - اور میرا خانۂ دل عشق واحد حقیقی سے بھرا ہُوا ہے ایسی حالت میں اگر میں اسکے اندر غیر کو دیکھتا ہوں تو اسے میں دوسروں کے مقصد پر استدلال کرتا ہوں کیونکہ وہ میرا خیال نہیں ہوتا - بلکہ فقیر کا عکس ہوتا ہے مثلاً اگر پانی میں کھجور کا درخت یا اسکی شاخ دکھائی دے تو وہ درخت اور شاخ پانی کی نہ ہوگی - بلکہ نخلۂ بیرونی کا عکس ہوگا - یا پانی میں کوئی صورت دیکھو تو وہ صورت پانی کی نہ ہوگی - بلکہ وہ بیرونی شے کی صورت ہوگی بس یہی حالت میرے دل کی ہے - اب مولانا فرماتے ہیں کہ قلب مصفا تو ضرور ہو جاتا ہے اور اس میں اشیاء خارجیہ کا عکس بھی ضرور پڑتا ہے - مگر اس پانی کی خس و خاشاک سے خالی ہونے کے لئے جوئے بدن کا تنقیہ ضروری ہے - تاکہ وہ پانی بالکل صاف ہو جائے اور اس میں کدورت

اور خس وخاشاک نہ رہیں اور تاکہ آبِ دل معکوس کے قابل ہو جائے اور عکوس اس میں نمایاں ہوں
تم کو یہ بات حاصل نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ تمہارے جسم میں سوائے گلہ بہ اخلاق رذیلہ وخیالات
لایعنی کے اور کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ پھر انعکاس کے لیے ہو ہاں تم اپنے آب قلب کو گل اخلاق
رذیلہ وخیالات لایعنی سے پاک صاف کرو۔ تمہارے اندر انعکاس بھی ہونے لگے گا۔ مگر تم تو
بجائے تصفیہ کے اور اسکو مکدّر کر رہے ہو اور اس نہر میں خواب و خورد و تلذذات
جسمانیہ کی خاک ڈال رہے ہو پھر انعکاس کی کیا صورت ہے۔ چونکہ اس پانی یعنی شیخ کا دل
ان خس و خاشاک خواب و خور سے پاک ہے اسلیئے اس میں مقاصد فقراء کے چہروں کا عکس پڑتا
ہے۔ پس تم بھی اپنے دل کو پاک صاف کرو۔ تاکہ تم کو بھی فقراء کے باطن کا حال
معلوم ہو جائے۔ تمہارا باطن تو ہنوز صاف نہیں اور یہ گھر شیاطین اور بن مانس
اور روزندوں یعنی اخلاقِ رذیلہ وخیالات لایعنی سے پُر ہے اور اے گدھو! تم تعنّت
وعناد سے گدھے پن میں پھنسے ہوئے ہو۔ ایسی حالت میں تم کو ارواحِ مسیحا اور حقیقی
اہل اللہ کا کیا پتہ چل سکتا ہے اور اگر ان کے عکس سے کوئی خیال تمہارے دل میں
آئے بھی جس سے تم اُنکے حسنِ جمال پر استدلال کر سکو۔ تو تم کو کثرت خیالات لایعنی کے
سبب یہ پتہ کیسے چل سکتا ہے کہ یہ کس کمین گاہ سے آیا ہے اور کس کا عکس ہے پس
تم اپنے دل کو تمام خیالات سے پاک صاف کرو۔ لیکن خیالات کا نکال دینا کوئی
کھیل نہیں ہے۔ ریاضات و مجاہدات سے جسم دُبلا ہو کر مثل ایک خیال کے ہو جاتا ہے
جب یہ بات حاصل ہوتی ہے مگر تم ہمّت نہ ہارو۔ اور جس طرح بھی ہو۔ ان خیالات
فاسدہ کو دل سے نکالو۔ تاکہ تم مردُود درگاہ رب العزّت نہ ہو جاؤ۔

اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ شیر و خر کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے
ہیں:

غالب شدن مکر روباہ بر استعصام خر

لومڑی کے مکر کا گدھے کے بچاؤ پر غالب آجانا

خر بسے کوشید و او را دفع گفت ۔۔۔ لیک جوع الکلب با خر بود جفت

گدھے نے بہت کوشش کی اور اُس کی مدافعت کی ۔۔۔ لیکن گدھے میں جوع الکلب تھی

غالب[۵۰] آمد حرص و صبرش شد ضعیف ۔۔۔ پس گلوہا کہ برد عشق رغیف

حرص غالب آگئی اور صبر کمزور ہوگیا ۔۔۔ روٹی کے عشق نے بہت سے گلے کاٹے ہیں

زاں رسولے کش حقائق داد دست ۔۔۔ کاد فقر ان یکون کفرا آمدست

اُس رسول سے جن کو حقائق حاصل تھے ۔۔۔ "فقر قریب ہے کہ کفر بن جائے" منقول ہے

گشتہ بود آں خر مجاعت را اسیر ۔۔۔ گفت اگر مکرست یکرہ مردہ گیر

وہ گدھا، بھوک کا قیدی بن گیا تھا ۔۔۔ سوچا اگر مکر ہے، ایکدم سے مُردہ سمجھ لے

زیں عذاب جوع بارے وارہم ۔۔۔ گر حیات این ست من مردہ بہم

بھوک کے عذاب سے تو نجات پا جاؤں گا ۔۔۔ اگر زندگی یہ ہے تو میں مُردہ بہتر ہوں

گر خر اول توبہ و سوگند خورد ۔۔۔ عاقبت ہم از خری خبطے[۱] بکرد

گدھے نے اگرچہ پہلے توبہ کی اور قسم کھائی ۔۔۔ انجام کار گدھے پن سے، گڑبڑ بھی کر دی

حرص کور و احمق و ناداں کند ۔۔۔ مرگ را بر احمقاں آساں کند

لالچ اندھا اور احمق اور بیوقوف بنا دیتا ہے ۔۔۔ احمقوں پر موت کو آسان کر دیتا ہے

ہست آساں مرگ بر جان خراں ۔۔۔ کہ ندارند آب جان جاوداں

گدھوں کی جان پر مرنا آسان ہے ۔۔۔ کیونکہ وہ ابدی جان کی رونق نہیں رکھتے ہیں

چوں ندارد جان جاوید آں شقیست ۔۔۔ جرأت او بر اجل از احمقی ست

چونکہ وہ ابدی جان نہیں رکھتا، بدبخت ہے ۔۔۔ موت پر اُس کی جرأت حماقت سے ہے

جہد کن تا جاں مخلد گردت ۔۔۔ تا بروز مرگ برگے باشدت

کوشش کر تاکہ تیری جان ابدی بن جائے ۔۔۔ تاکہ موت کے دن تیرا توشہ ہو

اعتمادش[۲] نیز بر رازق نبود ۔۔۔ کہ بر افشاند بروا ز غیب جود

اُس کو رزق دینے والے پر بھروسہ نہ تھا ۔۔۔ جو اُس پر غیب سے سخاوت کرتا تھا

تاکنونش فضل بے روزی نداشت ۔۔۔ گرچہ گہہ گہہ بر تنش جوعے گماشت

اُس کو اللہ کے فضل نے اب تک بے رزق کے نہیں رکھا ۔۔۔ اگرچہ کبھی کبھی اُس پر بھوک کو مسلط کر دیا

در بیان فضیلت جوع و احتما

پرہیز اور بھوک کی فضیلت کے بیان میں

گر نباشد[۳] جوع صد رنج دگر ۔۔۔ از پئے ہیضہ بر آرد از تو سر

اگر بھوک نہ ہو، دوسری سینکڑوں بیماریاں ۔۔۔ ہیضہ کے بعد تجھ میں پیدا ہو جائیں گی

استعصام۔ بچاؤ۔ جوع الکلب یعنی جوع البقر۔

[۵۰] غالب۔ گدھے کی حرص صبر پر غالب آگئی روٹی کے عشق نے بہت سوں کو ہلاک کیا ہے۔ کاد۔ حدیث شریف ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا "فقر قریب ہے کہ کفر بن جائے" یعنی انسان کا فقر اُس کو کافر بنا دیتا ہے۔ مجاعت۔ بھوک۔ گفت۔ گدھے نے سوچا اگر یہ لومڑی کا مکر ہی ہے اور میرے مارنے کی ترکیب ہے تو بھوک کے ذریعہ بار بار کی موت سے ایک بار موت اچھی ہے۔

[۱] خبط۔ گڑبڑ۔ حرص۔ لالچ انسان کو اندھا بہرا بنا دیا ہے اور موت کو آسان کر دیتا ہے جس طرح گدھے نے اپنی موت کو پسند کر لیا۔ کہ ندارند۔ احمقوں اور گدھوں کی زندگی ابدی نہیں ہے اور انسان شقاوت اور حماقت کی وجہ سے مرنا پسند کرتا ہے۔ جہد کن۔ انسان کو ابدی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

[۲] اعتمادش۔ بس گدھے کو اللہ کی رزاقی کا یقین نہ تھا۔ تاکنونش۔ جتنے دن زندہ رہا بغیر رزق کے زندہ نہیں رہا لیکن پھر بھی اُس کو خدا کی رزاقی پر بھروسہ نہ تھا۔ جوع۔ بھوک۔ در بیان۔ خدا بھوک میں مبتلا کرتا ہے تو اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

[۳] گر نباشد۔ بغیر بھوک کے اگر آدمی کھانا کھاتا ہے تو ہیضہ ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد اور بیماریاں پیدا ہو جاتی

رنجِ جوع اولیٰ بُوَد خود زاں علل ہم بلطف و ہم بخفت، ہم عمل
ان بیماریوں سے بھوک کی تکلیف زیادہ بہتر ہے پاکیزگی کے اعتبار سے بھی ہلکے پن کے اعتبار سے بھی اور عمل کے و اعتبار سے بھی

رنجِ جُوع از رنجہا پاکیزہ تر خاصہ در جُوع ست صد نفع و ہنر
بھوک کی تکلیف بیماریوں سے زیادہ پاکیزہ ہے خصوصاً بھوک میں سینکڑوں فائدے اور ہنر ہیں

جوع خود سلطانِ داروہاست ہیں جوع در جاں نہ چنیں خوارش مبیں
آگاہ! بھوک خود دواؤں کی بادشاہ ہے بھوک کو جان میں جگہ دے، اسکو ذلیل نہ سمجھ

جُملہ ناخوش از مجاعت خوش شدست جُملہ خوشہا بے مجاعت ہا ردست
سب بے مزا بھوک کی وجہ سے خوشذائقہ ہو گئے ہیں تمام خوش مزہ، بغیر بھوک کے مردود ہیں

آں یکے میخورد نانِ فخفرہ گفت سائل چوں بدیں ستت شرہ
ایک شخص جَو کی روٹی کھا رہا تھا سوال کرنیوالے نے پوچھا تجھے اس کا شوق کیوں ہے؟

گفت جُوع از صبر چوں دو تا شود نانِ جو در پیشِ مَن حلوا شود
اُس نے کہا جب بھوک صبر سے دُھری ہو جاتی ہے میرے لیے جَو کی روٹی حلوا بن جاتی ہے

پس تواں کہ ہمہ حلوا خورم چوں کنم صبرِ ضروری لاجرم
تو میں کر سکتا ہوں کہ سب حلوا کھاؤں جب لامحالہ ضروری صبر کرلوں

خود نباشد جُوع ہر کس را زبوں کایں علف زاریست ز اندازہ بروں
بھوک ہر شخص کے قابو میں نہیں آتی ہے کیونکہ گھاس کی چراگاہ اندازے سے زیادہ ہے

جُوع مر خاصانِ حق را دادہ اند تا شوند از جُوع شیرِ زور مند
بھوک خاصانِ خدا کو دی ہے تاکہ وہ بھوک سے شیر اور طاقتور بنیں

جُوع ہر جلفِ گدارا کے دہند چوں علف کم نیست پیشِ او نہند
بھوک ہر کمینہ بھکاری کو کب دیتے ہیں؟ چونکہ چارہ کم نہیں ہے اُس کے سامنے کر دیا

کہ بخور تو ہم بدیں ارزانیے تو نہ مرغِ آب مرغِ نانیے
کہ تو کھا تو اسی کے لائق ہے تو پانی کا پرندہ نہیں ہے تو روٹی کا پرندہ ہے

نبود اندر دلِ تو جز فکرِ ناں ناید اندر خاطرت جز ذکرِ ناں
تیرے دل میں روٹی کے فکر کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تیرے دل میں روٹی کے ذکر کے سوا کچھ نہیں آتا ہے

بعدِ چندیں سال حاصل چیست جوعِ مُردن بہ بود زیں زیستت
اتنے سال کے بعد تجھے کیا ملا؟ مرنے کی بھوک تیرے اس جینے سے بہتر ہے

حکایتِ مریدے کہ شیخ از حرصِ ضمیرِ او واقف شد و اورا
اُس مرید کی حکایت جس کے دل کی حرص سے شیخ واقف ہو گیا اور اُس کو

زیں - زرنج - بھوک کی تکلیف اور بیماریوں کی تکلیف سے بہت بہتر ہے اس میں جسم میں پاکیزگی اور ہلکا پن اور کارکردگی رہتی ہے اور دوسرے بھی بہت منافع ہیں۔ جوع - فاقہ سے بہت سی بیماریاں خود دور ہو جاتی ہیں۔

ه جملہ - بھوک میں جَو کی روٹی بھی پلاؤ قورمے کا مزہ دیتی ہے بغیر بھوک کے لذیذ کھانے بھی بدمزہ معلوم ہوتے ہیں۔ فخفرہ - بوزن مسخرہ - جو کی روٹی۔ حرص - گفت - اس نے جواب دیا جب انسان کو بھوک لگتی ہے اور وہ صبر سے کام لیتا ہے تو جو کی روٹی بھی حلوے کا مزہ دیتی ہے۔ پس - میں بھوک لگا کر اور صبر سے کام لے کر جَو کی روٹی کا حلوا بنا لیتا ہوں۔ خود نباشد - یہ بھوک وہ نعمت ہے جو ہر شخص کو میسر نہیں آتی کیونکہ یہ دنیا وسیع چراگاہ ہے اُس میں انسان کچھ نہ کچھ کھا لیتا ہے۔ جوع - بھوک صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے جس سے وہ روحانی شیر بن جاتے ہیں۔

ه ہر جلف - ہر کمینہ گداگر کو بھوک کی نعمت عطا نہیں ہوتی اُس کے لئے عام خوراک مہیا کر دی جاتی ہے اور اُس کو کہہ دیا جاتا ہے کہ تو دریائے معرفت کا پرندہ نہیں ہے روٹی کھانے والا پرندہ ہے۔ بعد چندیں - حریص پیٹو کھا پی کر مر جاتا ہے اور اس کی حاصل زندگی ختم ہو جاتی ہے اس زندگی سے بھوک کی موت بدرجہا بہتر ہے۔

نصیحت کردبزبان و درضمنِ نصیحت قوّتِ توکّل
زبان سے نصیحت کی اور نصیحت کے دَوران اللہ تعالےٰ کے حکم سے
بخشیدش بامرِ حق عزّ وجل
اُس کو توکّل کی قوّت بخش دی

شیخ میشد با مریدے بیدرنگ
شیخ ایک مرید کے ساتھ بغیر توقّف کے روانہ ہوئے
سوئ شہرے ناں درانجا بود تنگ۱؎
شہر کی جانب وہاں روٹی کمیاب تھی

ترسِ جوع و قحط در فکرِ مرید
مرید کے فکر میں قحط اور بھوک کا خوف تھا
ہر دمے میگشت از غفلت مزید
جو غفلت کی وجہ سے، ہر لمحہ بڑھ رہا تھا

شیخ آگہ بود و واقف از ضمیر
شیخ باخبر تھے اور دل سے واقف تھے
گفت اُورا چند باشی در زحیر
انہوں نے اس سے کہا کب تک پریشانی میں رہیگا؟

از برائے غصّۂ ناں سوختی
تو روٹی کی فکر میں جلا جاتا ہے
دیدۂ صبر و توکّل دوختی
تو نے صبر اور توکّل کی آنکھ بند کرلی ہے

تو نۂ زاں نازنینانِ عزیز
تو اُن پیارے ناز پروردوں میں سے نہیں ہے
کہ ترا دارند بے جوز و مویز
کہ تجھے بغیر اخروٹ اور منقّی کے رکھیں

جوعِ رزقِ جانِ خاصانِ خداست
بھوک، خاصانِ خدا کا رزق ہے
کے زبونِ ہمچو تو گیجِ گداست
وہ تجھ جیسے احمق فقیر کے قابو میں کہاں ہے!

باش فارغ تو ازانہا نیستی
تو مطمئن رہ، تو اُن میں سے نہیں ہے
کاندریں مطبخ تو بے ناں بایستی
کہ تو اس مطبخ میں بغیر روٹی کے ٹھہرے

کاسہ بر کاسہ ست۲؎ ناں برناں مدام
ہمیشہ پیالہ پر پیالہ روٹی پر روٹی ہے
از برائ ایں شکم خوارانِ عام
اِن عام پیٹوؤں کے لئے

چوں بمیرد میرودناں پیش پیش
جب مرتا ہے تو روٹی آگے آگے جاتی ہے
کہ زبیمِ بے نوائی کشتہ خویش
کہ بے سروسامانی کے ڈر سے اپنے آپ کو مارا ہے

تو برفتی ماند ناں برخیز و گیر
تو چلا، روٹی رہ گئی کھڑا ہو لے لے
اے بکشتہ خویش را اندر زحیر
اے وہ کہ جس نے اپنے آپ کو پریشانی میں مار ڈالا

ہیں۳؎ توکّل کُن ملرزاں پا و دست
خبردار! توکّل کر ہاتھ پاؤں نہ لرزا
رزقِ تو بر تو ز تو عاشق ترست
تیرا رزق تجھ پر تجھ سے زیادہ عاشق ہے

عاشق ست و میزند اُو مول مول
وہ عاشق ہے اور آواز دے رہا ہے، ٹھہر ٹھہر
کہ ز بے صبریت داند اے فضول
کیونکہ اے بیہودہ! وہ تیری بے صبری کو جانتا ہے

۳؎ حکایت۔ ایک شیخ ایک مرید کے ساتھ اُس شہر کی طرف جارہے تھے جہاں قحط تھا۔ مرید روٹی کی حرص کی وجہ سے پریشان تھا۔ شیخ پر اُسکی دلی کیفیت منکشف ہوئی تو شیخ نے اُس کو نصیحت کی اور اُسمیں اپنے تصرّف سے توکّل کی طاقت پیدا کردی۔

۱؎ تنگ۔ یعنی وہ شہر قحط زدہ تھا روٹی گراں اور کمیاب تھی۔ از غفلت۔ یعنی خدا کی رزاقی کی غفلت سے۔ زحیر۔ پیچش، پیچ و تاب۔ از برائے۔ تو روٹی کی فکر میں جل رہا ہے تجھے خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ تو نۂ۔ تو اُن خاصانِ خدا میں سے نہیں ہے جن کو جوع کا تحفہ دیا جاتا ہے تجھے لامحالہ دنیاوی غذا میسر آجائے گی۔ گیج۔ احمق۔

۲؎ کاسہ۔ دنیاداروں کے لئے بکثرت کھانا پینا موجود ہے۔ چوں بمیرد۔ جب مرجاتا ہے تو بھی روٹی آگے آگے جاتی ہے جو قبرستان میں غریبوں کو تقسیم کردی جاتی ہے اور وہ روٹی مُردے سے کہتی ہے کہ تو روٹی کی فکر میں مرا ہے اظعاب روٹی لے لے۔

۳؎ ہین۔ شیخ نے مُرید سے کہا انسان رزق کا اتنا عاشق نہیں ہے جتنا رزق انسان کا عاشق ہے اللہ کا وعدہ ہے لہٰذا لامحالہ رزق انسان کو تلاش کرکے اُس کے پاس پہنچتا ہے۔ عاشق ست۔ رزق انسان پر عاشق ہے اور وہ اُس کو کہتا ہے ٹھہر جا میں تیرے پاس پہنچتا ہوں کیونکہ وہ انسان کی بے صبری

گر ترا صبرے بُدے رزق آمدے — خویشتن چوں عاشقاں بر تو زدے

اگر تجھے صبر ہوتا تو رزق آ جاتا — عاشقوں کی طرح اپنے آپ کو تجھ پر ڈالتا

ایں تپِ لرزہ زخوفِ جوع چیست — در توکل سیر می تانید زیست

بھوک کے ڈر سے یہ جاڑا اور بخار کیوں ہے؟ — توکل میں پیٹ بھرا ہو کر زندہ رہ سکتے ہو

حکایتِ[1] آں گاوکہ تنہا در جزیرہ ایست بزرگ حق تعالیٰ

اُس بیل کی حکایت جو ایک بڑے جزیرہ میں اکیلا ہے اللہ تعالیٰ اُس بڑے جزیرے

آں جزیرہ بزرگ را ہر روز پُر کُند از نبات و ریاحین[2] کہ

کو روز گھاس اور خوشبودار پودوں سے بھرتا ہے تاکہ رات تک

تا علفِ آں گاو باشد تا بشب آں گاو ہمہ را بچرد و فربہ

اُس بیل کے لئے چارا رہے وہ بیل سب کو چر لیتا ہے اور پہاڑ کی

شود چوں کوہ پارہ چوں شب شود خوابش نبرد از غصہ و

طرح موٹا ہو جاتا ہے جب رات ہو جاتی ہے اُس کو رنج اور ڈر سے نیند

خوف کہ ہمہ صحرا را چریدم فردا چہ خورم تا ازیں غصہ لاغر

نہیں آتی ہے کہ میں نے تمام جنگل چر لیا کل کو کیا چروں گا یہانتک کہ وہ اس

شود ہمچوں خلال روز برخیزد ہمہ صحرا را سبز تر و انبوہ تر بیند

رنج سے تنکے کی طرح لاغر ہو جاتا ہے ہر روز اُٹھتا ہے تمام جنگل کو زیادہ سبز اور

از اوّل باز بخورد و فربہ شود باز شبش ہماں غم بگیرد سالہاست

زیادہ گھنا دیکھتا ہے اُس میں سے پھر کھاتا ہے اور موٹا ہو جاتا ہے پھر رات کو لے وہی غم

کہ اُو ہمچنیں مے بیند و اعتماد نمی کند

آ پکڑتا ہے سالوں گذر گئے ہیں کہ وہ یہی دیکھ رہا ہے اور بھروسہ نہیں کرتا ہے

یک جزیرہ سبز ہست اندر جہاں — اندرو گاو یست تنہا خوش دہاں

دنیا میں ایک سبز جزیرہ ہے — اُس میں ایک اکیلا بیل عمدہ گھاس چرنے والا ہے

جملہ صحرا[3] را چرد اُو تا بشب — تا شود زفت و عظیم و مُنتجب

وہ رات تک تمام جنگل کو چر لیتا ہے — حتیٰ کہ موٹا اور بڑا اور بزرگ بن جاتا ہے

شب ز اندیشہ کہ فردا چہ خورم — گردد اُو چوں تارِ مو لاغر ز غم

رات میں اس ڈر سے کہ کل کو کیا کھاؤں گا؟ — وہ غم سے بال کی طرح کمزور ہو جاتا ہے

چوں بر آید صبح گردد سبز دشت — تا میاں رستہ قصیلِ سبز و کِشت

جب صبح ہوتی ہے جنگل سبز ہو جاتا ہے — سبز چارا اور کھیتی کمر تک ہوتی

---

[1] حکایت۔ اِس حکایت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح اِس بیل کی بے صبری تھی اور رزق کے فکر میں گھلا جاتا تھا یہی حال انسان کا ہے۔

[2] ریاحین۔ خوشبودار نباتا۔ خلال۔ دانت کریدنے کا تنکا۔ خوش دہاں۔ عمدہ خوراک کھانے والا۔

[3] جملہ صحرا۔ ہرا سبزہ زار ہر بیل اکیلا ہے دن بھر خوب کھاتا اور موٹا تازہ بن جاتا۔ منتجب۔ نجیب، بزرگ۔ شب۔ رات بھر اس غم میں رہتا کہ میں نے سب چرا لیا کہاں اب کل کو کیا کھاؤں گا۔ قصیل۔ سبز جو، خوید۔

اندر افتد گاو با جوع البقر[1]
بیل جوع البقر کے ساتھ اس میں گھس جاتا ہے

باز زفت و فربہ و لمتر شود
پھر موٹا اور تازہ اور بھاری بن جاتا ہے

باز شب اندر تب افتد از فزع
وہ پھر رات کو گھبراہٹ کے بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے

کہ چہ خواہم خورد فردا وقتِ خور
کہ کھانے کے وقت میں کل کو کیا کھاؤں گا؟

ہیچ نندیشد کہ چندیں سال من
وہ کبھی نہ سوچتا کہ اتنے سال سے میں

ہیچ روزے کم نیاید روزیم[2]
کسی دن بھی میرا رزق کم نہیں ہوتا ہے

باز چوں شب میشود آں گاو زفت
پھر جب رات ہوتی وہ موٹا بیل

نفس آں گاو است و آں دشت ایں جہاں
نفس وہ بیل ہے اور یہ دنیا وہ جنگل ہے

کہ چہ خواہم خورد مستقبل عجب
کہ حیرت ہے میں آئندہ کیا کھاؤں گا؟

سالہا خوردی و کم نامد ز خور
تو نے سالوں کھایا اور وہ کھانے سے کم نہ ہوا

لوت پوتِ خوردہ را ہم یاد آر[3]
کھائے ہوئے مرغن کھانوں کو یاد کر

قصۂ آں گاو را یکسوئے نہ
اس بیل کا قصہ ایک طرف رکھ

تا بشب آں را چرد او سر بسر
رات تک وہ اس کو چر جاتا ہے

آں تنش از پیہ و قوت پُر شود
اس کا بدن چربی اور طاقت سے بھر جاتا ہے

تا شود لاغر ز خوفِ منتجع
چراگاہ کے ڈر سے لاغر ہو جاتا ہے

سالہا این ست کارِ آں بقر
اس بیل کی سالوں یہی حالت رہی

میخورم زیں سبزہ زار و زیں چمن
اس سبزہ زار اور اس چمن کو چر رہا ہوں

چیست ایں ترس و غم و دلسوزیم
پھر میرا یہ خوف اور غم اور دل سوزی کیوں ہے؟

میشود لاغر کہ آوہ رزق رفت
لاغر ہو جاتا کہ ہائے رزق ختم ہو گیا

کو ہمی لاغر شود از خوفِ ناں
جو روٹی کے ڈر سے لاغر ہوا جاتا ہے

لوتِ فردا از کجا سازم طلب
کل کی خوراک کہاں سے طلب کروں گا؟

ترکِ مستقبل کُن و ماضی نگر
آئندہ کو چھوڑ اور ماضی پر غور کر

منگر اندر غابر و کم باش زار
مستقبل کو نہ دیکھ اور بدحال نہ بن

زاں خر و زاں شیرِ نر پیغام دہ
اس گدھے اور نر شیر کا پیغام دے

[1] جوع البقر۔ وہ مرض ہے جس میں انسان کا کسی حالت میں پیٹ نہیں بھرتا ہے۔ لمتر۔ موٹا۔ فزع۔ گھبراہٹ۔ منتجع۔ چراگاہ۔ سالہا۔ ایک عرصۂ دراز تک اس بیل کی یہی حالت رہی کہ دن کو کھا کر موٹا ہو جاتا اور رات کو کل کی فکر میں دُبلا ہو جاتا اور کبھی یہ نہ سوچا یہ خوف بیجا ہے اتنے سال گزر گئے اور مجھے بہر حال روز خوراک حاصل ہو رہی ہے۔

[2] ہیچ۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ کسی روز بھی روزی کم نہیں مل رہی ہے تو میں غم کیوں کروں۔ نفس۔ انسان کے نفس کو بیل سمجھو اور دنیا کو یہ جنگل۔ کہ چہ۔ انسان اسی فکر میں گھلتا ہے کہ کل کو کیا کھاؤں گا۔ ترک۔ انسان کو چاہیئے کہ ماضی پر نظر رکھ کر مستقبل کی فکر چھوڑ دے۔

[3] لوت۔ یہ یاد رکھ کہ کس قدر لذیذ غذائیں کھاتا رہا ہے خدا اسی طرح دے گا آئندہ کی فکر میں نہ پڑ۔ صید کردن۔ شیر نے گدھے کو شکار کیا اس حالت میں شیر کو پیاس لگی تو وہ پانی پینے چلا گیا لومڑی نے اس وقفہ میں گدھے کا دل جگر گردہ کھا لیا شیر نے آکر دریافت کیا کہ دل گردہ کہاں ہے تو لومڑی نے جواب دیا اگر گدھے کے دل گردہ ہوتے تو وہ تیرے پہلے حملہ کے بعد دوبارہ بہکانے سے تیرے پاس کیسے آجاتا۔

شرح گدھے نے بہت کچھ کوشش کی اور بہت کچھ ٹالا لیکن بالآخر مغلوب ہو گیا کیونکہ اس کو بھوک لگی ہوئی تھی جس حرص غالب ہو گئی اور صبر و تحمل کمزور ہو گیا

اور نتیجہ یہ ہوا کہ جان دیدی۔ واقعی روٹی کی محبت بھی بہت بری چیز ہے کہ یہ سینکڑوں گلے کاٹ دیتی ہے اور لاکھوں جانوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ اسی بنا پر اس حقائق شناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کاد الفقران یکون کفرا مروی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات آدمی فقر و فاقہ سے تنگ ہو کر ایمان کھو بیٹھتا ہے اور دین بیچ دیتا ہے۔ خیر تو وہ گدھا بھوک کی تکلیف میں مبتلا تھا اسلیئے اس نے کہا کہ اچھا اگر لومڑی کا مکر بھی ہے تو جان بھی تو جائے گی بلا سے جائے۔ روز کی مصیبت سے تو چھوٹیں گے۔ ایسی زندگی سے تو مرجانا بہتر ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گدھے نے اگرچہ اوّل میں توبہ کی تھی اور قسم کھائی تھی مگر آخر میں اس نے اپنے گدھے پن سے حماقت بھی کی کہ لومڑی کے ساتھ پھر چل دیا۔ حالانکہ وہ ایک مرتبہ خطرہ کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ وجہ اسکی کیا تھی محض حرص۔ یہ حرص ایسی بری بلا ہے کہ اندھا اور احمق اور نادان بنا دیتی ہے اور احمقوں پر موت کو آسان کر دیتی ہے حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ اب سنو کہ موت احمقوں کی نظر میں بے وقعت کیوں ہوتی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ ان کو روح باقی کی چمک حاصل نہیں ہوتی۔ جس سے ان کو موت کے آثار و نتائج کا علم ہو۔ ورنہ وہ ہرگز ایسا نہ کرتے کیونکہ جب ان کو روح باقی حاصل نہیں تو وہ شقی ہیں اور اشقیاء کے لیے موت ہرگز مفید نہیں۔ پس ایسی حالت میں ان کا موت پر جرأت کرنا سراسر حماقت ہے پس تم کوشش کرو کہ تمہاری روح فنا فی اللہ ہو کر باقی ببقائے حق اور اس طرح سے مخلد ہو جائے۔ تاکہ تم کو موت کے دن کے لئے سامان حاصل ہو جائے اور تم صحیح طور پر موت کے خطرہ سے آزاد ہو جاؤ اور موت واقع میں تمہارے لئے آسان ہو جائے

خیر ایک وجہ تو اس کے جانے کی یہ تھی کہ وہ بھوک سے بے تاب تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اسکو رازق مطلق پر اعتماد نہ تھا اور نہ سمجھتا تھا کہ خدا غیب سے اس پر بخشش کریگا۔ حالانکہ حق سبحانہٗ نے اب تک اسکو اپنے فضل سے بے روزی کے نہیں رکھا تھا گو کبھی کبھی اس پر بھوک کو بھی مسلط کر دیتا تھا اور یہ کوئی بری بات نہ تھی کیونکہ اگر بھوک نہ ہو اور ہمیشہ سیری ہو تو کبھی نہ کبھی ہیضہ ہو جاویگا اور ہیضہ کے بعد سینکڑوں تکلیفیں پیدا ہو جائیں گی۔

پس بھوک کی تکلیف ان بیماریوں سے اچھی ہے۔ لطف میں بھی، کمی میں بھی اور اثر میں بھی یعنی بھوک کی تکلیف میں لطف و عنایت حق سبحانہٗ زیادہ ہے بہ نسبت اور تکلیفوں کے۔ نیز بھوک

میں بہ نسبت اورامراض کے تکلیف بھی کم ہوتی ہے اور بہ نسبت اور امراض کے بھوک کے نتائج بھی اچھے ہیں پس بھوک اور بیماریوں سے اچھی ہے بالخصوص اسلیئے کہ اس میں بہت سی منفعتیں اور خوبیاں ہیں چنانچہ ایک بہت بڑا نفع تو یہ ہے کہ وہ سب سے بڑی دوا ہے اسی بنا پر اطبائ نے کہا ہے کہ اگر کوئی اس امر کا التزام کرلے کہ جب خوب بھوک لگے ۔ تو کھانا کھائے اور جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑدے ایسا شخص تندرست رہے گا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بھوک موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے پس تم بھوک کو جان میں جگہ دو اور اسے اس قدر ذلیل نہ سمجھو ایک خوبی بھوک کی یہ بھی ہے کہ تمام نامرغوب کھانے اس سے مرغوب ہوجاتے ہیں برخلاف سیری کے کہ اس سے تمام مرغوبات مکروہ بن جاتے ہیں۔

ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ جو کی روٹی کھارہا تھا کسی نے پوچھا "کہ او میاں! اس کے کھانے کو تمہارا جی کیسے چاہتا ہے" اس نے جواب دیا کہ "جناب جب صبر کے سبب بھوک بڑھ جاتی ہے تو پھر مجھے یہ جو کی روٹی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ میرے نزدیک حلوا ہو جاتی ہے پس جبکہ بھوک میں یہ صفت ہے تو آدمی اگر چاہے کہ بالکل حلوا ہی کھائے تو وہ صبر کرکے ایسا کرسکتا ہے۔

اب ہم ان خوبیوں سے قطع نظر کرکے کہتے ہیں کہ بھوک ہر شخص کو تو دی بھی نہیں جاتی۔ کیونکہ جانوروں کے لیے تو بہت وسیع چراگاہ موجود ہے یعنی شکم خواروں کے لیے حق سبحانہ، کے یہاں غذا کی کمی نہیں۔ پھر ان کو کیوں بھوکا رکھا جائے گا۔ بھوک تو خاصانِ حق کو دی جاتی ہے کہ وہ بمقتضائے الجوع طعام الصدیقین اس سے غذائے روحانی حاصل کرکے شیر اور زورآور ہوجائیں۔ اور ہر کمینہ بھکارے کو بھوک نہیں دیتے اور چونکہ چارہ کی کمی نہیں ہے اسلیئے اسکو اس جانور کے آگے ڈال دیتے ہیں کہ لے کھا۔ کیونکہ تو اسی قابل ہے کیونکہ تو آبِ حیات کا طالب جانور نہیں۔ بلکہ روٹی کا طالب جانور ہے اب ہم کہتے ہیں کہ اے طالبِ نان ——— تیرے دل میں روٹی کی فکر کے سوا اور کچھ ہی نہیں اور مجھے روٹی کے سوا کچھ یاد ہی نہیں آتا لیکن تو یہ تو بتا کہ اتنے دنوں تک تو نے کھایا تو اس کا نتیجہ کیا ہوا کچھ بھی نہیں بس ایسی لاحاصل زندگی سے بھوکا مرجانا بہتر ہے اچھا ہم تمہیں ایک حکایت سناتے ہیں جس سے تم کو توکل کی ضرورت معلوم ہو سنو! ایک بزرگ اپنے ایک مرید کے ساتھ شہر کو جارہے تھے اور وہاں روٹیوں کی کمی تھی بنابریں مرید کو بھوک اور قحط کا خوف اسکی غفلت کے سبب ہر دم زیادہ ہوجاتا تھا۔ شیخ صاحبِ کشف تھے

انکو اسکی اندرونی حالت پر اطلاع تھی لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ ارے تو کب تک پریشان رہے گا بھلے مانس! تو روٹی کے غم میں فنا ہو گیا اور صبر توکل کی طرف سے تو نے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ تجھ کو ایسا نہ چاہیئے بھائی تو عزیز نازنینوں سے نہیں ہے کہ تجھے بے جوز و مویز یعنی بے غذائے جسمانی رکھیں گے بھوک تو خواص اہل اللہ کی ارواح کا رزق ہے وہ تجھ سے پریشان خاطر گدا گر کو کب ملے گا پس تو اطمینان رکھ تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے کہ اس مطبخ میں بدون روٹی کے کھڑا رہے ـــــــ اسلئے تجھے روٹی خود ضرور ملے گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! شکم خوار عوام کے لیے پیالوں پر پیالے اور روٹی پر روٹی چلی آرہی ہے یعنی شکم پروروں کو بکثرت غذا مل رہی ہے حتیٰ کہ جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کے آگے روٹی چلتی ہے کیونکہ وہ روٹی ہی کے فکر میں جان دیدیتا ہے اسلیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خوفِ فقر سے اپنے کو ہلاک کر دیا لہٰذا حق سبحانہ، کے حکم تکوینی سے اسکے آگے آگے روٹی چلتی ہے جس میں اشارہ ہوتا ہے اس طرف کہ اے اپنے کو پریشانی سے مار ڈالنے والے شخص تو تو چل دیا حالانکہ تو تو بزبانِ حال خلود کا مدعی تھا اور روٹی ہنوز باقی ہے حالانکہ تو اسکو ختم ہو جانے والا سمجھتا تھا لے اٹھ کر لے لے (فائدہ: میر و دنان پیش پیش میں اشارہ ہے ایک رسم کی طرف اور وہ رسم یہ ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اسکی قبر پہ جنازہ کے ساتھ روٹیاں اور اناج وغیرہ صدقہ کے لیے لے جاتے ہیں یہ رسم چونکہ بدعت ہے اسلئے ہم نے شرح میں حکم حق سبحانہ، کو تکوینی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ واللہ اعلم) پس جبکہ حالت یہ ہے کہ تو تم کو خدا پر بھروسہ چاہیئے اور خوفِ فقر سے تھرّانا نہ چاہیئے۔ اسلئے کہ جس قدر تم رزق پر عاشق ہو اس سے زیادہ خود رزق تم پر عاشق ہے۔ شاید تم کہو کہ عاشق ہے تو ملتا کیوں نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ وہ عاشق ضرور ہے مگر تمہاری بے صبری کا اسے علم ہے اسی لیے وہ توقف کرتا ہے لیکن اگر تمہیں صبر ہوتا تو وہ خود آتا اور عاشقوں کی طرح اپنے کو تمہارے اوپر ڈالتا پس تم کیوں بے صبر ہو اور فقر و فاقہ سے کیوں ڈرتے ہو۔ تم توکل کرو۔ توکل میں تم مستغنیانہ زندگی بسر

کر سکتے ہو - اب ہم تمہیں ایک حکایت سناتے ہیں۔ جس سے تم کو بے صبری کا

لا یعنی ہونا معلوم ہو اور تمہاری توکل کو قوت ہو - دنیا میں ایک سرسبز جزیرہ ہے اور ایک

تنہا گائے ہے وہ شام تک تمام جنگل چر لیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ خوب موٹی تازی ہو جاتی

ہے لیکن رات کو اس خیال سے کہ کل کو کہاں سے کھاؤں گی نہایت دبلی ہو جاتی ہے

پس جبکہ اگلا دن ہوتا ہے تو جنگل ہرا ہو جاتا ہے اور خوید اور کھیتی کمر کمر تک ہو جاتی ہے

اس میں گائے بے تابانہ گھستی ہے اور شام تک سب کو صاف کر دیتی ہے اور پھر خوب موٹی

تازی ہو جاتی ہے اور اس کا جسم چربی اور قوت سے بھر جاتا ہے مگر رات کو پھر وہ ڈرتی ہے

تاآنکہ وہ اس خوف سے کہ کل کو گھاس کہاں سے ملے گا دبلی ہو جاتی ہے۔

غرضکہ برسوں سے اس کا یہی کام ہے اور وہ ہرگز نہیں خیال کرتی کہ میں اس سبزہ

زار اور اس چمن میں اتنے دنوں سے گھاس کھا رہی ہوں اور میری روزی اصلاً کم نہیں ہوتی پھر

یہ خوف اور غم اور دل سوزی کیوں ہے اور جب رات ہوتی ہے تو وہ موٹی تازی گائے خواہ

مخواہ دُبلی ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ ہائے میرا رزق جاتا رہا۔

یہ قصہ تو سُن چکے اب سُنو کہ نفس اُس گائے کے مانند ہے اور دنیا اس جنگل کے

مُشابہ کیونکہ وہ ہر روز کھاتا ہے مگر پھر روٹی کے خوف سے گُھلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے

میں کل کو کیا کھاؤں گا اور کل کو روٹی کہاں سے حاصل کروں گا اس سے کوئی کہے کہ ارے احمق! تو نے

برسوں کھایا اور کھانے میں کمی نہیں آئی تو آئندہ کی فکر چھوڑ۔ اور گذشتہ زمانہ پر نظر کر اور

جس قدر تو غذا کھا چکا ہے اس میں غور کر کہ وہ کہاں سے آئی تھی جہاں سے وہ آئی تھی وہیں سے

اور آئیگی پس تو آئندہ کی فکر چھوڑ اور دُبلا مت ہو - اچھا اب گائے کے قصہ کو الگ

کرنا چاہیئے اور گدھے اور شیر کی حالت بیان کرنی چاہیئے۔

صید کردنِ شیر آں خر را و تشنہ شدنِ شیر از کوشش و رفتن

شیر کا اُس گدھے کو شکار کر لینا اور محنت کی وجہ سے شیر کا پیاسا ہو جانا اور چشمہ پر جانا

بہ چشمہ تا آب خورد تا باز آمدنِ شیر روباہ جگر بند و دل و گردۂ

تاکہ پانی پئے، شیر کے واپس آنے تک لومڑی گدھے کا جگر اور دل اور گردہ کھا چکی

خر را خوردہ بُود کہ لطیف ترست شیر طلب کرد دل و

تھی کیونکہ عمدہ تھا شیر نے تلاش کیا تو دل و جگر نہ پایا

جگر نیافت، از روبہ بپرسید کہ دل و جگر و گردہ کجاست

لومڑی سے دریافت کیا کہ دل اور جگر اور گردہ کہاں ہے!

روبہ گفت اگر اُو را دل و جگر بُودے آنچناں سیاستے کہ

لومڑی نے کہا، اگر اُس کے دل و جگر ہوتا تو وہ سختی جو اُس نے اُس دن دیکھی سے تھی

دیدہ بُود آں روز بہزار حیلہ جان بُردہ بُود کے بر تو باز آمدے

جس سے ہزار حیلہ سے جان بچائی تھی تو تیرے پاس کب آتا؟

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ[1]

اگر ہم سُنتے اور سمجھتے تو دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے

بُرد خر را روبہک[2] تا پیشِ شیر — پارہ پارہ کرد شُ آں شیرِ دلیر

لومڑی گدھے کو شیر کے سامنے لے گئی — اُس بہادر شیر نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے

تشنہ شد از کوششِ آں سُلطانِ دد — رفت سُوئے چشمہ تا آبے خورد

محنت کی وجہ سے وہ درندوں کا بادشاہ پیاسا ہو گیا — چشمہ کی جانب گیا تاکہ پانی پی لے

روبہک خورد آں جگر بند و دلش[2] — آں زماں چوں فرصتے شُد حاصلش

لومڑی اُس کا جگر اور دل کھا گئی — اُس وقت چونکہ اُس کو موقع ملا

شیر چوں واگشت از چشمہ بخور — جُست در خر دل نہ دل بُد نے جگر

شیر جب چشمہ سے خوراک کی جانب واپس آیا — گدھے میں دل ڈھونڈا، نہ دل تھا نہ جگر

گفت[3] روبہ را جگر کو دل چہ شُد — کہ نباشد جانور را زیں دو بُد

لومڑی سے کہا جگر کہاں ہے، دل کیا ہوا — جانور میں یہ دونوں لازمی ہوتے ہیں

گفت اگر بودے ورا دل یا جگر — کے بدیں جا آمدے بارِ دگر

اُس نے کہا اگر اِس کے دل یا جگر ہوتا — وہ دوبارہ اِس جگہ کب آتا؟

آں قیامت دیدہ بود و رستخیز — واں ز کوہ افتادن و ہول و گریز

اُس نے قیامت اور حشر دیکھا تھا — وہ پہاڑ سے گرنا اور خوف اور بھاگ دوڑ

[1] لوکنا۔ دوزخی دوزخ میں کہیں گے اگر ہم صحیح بات سُن لیتے اور سمجھ جاتے تو آج دوزخ میں نہ ہوتے۔ روبہک۔ ذلیل لومڑی۔ سلطانِ دد۔ درندوں کا بادشاہ، شیر۔

[2] روبہک۔ جب شیر پانی پینے چلا گیا تو لومڑی کو موقع مل گیا وہ گدھے کا دل اور جگر کھا گئی۔ شیر نے واپس آکر دیکھا تو گدھے کا دل و جگر موجود نہ تھا۔

[3] گفت۔ شیر نے لومڑی سے کہا دل اور جگر تو ہر جانور میں ضرور ہوتے ہیں وہ اِس گدھے کے کہاں ہیں۔ اگر بودے۔ لومڑی نے کہا اگر اِس گدھے کے دل و جگر ہوتا تو یہ دوبارہ تیرے پاس کیسے آتا۔ آں قیامت۔ اُس گدھے نے تیرا قیامت خیز حملہ دیکھا تھا اور پہاڑ پر سے سر کے بل گرا تھا۔

ف۱ گر جگر بودے وُرا یا دل بُدے
اگر اُس کے جگر ہوتا، یا دل ہوتا
بارِ دیگر کے برِ تو آمدے
دوبارہ تیرے پاس کب آتا!

چوں نباشد نورِ دل، دل نیست آں
جب دل میں نور نہ ہو تو وہ دل نہیں ہے
چوں نباشد روح جُز گِل نیست آں
جب روح نہ ہو تو مٹی کے سوا کچھ نہیں ہے

آں زجاجے کو ندارد نورِ جاں
وہ شیشہ، جو جان کا نور نہیں رکھتا
بولِ قارورہ است قندیلش مخواں
اُس کو قندیل نہ کہہ وہ پیشاب کی شیشی ہے

نورِ مصباح ست دادِ ذُو الجلال
چراغ کا نور خدا کی عطا ہے
صنعتِ خَلقت آں شیشہ و سفال
شیشہ اور دیوا مخلوق کی کاریگری ہے

ف۲ لاجَرم در ظرف باشد اعتداد
لامحالہ ظرف میں تعدد ہے
در لہب ہا نبود اِلّا اتحاد
روشنیوں میں اتحاد کے سوا کچھ نہیں ہے

نورِ شش قندیل چوں آمیختند
جب چھ قندیلوں کا نور ملا دیا
نیست اندر نورِ شاں اعداد و چند
اُن کے نور میں تعدد اور شمار نہیں ہے

آں جہود از ظرفہا مُشرک شدست
یہودی ظرفوں کی وجہ سے مشرک بن گیا
نور دید آں مومن و مُدرِک شدست
مومن نے نور دیکھا وہ شناسا بن گیا

چوں نظر بر رُوح اُفتد مر وُرا
چونکہ اُس کی نگاہ روح پر پڑتی ہے
پس یکے بیند خلیل و مُصطفےٰ
اِس لئے خلیلؑ اور مصطفیٰ کو ایک دیکھتا ہے

چوں نظر بر ظرف اُفتد روح را
جب روح کی نظر ظرف پر پڑتی ہے
پس دو بیند شیثؑ را و نوحؑ را
وہ شیثؑ اور نوحؑ کو دو دیکھتا ہے

ف۳ جُو کہ آبش ہست جُو خود آں بُود
جس نہر میں پانی ہے، نہر وہی ہے
آدمی آنست کو را جاں بُود
آدمی وہی ہے، جس میں جان ہو

ایں نہ مرد انند اینہا صُورت اند
یہ مرد نہیں ہیں، یہ مورتی ہیں
مُردۂ نانند و کُشتۂ شہوتند
روٹی پر جان دیتے والے ہیں اور شہوت پر قربان ہیں

ف۱ گر جگر بودے۔ اگر دل یا جگر ہوتا تو یہ دوبارہ نہ آتا۔ چوں نباشد جس عضو کا جو کام ہے اگر وہ عضو اپنا کام نہیں کرتا تو گویا وہ عضو ہی نہیں ہے۔ دل میں جب نور نہ ہو تو وہ دل نہیں۔ انسان میں روح نہ ہو تو وہ محض مٹی کا پتلا ہے۔ آں زجاج۔ جس شیشہ میں روشنی نہیں وہ قندیل نہیں بلکہ پیشاب کی شیشی ہے۔ شیشہ۔ یعنی قندیل کا شیشہ۔ سفال۔ یعنی مٹی کا چراغ۔
ف۲ لاجرم۔ چراغوں اور قندیلوں میں تعدد اور دوئی ہے اُن کی روشنی جو پھیلتی ہے اُس میں وحدت ہے۔ آں جہود۔ یہود نے انبیاء کے اجسام پر نظر کی تو ان میں تعدد سمجھا بعض پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کر دیا۔ مومن نے اجسام اور ظروف پر نظر نہ کی بلکہ روح اور نور کو دیکھا جس میں وحدت ہے تو اُس کا عقیدہ ہوا کہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ہیں۔
ف۳ جو۔ نہر تو وہی ہے جس میں پانی ہو آدمی وہی ہے جس میں روح ہو۔ ایں۔ عوام انسان نہیں ہیں مُردہ ہیں اُنکو زندہ بھی نہ سمجھو یہ شہوت اور روٹی کے مقتول ہیں

شرح

القصہ لومڑی گدھے کو شیر کے پاس لے گئی اور شیر نے اُسے چیر پھاڑ ڈالا چونکہ ضعیف تو تھا ہی اُسکے ساتھ مشقت کی۔ اُس سے اُس پر حرارت کا غلبہ ہوا اور پیاس لگ گئی پیاس بجھانے کے لیے وہ چشمہ پر گیا لومڑی کو موقع ملا اُسنے دل اور جگر کو کھا لیا۔ جب شیر پانی پی کر کھانے کے لیے لوٹا تو اُسنے دل تلاش کیا مگر اُس کو نہ اِس میں

دل ملا نہ جگر ملا۔ اسس نے لومڑی سے کہا کہ آخر دل کہاں گیا اور جگر کیا ہوا۔ کیونکہ جانور میں ان دونوں کا ہونا تو ضروریات سے ہے۔ لومڑی نے جواب دیا کہ حضور اگر اس کے اندر دل یا جگر ہوتا تو یہاں دوبارہ آتا ہی کیوں۔ کیونکہ وہ قیامت اور محشر کا نمونہ جو گذر چکا ہے اور وہ پہاڑ سے گرنا اور خوف اور بھاگڑ وہ خود اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا پس اگر اسکے اندر دل یا جگر ہوتا تو دوسری دفعہ آپکے پاس آتا ہی کیوں۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو! جب دل میں نور نہ ہو جو دل کی روح ہے تو وہ دل نہیں ہے اور جبکہ اس میں روح نہ ہو تو وہ محض ایک گوشت پارہ اور مٹی ہے۔ دیکھو! جو شیشہ کہ اپنے اندر نور نہیں رکھتا جو کہ اس کی جان ہے۔ وہ قارورہ کا شیشہ ہے اُسے قندیل نہ کہنا چاہیئے کیونکہ جو کمال کی چیز ہے تو اس میں نور چراغ ہے کیونکہ وہ عطائے کردگار ہے باقی رہا شیشہ قندیل یا چراغ کا ٹھیکرا سو وہ تو کچھ بھی نہیں کیونکہ مخلوق کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں پس جبکہ اس میں وہی شے نہیں جس اس کا کمال ہے تو گویا کہ وہ بمنزلہ لاشے کے ہے اس مقام پر ہم کو ایک اور مناسب مضمون یاد آگیا پس ہم اسکو بیان کرتے ہیں سنو! چونکہ نور شعلہ چراغ کامل ہے اور سفال و شیشہ ناقص۔ یہی وجہ ہے کہ ظروف یعنی سفال و شیشہ میں تعدد ہوتا ہے اور شعلوں میں صرف اتحاد ہوتا ہے چنانچہ جب قندیلوں کے انوار مل جائیں تو وہ سب ایک ہوتے ہیں اور ان میں تعدّد و تفرق نہیں ہوتا۔ پس یہی حالت ارواح و اجسام انبیاء کی سمجھو کہ ان کی ارواح کے انوار متحد ہیں اور اجسام مختلف۔ پس چونکہ کفار مکہ نے اجسام پر نظر کی اور ابراہیمؑ اور مصطفیؐ کو دو سمجھا اور اپنے شرک کو دین ابراہیمی خیال کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مانع پایا تو وہ مشرک رہے اور مومنین نے ان کے انوار کو دیکھا اور دونوں کو ایک جانا۔ تو وہ حقیقت شناس ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کا حکم سمجھا اور بت پرستی کو ترک کر دیا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ جب آدمی کی نظر روح پر پڑتی ہے تو وہ ابراہیم اور مصطفےٰ یعنی انبیاء کو ایک سمجھتا ہے اور جبکہ اس کی روح کی نظر اجسام پر پڑتی ہے

تو وہ شیث علیہ السلام اور نوح علیہ السلام یعنی انبیاء کو دو سمجھتا ہے چنانچہ کفار نے اجسام پر نظر کی تو نؤمن ببعض و نکفر ببعض کیا اور مومنین نے ارواح کو دیکھا۔ تو لا نفرق بین احد من رسلہ کہا۔

خیر یہ مضمون تو لطیفہ تھا کہنا ہم کو یہ ہے کہ دیکھو جس ندی میں پانی ہوتا ہے ندی حقیقی وہی ہے علیٰ ہٰذا آدمی وہی ہے جس میں حق شناس روح ہو۔ رہے یہ لوگ جو تم کو دکھائی دیتے ہیں یہ آدمی نہیں ہیں بلکہ آدمیوں کی تصویریں ہیں کیونکہ یہ حق شناس نہیں ہیں بلکہ عاشق نان اور مغلوب شہوت ہیں اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی سنو۔

حکایتِ آں راہب کہ روز با چراغ میگشت درمیانِ
اُس درویش کی حکایت جو دن میں چراغ لئے ہوئے بازار میں چکر لگاتا تھا اُس

بازار از سرِ حالتے کہ اُو را بُود
باطنی حالت کی وجہ سے جو اُس کو حاصل تھی

آں[1] یکے با شمع بر میگشت روز
ایک شخص دن میں چراغ لئے ہوئے گھومتا تھا

گِردِ بازار و دلش پُر عشق و سُوز
بازار میں، اور اُس کا دل عشق و سوزش سے پُر تھا

بُو الفضولے گفت اُو را کاے فلاں
ایک بیہودہ نے اُس سے کہا کہ اے فلاں!

ہیں چہ میگردی تو جویاں با چراغ
ہائیں! تو چراغ لئے ہوئے کیوں گھومتا ہے؟

ہیں چہ میجوئی بسُوئے ہر دُکاں
ہر دکان کے پاس تو کیا ڈھونڈتا ہے؟

درمیانِ روزِ روشن چیست لاغ
روشن دن میں (یہ) کیا مذاق ہے؟

گفت میجُویم بہر سُو آدمے
اُس نے کہا میں ہر جانب انسان تلاش کرتا ہوں

کہ بُوَد حے از حیاتِ آں دمے
جو اُس سانس کی زندگی سے زندہ ہو

گفت من جویائے انساں گشتہ اَم
اُس نے کہا میں انسان کا جویاں بنا ہوں

می نیابم ہیچ و حیراں گشتہ اَم
میں کسی کو نہیں پاتا ہوں اور حیران ہو گیا ہوں

گفت مردے ہست ایں بازار پُر
(فضول) مرد نے کہا: یہ بازار بھرا ہوا ہے

مَرد مانند آخر اے دانائے حُر
اے عقلمند آزاد! بالآخر انسان ہی ہیں

گفت خواہم مرد بر جادہ دو رہ
اُس نے کہا میں دوراہے راستہ پر انسان چاہتا ہوں

در رہِ خشم و ہنگامِ شَرہ
غصہ کے راستہ میں اور حرص کے وقت

حکایت۔ اس حکایت کا خلاصہ یہی ہے کہ بظاہر انسان بہت ہیں لیکن وہ انسان جن میں انسانیت ہو کمیاب ہیں۔

[1] آں یکے۔ ایک خدا کا عاشق دن میں چراغ جلائے ہوئے کچھ ڈھونڈتا پھرتا تھا یعنی دن میں چراغ کی روشنی سے تلاش کرتا مذاق اور دل لگی کی بات ہے تو چراغ لئے کیا تلاش کر رہا ہے۔ گفت۔ اس عاشقِ خدا نے کہا میں ہر جانب ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جو اللہ کی عطا کردہ روح سے زندہ ہو اور بھے کوئی انسان نہیں ملتا ہے۔ مرد مانند۔ اس بیہودہ شخص نے کہا کہ یہ سارا بازار انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور تجھے کوئی انسان نظر نہیں آتا۔

[2] خواہم مرد۔ اس عاشقِ خدا نے کہا میں ایسے انسان کی تلاش میں ہوں جو دو حالتوں یعنی غصہ اور حرص کے وقت سیدھے راستہ پر چلتا ہوا

وقتِ خشم و وقتِ شہوت مرد کُو
غصہ کے وقت اور شہوت کے وقت انسان کہاں ہے؟

طالبِ مردے دوانم کو بکو
میں ایسے انسان کی طلب میں کوچہ بکوچہ دوڑتا ہوں

کُو دریں دو حال مردے در جہاں
دنیا میں اِن دو حالتوں میں انسان کہاں ہے؟

تا فدائے اُو کنم امروز جاں
تا کہ آج میں اُس پر جان قربان کردوں

گفت[٣] نادر چیز میجوئی ولیک
اُس نے کہا تو کمیاب چیز تلاش کرتا ہے لیکن

غافل از حکمِ قضائی نیک نیک
تو (اللہ کی) قضا کے حکم سے بالکل غافل ہے

ناظرِ فرعی ز اصلے بے خبر
تو شاخ کو دیکھنے والا ہے اصل سے بے خبر ہے

فرع مائیم اصل اَحکامِ قدر
ہم شاخ ہیں، تقدیر کے احکام اصل ہیں

چرخِ گرداں را قضا گمرہ کُند
قضا گھومنے والے آسمان کو گمراہ کردیتی ہے

صد عطارد را قضا اَبلہ کُند
قضا سینکڑوں عطارد کو بے وقوف بنادیتی ہے

تنگ[٥] گرداند جہانِ چارہ را
وہ تدبیر کی دنیا کو تنگ کردیتی ہے

آب گرداند حدید و خارہ را
وہ لوہے اور (سنگِ) خارہ کو پانی بنادیتی ہے

اے قرارے دادہ رہ را گام گام
اے (وہ کہ تونے) قدم بقدم راستہ (طے کرنا) قرار دیا ہے

خام خامی خام خامی خام خام
تو کچا ہی کچا ہے، کچا ہی کچا ہے، کچا، کچا

چوں بدیدی گردشِ سنگِ آسیا
جبکہ تونے پن چکی کے پتھر کے چکر کو دیکھا ہے

آبِ جو را ہم ببیں آخر بیا
آ، بالآخر نہر کے پانی کو بھی دیکھ لے

خاک را دیدی بر آمد بر ہوا
تونے ہوا پر گرد کو دیکھا ہے

درمیانِ خاک بنگر باد را
گرد کے درمیان ہوا کو دیکھ لے

دیگہائے[٦] فکر می بینی بجوش
تونے فکر کی دیگوں کو جوش میں دیکھا ہے

اندر آتش ہم نظر می کُن بہوش
ہوش سے آگ کو بھی دیکھ لے

گفت حق ایوبؑ را در مکرمت
اعزاز میں اللہ (تعالیٰ) نے (حضرت) ایوبؑ سے فرمایا

من بہر مو یت صبرے دادمت
میں نے تجھے ہر ہر بال کی برابر صبر دیدیا ہے

ہیں بصبرِ خود مکُن چندیں نظر
خبردار! اپنے صبر پر زیادہ نظر نہ کر

صبر دیدی صبر دادن را نگر
تونے صبر دیکھا ہے، صبر دینے کو دیکھ لے

چند بینی گردشِ دولاب را
رہٹ کی گردش کو کب تک دیکھے گا؟

سر برول کُن ہم ببیں میراب را
سر باہر کو نکال، پانی والے کو بھی دیکھ لے

چرخ - تقدیرِ خداوندی آسمان کو بھی راستہ سے بھٹکادیتی ہے عطارد ستارہ جو آسمان کا منشی ہے اُس کو تقدیر احمق بنادیتی ہے۔

وقتِ خشم۔ (شعر) ظفرؔ آدمی اسکو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا۔ جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا۔ تو۔ اگر ایسا آدمی مجھے مل جائے تو میں اُس پر جان قربان کردوں۔

٣ گفت۔ اُس شخص نے کہا ایسا انسان نادر اور کمیاب ہے اسکا ملنا دشوار ہے تو قضاءِ خداوندی کے حکم سے غافل ہے اور انسان کے افعال کو اس کا اختیاری فعل سمجھتا ہے۔ ناظر۔ انسان کا اپنا اختیار کہاں ہے اصل تو تقدیرِ خداوندی ہے۔

٥ تنگ۔ تقدیر کے سامنے تدبیر ہیچ ہے لوہے اور سنگِ خارہ کو تقدیر پانی کردیتی ہے۔ اے۔ تونے یہ سمجھ رکھا ہے کہ راستہ تیرے قدم طے کرآئے ہیں یہ تیری خام کاری ہے سب کچھ تقدیر کرتی ہے۔ چوں بدیدی۔ تو ظاہری اسباب پر نگاہ رکھتا ہے اور حقیقی سبب سے غافل ہے۔ خاک۔ تو ظاہر پر نظر رکھتا ہے حقیقت اور باطن تجھ سے پوشیدہ ہے۔

٦ دیگہائے۔ جس طرح دیگ بغیر آگ کے جوش نہیں کھاتی اسی طرح اسبابِ ظاہری بغیر مؤثرِ حقیقی کے کچھ اثرات نہیں رکھتے ہیں۔ گفت۔ حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے خدا نے انکو بھی یہ حکم دیا تھا کہ اپنے صبر کو نہ دیکھ صبر دینے والے کو دیکھ۔ چند بینی۔ رہٹ کو نہ دیکھ، رہٹ چلانے والے کو دیکھ

تو ہمی گوئی کہ می بینم ولیک — دیدِ آں را بس علامتہاست نیک

تو کہتا ہے میں دیکھ رہا ہوں، لیکن — اُس کے دیکھنے کی بہت سی علامتیں ہیں

گردشِ[3] کف را چو دیدی مختصر — حیرتت باید بدریا در نگر

جب تونے دریا کے مختصر جھاگ دیکھے — تجھے حیرت درکار ہے، دریا کو دیکھ

آنکہ کف را دید سرگویاں بُوَد — وآنکہ دریا دید اُو حیراں بُوَد

جس نے جھاگ کو دیکھا اُس نے سر پیٹا — جس نے دریا دیکھا وہ حیران ہے

آنکہ کف را دید نیتہا کُند — وآنکہ دریا دید دل دریا کُند

جس نے جھاگ کو دیکھا وہ نیتیں کرتا ہے — اور جس نے دریا دیکھا وہ دل کو دریا بناتا ہے

آنکہ[10] کفہا دیدہ باشد در شمار — وآنکہ دریا دیدہ شُد بے اختیار

جس نے جھاگوں کو دیکھا وہ گنتی میں ہے — اور جس نے دریا کو دیکھا وہ بے اختیار ہو گیا

آنکہ کف را دید در گردش بُوَد — وآنکہ دریا دید اُو بےغش بُوَد

جس نے جھاگ کو دیکھا وہ چکر میں ہے — اور جس نے دریا کو دیکھا وہ بے کھوٹ ہے

آنکہ کف را دید بیگارش کُند — وآنکہ دریا دید بر دارش کُند

جس نے جھاگ کو دیکھا وہ اُس سے بیگار لیتا ہے — اور جس نے دریا کو دیکھا وہ اسکو سولی پر چڑھا دیتا ہے

آنکہ کف را دید گرد مستِ[12] اُو — وآنکہ دریا دید باشد غرقِ ہُو

جس نے جھاگ کو دیکھا وہ اُس کا مست بنجاتا ہے — اور جس نے دریا کو دیکھا وہ خدا میں غرق ہو جاتا ہے

آنکہ کف را دید آید در سخن — وآنکہ دریا دید شُد بے ما و من

جس نے جھاگ کو دیکھا وہ باتیں بناتا ہے — اور جس نے دریا کو دیکھا وہ بیخود اور بے انانیت کے ہوجاتا ہے

آنکہ کف را دید پالودہ شَوَد — وآنکہ دریا دید آسودہ شَوَد

جس نے جھاگ کو دیکھا وہ صاف کیا جاتا ہے — اور جس نے دریا کو دیکھا وہ آرام سے ہو جاتا ہے

تو ہمی۔ تیرا دعویٰ تو یہ ہے کہ تو حقیقی سبب کو دیکھتا ہے لیکن حقیقی سبب کو دیکھنے والوں کی ایک علامت بھی تیرے اندر نہیں ہے۔

[3] گردش۔ یعنی اِن تعینات کی جو بہت تھوڑے ہیں تونے یہ چہل پہل دیکھی ہے اگر مقامِ حیرت میں پہنچتا تو دریائے حقیقت ذاتِ باری تعالیٰ پر نظر کرتا۔ آنکہ۔ جو صرف تعینات پر نظر رکھتا ہے اور اُنکو دریا سے جدا چیز سمجھتا ہے وہ لاحاصل سجدے کرتا ہے جو شخص دریائے وحدت پر نظر رکھتا ہے اُس کو محمود حیرانی حاصل ہوتی ہے●

[10] آنکہ کفہا۔ جو شخص دریائے حقیقت سے غافل ہے اور محض بُلبُلوں اور جھاگوں کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے افعال کو شمار کرتا ہے کہ کچھ اختیاری اور کچھ اضطراری ہیں اور وہ شخص جس کی دریا پر نظر ہے اپنے اختیاری افعال کو بھی سمجھتا ہے کہ یہ اختیار بھی خدا کا عطا کردہ ہے۔ گردش بُوَد۔ یعنی ایسے شخص کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ بےغش بُوَد۔ یعنی اُس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ بیگارش۔ یعنی دنیا کے دھندوں سے لگتا ہے اور اُخروی اجر سے محروم رہتا ہے۔ بر دارش کُند۔ وہ وہ مخلوق کو فنا کرکے خالق کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔

[12] مستِ اُو۔ مخلوق میں مست ہوکر خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ غرق ہو۔ یعنی فنا فی اللہ۔ در سخن۔ مصرع
آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

[illegible] بات۔

● آنکہ۔ جو شخص تعینات کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو بالکل دریائے حقیقت سے جدا سمجھتا ہے اپنے عمل کو اپنی طرف منسوب سمجھ کر مختلف نیتیں اچھی بُری کرتا ہے۔ وآنکہ دریا۔ جس نے بحرِ حقیقت کو دیکھ لیا ہے اُس کا دل اس قدر وسیع ہے کہ وہ سب کچھ منجانب اللہ سمجھتا ہے۔

شرح

ایک شخص دن کے وقت شمع لیے ہوئے کسی مطلوب کے عشق اور سوز سے بھرا ہوا بازار میں گھوم رہا تھا ایک فضول نے کہا کہ جناب آپ ہر دکان کے سامنے کیا ڈھونڈتے ہیں ارے آپ روز روشن میں چراغ سے کیا تلاش کرتے پھرتے ہیں یہ کیا مذاق ہے اس نے جواب دیا کہ میں ہر طرف ایک ایسے آدمی کو تلاش کرتا ہوں جو حق سبحانہٗ کے نفخ روح سے زندہ ہو یعنی عارف ہو اس نے یہ بھی کہا کہ میں ہر طرف آدمی کو تلاش کرتا ہوں مگر مجھے بالکل نہیں ملتا اور اسلئے میں حیران ہوں اس نے کہا کہ صاحب! آدمیوں سے تو بازار بھرا ہوا ہے آخر یہ بھی تو آدمی ہیں اس نے کہا کہ میں ایسے آدمی تلاش نہیں کرتا مجھے تو ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو دو رستوں پر مرد ثابت ہو ان میں سے ایک راہ غضب ہے اور دوسرا راہ حرص اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ غصہ اور خواہش نفس کے وقت مرد کہاں ہے - اور میں ان دونوں صفتوں کے مرد کو کوچہ بکوچہ تلاش کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ جو ان دو حالتوں میں مرد ہو - ایسا شخص دنیا میں کہاں ہے تاکہ اس پر آج ہی جان قربان کردوں چونکہ اس گفتگو سے مقصود اس شخص کا لوگوں کو نصیحت کرنا اور یہ کہنا تھا کہ تم کو ایسا ہونا چاہیئے چنانچہ طریق جستجو اس پر شاہد ہے اسلئے مجیب نے جواب میں جبر سے تمسک کیا - اور یوں جواب شروع کیا - آپ واقعی ایک عجیب چیز تلاش کرتے ہیں جو کہ دستیاب نہیں ہوتی ہے - مگر یہ آپ کی غلطی ہے کہ اس میں بندوں کو مجرم ٹھہراتے ہیں - جیساکہ آپ کی حالت اس پر شاہد ہے اور یہ آپکے حکم قضا سے نہایت سخت غفلت ہے آپ فرع کو دیکھتے ہیں مگر اصل کو نہیں دیکھتے اصل تو احکام قدر ہیں - رہے ہم! سو ہم تو اسکے تابع ہیں پس جیسا حکم قضا و قدر ہوتا ہے ہم ویسے ہی بن جاتے ہیں پھر اگر ہم میں ایسا آدمی نہیں ہے جیسا آپ چاہتے ہیں تو الزام کی کیا بات ہے، بدوں حکم الٰہی کے ہم ایسے بن کیسے سکتے ہیں پس یہ آپکی نصیحت فضول ہے انسان تو کیا چیز ہے قضا و قدر میں تو وہ قوت ہے کہ اس وضع خاص سے پھرنے والے آسمان کو اس روش سے پھیر دے اور عطارد جو کہ دبیر فلک ہے اس جیسے سینکڑوں کو احمق کر دے اور عالم تدبیر کو بالکل تنگ کر دے کہ کسی کی تدبیر ہی نہ بن پڑے اور لوہے اور سنگ خارا کو پانی بنا دے پس اے شخص جس نے راہ خدا کو

اقدام انسان اور اس کی سعی سے طے ہونے والا قرار دے رکھا ہے تو ہنوز خام ہے۔ خام ہے خام ہے خام ہے تو نے انسانی تصرفات کو دیکھ لیا اور اسکو مختار سمجھ لیا اور مختار سمجھ کر اسے ملزم ٹھہرا دیا اور نصیحت پر آمادہ ہوگیا۔ آخر تجھے اس پر تو نظر کرنی چاہیئے جو اس مشین کو چلا رہا ہے اور جبکہ تو نے پن چکی کے پتھر کو گھومتے دیکھا ہے تو تجھے پانی کو بھی تو دیکھنا چاہیئے جو اس کو گردش دے رہا ہے نیز تو نے خاک کو ہوا میں حرکت کرتے دیکھا ہے مگر تجھے خاک کے اندر ہوا کو بھی تو دیکھنا چاہیئے نیز تو افکار کی ہانڈیاں پکتے دیکھا ہے۔ مگر تجھے تصرف حق سبحانہ کو بھی تو عقل سے دیکھنا چاہیئے جو انہیں پکا رہی ہے۔ غرضکہ آدمی مجبور اور تابع اختیار خداوندی ہے پس وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

میرے اس بیان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حق سبحانہ نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ہم نے تمہارے بال بال کو صبر عطا کیا ہے پس تم اپنے صبر پر نظر نہ کرنا تم نے صبر ضرور کیا ہے۔ مگر یہ تو دیکھو کہ صبر دیا کس نے ہے پس تم اپنے صبر پر گھمنڈ نہ کرنا۔ بلکہ ہمارے ممنون ہونا۔ پس اے شخص تو گردش دولاب پر کب تک نظر کرے گا اور کب تک اسکو اس حرکت میں مختار سمجھے گا۔ ذرا سر باہر نکال اور دولاب چلانے والے کو دیکھ کہ وہ چلا رہا ہے ورنہ دولاب کیا چیز ہے تو کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں اور میں قضا و قدر کا منکر نہیں ہوں لیکن جناب دیکھنے کی بہت سی علامتیں ہیں جو تم میں نہیں پائی جاتیں اس لیے یہ محض تمہارا زبانی دعوٰے ہے۔ اچھا جبکہ حرکت خس و خاشاک۔ یعنی مساعی انسانیہ کو ناچیز سمجھا ہے جیساکہ تمہارا دعوٰے ہے تو تم کو حیرت چاہیئے اور صفت تعطل تم پر غالب ہونی چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں ہے جیساکہ خود تمہارے اس وعظ سے ظاہر ہے پس تم کو دریا (متصرف حقیقی) پر نظر کرنی چاہیئے اور مساعی انسانیہ کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

دیکھو جو شخص صرف کف پر نظر کرتا ہے اور انسان کو فاعل مختار سمجھتا ہے وہی سر مارتا اور مساعی میں سرگرم ہوتا ہے۔ اور وہ شخص جو کہ دریا کو دیکھتا ہے اور حق سبحانہ کو متصرف سمجھتا ہے وہ تو حیران اور معطل ہوتا ہے اور جو کف کو دیکھتا ہے وہی ارادہ کرتا ہے کہ میں آج یہ کروں گا اور کل وہ کروں گا اور جو شخص دریا کو دیکھتا ہے وہ اپنے دل کو دریا کر لیتا ہے یعنی نہایت وسیع

الاخلاق ہو جاتا ہے کہ نہ کسی پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور نہ کسی کو پند و نصیحت کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے بقضائے الٰہی ہو رہا ہے اور جو کوئی کف کو دیکھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ ہم بھی قابل شمار ہیں یعنی اپنے کو ہی فاعل مختار سمجھتا ہے۔ رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ اپنے کو جماد محض جانتا ہے اور تعطل اس پر غالب ہوتا ہے اور جو کوئی کف کو دیکھتا ہے وہی گردش میں ہوتا ہے۔ رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ اس نقص سے منزہ ہوتا ہے اور جو کوئی کف دیکھتا ہے وہی اسکی بیگار کرتا ہے یعنی استرضائے خلق کے لئے ان کی خدمت کرتا ہے رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ انکو سولی دیتا ہے اور سب کو آگ لگاتا ہے اور جو شخص کف کو دیکھتا ہے وہ اسی پر عاشق ہوتا ہے رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ سراسر اس میں مشغول ہوتا ہے اور جو شخص کف کو دیکھتا ہے وہی گفتگو کرتا ہے رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ اپنے کو مٹا دیتا ہے اور جو کوئی کف کو دیکھتا ہے اسکو انکار گھلائے ڈالتے ہیں۔ رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ چین سے ہوتا ہے۔

یہ علامتیں ہیں حق سبحانہٗ پر نظر کرنے والے اور مخلوق پر نظر کرنے والے کی۔ اور ان علامتوں میں سے تمہارے اندر وہی علامتیں پائی جاتی ہیں جو کہ مخلوق پر نظر کرنے والی کی ہیں پس تم حق سبحانہٗ پر نظر کرنے والے نہیں ہو۔ اور تمہارا دعوٰی حق بینی محض غلط ہے یہ جواب تھا اس مجیب کا۔ جس کی بنا اعتقاد جبر ہے۔ اب ہم تم کو ایک جبری اور ایک سنی کا... مناظرہ سناتے ہیں تاکہ تم کو اس مجیب کی تلمیع و تلبیس پر اطلاع ہو جائے اچھا سنو۔

دعوت کردن مسلمان مُر مُغے را باسلام وجواب او

مسلمان کا ایک آتش پرست کو اسلام کی دعوت دینا اور اُس کا جواب

مُر مُغے را گفت مَردے کاے فلاں
ہیں مسلماں شو بباش از مُومناں

ایک شخص نے ایک آتش پرست سے کہا اے فلاں
خبردار! مسلمان ہو جا، مومنوں میں سے بنجا

گفت[۳] اگر خواہد خدا مومن شوم
ور فزاید فضل ہم مُوقِن شوم

اُس نے کہا اگر خدا چاہے گا میں مومن بنجاؤنگا
اگر زیادہ مہربانی کرے گا صاحب یقین بنجاؤنگا

گفت میخواہد خدا ایمانِ تو
تا رہد از دستِ دوزخ جانِ تو

اُس نے کہا خدا تیرے ایمان کا خواہشمند ہے
تاکہ تیری جان دوزخ کے ہاتھ سے نجات پا جائے

[۳] گفت۔ اُس آتش پرست نے کہا اگر خدا چاہے گا تو میں مومن بن جاؤں گا اور اگر مزید مہربانی ہوئی تو پھر موقن یعنی وہ مومن جس کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو بن جاؤنگا۔ میخواہد مسلمان نے کہا۔ خدا تجھے مومن بنانا چاہتا

لیک نفسِ نحس و آں شیطانِ زشت
لیکن منحوس نفس اور بدشیطان

می کشندت سُوئے کفران و کُنشت
تجھے کفر اور بُت خانہ کی طرف کھینچتے

گفت ای منصف چو ایشاں غالب‌اند
اُس نے کہا اے منصف! جب وہ غالب ہیں

یارِ او باشم که باشد زورمند
میں اُس کا دوست بنوں گا جو طاقت ور ہو

یارِ[1] آں تا نم بُدن کو غالب ست
میں اُس کا یار بنوں گا جو غالب ہے

آں طرف افتم کہ غالب جاذب ست
میں اُس طرف جھکوں گا جو زیادہ کھینچنے والا ہے

چوں خدا میخواست از من صدق زفت
جب خدا مجھ سے پختہ سچائی چاہتا ہے

خواستش چه سُود چوں پیشش نرفت
اُسکے چاہنے کا کیا فائدہ جبکہ اُس کی نہیں چلتی ہے؟

نفس و شیطاں خواہشِ خود پیش برد
نفس اور شیطان کی اپنی خواہش چلی

واں عنایت قہر گشت و خُرد و مُرد
وہ مہربانی مغلوب اور ریزہ ریزہ ہو گئی

تو یکے قصر و سرائے ساختی
تو نے ایک محل اور سرائے بنائی

اندرو صد نقشِ خوش افراختی
اُس میں تو نے اچھے نقش بنائے

خواستی مسجد شود آں جائے خیر
تو نے چاہا وہ اچھی جگہ مسجد بنے

دیگرے آمد مر آں را ساخت دیر
دوسرا آیا اُس نے اُس کو بُت خانہ بنا لیا

یا[2] تو بافیدی یکے کرباس تا
یا تو نے سُوت بُنا تاکہ

خوش بسازی بہرِ پوشیدن قبا
پہننے کے لئے اچھی قبا بنائے

تو قبا میخواستی خصم از نبرد
تو نے قبا (بنانی) چاہی دشمن نے مخالفت سے

رغمِ تو کرباس را شلوار کرد
تیرے برخلاف کپڑا کو شلوار کر دیا

چارہ کرباس چہ بُود جانِ من
اے میری جان! کپڑے کے لئے کیا چارہ ہوگا؟

جز زبونِ رائے آں غالب شدن
غالب آنے والے کے تابع بن جانے کے سوا

اُو زبوں شد جرم ایں کرباس چیست
وہ مغلوب ہو گیا اُس کپڑے کی کیا خطا ہے؟

آنکہ اُو مغلوبِ غالب نیست کیست
جو غالب سے مغلوب نہیں ہے وہ کون ہے؟

چوں کسے ناخواہِ اُو بر وے براند
جب کسی نے اُس کے خلاف اُس پر حملہ کیا

خار بُن در مِلک و خانہ اُو نشاند
اُس کی ملکیت اور گھر میں کانٹوں کی جھاڑی لگا دی

صاحب[3] خانہ بدیں خواری بُود
گھر والا اِس ذلت میں ہو

کایں چنیں بر وے خلافت میرود
کہ اِس طرح کی اُس پر حکومت ہو

ہم خَلَق گردم من ار تازہ و نَوَم
میں بھی بوسیدہ بن جاؤں گا خواہ تازہ اور نیا ہوں

چونکہ یارے ایں چنیں خوارے شوم
جبکہ میں ایسے کمزور کا دوست بن جاؤں

چونکہ خواہِ نفس آمد مستعاں
تسخر آمد ایش شاء اللہ کاں

---

[1] یار۔ آتش پرست نے کہا، جبکہ نفس اور شیطان کا چاہا ہوا ہو رہا ہے تو وہ تگڑے ہیں اور مجھے توی کا ساتھ دینا چاہیئے۔ چوں خدا۔ اگر خدا مجھ سے سچائی چاہتا ہے اور نفس و شیطان کے مقابلہ میں اُس کی کچھ نہیں چلتی ہے تو اُسکے چاہنے کا کیا فائدہ ہے۔ خرد و مُرد۔ ریزہ ریزہ۔ تو یکے۔ اگر کوئی ایک اچھا مکان بنا کر اُس کو مسجد بنانا چاہے اور کوئی دوسرا اُس پر غالب آکر اُس کو بُت خانہ بنا دے تو مسجد بنانے والے کی خواہش کا کیا فائدہ ہوا۔

[2] یا تو۔ اگر تو نے کپڑا اِس لئے بنا کر تو اُس کی قبا بنائے اور تیرا مخالف آکر اُسکو شلوار بنا دے تو کپڑے کیلئے اِس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ غالب کے سامنے مغلوب ہو جائے۔ چارہ۔ کپڑے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ غالب کے سامنے مغلوب ہو جائے اور وہ جو کچھ اُس کو بنانا چاہے بنجائے۔ چوں کسے جب کوئی شخص کسی پر غالب ہو جاتا ہے تو اُس کا سب کچھ بگاڑ دیتا ہے۔

[3] صاحب خانہ۔ غاصب کے مقابلہ میں گھر کا مالک عاجز ہو جاتا ہے اور اُس پر دوسرا حکمرانی کرتا ہے۔ ہم خلق۔ کمزور کا ساتھی بھی ذلیل ہوتا ہے۔ چونکہ۔ جب نفس اور شیطان غالب ہو تو یہ کہنا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے ایک مذاق کی بات ہے۔

من[1] اگر ننگِ مُغاں یا کافرم — آں نیَم کہ بر خدا ایں ظن برم
میں اگر آتش پرستوں کے لئے ، ننگ یا کافر ہوں — میں وہ نہیں ہوں کہ خدا پر اِس طرح کا گمان کروں

گر کسے ناخواہِ اُو ورغمِ اُو — گردد اندر مُلکتِ اُو حکم جو
اگر کوئی اُسکی خواہش کے بغیر اور اُسکی ذلت کے ساتھ — اُس کی مِلک میں حاکم ہو

مُلکتِ اُو را فرو گیرد چنیں — کہ نیارد دَم زدن دَم آفریں
اُس کی مملکت پر اِس طرح قبضہ جمالے — کہ دم کو پیدا کرنے والا، دم نہ مار سکے

دفعِ اُو میخواہد و می بایدش — دیو ہر دم غصہ می افزایدش
وہ اُس کو دفع کرنا چاہے اور اُسکو کرنا چاہیے — شیطان ہر وقت اُس کا غصہ بڑھائے

بندۂ ایں دیو میباید شُدن — چونکہ غالب اُوست در ہر انجمن
اِس شیطان کا بندہ ہونا چاہیے — جبکہ ہر مجلس میں وہ غالب ہے

تا مبادا[2] کیں کَشد شیطان ز من — پس چہ دستم گیرد آنجا ذوالمنن
تاکہ ایسا نہ ہو کہ شیطان مجھ سے کینہ وری کرے — تو اُس جگہ خدا میری دستگیری کرے گا،

آنکہ اُو خواہد مُرادِ اُو شود — از کہ کارِ من دگر نیکو شود
جو وہ (شیطان) چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے — پھر کس دوسرے سے میرا کام اچھا ہوگا

مثلِ شیطان بر درِ رحمٰن

رحمٰن کے در پر شیطان کی مثال

حاش لِلہ ایش شاء اللہ کاں — حاکم آمد در مکان ولامکاں
اللہ پاک ہے، جو اُس نے چاہا ہوا — وہ مکان اور لامکان میں حاکم ہے

ہیچکس در ملکِ او بے امرِ اُو — در نیفزاید سرِ یک تارِ مُو
کوئی شخص اُس کے حکم کے بغیر اُسکی مِلک میں — ایک بال برابر زیادتی نہیں کرسکتا ہے

مُلک[3] مُلکِ اُوست فرماں آنِ اُو — کمتریں سگ بر درآں شیطانِ اُو
سلطنت اُسی کی سلطنت ہے، حکم اُس کا ہے — اُس کا شیطان اُس کے دروازہ پر ادنیٰ کتا ہے

تُرکماں را گر سگے باشد بدر — بر درش بنہادہ باشد رُوے وسَر
اگر ترکمان کے دروازے پر کتا ہو — اُس کے دروازے پر منہ اور سر رکھے ہوتا ہے

کودکانِ خانہ دُمش میکشند — باشد اندر دستِ طفلاں خوار مند
گھر کے بچے اُس کی دُم کھینچتے ہیں — وہ بچوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتا ہے

---

[1] من اگر۔ میں خواہ کافر یا آتش پرست ہوں تو میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اللہ کا چاہا ہوا نہ ہو اور شیطان اور نفس کی خواہش پوری ہو۔ گر کسے۔ آتش پرست کہتا ہے کہ میں عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ کوئی شخص خدا کی ملکیت میں اُس کے برخلاف حکمرانی کرسکے اور خدا اُس کے سامنے دم بھی نہ مار سکے اور خدا دشمن کو دفع کرنا چاہے اور وہ دشمن دفع نہ ہو اور خدا کا غصہ اور بڑھتا ہے۔ بندہ۔ اگر خدا اور شیطان کی یہی حالت ہے تو پھر خدا کی بجائے شیطان کا بندہ بن جانا چاہیے کیونکہ خدا مغلوب اور شیطان غالب ہے۔

[2] تا مبادا۔ اس حالت میں اگر شیطان کی بجائے خدا کی بندگی کی جائے تو شیطان دشمن بن جائے گا اور خدا کوئی مدد نہ کرسکے گا۔ آنکہ۔ جب شیطان کا منشاء پورا ہوتا ہے تو پھر شیطان کے علاوہ میرا بھلا اور کون کرسکتا ہے۔ حاش للہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اُس کا ارادہ پورا نہ ہو۔ ہیچکس۔ اُس کی خدائی میں ایک ذرہ اُس کے حکم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

[3] مُلک۔ دنیا اور آخرت اُس کا مُلک ہے شیطان اُس کے در کا معمولی کتا ہے۔ ترکمان۔ یہ خانہ بدوش قوم تھی غارتگری اُس کا پیشہ تھا حفاظت کے لئے یہ عمدہ کتے بھی پالتے تھے گھر کے بچے اُن کتوں کی دُمیں کھینچتے تھے لیکن اجنبی انسان پر وہی کتے شیر کی طرح حملہ کردیتے تھے۔

باز اگر بیگانۂ معبر کند
پھر اگر کوئی اجنبی گذرتا ہے
حملہ بروے ہمچو شیرِ نر کند
نر شیر کی طرح اُس پر حملہ کرتا ہے

کہ [1] اَشِدّاءُ عَلَی الکُفّارِ شُد
کیونکہ "وہ کفار پر سخت ہیں" بن گیا
با ولی گُل با عدو چوں خار شُد
دوست کیساتھ پھول اور دشمن کیساتھ کانٹا ہوگیا

زآب تتماجے کہ دادش ترکماں
چھلے حریرے کی وجہ سے جو ترکمان نے اُسے دیا
آنچناں وافی شدست و پاسباں
ایسا وفادار اور محافظ بن گیا

پس سگِ شیطاں کہ حق ہستش کند
تو شیطان کتا جس کو اللہ (تعالیٰ) پیدا کرتا ہے
اندرو صد فکرت و حیلت تند
اُس میں سینکڑوں خیال اور حیلے ڈالتا ہے

آبرُوہا را غذائے اُو کند
آبروؤں کو اُس کی غذا بناتا ہے
تا بَرد اُو آبروئے نیک و بد
تاکہ وہ بھلے اور بُرے کی آبرو اڑا لے جائے

آبِ تتماج ست آبِ رُوی عام
عوام کی آبرو پتلا حریرہ ہے
کہ سگِ شیطاں ازاں یابد طعام
کہ شیطان کتا اُس سے غذا حاصل کرتا ہے

بر درِ [2] خرگاہِ قُدرت جانِ اُو
اُس کی جان قدرت کے خیمہ کے دروازے پر
چوں نباشد حکم را قرباں بگو
حکم پر قربان کیسے نہ ہوگی؟ بتا

گلہ گلہ از مُرید و از مَرید
مُرید اور سرکش جماعت در جماعت
چوں سگِ باسط ذراعَے بالوَصید
کتے کی طرح چوکھٹ پر بازو پھیلائے ہوئے ہے

بَر درِ کہفِ الوہیّت چو سگ
الوہیت کے غار کے دروازے پر کتے کی طرح
ذرّہ ذرّہ امر جُو بر جستہ رگ
ذرہ ذرہ بھڑکتی ہوئی رگ کیساتھ حکم کا طالب ہے

اے [3] سگِ دیوا امتحاں میکُن کہ تا
اے شیطانی کتے! امتحان کر کہ کب تک
چوں دریں رہ می نہند ایں خلق پا
اس راستہ میں کس طرح یہ مخلوق پاؤں رکھتی ہے

حملہ میکُن منع میکُن می نگر
حملہ کر، روک، دیکھ
تا کہ باشد مادہ اندر صدق و نر
کہ سچائی میں کون مادہ اور کون نر ہے؟

پس [4] اَعُوذ از بہر چہ باشد چو سگ
تو اعوذ کس لئے ہوتی ہے؟ جب کتا
گشتہ باشد از تَرَفُّع تیز تگ
بڑائی کی وجہ سے تیز دوڑتا ہے

ایں اَعُوذ آنست اے ترکِ خُطا
یہ اعوذ اس لئے ہے کہ اے خطا کے ترک!
بانگ بَرزن بر سگ و رہ برگُشا
کتے کو دھکا اور راستہ کھول دے

تا بیایم بر درِ خرگاہِ تو
تاکہ میں تیرے خیمہ کے در پر آجاؤں
حاجتے خواہم زجُود و جاہِ تو
تیری سخاوت اور رتبہ سے حاجت کا سوال کروں

---

[1] زآب۔ انکے کتوں کی یہ حالت تھی کہ مخالفوں اور اجنبیوں کے لئے سخت تھے دوستوں کے لئے پھول اور دشمنوں کے لئے کانٹے تھے۔ زآب۔ ترکمان اُس کتے کو جو پتلا دلیا پلاتا تھا تو وہ اُس کا اس قدر وفادار اور محافظ بن گیا۔ پس۔ جب معمولی غذا پانے پر کتا ترکمان کا ایسا فرمانبردار ہے تو شیطان جس کو خدا نے پیدا کیا اور طرح طرح کی غذائیں اُس کو عطا کرتا ہے۔ وہ شیطان لوگوں کی آبرو سے غذا حاصل کرتا ہے۔

[2] بر در خرگاہ۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں شیطان اُس کے حکم پر کیوں قربان نہ ہوگا.... گلہ گلہ۔ خدا کے دربار میں ہر ارادتمند اور ہر سرکش کتے کی طرح اگلے ہاتھ بچھائے ہوئے بیٹھا ہے۔ وصید۔ چوکھٹ صحن۔ مرید۔ سرکش۔ بر در کہف۔ اللہ کے دربار کے غار کے سامنے شیطان کتے کی طرح بیٹھا ہے جس کا ذرہ ذرہ اللہ کے حکم کا منتظر ہے۔

[3] اے سگ۔ اللہ نے شیطان کو اس لئے بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ دربار میں پہنچنے والوں کا امتحان کرے اور سچائی کے نر و مادہ کو پہچان لے اور جو سچائی میں مکمل نہیں ہیں اُن کو دربار تک نہ پہنچنے دے۔ لہٰذا شیطان

[4] پس اعوذ۔ تعوذ باللہ کی تعلیم اسی لئے دی گئی ہے کہ دربار میں پہنچنے والوں پر اگر شیطان کتا بھونکے تو وہ

چونکہ تُرک از سطوتِ سگ عاجز ست
جبکہ ترک (بھی) کتے کے حملے سے عاجز ہے

ایں اَعُوذ و ایں فغاں ناجائز ست
یہ اَعُوذ اور یہ فریاد بیکار ہے

تُرک ہم گوید اَعُوذ از سگ کہ مَن
ترک بھی کہے کہ میں کتے سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ میں

ہم ز سگ در ماندہ ام اندر وطن
بھی گھر میں کتے سے عاجز ہوں

تو نمی یاری بدیں در آمدن
تو اِس دروازے تک نہیں آسکتا

من نمی یارم ز در بیروں شُدن
میں دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا

خاک اکنوں بر سرِ تُرک و قنق
اب تُرک اور مہمان کے سر پر خاک

کہ یکے سگ ہر دو را بندد عنق
کہ ایک کتا دونوں کی گردنیں جکڑ دے

حاش لِلّٰہ تُرک بانگے بر زند
خدا پاک ہے۔ تُرک ایسی ڈانٹ پلائے گا

سگ چہ باشد شیرِ نر خوں قے کند
کتا کیا ہوتا ہے؟ نر شیر خون کی قے کر دے

ایکہ خود را شیرِ یزداں خواندہٗ
اے وہ! کہ تو اپنے آپ کو خدا کا شیر کہتا ہے

سالہا شُد با سگے درماندہٗ
سالوں گذر گئے تو کتے سے عاجز ہے

چوں کُند ایں سگ برائے تو شکار
یہ کتا تیرے لئے شکار کب کرے گا؟

چوں شکارِ سگ شُدستی آشکار
جبکہ تو کھلے بندوں کتے کا شکار بن گیا

اَعُوذ کے مالک کو پکار کر کہیں کہ وہ اپنے کتے کو راستے سے ہٹا دے تاکہ وہ دربار تک پہنچ سکیں۔ چونکہ جب ترک خود کتے سے عاجز ہو تو پھر اَعُوذ پڑھنا بالکل بیکار ہے۔ ترک۔ وہ تُرک خود کتے سے پناہ مانگتا ہے۔

۲ تو نمی۔ ترک یہ کہے کہ کتے کے ڈر سے تو اندر نہیں آسکتا اور میں باہر نہیں نکل سکتا۔ خاک۔ ایسے ترک اور مہمان کے سر پر خاک ہو۔۔۔ حاش للہ۔ تُرک سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ کتے سے ڈرے کتا تو درکنار اُس کی ڈانٹ سے شیر خون کی قے کر دے آیکہ۔ انسان جو خلیفۃُ اللہ ہے وہ شیطان کے ڈر سے اور مغلوب ہو جائے یہ بُری بات ہے۔

۳ چوں کند۔ جب مالک خود کتے سے ڈرے تو کتا اُس کے لئے کیا شکار کریگا۔

شرح

ایک شخص نے کسی کافر سے کہا کہ ارے فلانے! تو مسلمان ہو جا اور مومن بن جا اُس نے جواب دیا کہ ہاں اگر خدا چاہے گا تو مومن ہو جاؤں گا اور اگر اُس کا فضل اور زیادہ ہو گا تو عارف ہو جاؤں گا۔ اس پر مومن نے کہا کہ خدا تو۔۔ چاہتا ہے کہ تو مومن ہو جائے تاکہ دوزخ کے پنجہ سے تیری جان چھوٹے مگر نفس و شیطان تجھے کفر اور بت خانہ کی طرف کھینچتے ہیں اُس نے جواب دیا کہ اب آپ ہی انصاف سے کہہ دیجیے کہ جب نفس و شیطان خدا سے زور دار ہیں؟ تو مجھے کیا کرنا چاہیئے میں تو اسی کا ساتھ دوں گا جو طاقتور ہو گا اور اسی کا ساتھی ہو سکتا ہوں جو غالب ہے اور اسی طرف جاویگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو زور دار ہوتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

اچھا بتلاؤ جبکہ خدا مجھ سے صدق وخلوص عبودیت چاہتا ہے تو اسکی چاہنے سے کیا فائدہ جبکہ اسکی خواہش چلتی ہی نہیں برخلاف اسکے نفس و شیطان اپنے خواہش چلا لیتے ہیں اور ان کے سامنے خدا کا ارادہ مغلوب اور فنا ہو جاتا ہے۔ پھر میں خدا کا طرف دار کیسے ہو سکتا ہوں۔ دیکھو! تم نے ایک محل اور مکان بنایا اور اس میں عمدہ عمدہ نقش و نگار بنائے اور تم نے چاہا کہ تم اس کو مسجد بناؤ ۔ دوسرا آیا اور اس نے اسکو بت خانہ کر دیا۔ تو اب بتلاؤ کہ اس مکان کا کیا قصور ہے وہ تو غالب کی اطاعت کیلئے مجبور ہے یا یوں کہو کہ تم نے ایک کپڑا تیار کیا تاکہ تم پہننے ... کے لیے اسکو عمدہ قبا بناؤ ۔ پس تم تو اس کو قبا بنانا چاہتے تھے۔ مگر دوسرا شخص آیا اور اس نے تمہاری خواہش کے خلاف اُسے پاجامہ بنا دیا۔ ایسی حالت میں کپڑا بجز اس کے کیا کر سکتا ہے کہ وہ غالب کی رائے سے مغلوب ہو جائے اور جو وہ چاہے وہ بن جائے اور اگر اس حالت میں وہ مغلوب ہو گیا تو اس کا کیا قصور ہے کیونکہ وہ کون ہے جو غالب سے مغلوب نہیں ہوتا۔ مغلوب غالب ہونا تو لازمی امر ہے پس جبکہ کوئی شخص خدا کی مرضی کے خلاف اس پر حملہ کرے اور اس کے ملک اور گھر میں کانٹے بو دے اور خدا اس قدر کمزور ہیں کہ اس پر دوسروں کی یوں حکومت چلے تو میں اس کا ساتھ کیسے دے سکتا ہوں۔ جبکہ میں ایسے کمزور کا ساتھ دوں گا۔ تو لامحالہ میری گت بنے گی۔ اور میں اچھی حالت سے بُری حالت میں ہو جاؤں گا۔ نیز جبکہ نفس و شیطان خدا پر اس درجہ تسلط حاصل کئے ہوئے ہیں جیسا کہ تمہاری بات سے ظاہر ہے۔ تو خواہش نفس و شیطان ہی قابل استطاعت ہوئے اور یہ کہنا کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے محض بے معنی اور مضحکہ خیز امر ٹھہرا۔ سو جناب! خواہ میں کافر ہوں اور خواہ کافر سے بھی بڑھ کر ہوں۔ میں تو خدا کی نسبت ایسا نہیں خیال کر سکتا۔ اگر یہی اسلام ہے تو یہ اسلام آپ ہی کو مبارک رہے اور اگر بالفرض خدا مجبور ہے ہی تو میں کہتا ہوں کہ جب خدا کی یہ حالت کہ دوسرے اس کی منشا کے خلاف اس کی حکومت میں اپنے احکام نافذ کریں اور اسکے ملک پر یوں تسلط حاصل کر لیں کہ خدا دم نہ مار سکے اور وہ اسکو نکالنا چاہے مگر نکال نہ سکے اور نفس و شیطان اپنی سرکشی سے ہر وقت اس کا رُخ

بڑھاتے رہیں تو ہرگز ایسے خدا کی غلامی نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ شیطان و نفس کا بندہ ہونا چاہیئے کیونکہ ہر مقام پر وہی غالب ہیں لہٰذا انہی کی اطاعت ضروری ہے۔ تاکہ مبادا خلاف ورزی کی صورت میں مجھ سے انتقام لیں۔ کیونکہ اگر میں نے اس کی مخالفت کی اور انہوں نے مجھ سے انتقام لیا تو اس وقت خدا مجھے کیا سہارا لگائے گا اور جبکہ نفس و شیطان کی یہ حالت ہے کہ جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے تو پھر ان کی کسی سے برا کام بنے گا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ ضعف و مغلوبیت سے منزّہ ہے وہ مکان اور لامکان ہر دو جگہ حاکم ہے کوئی شخص اس کے ملک میں بدوں اس کے حکم کے بال برابر تغیر نہیں کر سکتا۔ ملک اس کا ہے اور حکم اس کا۔ شیطان اس کے در کا ایک کتا ہے اس کی کیا مجال ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کارروائی کرے اور خدا کسی کی ہدایت چاہے اور شیطان اسے گمراہ کر دے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

دیکھو! ایک ترک کے دروازہ پر کتا ہوتا ہے جو کہ اس کے ہی در پر پڑا ہوتا ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گھر کے لونڈے اس کی دم کھینچتے ہوتے ہیں اور وہ بچوں کے ہاتھ میں ذلیل اور کمزور ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کوئی بیگانہ گذرنا چاہے تو وہ اس پر شیر کی طرح حملہ کرتا ہے کیونکہ وہ مخالفین کے مقابلہ میں سخت اور موافقین کے مقابلہ میں نرم ہوتا ہے اور دوست کے حق میں گل اور دشمن کے حق میں خار ہوتا ہے۔ یہ کتا اس قدر وفادار ہوتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ ترک اسے شوربا پلاتا کھلاتا ہے پس جبکہ ایک کتے کی ترک کے سامنے یہ حالت ہے تو سگ شیطان جس کو خدا وجود عطا کرتا ہے اور اس کے اندر سینکڑوں خیالات اور تدابیر پیدا کرتا ہے۔ اور لوگوں کی آبروؤں کو اس کی غذا بناتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ بھلے بروں کی آبرو لے اُڑتا ہے کیونکہ عوام کی آبروی اس کا شوربا ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتا ہے اور بارگاہ قدرت پر پڑا ہوا ہے ایسی حالت میں وہ خدا پر کیوں نہ قربان ہوگا اور اس کا مخالف کیسے ہوگا۔ خدا کی تو یہ حالت ہے کہ مطیعین اور نافرمانوں کے گروہ کے گروہ اس کے آستانہ پر یوں پڑے ہیں جیسا کتا آستانہ غار پر ہاتھ پھیلائے ہوئے پڑا ہے اور الوہیت کی غار پر ہر ذرہ کتے کی طرح۔ حکم کا منتظر اور چوکنا پڑا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز خدا کے حکم کی مطیع ہے اور کوئی مخالفت نہیں کر سکتا خواہ وہ شیطان ہو یا نفس یا اور کوئی۔ پس شیطان جو کچھ کرتا ہے اسکے حکم سے کرتا ہے کیونکہ اسکو حکم ہے کہ اے شیطان! ذرا جانچ لینا کہ اس راہ میں لوگ کیسے پاؤں رکھتے ہیں تو حملہ کیا کر اور اسکو روکا کر تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون خلوص میں پُر ہے اور کون بے خلوص ورنہ اگر شیطان مطیع نہ ہوتا اور بحکمِ خدا ایسا نہ کرتا بلکہ مخالفانہ کرتا تو اَعُوْذُ کے کیا معنیٰ اعوذ کے تو یہی معنیٰ ہیں کہ اے ترک اس کتے کو ڈانٹ دے اور میرے لیے رستے کھول دے۔ تاکہ میں تیری بارگاہ تک آجاؤں اور تیری سخاوت اور تیرے منصب سے اپنی حاجت کا سوال کروں پس جبکہ ترک سطوت سگ سے عاجز ہوگا تو یہ اَعُوْذُ اور یہ فُغاں ناجائز ہوگا کیونکہ ترک کہے گا کہ میں خود کتے سے پناہ مانگتا ہوں کیونکہ میں خود اسکے خوف سے گھر میں بند ہوں تو اسکے خوف سے دروازہ پر نہیں آسکتا۔ میں اسکے ڈر سے باہر نہیں نکلتا۔ پس میں اور تُو دونوں برابر ہیں پس اس ترک کے سر پر بھی خاک پڑے اور اس مہمان کے سر پر بھی کہ ایک کتے نے دونوں کو محبوس کر رکھا ہے توبہ توبہ کہیں ترک کی یہ حالت ہو سکتی ہے اس کی حالت تو یہ ہے کہ اگر وہ ڈانٹ بتلاوے تو کتا تو کیا ہے شیر خون اگل دے ارے تو اپنے کو شیرِ یزداں یعنی مؤمن اور محب خدا کہتا ہے اور برسوں کتے کے ساتھ الجھا ہوا ہے پس جبکہ تو خود کسی کا شکار ہو رہا ہے۔ تو کتا تیرے لئے شکار کیونکر کر سکتا ہے اور تجھ سے مغلوب کیونکر ہو سکتا ہے۔

(فائدہ: میرے خیال میں حاش للہ، ماشاء اللہ کان سے آخر سرخی تک خود مولانا کا کلام ہے اور ان ابیات میں مولانا استطراداً چند مضامین بیان کئے ہیں۔ حاش للہ سے حق سبحانہ کا اپنی مخلوقات پر تسلط دکھلایا ہے اور "اے سگ" الخ سے حملہ میکن تک وجود شیطان کی حکمت بیان کی ہے اور پس اعوذ الخ سے "حاش للہ ترک بانگے بر زند" تک اسکا حق سبحانہ کے سامنے مغلوب ہونا بیان کیا ہے اور ایکہ خود را شیر یزداں سے آخر سرخی تک مضمون ارشادی بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم)

جواب گفتنِ مومن سُنّی مر کافر جبری را در اثباتِ اختیارِ بندہ

بندہ کا اختیار کے ثابت کرنے میں سنی مومن کا جبری کافر کو جواب دینا

و دلیل گفتن کہ سُنّت راہے باشد کوفتۂ اقدامِ انبیا علیہم السلام

اور دلیل بیان کرنا کہ سنت وہی راستہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے پاؤں کا روندا

و بر یمینِ آں راہ بیابانِ جبر ست کہ خود را اختیار نہ بیند و

ہوا ہے اُس کے دائیں جانب جبر کے جنگل کا راستہ ہے جو کہ اپنا اختیار نہیں

امر و نہی را منکر شود و تاویل کند و از منکر شدنِ امر و نہی

سمجھتا ہے اور امر و نہی کا منکر ہو جاتا ہے اور تاویل کرتا ہے اور امر و نہی کے منکر ہونے سے بہشت

لازم آید انکارِ بہشت و دوزخ کہ بہشت جزائے مُطیعانِ

اور دوزخ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ بہشت فرمانبرداروں کی جزاء ہے

امر ست و دوزخ جزائے مخالفانِ امر و دیگر نگویم کہ بچہ انجامد

اور دوزخ حکم کے مخالفوں کی جزاء ہے میں اور مزید نہیں کہتا کہ کیا نتیجہ

کہ العاقل تکفیہ الاشارۃ و بر یسارِ آں راہ بیابانِ قدر ست

نکلتا ہے عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے اور اُسکے بائیں جانب قدر کا جنگل ہے

کہ قدرتِ خالق را مغلوب قدرتِ خلق داند و ازاں فسادہا

جو اللہ کی قدرت کو مخلوق کی قدرت سے مغلوب سمجھتے ہیں اور اس سے وہ

زاید کہ آں مُغ جبری بر شمرد

خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جنکو وہ جبری آتش پرست گنا آیا ہے

گفت[1] مُومن بشنو اے جبری خطاب
مومن نے کہا اے جبری! بات سُن

آں خود گفتی نک آوردم جواب
تو نے اپنی بات کہہ لی اب میں جواب دیتا ہوں

بازیِ خود دیدی اے شطرنج باز
اے شطرنجی: تو نے اپنی چال دیکھ لی

بازیِ خصمت بہ بیں پہن و دراز
مخالف کی لمبی چوڑی چال بھی دیکھ لے

نامۂ عذرِ خودت بر خواندی
تو نے اپنے عذر کی کتاب پڑھ دی

نامۂ سُنّی بخواں چہ ماندی
سُنّی کی کتاب بھی پڑھ رُکا، تیرا کیا حال ہے

نکتہ گفتی جبریانہ در قضا
قضا کے بارے میں تو نے جبریوں کا نکتہ بیان کیا

سِرِّ آں بشنو ز من در ماجرا
معاملہ میں مجھ سے اس کا راز سُن لے

اختیارے[2] ہست ما را بے گماں
یقیناً ہمارے لئے (بھی) اختیار ہے

حس را منکر نتانی شد عیاں
تو آنکھوں دیکھی حس کا انکار نہیں کر سکتا

اختیارِ خود بہ بیں جبری مشو
اپنے اختیار کو دیکھ جبری نہ بن

رہ رہا کردی براہ آ کج مرو
تو نے راستہ چھوڑ دیا، راستہ پر آجا، ٹیڑھا نہ چل

سُنّت۔ جبر و قدر کے معاملہ میں جو صحیح مسلک ہے وہ یہی ہے اُس کی ایک جانب جبر ہے اس عقیدہ کی رُو سے انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے جب انسان کو اختیار نہ ہو تو پھر اسکو اللہ کا حکم دینا اور منع کرنا درست نہ ہوگا لہٰذا اُس عقیدہ کے مطابق انہیں تاویل کرنی ہوگی اور پھر اُن

اور جنت اور دوزخ کا انکار لازم آئیگا جبکہ جنت فرمانبرداری کی جزا ہے اور دوزخ نافرمانوں کی سزا ہے اور اس مسلک کی بائیں جانب قدر کا عقیدہ ہے جس کی بنیاد پر انسان کو اپنے افعال کا خالق مانا جاتا ہے اور اللہ کی قدرت کو انسان کی قدرت کے مقابلے میں مغلوب سمجھا جاتا ہے اور اس کے نتائج جبر کے عقیدے کے نتائج سے بھی

[1] گفت۔ سُنّی مسلمان نے جبر کے عقیدے والے کو جواب دیا۔ جبری۔ وہ شخص جو جبر کا عقیدہ رکھتا ہو۔

[2] اختیارے۔ جبر کے عقیدے میں انسان کے اختیار کا بالکل انکار ہے مولانا انسان کے اختیار کو ثابت کرتے ہیں۔

سنگ[1] را ہرگز نگوید کس بیا
پتھر سے کوئی نہیں کہتا تو آجا
از کلوخے کس کجا جوید وفا
ڈھیلے سے وفاداری کون چاہتا ہے ؟

آدمی را کس نگوید ہیں بپر
انسان سے کوئی نہیں کہتا، ہاں اُڑ
یا بیا اے کور خوش در من نگر
یا اے اندھے! آ مجھے غور سے دیکھ

گفت یزداں ما علی الاعمیٰ حرج
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا اندھے پر تنگی نہیں ہے
کے نہد بر کس حرج ربُّ الفرج
کشادگی کا پروردگار کسی پر تنگی نہیں ڈالتا ہے

کس نگوید سنگ را دیر آمدی
پتھر سے کوئی نہیں کہتا کہ تو تاخیر سے آیا
یا کہ چوبا تو چرا بر من زدی
یا اے لکڑی! تو نے مجھے کیوں مارا؟

این[2] چنیں واجستہا مجبور را
مجبور سے ایسی جواب طلبیاں
کس نگوید یا زند معذور را
کوئی نہیں کرتا ہے، یا مجبور کو مارے

امر و نہی و خشم و تشریف و عتیب
حکم دینا اور روکنا اور غصہ اور اعزاز اور عتاب
نیست جز مختار را اے پاک جیب
اے پاک دل! مختار کے سوا کے لئے نہیں ہے

اختیارے ہست در ظلم و ستم
ظلم اور ستم میں اختیار ہے
من ازیں شیطان و نفس ایں خواستم
میری مُراد نفس اور شیطان سے یہی تھی

اختیار اندر درونت ساکن ست
تیرے اندر اختیار باقی ہے
تا ندید او یوسفے کف را نخست
جبتک اُسنے یوسفؑ کو نہیں دیکھا ہاتھ کو زخمی نہیں کیا

اختیار و داعیہ در نفس بود
اختیار اور داعیہ نفس میں تھا
روئش دید آنگہ پر و بالے کشود
اُن کا چہرہ دیکھا پھر بال اور پر کھولے

سگ[3] خفتہ اختیارش گشتہ گم
سوئے ہوئے کتے کا اختیار گم ہو گیا ہے
چوں شکنبہ دید جنبانید دم
جب معدہ دیکھا اُس نے دُم ہلائی

اسپ ہم جو جو کند چوں دید جو
گھوڑا بھی جو جو کرنے لگتا ہے جب جو دیکھتا ہے
چوں بجنبد گوشت گربہ گفت مو
جب گوشت ہلتا ہے، بلی میاؤں کہتی ہے

دیدن آمد جنبشِ آں اختیار
دیکھنا اُس اختیار کی حرکت بنا
ہمچو نفخے ز آتش انگیزد شرار
اُس پھونکنے کی طرح جو آگ سے چنگاریاں اُڑاتا ہے

پس[1] بجنبد اختیارت چوں بلیس
تو تیرا اختیار حرکت میں آجاتا ہے جب شیطان
شد دلالہ آردت پیغام وِیس
دلّال بنتا ہے، تیرے پاس ویس کا پیغام لاتا ہے

[1] سنگ۔ انسان کو حکم دیا جاتا ہے پتھر کو کوئی حکم نہیں دیتا ہے معلوم ہوا کہ انسان میں قدرت اور اختیار ہے۔ آدمی را۔ جس چیز کی انسان میں قدرت اور اختیار نہیں ہے اُس کے بارے میں کوئی اُس کو حکم نہیں دیتا ہے انسان سے کوئی نہیں کہتا کہ تو اُڑ۔ کس نگوید۔ پتھر سے کوئی کسی طرح مطالبہ نہیں کرتا ہے اس لئے کہ جانتا ہے اس میں کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے۔

[2] ایں چنیں۔ جس قدر مطالبات ہیں وہ صاحب اختیار قدرت سے ہیں، غصہ غضب حکم اور ممانعت وغیرہ صاحب اختیار سے متعلق ہے۔ اختیار۔ انسان ظلم اور ستم کرنے اور نہ کرنے میں با اختیار ہے جب ظلم کرتا ہے تو خود اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نفس اور شیطان خود انسان کا اپنا ارادہ ہے۔ ساکن۔ جبتک کسی طرح کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا ہے تو انسان کا اختیار خوابیدہ رہتا ہے۔ تا ندید۔ اس سے حضرت یوسفؑ اور مصری عورتوں کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

[3] سگ خفتہ۔ جب تک کتا ہڈی نہیں دیکھتا وہ سوتا رہتا ہے ہڈی دیکھ کر دُم ہلانا شروع کر دیتا ہے یہی حال انسان کے اختیار اور قدرت کا ہے جب تک کوئی داعیہ نہیں ہے وہ خوابیدہ ہے جب کوئی داعیہ ہوگا تو بیدار ہو جائے گا۔ جو جو کند۔ یعنی گھوڑا ہنہناتا ہے۔ مو۔ یعنی بلی ماؤں ماؤں کرتی ہے۔ دیدن۔ اس داعیہ کو دیکھنا اختیار کو بیدار اور متحرک بنا دیتا ہے۔

[1] پس بجنبد۔ شیطان تیرے معشوق کا پیغام لاتا ہے تو دلّال کا کام کرتا ہے اور تیرا خوابیدہ اختیار حرکت میں آجاتا ہے۔

چونکہ مطلوبے بریں کس عرضہ کرد   اختیارِ خفتہ بکشاید نبرد

جب اس شخص پر مطلوب پیش کیا   سویا ہوا اختیار جنگ شروع کرتا ہے

واں فرشتہ خیرہا بر رغمِ دیو   عرضہ دارد میکند در دل غریو

فرشتہ، شیطان کے برخلاف بھلائیاں   پیش کرتا ہے، دل میں شور برپا کر دیتا ہے

تا بجنبد اختیارِ خیرِ تو   زانکہ پیش از عرضہ خفتہ است ایں دو خو

تاکہ تیرا بھلائی کا اختیار حرکت میں آئے   کیونکہ پیش کرنے سے پہلے یہ دونوں صفتیں سوئی ہوئی ہیں

پس فرشتہ و دیو گشتہ عرضہ دار   بہرِ تحریکِ عروقِ اختیار

تو فرشتہ اور شیطان پیش کرنیوالے بنے   اختیار کی رگوں کو حرکت میں لانے کے لئے

می[2] شود ز الہامہا و وسوسہ   اختیارِ خیر و شرت دہ کسہ

وسوسے اور الہاموں کی وجہ سے بنجاتا ہے   تیرا خیر اور شر کا اختیار دس فردوں والا

وقتِ تحلیلِ نماز اے بانمک   زاں سلام آورد باید بر ملک

اے ملیح! نماز ختم کرنے کے وقت   اس لئے فرشتوں کو سلام کرنا چاہیے

کہ ز الہام و دعائے خوب تاں   اختیارِ ایں نمازم شد رواں

کہ تمہاری اچھی دعا اور الہام سے   اس نماز کا (اجرا) اختیار ختم ہو گیا

باز[3] از بعدِ گنہ لعنت کنی   بر بلیس ایرا کہ از وے ممتحنی

پھر گناہ کے بعد تو لعنت کرتا ہے   شیطان پر، کیونکہ تو اسی وجہ سے گبڑا ابتلا

ایں دو ضد عرضہ کنندہ در سرار   در حجابِ غیب آمد عرضہ دار

در پردہ یہ دو متضاد پیش کرنے والے   غیب کے پردے میں پیش کرنیوالے ہیں

چونکہ پردۂ غیب برخیزد ز پیش   تو ببینی روئے دلالانِ خویش

جب غیب کا پردہ سامنے سے اٹھ جائیگا   تو اپنے دلالوں کا چہرہ دیکھ لے گا

وز سخن شاں واشناسی بے گزند   کاں سخن گو در حجاب اینہا بدند

اور تو بلا تکلف ان کی گفتگو کو پہچان لے گا   کہ پردے میں گفتگو کرنے والے یہی تھے

دیو[1] گوید اے اسیرِ طبع و تن   عرضہ میکردم نہ کردم زورِ من

شیطان کہے گا اے طبیعت اور جسم کے قیدی!   میں نے پیش کیا تھا، میں نے مجبور نہ کیا تھا

واں فرشتہ گویدت من گفتمت   کہ ازیں شادی فزوں گردد غمت

اور وہ فرشتہ تجھ سے کہے گا میں نے تجھ سے کہا تھا   کہ اس خوشی سے تیرے رنج میں اضافہ ہوگا

آں فلاں روزت نگفتم من چناں   کہ ازاں سو لیست رہ سوئے جناں

کیا میں نے فلاں روز تجھ سے ایسا نہ کہا تھا؟   کہ جنتوں کا راستہ اس جانب ہے

ہے اور جنگ شروع کر دیتا ہے۔ واں فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ شیطان کے برخلاف خبریں پیش کر کے دل میں خلجان پیدا کرتا ہے تاکہ شر کی بجائے خیر والا اختیار بیدار ہو جائے پس۔ فرشتہ اور شیطان تو تیرے اندرونی اختیار کو متحرک کرتے ہیں اختیار تیرے اندر موجود ہوتا ہے

۲ می شود۔ جو اختیار خود انسان میں موجود ہوتا ہے وہ فرشتوں کے الہام اور شیطانوں کے وسوسوں کے ذریعہ قوی ہو جاتا ہے۔ وقتِ تحلیل۔ جس وقت نمازی سلام پھیرتا ہے تو فرشتوں کی بھی نیت کرتا ہے اس لئے کہ انہی کی ترغیب اور الہام سے اس نے نماز ادا کی ہے۔

۳ باز۔ گناہ کے بعد انسان شیطان پر اسی وجہ سے لعنت بھیجتا ہے کہ اس کے وسوسہ کی وجہ سے وہ گناہ میں مبتلا ہوا اور اس نے بُری اختیار کی۔ ایں دو یعنی فرشتہ اور شیطان۔ چونکہ۔ محشر میں جبکہ دنیوی زندگی کا یہ حجاب ختم ہو جائے گا تو فرشتہ اور شیطان کو خود دیکھ لے گا اور جو پس پردہ ان کی باتیں تھیں

۱ دیو۔ وہاں شیطان تجھ سے کہہ دے گا کہ میں نے دل میں وسوسہ ہی تو ڈالا تھا تجھے مجبور تو نہ کیا تھا مگر فرشتہ تجھ سے کہے گا کہ میں نے تیرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس گناہ کی لذت اور خوشی بہت سے غموں کا سبب

ما محبِ جان و روح افزای تو — ساجدانِ مخلصِ بابای تو

ہم جان کو پیار کرنے والے اور تیری روح کو بڑھانے والے ہیں — تیرے باوا کے مخلص اور سجدہ کرنیوالے ہیں

ایں زمانت خدمتے ہم میکنم — سوئے مخدومی صلایت میزنم

میں اس وقت بھی تیری خدمت کر رہا ہوں — مخدوم بننے کی جانب تجھے بلاتا ہوں

آں گروہ بابات را بودہ عدی — وز خطابِ اسجدوا کردہ ابا

وہ گروہ تیرے باوا کا دشمن تھا — اور "سجدہ کرو" کے حکم سے اُس نے انکار کیا تھا

[2] آں گرفتی وانِ ما انداختی — حقِ خدمت ہائے ما نشناختی

تونے وہ لے لیا اور ہماری بات کو نظر انداز کر دیا — تو ہماری خدمتوں کے حق کو نہ پہچانا

ایں زماں ما را و ایشاں را عیاں — در نگر بشناس از لحن و بیاں

اب ہمیں اور اُن کو آنکھ سے — دیکھ لے، لہجے اور گفتگو سے پہچان لے

نیم شب چوں بشنوی زاریِ دوست — چوں سخن گوید سحر دانی کہ اوست

جب تو آدھی رات کو دوست کی آہ و زاری سنتا ہے — جب وہ صبح کو بات کرتا ہے تو جان لیتا ہے کہ وہ وہی ہے

[3] ور دو کس در شب خبر آرد ترا — روز از گفتن شناسی ہر دو را

اگر رات میں دو شخص تیرے پاس خبر لائیں — دن میں بات کرنے سے تو دونوں کو پہچان لیتا ہے

بانگِ شیر و بانگِ سگ شب در رسید — صورتِ ہر دو ز تاریکی ندید

رات کو شیر کی آواز اور کتے کی آواز آئی — تونے اندھیرے کی وجہ سے دونوں کی شکل نہ دیکھی

روز شد چوں باز در بانگ آمدند — پس شناسد شاں ز بانگ آں ہوشمند

دن نکلا، پھر جب وہ بولے — تو وہ ہوشمند آواز سے اُن کو پہچان لیتا ہے

[1] مخلص اینکہ دیو و روح عرضہ دار — ہر دو ہستند از تتمہ اختیار

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان اور فرشتہ پیش کرنیوالے — دونوں اختیار کا تکملہ ہیں

اختیارے ہست در ما ناپدید — چوں دو مطلب دید آید در مزید

ہم میں چھپا ہوا اختیار ہے — جب دو مطلب دیکھتا ہے جوش میں آتا ہے

اوستاداں کودکاں را میزنند — آں ادب سنگِ سیہ را کے کنند

استاد بچوں کو پیٹتے ہیں — یہ سزا کالے پتھر کو کب دیتے ہیں!

ہیچ گوئی سنگ را فردا بیا — ور نیائی من دہم بد را سزا

تو کبھی پتھر کو کہتا ہے، کل آنا — اگر تو نہ آئے گا، تو میں بُرے کو سزا دوں گا

بنے گی۔ آں فلاں۔ فرشتہ یہ بھی کہے گا کہ فلاں روز میں نے تجھے جنت کا راستہ بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنیوالے ہیں۔ ایں زمانت۔ فرشتہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارے باپ کی خدمت کی تمہاری خدمت کرتے ہیں اور نیک راستہ بتا کر تجھے مخدوم بنانا چاہتے ہیں۔ آں گروہ۔ فرشتے نے یہ بھی کہا کہ یہ شیاطین کی جماعت تمہارے باپ کی بھی دشمن تھی اور اُن کو سجدہ کرنے سے اس نے انکار کیا تھا۔

۲ آں۔ فرشتہ کہہ رہے ہیں کہ تونے ہمارا کہنا نہ مانا اور شیطان کا کہنا مانا۔ ایں زماں۔ پہلے تونے ہمیں دیکھا نہ تھا آواز سُنی تھی اب آواز سے آواز ملا کر ہمیں پہچان لے ہم وہی ہیں یا نہیں ہیں۔ نیم شب۔ اندھیرے میں اگر کوئی تم سے بات کرتا ہے تو دن میں اس کی آواز سے پہچان جاتے ہو کہ رات میں بات کرنے والا شخص یہی تھا۔

۱ مخلص۔ بات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان نیکی اور بدی کرنے میں بااختیار ہے مجبور نہیں ہے وہ اختیار پوشیدہ ہوتا ہے مقصد کے سامنے آجانے پر اس اختیار میں طاقت آجاتی ہے۔ اوستاداں۔ اُستاد بچے کو مختار سمجھ کر غلطی پر مارتا ہے پتھر چونکہ مجبور محض ہے اسکو کوئی نہیں مارتا ہے۔ ہیچ۔ پتھر کو مجبور مان کر نہ کوئی شخص اسکو حکم دیتا ہے نہ اسکو سزا کا مستحق سمجھتا

۳ ور دو کس۔ رات میں جو شخص باتیں کرتے ہیں دن میں اُن کی آواز پہچان کر تم تحقیق کر لیتے ہو کہ ان دونوں میں سے فلاں بات فلاں شخص نے کہی اور فلاں بات فلاں شخص نے کہی تھی رات میں اگر کتے اور شیر کی آواز سنی تھی تو دن میں جب دونوں کی آوازوں کو سنتا ہے تو جان جاتا ہے کہ رات کی فلاں آواز شیر کی تھی اور فلاں کتے کی تھی۔

ہیچ عاقل مر کلوخے را زند — ہیچ با سنگے عتابے کس کند

عقلمند انسان کبھی ڈھیلے کو مارتا ہے — کوئی کبھی پتھر پر غصہ کرتا ہے

در خرد جبر از قدر رسوا تر است — زانکہ جبری حسِ خود را منکر است

عقلاً جبر قدر سے زیادہ برا ہے — کیونکہ جبری اپنے حس کا منکر ہے

منکرِ حس نیست آں مردِ قدر[۲] — فعلِ حق حِسّی نباشد اے پسر

قدری انسان حس کا منکر نہیں ہے — اے بیٹا اللہ (تعالیٰ) کا کام حس میں نہیں آتا

منکرِ فعلِ خداوندِ جلیل — ہست در انکار مدلولِ دلیل

خداوندِ جلیل کے فعل کا منکر — دلیل کے نتیجہ کے انکار میں (مبتلا) ہے

آں بگوید دود ہست و نار نے — نورِ شمعے بے ز شمع روشنے

وہ کہتا ہے دھواں ہے اور آگ نہیں ہے — شمع کی روشنی بغیر شمع کے روشن ہے

ویں[۳] ہمیں بیند معین نار را — نیست میگوید پئے انکار را

اور یہ (جبری) آگ کو موجود دیکھتا ہے — انکار کے لئے "نہیں ہے" کہتا ہے

جامہ اش سوزد بگوید نار نیست — جامہ اش دوزد بگوید تار نیست

اس کا کپڑا جلتا ہے، کہتا ہے آگ نہیں ہے — اس کا کپڑا سیتا ہے، کہتا ہے دھاگا نہیں ہے

پس تسفسط آمد ایں دعوئ جبر — لاجرم بدتر بود زیں رو ز گبر

یہ جبر کا دعوےٰ سوفسطائیت ہے — اس اعتبار سے وہ لامحالہ دہریہ سے بدتر ہے

گبر[۱] گوید ہست عالم نیست رب — یا ربے گوید کہ نبود مستجب

دہریہ کہتا ہے عالم موجود ہے، خدا نہیں ہے — یارب کہتا ہے، جو قبول نہیں ہوتا ہے

ایں ہمی گوید جہاں خود نیست ہیچ — ہست سوفسطائی اندر پیچ پیچ

یہ کہتا ہے کہ دنیا خود کچھ نہیں ہے — سوفسطائی، پیچ و تاب میں ہے

جملہ عالم مقر در اختیار — امر و نہی ایں بیار و آں میار

اختیار کا سارا جہاں مقر ہے — حکم دینا اور منع کرنا یہ لاؤ اور وہ نہ لاؤ

او[۲] ہمی گوید کہ امر و نہی لاست — اختیارے نیست ایں جملہ خطاست

وہ کہتا ہے کہ حکم دینا اور منع کچھ نہیں ہے — کوئی اختیار نہیں ہے، یہ سب غلط ہے

حس را حیواں مقرست اے رفیق — لیک[۳] ادراکِ دلیل آمد دقیق

اے دوست! حس کا حیوان مقر ہے — لیکن دلیل کا ادراک دقت طلب ہے

ہے۔ در خرد۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جبر کا عقیدہ تو قدر کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے کیونکہ جبر کے عقیدہ کی بنیاد پر انسانی فعل کا انکار لازم آتا ہے جو محسوس چیز ہی ہے تو گویا جبری اپنے ایک محسوس کا منکر ہے۔

[۲] مردِ قدر۔ قدری شخص جو اپنے آپ کو خود مختار مانتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کو اختیار عطا کرنے کا منکر ہے وہ اللہ کے ایک فعل کا منکر ہے جو حسی چیز نہیں ہے جبکہ قدری شخص جو اللہ تعالیٰ کے بندے کو اختیار عطا کرنے کا منکر ہے وہ صرف ایک نظری دلیل کے نتیجہ کا منکر ہے۔ آں بگوید جبری عقیدے کا نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے دھواں موجود ہے مگر آگ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور موم بتی کا نور ہے لیکن موم بتی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود بخود موجود ہو گیا ہے۔

[۳] ویں۔ جبری محسوس کا انکار کرتا ہے تو گویا آگ کو دیکھتے ہوئے آگ کے وجود کا انکار کرتا ہے

[۱] گبر گوید۔ دہریہ اختیاری حالت میں عالم کو موجود مانتا ہے خدا کا منکر ہے لیکن اضطراری حالت میں خدا کو بھی پکارنے لگتا ہے اور سوفسطائی عالم کے وجود ہی کا منکر ہے۔ جملہ عالم۔ دنیا کے سب انسان انسان کے اختیار کے قائل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کو حکم دیتا ہے اور منع کرتا ہے اگر مخاطب کو مختار نہ سمجھتے تو نہ حکم دیتے نہ منع کرتے۔

[۲] کپڑا آگ سے جل رہا ہے اور آگ کا انکار کرتا ہے دھاگے سے کپڑا سل رہا ہے اور دھاگے کا انکار کرتا ہے۔

[۳] پس تسفسط۔ جبر کا عقیدہ تو سوفسطائی عقیدہ پر مبنی ہے جو اشیاء کو موجود نہیں مانتا بلکہ اشیاء کے وجود کو وہم اور خیال کہتا ہے اور یہ سوفسطائی عقیدہ دہریے کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے۔

زانکہ محسوس ست مارا اختیار
کیونکہ ہمارا اختیار محسوس ہے

خوب می آید بر و تکلیفِ کار
اس کی بنا پر، ہر کام کا مکلف بنانا مناسب ہے

درکِ وجدانی چوں اختیار و اضطرار و خشم و اصطبار و
باطنی احساس جیسے کہ اختیار اور اضطرار اور غصہ اور صبر کرنا اور
سیری و ناہار بجائے حِس ست کہ زرد از سرخ بداں فرق
پیٹ بھرنا اور بھوک، حس کے قائم مقام ہے جو کہ زرد کو سُرخ سے
کنند و خرد از بزرگ و تلخ از شیریں و مُشک از سرگیں و درشت
اور چھوٹے کو بڑے سے اور کڑوے کو میٹھے سے اور مشک کو گوبر سے اور سخت
از نرم و سرد از گرم و سوزاں از شیر گرم و تر از خشک و لمس
کو نرم سے سردی کو گرم سے اور جلانے والے کو کنکنے سے اور تر کو خشک سے اور دیوار
دیوار از لمسِ درخت پس مُنکرِ وجدانی منکرِ حِس باشد و زیادہ
کے چھونے کو درخت کے چھونے سے فرق کرتی ہے تو باطنی احساس کا منکر حس کا منکر ہوگا
کہ وجدان از حِس ظاہر تر ست زیرا کہ حِس را تواں بستن و
اور اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ باطنی احساس حس سے بڑھ کر ہے کیونکہ حس کو احساس کرنے سے باندھا
منع کردن از احساس و بستنِ راہ و مدخلِ وجدانیات
اور روکا جا سکتا ہے اور باطنی احساسات کے راستہ اور مدخل کو بند کرنا ممکن نہیں ہے

را ممکن نیست وَالعَاقِلُ تَکفِیہِ الاِشَارَۃُ
ممکن نہیں ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

درکِ[۱] وجدانی بجائے حِس بُوَد
باطنی احساس حس کی جگہ ہے

ہر دو در یک جدول اے عم میرود
اے چچا! دونوں ایک گول میں جاتے ہیں

نغز می آید برو کُن یا مکُن
اسی پر بھلا بنتا ہے کر یا نہ کر

امر و نہی و ماجراہا در سخن
حکم دینا اور منع کرنا اور بات میں واقعات

ایں کہ فردا ایں کنم یا آں کنم
یہ کہ کل یہ کروں گا، یا وہ کروں گا

ایں دلیلِ اختیار ست اے صنم
اے پیارے! یہ اختیار کی دلیل ہے

واں پشیمانی کہ خوردی زاں بدی
اور وہ شرمندگی جو تونے بدی سے اٹھائی

ز اختیارِ خویش گشتی مُہتدی
اپنے اختیار سے تو ہدایت یاب بنا

جملہ قرآں امر و نہی ست و وعید
سارا قرآن امر اور نہی اور ڈراوا ہے

امر کردن سنگِ مرمر را کہ دید
سنگِ مرمر کو حکم کرنا، کس نے دیکھا ہے؟

۲ آو۔ جبری یہ کہتا ہے کہ حکم دینا اور روکنا سب غلط ہے انسان کو کرنے نہ کرنے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ جبرحس۔ حیوانات تک حس کے قابل ہیں لیکن جبری اس کا انکار کرتا ہے۔

۳ یکت۔ قدری جو بندہ کو مختارِ مطلق قرار دیتا ہے وہ دلیل جیسی دقیق چیز کا منکر ہے لہٰذا جبری، قدری سے بے عقلی میں بڑھا ہوا ہے۔ تا آنکہ۔ انسان کا مختار ہونا بالکل حسی چیز ہے اسی بناپر وہ مکلف قرار دیا گیا ہے۔

۱ درک۔ علم وجدانی۔ وہ علم جو وجدان کے ذریعہ حاصل ہو وجدان نفس اور اس کی باطنی قوتوں کو کہا جاتا ہے۔ مولانا کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ کچھ معلومات تو وہ ہیں جو بذریعہ وجدان انسان کو حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ مجبور ہونا مضطر ہونا یا غصہ اور صبر کرنا اور کچھ معلومات وہ ہیں جو بذریعہ حواس حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ کسی چیز کا چھوٹا بڑا ہونا یا کڑوا میٹھا ہونا وغیرہ تو وجدانی معلومات ایسی ہی ہیں جیسا کہ وہ معلومات جو حواس کے ذریعہ ہوتی ہیں بلکہ وجدانیات، محسوسات سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں کیونکہ محسوسات کا ذریعہ حواس ہیں اور حواس انسان معطل کر سکتا ہے لیکن وجدان کو معطل کرنا ممکن نہیں ہے تو جو شخص کسی وجدانی معلوم کا انکار کرے تو وہ محسوس کے منکر کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ

ہیچ دانا ہیچ عاقل ایں کُند
کوئی سمجھدار کوئی عقلمند یہ کرتا ہے
با کلوخ و سنگ خشم و کیں کُند
ڈھیلے اور پتھر سے غصہ اور کینہ کرتا ہے؟

کہ بگفتم کہ چنیں کُن یا چناں
کہ میں نے کہا تھا ایسا کر یا ویسا
چوں نکردید اے موات و عاجزاں
اے مُردو اور عاجزو! تم نے کیوں نہ کیا؟

عقل[۳] کے حکمے کُند بر چوب و سنگ
لکڑی اور پتھر کو عقل کب حکم دیتی ہے!
مردِ چنگی کے زند بر نقشِ چنگ
چنگ بجانیوالا چنگ کی تصویر کو کب بجاتا ہے؟

کاے غلامِ بستہ دست اشکستہ پا
کہ اے ہاتھ بندھے، پاؤں ٹوٹے ہوئے غلام!
نیزہ بر گیر و بیا سُوئے وغا
نیزہ تھام اور جنگ کی جانب آ

خالقے کو اختر و گردوں کُند
وہ خالق جس نے ستارے اور آسمان بنایا
امر و نہیِ جاہلانہ چوں کُند
جاہلوں کا سا حکم دینا اور منع کرنا کب کرتا ہے؟

احتمالِ[۱] عجز از حق راندی
تو نے اللہ (تعالیٰ) سے عاجزی کا احتمال رفع کیا
جاہل و گیج و سفیہش خواندی
(اور) اُس کو جاہل اور احمق اور بیوقوف کہہ دیا

عجز نبود در قدر ور خود شود
قدر کے عقیدہ میں عجز لازم نہیں آتا ہے اور اگر آئے
جاہلی از عاجزی بدتر بود
جہالت، عجز سے بدتر ہے

ترک[۲] میگوید قنق را از کرم
مہربانی سے تُرک مہمان سے کہتا ہے
بے سگ و بے دلق آ سُوئِ درم
میرے دروازے کی جانب بغیر کُتے اور گدڑی کے آجا

وز فلاں سو اندر آئیں با ادب
خبردار! تو نے دروازے سے ادب کیساتھ اندر آجا
تا سگم بندد ز تو دندان و لب
تاکہ میرا کُتا مجھ سے ہونٹ اور دانت بند رکھے

تو بعکسِ آں کُنی بر در روی
تو اُس کا اُلٹا کرتا ہے، دروازے پر جاتا ہے
لاجرم از زخمِ سگ خستہ شوی
لامحالہ کُتے کے زخم سے خستہ ہو جاتا ہے

آنچناں[۲] رو کہ غلاماں رفتہ اند
وہ روش اختیار کر جو غلام اختیار کرتے ہیں
تا سگش گردد حلیم و مہرمند
تاکہ اُس کا کُتا بُردبار اور مہربان بن جائے

تو سگے با خود بری یا روبہے
تو اپنے ساتھ کُتا یا لومڑی لے جاتا ہے
سگ بشورد از بُنِ ہر خرگہے
ہر خیمہ میں سے کُتا بھڑک جاتا ہے

غیرِ حق گر نباشد اختیار
(اگر) خدا کے علاوہ (کسی کو) اختیار نہ ہو
خشم چوں می آیدت بر جُرم دار
تو تجھے مجرم پر غصہ کیوں آتا ہے؟

۳ہ عقل: جن چیزوں میں اختیار نہیں ہے اُن کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا ہے چنگ کی تصویر میں جبکہ بجنے کا اختیار نہیں ہے اُس کو کوئی نہیں بجاتا ہے۔ کاے: جس غلام کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اُس کو جنگ میں جاکر نیزہ بازی کا کوئی حکم نہیں دیتا ہے۔ خالقے: اللہ تعالیٰ جس کی حکمت سے ستارے اور آسمان بنا اُس سے یہ جاہلانہ فعل کیسے صادر ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مختار کو حکم دے، یا منع کرے۔

احمق ہے تو اس لحاظ سے جبریہ فرقہ جو انسان کے اختیار کا منکر ہے جو کہ ایک وجدانی چیز ہے قدریہ فرقہ سے زیادہ احمق ہے جو دل۔ گول۔ وغیرہ۔ انسان کو یہ کہنا کہ کل یہ کروں گا اختیار کی دلیل ہے۔

۲ہ جز قرآن۔ قرآن میں جس قدر اوامر و نواہی ہیں وہ سب انسان کے اختیار کی بنیاد پر ہیں پتھر، ڈھیلا جن میں کوئی اختیار نہیں ہے اُن کو نہ کوئی حکم دیتا ہے نہ اُن کو کسی کام سے منع کرتا ہے۔

لہ احتمال۔ جبری کا یہ خیال ہے کہ اگر نفس و شیطان کو مشیتِ خداوندی کے تابع نہ مانا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کو عجز اور مغلوبیت تسلیم کرنی پڑے گی لیکن انسان کو مجبور قرار دیکر اُس نے اللہ تعالیٰ کو جاہل اور احمق ٹھہرایا کہ اختیار کے نہ ہوتے ہوئے وہ امر و نہی کرتا ہے۔ عجز نبود۔ اگر انسان کو مختار مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا عجز لازم نہیں آتا اس لئے کہ بندہ کا اختیار مشیت کے تابع ہے اگر بالفرض لازم بھی آئے تو بندہ کے غیر مختار ہونے کی صورت میں خدائی امر و نہی سے جو خدا کا جہل اور سفاہت لازم آتی ہے وہ اس سے بھی بدتر ہے۔

۲ہ ترک۔ مولانا نے ترک اور کُتے اور آنے والے مہمان کی تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے بندہ کو ایسے راستے بتا دیئے ہیں کہ شیطان کا اُن میں کوئی دخل نہیں ہے بندہ اُن راستوں کو اپنے اختیار سے چھوڑتا ہو

چوں ہمی خائی تو دنداں بر عدو
تو دشمن پر دانت کیوں پیستا ہے؟
چوں ہمی بینی گناہ و جرم ازو
تو اُس کی خطا کیوں سمجھتا ہے؟

گر ز سقفِ خانہ چوبے بشکند
اگر گھر کی چھت کی کوئی کڑی ٹوٹ جائے
بر تو افتد سخت مجروحت کند
تجھ پر گرے، تجھے بہت زخمی کردے

ہیچ خشمے آیدت بر چوبِ سقف
تجھے چھت کی کڑی پر کوئی غصہ آتا ہے؟
ہیچ اندر کینِ او باشی تو وقف
تو کبھی اس سے کینہ کرنے میں مبتلا ہوگا؟

کہ چرا بر من زد و دستم شکست
کہ وہ میرے کیوں لگی اور میرا ہاتھ توڑ دیا؟
یا چرا بر من فتاد و کرد پست
یا وہ مجھ پر کیوں گری اور گرا دیا!

او عدو و خصمِ جانِ من بدست
وہ میری جان کی دشمن اور مخالف تھی
قاصد او در بندِ خونِ من شدست
قصداً میرے خون کی درپے ہوئی ہے

لہ کودکانِ خرد را چوں میزنی
تو چھوٹے بچوں کو کیوں پیٹتا ہے!
چوں بزرگاں را منزہ میکنی
جبکہ تو بڑوں کو (اختیار سے) منزا سمجھتا ہے

آنکہ دزدد مالِ تو گوئی بگیر
جو شخص تیرا مال چراتا ہے تو کہتا ہے پکڑ لے
دست و پایش را ببر سازش اسیر
اسکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈال، اسکو قید کرلے

وانکہ قصدِ عورتِ تو می کند
جو تیری بیوی کا قصد کرتا ہے
صد ہزاراں خشم از تو میدمد
(اُسپر) تیرے لاکھوں غصے پھوٹ پڑتے ہیں

۲ گر بیاید سیل و رختِ تو برد
اگر سیلاب آئے اور تیرا سامان (بہا) لے جائے
ہیچ با سیل آورد کینے خرد
کوئی عقل سیلاب سے کینہ وری کرتی ہے

ور بیاید باد و دستارت ربود
اگر ہوا آئے اور تیری پگڑی (اُڑا) لیجائے
کے ترا با باد دل خشمے نمود
تیرا دل، ہوا پر کب غصہ کرتا ہے

خشم در تو شد بیانِ اختیار
تیرا غصہ کرنا اختیار کا بیان بنا
تا نگوئی جبریانہ اعتذار
تاکہ تو جبریوں کی طرح بہانہ نہ کرسکے

۳ گر شتربان اشترے را میزند
اگر اونٹ والا اونٹ کو مارتا ہے
آں شتر قصدِ زنندہ میکند
تو وہ اونٹ مارنے والے کا قصد کرتا ہے

خشمِ اشتر نیست باں چوبِ او
اونٹ کا غصہ اُس کی لاٹھی پر نہیں ہے
پس ز مختاری شتر بردست بو
تو اونٹ نے بھی مختار ہونے کا پتہ لگا لیا

ہمچنیں سگ گر بروسنگے زنی
اسی طرح کتا اگر تو اس کے پتھر مارے
بر تو آرد حملہ گردد منثنی
تیرے اوپر حملہ کرتا ہے، پلٹتا ہے

سنگ را اگر گیرد از خشمِ تو است
وہ اگر پتھر کو پکڑتا ہے تو تیرے اوپر غصہ کیوجہ سے
کہ تو دوری و ندارد بر تو دست
کیونکہ تو دور ہے اور وہ تجھ پر قابو نہیں پاتا

تو شیطان کی مداخلت شروع ہوجاتی ہے اس صورت میں انسان پر نہ اللہ کی جانب سے جبر ہے نہ شیطان کی جانب سے اور نہ شیطان پر جبر ہے شیطان اللہ کا ایک کتا ہے اور وہ انکو ستاتا ہے جو اللہ کے بتلائے ہوئے راستہ پر نہیں چلتے ہیں

۳ آنچناں۔ انسان اللہ کے بنائے ہوئے راستہ پر چلے گا تو شیطان اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا مہمان، غلاموں کی طرح ترک کے خیمہ میں آئے گا تو کتا اُس کو نہ کاٹے گا۔ وتنگے۔ انسان غلط روی اختیار کرکے شیطان سے تکلیف اُٹھاتا ہے۔ غیر حق۔ جبریہ کے عقیدہ کے مطابق اگر انسان مجبور محض ہے تو پھر خطاوار پر غصہ کیوں کرتا ہے۔ گر ز سقف۔ اگر چھت کی کڑی سے تکلیف پہنچی ہے تو انسان اُس کو غیر مختار سمجھ کر کبھی اُس پر غصہ نہیں کرتا ہے۔ ہیچ۔ جس چیز میں اختیار نہیں ہے اگر اُس سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو انسان کو کبھی غصہ نہیں آتا ہے۔

لہ کودکاں۔ جبری انسان بچوں کو تعلیم و تربیت کیلئے پیٹتا ہے۔ بزرگاں۔ وہی جبری انسان بڑوں کو اختیار سے منزہ سمجھتا ہے۔ آنکہ۔ جبری انسان کا جب مال چوری ہوتا ہے تو وہ چور کو پکڑواتا ہے۔ وانکہ۔ جبری انسان کی بیوی پر اگر کوئی بدنظر ڈالتا ہے تو اُس کو غصہ آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ چور کو اور اس بدنظر کو مختار سمجھتا ہے۔

عقلِ حیوانی چو دانست اختیار
حیوانی عقل نے جب اختیار کو سمجھ لیا
ایں مگو اے عقلِ انساں شرمدار
اے انسانی عقل! شرم کر تو اس (جبر) کی قائل نہ ہو

روشن[1] ست ایں لیک از طمعِ سحور
یہ (بات) واضح ہے لیکن سحری کے لالچ میں
آں خورندہ چشم می بندد ز نور
وہ کھانے والا روشنی سے آنکھ بند کر لیتا ہے

چونکہ کُلّی میلِ اُو ناں خوردنیست
چونکہ اُس کی پوری خواہش روٹی کھانے کی ہے
رُو بتاریکی کند کہ روز نیست
اندھیرے کی طرف منہ کر لیتا ہے کہ دن نہیں ہے

حرص چوں خورشید را پنہاں کند
لالچ جب سورج کو چھپا دیتا ہے
چہ عجب گر پشت بر بُرہاں کند
کیا تعجب ہے اگر دلیل کی طرف پشت کرے

ایں مَثَل بشنو مشو منکر بداں
یہ مثال سن لے اُس کے باوجود منکر نہ بن
اختیارِ خویش را در امتحاں
امتحان کے وقت، اپنے اختیار کا

حکایتِ[2] دزدے کہ با شحنہ گفت کہ آنچہ کردم تقدیرِ خدا بود و
حکایت اُس چور کی جس نے کوتوال سے کہا کہ جو کچھ میں نے کیا خدائی تقدیر تھی اور
جوابِ شحنہ و ہم در بیانِ تقریرِ اختیارِ خلق و ہم بیانِ آنکہ
کوتوال کا جواب نیز مخلوق کے اختیار کو ثابت کرنے کے بیان میں نیز اُس کا بیان کہ
تقدیر و قضا سبب کُنندہ اختیار ست و سلب کُنندہ اختیار نیست
تقدیر اور قضا اختیار کو سبب بنانے والے ہیں اور اختیار کو سلب کرنے والے نہیں ہیں

گفت دُزدے شحنہ را کاے پادشاہ
ایک چور نے کوتوال سے کہا اے حاکم!
آنچہ کردم بُود آں حکمِ اِلٰہ
جو کچھ میں نے کیا، وہ خدا کا حکم تھا

گفت شحنہ آنچہ من ہم میکنم
کوتوال نے کہا میں بھی جو کر رہا ہوں
حکمِ حق ست اے دو چشم روشنم
اے میرے پیارے! خدا کا حکم ہے

از دُکانے گر کسے تُربے بَرَد
کسی دکان سے اگر کوئی شخص مولی لے جائے
کایں ز حکمِ ایزدست اے باخرد
کہ اے عقلمند! یہ خدا کے حکم سے ہے

بر سرش کوبی دو سہ مُشتے کرہ
دو تین گھونسے اُس کے سر پر مار کر کہے نالائق!
حکمِ حق ست ایں کہ اینجا باز نہ
خدا کا حکم ہے کہ اِس جگہ واپس رکھ

در یکے ترہ چو ایں عذر اے فضول
اے بیوقوف! ایک ترکاری کے بارے میں جبکہ یہ عذر
می نیاید پیشِ بقالے قبول
سبزی فروش کے لئے قابلِ قبول نہیں

تو بدیں عُذر اعتمادے می کنی
تو اس عذر پر بھروسہ کرتا ہے
گردِ مار و اژدہائے میتنی
سانپ اور اژدہے کے گرد چکر لگاتا ہے

---

۲ گر بتابد - پانی کے سیلاب اور ہوا پر اس جبری کو غصہ نہیں آتا ہے چونکہ سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں اختیار سے خالی ہیں۔ خشم - جبری کا دوسروں پر غصہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کو مختار سمجھتا ہے۔

۳ گر شتربان - اونٹ بھی یہ سمجھتا ہے کہ لاٹھی میں اختیار اور ارادہ نہیں ہے مارنے والے میں ہے لہٰذا اس پر حملہ کرتا ہے۔ سگ - کتا بھی ڈھیلے پر غصہ نہیں کرتا ڈھیلا مارنے والے پر غصہ کرتا ہے اگر ڈھیلے پر اس کا غصہ ہے تو دراصل وہ مارنے والے پر غصہ ہے جو اس کی دوری کی وجہ سے ڈھیلے پر اتارتا ہے۔ عقلِ حیوانی - جبکہ اونٹ اور کتا بھی انسان کو مختار سمجھتا ہے تو جبری کو اس عقیدے سے شرم کرنی چاہیے۔

۱ روشن - جبری کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سحری کھانے کے لالچ میں صبح صادق اور سورج سے منہ موڑے۔ حرص - انسان کی حرص سورج کو مخفی کر دیتی ہے تو دلیل کو مخفی کر دینا تو سہل ہے۔

۲ حکایت - اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کو اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے۔ شحنہ - کوتوال۔ تقدیر - تقدیر خداوندی انسانی اختیار کو فعل کا سبب بناتی ہے، اختیار کو سلب نہیں کرتی ہے۔ پادشاہ یعنی کوتوال۔ حکمِ آلہ یعنی تقدیر خداوندی۔ میکنم - یعنی میں تجھے جو سزا دے رہا ہوں۔ حکمِ رب ہوں۔

از چنیں عذرائے سلیم نانبیل — خون و مال و زن ہمی کردی سبیل

اے بیوقوف، کمینے! ایسے عذر سے — تو نے جان اور مال اور بیوی کو قربان کردیا

ہر کسے پس سبلتِ تو برکند — عذر آرد خویش را مضطر کند

پھر تو ہر شخص تیری مونچھیں نوچے گا — عذر کرے گا اپنے آپ کو مجبور ٹھہرائے گا

حکمِ حق گر عذر می شاید ترا — پس بیاموز و بدہ فتوی مرا

اگر اللہ (تعالیٰ) کے حکم کا عذر تیرے لئے مناسب ہے — تو مجھے سکھا دے اور فتویٰ دیدے

کہ مرا صد آرزو و شہوت ست — دستِ من بستہ ز بیم و ہیبت ست

کیونکہ میری بھی سینکڑوں آرزوئیں اور خواہشیں ہیں — خوف اور ہیبت سے میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

پس کرم کن عذر را تعلیم دہ — برکشا از دست و پائے من گرہ

تو مہربانی سے مجھے عذر کرنا سکھا دے — مجھ مجبور کے ہاتھ اور پاؤں کھول دے

اختیارے کردۂ تو پیشۂ — کاختیارے دارم و اندیشۂ

تو نے ایک پیشہ اختیار کیا ہے — (اور تو سمجھتا ہے) کہ میں اختیار اور سمجھ رکھتا ہوں

ورنہ چوں بگزیدۂ آں پیشہ را — از میانِ پیشہا اے کدخدا

ورنہ تو نے وہ پیشہ کیوں اختیار کیا؟ — اے صاحب! سب پیشوں میں سے

چونکہ آید نوبتِ نفس و ہوا — بیست مردہ اختیار آید ترا

جب نفس اور خواہش کی نوبت آتی ہے — تجھ میں بیس مردوں کا اختیار آجاتا ہے

چوں برد یک حبہ از تو یار سود — اختیارِ جنگ در جانت گشود

جب دوست تجھ سے ایک رتی کا فائدہ اٹھا لیتا ہے — تو تیری جان میں لڑائی کا اختیار کشادہ ہو جاتا ہے

چوں بیاید نوبتِ شکر و نعم — اختیارت نیست از سنگے تو کم

جب شکر اور نعمتوں کی باری آتی ہے — تجھے اختیار نہیں ہے تو پتھر سے کم ہے

دوزخت را عذر ایں باشد یقیں — کاندریں سوزش مرا معذور بیں

تیرے لئے دوزخ کا بھی یہ عذر یقینی ہے — کہ اس جلانے میں مجھے معذور سمجھ

کس بدیں حجت چو معذورت نداشت — وز کفِ جلاد ایں دورت نداشت

اس دلیل سے تجھے کسی نے معذور نہ رکھا — اور جلاد کے ہاتھ سے تجھے اس نے دور نہ رکھا

پس بدیں داور جہاں منظوم شد — حالِ آں عالم ہمت معلوم شد

تو اس منصف (حاکم) سے دنیا کا کام منظم ہو گیا — اس عالم کا حال بھی تجھے معلوم ہو گیا

کہ اس عذر کو دنیا میں کسی نے تسلیم نہیں کیا اور سزا کے وقت جلاد کے ہاتھ سے اس عذر کی بناپر نہ چھوٹ سکا اور دنیا کا نظم اسی انصاف سے قائم ہے کہ جبری کا عذر قبول نہ کیا جائے تو آخرت کو بھی اسی پر قیاس کرلینا چاہئے۔

ترمرشش۔ اس چور کو مار اور کہہ دے کہ یہ بھی خدا کی تقدیر ہے سولی اسی جگہ پر رکھ دے۔ کہ۔ مکروہ۔ ترے جب سبزی فروش کے یہاں بھی عذر مقبول نہیں ہے تو اس بھروسہ پر گناہوں کا ارتکاب کس قدر حماقت ہے۔ بقال۔ سبزی فروش۔ مار۔ یعنی گناہ جس کے نتیجہ میں سانپ اور بچھو ڈسیں گے۔

سلیم۔ احمق۔ نانبیل۔ کمینہ۔ خون۔ یعنی جبر کے عقیدہ کے مطابق تیرا سب کچھ لیکر عذر کیا جاسکتا ہے اور لینے والا اپنے آپ کو مجبور ظاہر کرکے بری ہوسکتا ہے۔ حکم حق یعنی گناہ کے سلسلہ میں اگر حکمِ حق کہہ کر عذر کیا جاسکتا ہے تو مجھے بھی یہ عذر سکھا دے میرے دل میں بھی بہت سے گناہوں کی تمنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے میں نہیں کرسک رہا ہوں۔

پس۔ تیری بڑی مہربانی ہوگی اور مجھ مجبور کو آزادی حاصل ہوجائے گی۔ اختیار۔ انسان اپنے لئے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے یہ اس کے اختیار کی دلیل ہے۔ چونکہ۔ جبری انسان خواہش نفسانی کا ارادہ کرتا ہے تو بیس انسانوں کا اختیار اس میں آجاتا ہے اگر اس کا ایک رتی کا کوئی نقصان کردیتا ہے تو لڑائی کا اختیار پورے بدن میں پھیل جاتا ہے۔

چوں بیاید جس وقت خدا کی اطاعت وعبادت

حکایت ہم در جواب جبری و اثباتِ اختیار و صحتِ امر و

نیز حکایت جبری کے جواب میں اور اختیار ثابت کرنے اور حکم دینے اور روکنے کی

نہی و در بیانِ آنکہ عذرِ جبری در ہیچ ملتے و دینے مقبول

صحت کے بارے میں اور اس بیان میں کہ جبری کا عذر کسی ملت اور دین میں مقبول

نیست و موجبِ خلاص نیست از سزائے آں کار کہ

نہیں ہے اور اُس کام کی سزا سے جو اُس نے کیا ہے ، چھٹکارے کا سبب

کردہ است چنانکہ خلاص نیافت ابلیس[1] بداں کہ گفت

نہیں ہے چنانچہ شیطان اِس قول کی وجہ سے کہ

رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ وَالْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْر

"خدا تو نے مجھے گمراہ کیا" چھٹکارا نہ پاسکا اور تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے

آں یکے میرفت بالائے درخت
ایک شخص درخت پر چڑھا

می فشاند اُو میوہ را دُزدانہ سخت
چوروں کی طرح بہت پھل جھاڑنے لگا

صاحبِ باغ آمد و گفت اے دَنی
باغ والا آیا اور اُس نے کہا اے کمینے!

از خدا شرمیت کو چہ میکنی
خدا سے تیری شرم کہاں گئی، تو کیا کر رہا ہے؟

گفت[2] از باغِ خدا بندہ خدا
اُس نے کہا اللہ تعالٰے کے باغ سے خدا کا بندہ

گر خورد خُرما کہ حق کردش عطا
اگر کھجوریں کھا رہا ہے جو کہ اُسکو خدا نے دی ہیں

عامیانہ چہ ملامت میکُنی
جاہلوں کی طرح تو کیا ملامت کر رہا ہے

بُخل بر خوانِ خُداوندِ غنی
بے نیاز خدا کے دسترخوان پر بخل کر رہا ہے

گفت[3] اے ایبک بیاور آں رَسَن
اُس نے کہا اے غلام ! رسّی لے آ

تا بگویم من جوابِ بوالحسن
تاکہ میں (اِس) بھلے کا جواب دوں

پس بہ بستش سخت آندم بر درخت
پھر اُسوقت اُس نے اُسکو درخت سے کس کر باندھ دیا

میزد اُو بر پشت و ساقش چوب سخت
اُس کی کمر اور پنڈلی پر سخت لاٹھی مارنے لگا

گفت آخر از خدا شرمے بدار
اُس نے کہا، آخر خدا سے شرم کر

می کُشی ایں بیگنہ را زار زار
تو اِس بے قصور کو بُری طرح سے مار رہا ہے

گفت[4] کز چوبِ خدا ایں بندہ اش
اُس نے کہا خدا کی لاٹھی سے یہ اُس کا بندہ

میزند بر پُشتِ دیگر بندہ خوش
دوسرے بندے کی کمر پر خوب مار رہا ہے

چوبِ حق و پُشت و پہلو آنِ اُو
لاٹھی اللہ تعالٰے کی، کمر اور پہلو اللہ (تعالٰے) کا

من غلامِ آلت و فرمانِ اُو
میں اُس کے آلے اور حکم کا غلام ہوں

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار
اُس نے کہا اے عالی! میں نے جبر سے توبہ کی

اختیار ست اختیار ست اختیار
اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار

کا معاملہ آتا ہے پھر جبری کہتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور اپنے آپ کو پتھر سے بھی زیادہ غیر مختار ظاہر کرتا ہے۔ تو درخت جب جہنم کی آگ میں جلے گا تو وہ بھی یہ نہیں کہے گی کہ میں جلانے میں مجبور ہوں۔ کہتی۔ جبری

[1] ابلیس۔ شیطان نے بھی اپنی گمراہی پر اپنے جبر کا عذر پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ میری گمراہی میری اختیاری نہیں ہے لیکن اُس کا عذر مقبول نہ ہوا۔ دزدانہ چوروں کی طرح۔ دَنی۔ کمینہ۔

[2] گفت۔ پھل جھاڑنے والے نے کہا کہ باغ خدا کا ہے اور میں خدا کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے چھوارے عطا کئے ہیں تو جاہلوں کی طرح مجھے کیوں ملامت کرتا ہے تو خدائی دسترخوان پر بخل کرتا ہے۔

[3] گفت۔ باغ والے نے اپنے نوکر کو بلایا کہ رسّی لے آ، میں اِس کا جواب اِس کو دے دوں گا اور رسّی سے اُس نے اُس کو درخت سے باندھ کر مارنا شروع کر دیا۔ گفت۔ پھل چرانے والے نے کہا کہ تو خدا سے شرم کر مجھ بے گناہ کو کیوں مارے ڈالتا ہے۔

[4] گفت۔ باغ والے نے کہا لاٹھی بھی خدا کی ہے میں بھی خدا کا بندہ ہوں تیری کمر اور پہلو بھی خدا کا ہے میں تجھے اللہ کے حکم سے مار رہا ہوں تو اِس میں کیا بُرائی ہے۔ گفت۔ پھر وہ جبری جلد توبہ کرنے لگا اور بندے کے اختیار کا قائل

اِختیارت اِختیارش ہست کرد　　اِختیارش چوں سوارے زیرِ گرد

تیرے اِختیار کو اُس کے اختیار نے پیدا کیا　　اُس کا اختیار گرد کے نیچے کے سوار کی طرح ہے

اِختیارش اِختیارِ ما کُند　　امر[2] شُد بر اِختیارے مُستند

اُس کا اختیار ہمارے اختیار کو پیدا کرتا ہے　　حکم کا مدار اختیار پر ہے

حاکمی بر صورتِ بے اختیار　　ہست ہر مخلوق را در اقتدار

بے اختیار صورت پر حکومت کرنا　　قادر ہونے میں ہر مخلوق کو (حاصل) ہے

تا کَشد بے اختیارے صید را　　تا بَرد بگرفتہ گوشِ اُو زید را

حتّٰی کہ وہ بے اختیار شکار کو کھینچ لیجاتا ہے　　حتّٰی کہ زید کا کان پکڑ کرلے جاتا ہے

لیک بے ہیچ آلتے صُنعِ صَمَد　　اِختیارش را کمندِ او کُند

لیکن اللہ (تعالیٰ) کی کاریگری بغیر کسی آلہ کے　　اُسکے اختیار کو اُس کا پھانسہ بنا دیتی ہے

اِختیار[3]ش زید را قیدش کُند　　بے سگ و بے دام چوں صیدش بُود

زید کا اختیار اُس کو قید کر دیتا ہے　　وہ بغیر کُتے اور جال کے شکار جیسا بنجاتا ہے

آں درودگر حاکمِ چوبے بُود　　واں مُصوّرِ حاکمِ خوبے بُوَد

بڑھئی، لکڑی پر حاکم بن جاتا ہے　　مصوّر، حسین کا حاکم بن جاتا ہے

ہست آہنگر بر آہن قیّمے　　ہست بنّا ہم بر آلت حاکمے

لوہار، لوہے پر حاکم ہے　　معمار بھی اوزار پر حاکم ہے

نادرا باشد کہ چندیں اختیار　　ساجد آید ز اختیارش بندہ وار

عجب بات ہے کہ اِس قدر اختیار　　اُس (اللہ تعالیٰ) کے اختیار سے غلام کیطرح سجدہ کرنے والے ہیں

قدرتِ[1] تو بر جمادات از نبرد　　کے جمادی را از آنہا نفی کرد

خصومت کی وجہ سے بے جان چیزوں پر تیری قدرت　　اُن کے بے جان ہونے کی کب نفی کرتی ہے؟

قدرتش بر اختیارات آنچناں　　نفی نکُند اختیارے را ازاں

اُس (اللہ تعالیٰ) کی قدرت اختیارات پر اسی طرح　　اُس سے اختیار کی نفی نہیں کرتی ہے

خواستش میگوئی بر وجہ کمال　　کہ نباشد نسبتِ جبر و ضلال

اُس (اللہ تعالیٰ) کے ارادہ کا اہلِ کمال کے طریقہ پر تو قائل بن　　تاکہ (اللہ تعالیٰ کی جانب) جبر اور گمراہی کی نسبت نہ ہو

چونکہ گفتی کفرِ من خواہِ ویست　　خواہِ خود را نیز ہم میدانکہ ہست

جب تونے یہ کہا کہ میرا کفر اُس کی مشار ہے　　تو اپنی مشار کو بھی سمجھ لے کہ وہ ہے

زانکہ بیخواہِ تو خود کفرِ تو نیست　　کفر بیخواہش تناقض گفتنی ست

کیونکہ تیری مشار کے بغیر خود تیرا کفر ہی نہیں ہے　　"بغیر مشار کے کفر کرنا" متضاد بات کہنا ہے

ہو گیا۔ اختیارت۔ قدریہ کے عقیدہ کے خلاف مولانا فرماتے ہیں کہ بندہ کا اختیار بھی اختیارِ خداوندی کا عطا کردہ ہے بندہ کا اختیار ظاہر ہے اور حضرت حق تعالیٰ کا اختیار پوشیدہ ہے۔

[2] امر شد۔ جبریہ کے عقیدے کے خلاف مولانا فرماتے ہیں کہ تمام احکام اور نواہی کا مدار اختیار پر ہے جو بندہ کو حاصل ہے اسی لئے امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "لا جبر و لا قدر و لکن امر بین الامرین" یعنی نہ تو انسان مجبور ہے نہ مختار محض بلکہ معاملہ بین بین ہے۔ حاکمی۔ بے اختیار پر تو ہر مخلوق حکمرانی کرتی ہے لہٰذا اللہ کی صفت خاصہ نہیں ہے۔ لیک۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے کہ وہ مختار کو بغیر کسی آلہ کے خود اُس کے اختیار کو اُس کی کمند بنا دیتا ہے اور اُس کو پھانس دیتا ہے۔

[3] اختیارش۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے کہ وہ انسان کو خود اُس کے اختیار سے بغیر کسی آلہ کے شکار کر لیتا ہے۔ درودگر۔ بڑھئی۔ چوبے۔ یعنی

[1] قدرت۔ جو چیز ماہیت کے لوازم میں سے ہے وہ ماہیت سے جدا نہیں ہوتی ہے جماد کا بے اختیار ہونا اُسکی ماہیت کے لئے لازم ہے اُسی طرح انسان کا با اختیار ہونا اُسکی ماہیت کے لئے لازم ہے انسان کی جمادات پر قدرت جمادات کے بے اختیار ہونے کو سلب نہیں کرتی ہے اسی طرح اللہ کا اختیار اور قدرت انسان کے اختیار کو فنا نہیں کرتا ہے۔

کسی حسین کی تصویر۔ جتار۔ بعمار۔ نادرا۔ اگر غیر مختار بندوں پر اللہ کی حکومت ہو تو اس میں کوئی ندرت نہیں ہے ندرت تو یہی ہے کہ بندہ مختار ہوتے ہوئے اُس کے اختیار کا غلام ہے۔

خشم بدتر خاصہ از رب رحیم	**امر عاجز را قبیح ست و ذمیم**
غصہ کرنا زیادہ بُرا ہے خصوصاً رحیم پروردگار کی جانب سے	عاجز کو حکم دینا بُرا اور ناپسند ہے
ہیچ گاوے کو نپرد شد زنند	**گاو گر یوغ نگیرد میزنند**
بیل نہ اُڑے تو وہ عاجز ہے	بیل اگر جُوا نہیں لیتا ہے مارتے ہیں
صاحب گاو از چہ معذورست و دول	**گاو چوں معذور نبود در فضول**
(تو) بیل والا کس وجہ سے معذور اور احمق ہے!	بیکار (معاملہ) میں جب بیل معذور نہ ہوا
اختیارت ہست بر سبلت مخند	**چوں نہ رنجور سر را بر مبند**
تجھے اختیار ہے مذاق نہ اُڑا	جب کہ تو بیمار نہیں ہے سر کو نہ کس
بیخود و بے اختیار آنگہ شوی	**جہد کن کز جام حق یابی نوی**
پھر تو بے خود اور بے اختیار ہو جائیگا	کوشش کر تاکہ خدائی جام سے تر و تازگی حاصل کرے
تو شوی معذور مطلق مست وار	**آنگہ آں مے را بود کل اختیار**
تو مدہوش کی طرح بالکل معذور ہو جائے گا	تب اُس شراب کو پورا اختیار ہو گا
ہر چہ روبی رُفتۂ وے باشد آں	**ہر چہ گوئی گفتۂ مے باشد آں**
تو جو کچھ جھاڑے گا اس کا جھاڑا ہوا ہو گا	تو جو کچھ کہے گا وہ شراب کا کہا ہوا ہو گا
کہ ز جام حق کشیدست او شراب	**کے کند آں مست جز عدل و صواب**
کیونکہ اس نے خدائی جام سے شراب پی لی ہو	وہ مست انصاف اور صواب کے علاوہ کب کچھ کرتا ہے!
مست را پروائے دست و پا نیست	**جادواں فرعون را گفتند بیست**
مست کو ہاتھ اور پاؤں کی پروا نہیں ہے	جادوگروں نے فرعون سے کہہ دیا، ٹھہر جا
دست ظاہر سایہ است و کاسدست	**دست و پائے ما مئے آں واحدست**
ظاہری ہاتھ سایہ ہے اور کھوٹا ہے	ہمارے ہاتھ اور پاؤں اس خدا کی شراب مجسم ہو
خانۂ دل را فرو گیرد تمام	**چوں بسر بر شد ز جام او مدام**
دل کے گھر کو پوری طرح گھیر لیتی ہے	جب اس کے جام کی شراب سر میں بھر جاتی ہے

خواہش ۔ انسانی افعال میں انسان کی مشیت اور ارادہ کو بھی دخل ہے جو مشیت خداوندی کے تابع ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ چاہے اگر تم ایسا نہ ہو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف جبر اور گمراہ کرنے کی نسبت ہو جائے گی۔ چونکہ ۔ جب جبری انسان یہ کہتا ہے کہ میرا کفر کرنا اللہ کی مشیت سے ہے تو کفر کرنے کا اس نے اقرار کیا اور کفر وہ ہو جو انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے کرے تو گویا اس جبری نے اپنے اختیار کا اقرار کر لیا۔ ۲ه زانکہ ۔ اپنے ارادے اللہ کا انکار کرنا کفر ہے بلا اختیار کے انکار کرنا کفر نہیں ہے تو انسان اپنے کفر کا اقرار کرے اور پھر اپنا اختیار نہ مانے یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ امر عاجز کو حکم دینا بُری بات ہے خدا اس سے منزہ ہے۔ گاؤ ۔ بیل کو جوا کھینچنے کا اختیار حاصل ہو جوا دیکھنے پر جھکاتا ہے۔ اور نہ جھکنے پر اس کو کوئی نہیں مارتا ہے۔ گاؤ ۔ بعض عام طور سے جب بیل کو معذور نہیں سمجھا جاتا ہے تو اس کے مالک کو کیسے معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ ۳ه چوں نہ ۔ جبری معذور ہے وہ غلط طریقہ پر عذر کرتا ہے۔ جہد کن ۔ اے انسان جب تک ہوش کے ذریعہ خدائی اختیار کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو پھر جب تک وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔ جب وحدت کی شراب پلا کر مست ہو جاتا ہے تو معذور سمجھا جاتا ہے۔

لہ کے کند ۔ یعنی شراب معرفت کا مست غلط کام نہیں کرتا ہے۔ جادواں ۔ فرعون کے جادوگر شراب معرفت کے مست ہو گئے تھے اور کہنے لگے کہ ہمیں تم پاؤں کاٹے جانے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ دست ۔ جادوگروں نے کہہ دیا تھا کہ ہمارے اصل ہاتھ پاؤں شراب معرفت ہے یہ جسمانی ہاتھ پاؤں بے حقیقت ہیں۔ چوں ۔ جب شراب معرفت دماغ کو چڑھتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے۔

معنی[۳۳] ماشاء اللہ کان یعنی خواستِ اوست و رضا
جو اللہ (تعالیٰ) نے چاہا ہوا کے معنی یعنی مشیت، اُس ہی کی مشیت ہے اور رضامندی،

رضائے او واز خشم و رنجِ دیگراں دل تنگ نباشید کان
اُسی کی رضامندی ہے تم دوسروں کے غصہ اور رنج سے رنجیدہ نہ ہو (لفظ) کان

اگرچہ لفظِ ماضی ست لیکن در فعلِ خدا ماضی و مستقبل
اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن اللہ کے فعل میں ماضی اور مستقبل نہیں ہوتا ہے

نباشد کہ لَیْسَ عِنْدَ رَبِّنَا صَبَاحٌ وَّلَا مَسَاءٌ
کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں صبح اور شام نہیں ہوتی ہو

قولِ[۳۴] بندہ ایش شاء اللہ کاں ‫ بہرِ آں نبود کہ منبل شو دراں
بندہ کا یہ کہنا، جو خدا نے چاہا وہ ہوا ‫ اِس لئے نہیں ہے کہ تو اُس میں کاہل بنے

بلکہ تحریض ست بر اخلاص و جد ‫ کاندراں خدمت فزوں شو مستعد
بلکہ اخلاص اور کوشش پر برانگیختہ کرتا ہے ‫ کہ تو اُس دربار میں زیادہ مستعد بنے

گر بگویند آنچہ میخواہی تو راد ‫ کار کارِ تست بر حسبِ مراد
اگر وہ کہہ دیں، اے جوانمرد! تو جو چاہے ‫ کام تیرا ہی کام ہے منشاء کے مطابق

آنگہاں تنبل کنی جائز بود ‫ کانچہ خواہی وانچہ گوئی آں شود
اُس وقت تو کاہلی برتے، جائز ہوگا ‫ کیونکہ جو تو چاہے گا اور جو تو کہے گا، وہ ہوگا

چوں بگویند ایش شاء اللہ کان ‫ حکم حکمِ اوست مطلق جاوداں
جب وہ کہیں، جو اللہ نے چاہا ہوا ‫ ہمیشہ کو اور مطلقاً اُسی کا حکم، حکم ہے

پس[۳۵] چرا صد مردہ اندر وِردِ او ‫ برنگردی بندگانہ گردِ او
تو پھر کیوں سو انسانوں کی برابر اُسکے گھاٹ میں ‫ غلاموں کی طرح اُس کے گرد چکر نہ کاٹے گا

گر بگویند آنچہ می خواہد وزیر ‫ خواستِ آنِ اوست اندر دار و گیر
اگر کہہ دیں کہ وزیر جو چاہے ‫ پکڑ دھکڑ میں وہ منشاء کا مالک ہے

گردِ او گرداں شوی صد مردہ زود ‫ تا بریزد بر سرت احسان و جود
تو سو انسانوں کی طاقت سے اُسکے گرد چکر کاٹے گا ‫ تاکہ وہ تیرے سر پر احسان اور سخاوت بہائے

یا گریزی از وزیر و قصرِ او ‫ ایں نباشد جستجوی و نصرِ او
یا تو وزیر اور اُس کے محل سے بھاگے گا ‫ یہ اُس کی مدد اور جستجو نہ ہوگی

باز[۳۶] گونہ زیں سخن کاہل شدی ‫ منعکس ادراک و خاطر آمدی
تو اِس بات سے اُلٹا کاہل بنا ‫ تو اُلٹی سمجھ اور رائے والا ثابت ہوا

اگر انسان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ ہر کام تیری منشاء کے مطابق ہو جائے گا تو اُس وقت انسان خدا کی اطاعت اور بندگی میں سستی کرتا۔

[۳۳] معنی۔ جو اللہ نے چاہا ہوا کے معنی یہ ہیں کہ اصل مشیت خداوندی اور رضا دراصل رضائے خداوندی ہے دوسروں کی ناراضی سے تم کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔ کان۔ ہوا یہ ماضی کا صیغہ ہے جس میں گزرا ہوا زمانہ پایا جاتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا جائے تو اس میں پھر ماضی، مضارع کی بحث نہیں ہے اِس لئے کہ اللہ کی نسبت سے نہ کوئی زمانہ گزرا ہوا ہے نہ آنے والا ہے۔

[۳۴] قولِ بندہ۔ پہلے یہ بتایا تھا کہ بندے کے فعل میں اُس کی مشیت کا دخل ہے بظاہر مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ "جو اللہ نے چاہا ہوا" اِس کے مخالف ہوتا ہے لہٰذا مولانا اِس کے معنی سمجھاتے ہیں۔ ایش۔ ای شئی و، جو چیز۔ تنبل۔ کاہل۔ تحریض۔ برانگیختہ کرنا۔ خدمت۔ یعنی بارگاہ خداوندی۔ گر بگویند۔

[۳۵] پس۔ جب یہ کہا گیا کہ جو خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے تو انسان اُس کے دربار کے چکر کاٹتا ہے۔ ورد۔ گھاٹ۔ گر بگویند۔ اگر شاہی یہ اعلان ہو جائے کہ ہر معاملہ میں وزیر خود مختار ہے تو تمام انسان اُس کے گھر کا چکر کاٹیں گے اُس کے محل سے گریز کرنا اُس کی مدد کی طلب نہ ہوگی۔

[۳۶] باز گونہ۔ جبری نے اِس کا اُلٹا مطلب سمجھا اور عبادت میں سست پڑ گیا۔

امر امرِ آں فلاں خواجہ است ہیں
خبردار! حکم فلاں خواجہ کا حکم ہے

چیست یعنی با جز اُو کمتر نشیں
کیا ہے؟ یعنی اُس کے سوا کے ساتھ نہ بیٹھ

گردِ خواجہ گرد چوں امرِ آنِ اوست
خواجہ کے گرد چکر کاٹ جبکہ حکم اُسکی ملکیت ہے

کو کُشد دشمن رہاند جانِ دوست
کیونکہ وہ دشمن کو مارے گا دوست کی جان چھڑا دیگا

ہر چہ اُو خواہد ہماں یابی یقیں
جو وہ چاہے گا وہ یقیناً تو حاصل کرے گا

یاوہ کم رَو خدمتِ اُو بر گزیں
بیہودہ روی نہ کر اُس کا دربار منتخب کرلے

نے[٣] چو حاکم اُوست گردِ اُو مگرد
نہ کہ چونکہ وہ حاکم ہے اُس کے گرد چکر نہ کاٹ

تا شوی نامہ سیاہ و رُوی زرد
تاکہ تو سیاہ اعمال نامہ والا، زرد چہرے والا بنے

چونکہ حاکم اُوست اُو را گیر و بس
چونکہ حاکم وہی ہے اُس کو پکڑ اور بس

غیر اُو را نیست حکم و دسترس
اُس کے غیر کے لئے حکم اور قدرت نہیں ہے

حق بُود تاویل کاں گرمت کند
وہ تاویل صحیح ہے جو تجھے سرگرم کر دے

پُر اُمید و چُست و با شرمت کند
تجھے پُر اُمید اور چُست اور باحیا بنادے

ور کند سُستت حقیقت ایں بدال
اور اگر تجھے سُست بنائے، یہ حقیقت سمجھ لے

ہست تبدیل و نہ تاویلست آں
وہ تحریف ہے تاویل نہیں ہے

ایں[٤] برائے گرم کردن آمدست
یہ سرگرم کرنے کے لئے آیا ہے

تا بگیرد ناامیداں را دو دست
تاکہ وہ مایوسوں کی دستگیری کرے

معنیِ قرآں ز قرآں پُرس و بس
قرآن کے معانی قرآن سے دریافت کر اور بس

وز کسے کاتش زدست اندر ہوس
اور اُس شخص سے جس نے ہوس کو پھونک دیا ہے

پیشِ قرآں گشت قربانے و پست
جو قرآن کے سامنے قربان اور فرمانبردار بن گیا ہو

تا کہ عینِ روحِ اُو قرآں شدہ است
حتّٰی کہ اُس کی روح بعینہٖ قرآن بن گئی ہو

روغنے کو شد فدائے گُل بکُل
جو تیل، پھول پر بالکل فدا ہو گیا ہے

خواہ روغن بُوئے کُن خواہی تو گُل
(اب) تو خواہ تیل کو سُونگھ لے یا پھول کو

گر نمیدانی بجو تاویلِ آں
اگر تو نہیں سمجھتا ہے تو اُسکا مصداق تلاش کرلے

تا بتابد بر دلت آں راعیاں
تاکہ تیرے دل پر اُس کا نفع ہر چمک اُٹھے

ہمچنیں[٥] قد جف القلم و کتب ان لا یستوی
اِسی طرح اِس کی تاویل ہے کہ قلم (تقدیر) خشک ہو چکا ہے اور اُس نے لکھ دیا ہے کہ

الطاعة والمعصیة ولا یستوی الامانة والسرقة جف القلم ان لا
طاعت اور نافرمانی برابر نہیں ہے اور نہ امانت اور چوری یکساں ہے، قلم خشک ہو گیا ہے کہ شکر

یستوی الشکر والکفران جف القلم ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین
اور کفر برابر نہیں ہے۔ قلم خشک ہو گیا ہے، بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے

امر امرِ آں۔ اگر یہ اعلان ہو کہ فلاں سردار کا حکم چلے گا تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اُس کی صحبت اختیار کر اُس کا چکر کاٹ وہ تجھے دشمن سے بچائے گا جو وہ چاہیگا تجھے ملے گا۔

[٣] نے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ وہ حاکم ہے لہٰذا اُس کے قریب نہ جا۔ حق بُود۔ قرآن و حدیث کے وہ معنیٰ معتبر ہیں جو بندہ کو سرگرمِ عمل بنائیں اگر وہ معنیٰ سُست اور کاہل بناتے ہیں تو وہ تحریف ہے۔

[٤] ایں۔ یعنی ماشاءاللہ کان، سرگرمِ عمل کرنے کیلئے ہے معنیٔ قرآن۔ قرآن کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے آیت کی تفسیر دوسری آیت کی روشنی میں ہونی چاہئے یا اُس عالم سے کرا جس نے جو اور ہوس کو جلا ڈالا ہو۔ پیشِ قرآں۔ وہ عالم قرآن پر قربان ہو گیا ہو اور اُس کی رُوح مجسم قرآن بن گئی ہو۔ روغنے۔ اب اُس عالم اور قرآن میں وہی نسبت ہوگی جو پھول کے روغن اور پھول میں ہے کہ دونوں کو سُونگھنا یکساں ہے۔ گر نمیدانی۔ اگر سرگرمِ عمل کرنے والے معنیٰ تجھ پر ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو اُن کی تلاش کر۔

[٥] ہمچنیں۔ یہ حدیث شریف ہے اور حدیث میں ہے جف القلم بما ہو کائن قلم لکھکر خشک ہو گیا ہے ہر اُس چیز کو جو ہونے والی ہے۔ اِس پر صحابہؓ نے سوال کیا پھر عمل کس بات کے لئے آنحضورؐ نے فرمایا ہر انسان کو اُس چیز کی سہولت دے دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا

ہمچنیں تاویلِ قد جف القلم — بہرِ تحریض ست بر شغلِ اہم
اسی طرح بیشک قلم خشک ہو گیا ہے کی تاویل — اہم کام کی مشغولیت پر برانگیختہ کرنے کیلئے ہے

پس[3] قلم بنوشت کہ ہر کار را — لائقِ آں ہست تاثیر و جزا
قلم نے لکھ دیا، کہ ہر کام کی — تاثیر اور جزاء اُس کے مناسب ہے

کژ روی جف القلم کژ آیدت — راستی آری سعادت زایدت
ٹیڑھا چلے گا تجھ میں بھی ٹیڑھی لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے — تو سیدھا پن اختیار کریگا تیرے لئے نیک بختی پیدا ہوگی

ظلم آری مُدبری جف القلم — عدل آری برخوری جف القلم
تو ظلم کرے گا تو تو بدبخت ہے لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے — تو انصاف کریگا پھل کھائیگا قلم لکھکر خشک ہو گیا ہے

چوں بدزدد دست شد جف القلم — خوردہ بادہ مست شد جف القلم
جب چوری کرے گا ہاتھ کٹا قلم لکھکر خشک ہو گیا ہے — شراب پی کر مست ہو گیا قلم لکھکر خشک ہو گیا ہے

تو[1] روا داری روا باشد کہ حق — ہمچو معزول آید از حکمِ سبق
تو جائز سمجھتا ہے، مناسب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ — ازلی حکم کی وجہ سے معزول کی طرح ہو جائے

کہ ز دستِ من بروں رفت ست کار — پیشِ من چندیں میا چندیں مزار
کہ معاملہ میرے قابو سے باہر ہو گیا — میرے سامنے اتنا نہ آ، اتنی عاجزی نہ کر

بلکہ[2] معنیٔ آں بود جف القلم — نیست یکساں پیشِ من عدل و ستم
بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ قلم (لکھ کر) خشک ہو گیا ہے — میرے سامنے انصاف اور ظلم یکساں نہیں ہیں

فرق بنہادم میانِ خیر و شر — فرق بنہادم ز بد ہم از بتر
میں نے خیر و شر میں فرق رکھا ہے — میں نے بُرے اور بدتر میں فرق رکھا ہے

ذرہ گر در تو فزاید ادب — باشد از یارت بداند فضلِ رب
اگر تجھ میں ادب کی ایک ذرہ بڑھوتری — ہو، دوست سے خدا کا فضل جانتا ہے

قدرِ آں ذرہ ترا افزوں دہد — ذرہ چوں کوہے قدم بیروں نہد
اُس ذرے کی بقدر تجھے زیادہ دے گا — (وہ) ذرہ پہاڑ کی طرح رُونما ہوگا

پادشاہے[4] کہ بہ پیشِ تختِ او — فرق نبود از امین و ظلم جو
وہ بادشاہ کہ اُس کے تخت کے رُوبرو — امانت دار اور ظالم میں فرق نہ ہو

آنکہ می لرزد ز بیمِ ردِ او — وانکہ طعنہ میزند بر جدِ او
وہ شخص جو اُس کے جواب سے لرز رہا ہو — اور وہ شخص جو اُس کی بڑائی پر طعنہ زن ہو

ہوا ہے اگر وہ سعادت اور جنت کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے سعادت اور جنت کے اعمال سرزد ہونگے اور اگر وہ شقاوت کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے شقاوت اور جہنم کے اعمال سرزد ہونگے خلاصہ یہ ہے کہ قلم نے سعید کی سعادت اور شقی کی شقاوت لکھدی ہے اس طریقہ پر کہ یہ اعمال سعادت کے اعمال ہیں اور یہ اعمال شقاوت کے اعمال ہیں۔

[1] تو روا داری۔ اگر جف القلم کے یہ معنیٰ ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ ازل میں لکھ دیا ہے اور اب اُس کی قدرت کے تحت کچھ نہیں ہے تو گویا اب خدا خدائی سے معزول ہو گیا ہے۔ کز دست۔ تو تجویز کرے گا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اے بندے اب تو میرے پاس نہ آ اب کام میرے قابو سے باہر ہو گیا۔

[2] بلکہ۔ جف القلم کے صحیح معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لکھدیا ہے کہ انصاف اور ظلم یکساں نہیں ہیں فرق۔ اور یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے خیر اور شر میں بد اور بدتر میں فرق کر دیا ہے۔ ذرہ۔ اگر تجھ میں تیرے دوست کے اعتبار سے ایک ذرہ بھی نیکی زیادہ ہے تو اُس کو خدا جانتا ہے اور وہ اُس ذرے کا بدلہ دے گا جو پہاڑ جیسا ہوگا۔

[4] بادشاہے جس بادشاہ کے دربار میں امین اور ظالم میں فرق نہ ہو یا وہ شخص جو اُس کے خوف سے لرزتا ہے اور وہ شخص جو اُس کی بڑائی پر طعنہ زنی کرتا ہے اسکے دربار میں یکساں ہوں تو ایسے بادشاہ

[3] پس قلم نے لکھنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر کام کی تاثیر اُسکی مناسبت سے تحریر کر دی ہے۔ کژ روی۔ قلم نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تو کجی اختیار کرے گا تو نتیجہ کجی ہوگا۔ درستگی اختیار کرے گا تو اُس سے سعادت پیدا ہوگی قلم نے لکھ دیا ہے ظلم کا نتیجہ بدبختی ہے۔ عدل کا نتیجہ راحت ہے چوری کا نتیجہ ہاتھ کٹنا ہے شراب پینے کا نتیجہ مستی ہے۔

فرق نبود ہر دو یک باشد برش
دہ دونوں میں فرق نہ کرے اُسکے نزدیک دونوں یکساں ہوں

شاہ نبود خاکِ تیرہ بر سرش
وہ بادشاہ نہ ہوگا اُس کے سر پر کالی مٹی ہو

ذرّہ گر جہدِ تو افزوں شود
اگر تیری کوشش میں ایک ذرّہ بڑھے

در ترازوئے خدا موزوں شود
وہ خدا کی ترازو میں تولا جائے گا

پیشِ ایں شاہاں ہمارہ جانکنی
اِن بادشاہوں کے سامنے تو ہمیشہ جانکنی ہے

بیخبر ایشاں زغدر و روشنی
وہ غدّاری اور نورِ (قلب) سے غافل ہیں

گفت غمّازے کہ بد گوید ترا
اُس چغلخور کی بات جو تجھے بُرا کہتا ہے

ضائع آرد خدمتت را سالہا
وہ تیری سالوں کی خدمت کو ضائع کرا دیتا ہے

پیشِ شاہے کو سمیع ست و بصیر
اُس بادشاہ کے سامنے جو کہ سمیع و بصیر ہے

گفتِ غمّازاں نباشد جائے گیر
چغلخوروں کی بات نہیں ٹھہرتی ہے

جملہ غمّازاں ازو آیس شوند
سب چغلخور اُس سے مایوس ہو جاتے ہیں

سوئے ما آیند و افزایند بند
ہمارے پاس آتے ہیں اور رکاوٹیں اضافہ کرتے ہیں

بس جفا گویند شہ را پیشِ ما
اللہ (تعالیٰ) کا ہم سے بہت ظلم بیان کرتے ہیں

کہ برو جف القلم کم کن وفا
کہ جا قلم (لکھکر) خشک ہو گیا ہے وفاداری نہ کر

معنیِ جف القلم کے آں بود
قلم لکھکر خشک ہو گیا کے یہ معنی کب ہو سکتے ہیں!

کہ جفاہا با وفا یکساں بود
کہ ظلم، وفاداری کے برابر ہوتا ہے

بل جفا را ہم جفا جف القلم
بلکہ ظلم کے لئے (بدلہ) ظلم ہو قلم لکھکر خشک ہو گیا ہے

واں وفا را ہم وفا جف القلم
اور وفا کیلئے (بدلہ) وفا ہے قلم (لکھکر) خشک ہو گیا ہے

عفو باشد لیک کو فرِّ امید
معافی ہوگی، لیکن امید کی وہ شان و شوکت کہاں؟

کہ بود بندہ ز تقوی رو سپید
کہ بندہ پرہیزگاری کی وجہ سے سُرخرو ہو

دزد را اگر عفو باشد جاں برد
چور کو اگر معاف کیا جاتا ہے تو جان بچا لیتا ہے

کے وزیر و خازنِ مخزن شود
وزیر اور خزانہ کا خزانچی کب بنتا ہے؟

اے امین الدینِ ربانی بیا
اے امین الدین، اللہ والے! آجا

کز امانت رُست ہر تاج و لوا
کیونکہ امانت کی وجہ سے تاج اور جھنڈا رونما ہوا ہے

پورِ سلطاں گر برو خائن شود
شہزادہ اگر بادشاہ کا خائن بن جائے

آں سرش از تن بداں باتن شود
اُس کی وجہ سے اُس کا سر تن سے جدا ہو جائے

ور غلامے ہندوے آرد وفا
اگر ہندوستانی غلام وفا برتے

دولت اُو را میزند طالِ بقا
نصیب اُس کیلئے زندہ باد کا اعلان کر دے

چہ غلام ار بر درے سگ باوفاست
غلام کیا، اگر دروازے پر کتا وفادار ہے

در دلِ سالار اُو را صد رضاست
آقا کے دل میں اُس کی جانب سے سینکڑوں خوشنودیاں ہیں

کے سر پر خاک۔ ذرّہ۔ حقیقی خدا تو وہی ہے جس کی ترازو میں ایک ایک ذرّہ تولا جائے۔ پیشِ۔ یہ تو دنیاوی بادشاہوں کا طور طریقہ ہے کہ تو تمام عمر اطاعت کرتا ہے اور ایک چغلخور تیری ساری بھلائی برباد کرا دیتا ہے۔

۱؎ پیشِ شاہے۔ دانا و بینا خدا کے دربار میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی چغلخور چغلخوری کر سکے، وہاں سے چغلخور شیطان وغیرہ مایوس ہو کر ہمارے پاس آکر ہمیں بہکاتے اور شاہ کا ظلم بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے سب کچھ پہلے ہی لکھ دیا ہے اب اُس کے ساتھ وفاداری کیوں کرتے ہو۔

۲؎ معنی۔ یہ چغلخور شیطان کا جواب ہے کہ جف القلم کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جفا اور وفا یکساں ہے وفاداری سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہیں کہ جفا کا بدلہ جفا ہے اور وفا کا بدلہ وفا ہے۔ عفو باشد۔ شبہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی معاف کر دے گا تو پھر اطاعت اور نافرمانی یکساں ہو گئی مولانا نے جواب دیا ہے کہ معافی تو ہو جائے گی لیکن وہ انعامات حاصل نہ ہوں گے جو نیکوکاروں کو ملیں گے۔ دزد۔ چور کی معافی کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اُسکی جان بچ گئی لیکن اُس کو وزیر اور خزانچی کا رتبہ تو حاصل نہیں ہوتا۔

زیں[1] چو سگ را بوسہ بر پوزش دہد
اِس (وفا) کی وجہ سے جب کُتّے کی تھوتھنی چومتا ہے

گر بُوَد شیرے چہ پروزش کند
اگر وہ شیر ہو تو اُس کو کسقدر کامیابی عنایت کریگا؟

چہ مگر دُزدے کہ خدمتہا کند
سوائے اُس چور کے جو خدمتیں کرے

صدقِ اُو بیخِ جفا را بر کند
اُس کی سچائی ظلم کی جڑ اُکھاڑ دے

چوں فضیلِ رہزنے کو راست باخت
جیسا کہ ڈاکو (حضرتِ فضیل) جنھوں نے سچائی کی بازی لگائی

زاں کہ دہ مردہ بسوئے تو بتاخت
کیونکہ دس انسانوں کی طاقت سے تیری جانب دوڑے

وآنچناں[2] کہ ساحراں فرعون را
اور جس طرح کہ جادوگروں نے فرعون کا

رُو سیہ کردند از صبر و وفا
مُنھ کالا کردیا صبر اور وفاداری سے

دست و پا دادند در جرم و قود
قصور اور بدلے میں ہاتھ پاؤں دے دیئے

آں بصد سالہ عبادت کے شود
وہ سو سال کی عبادت سے کب ہوتا ہے؟

تو کہ پنجہ سال خدمت کردہ
تو جس نے پچاس سال عبادت کی ہے

کے چنیں صدقے بدست آوردہ
ایسی سچائی کب حاصل کی ہے؟

حکایتِ آں درویش کہ در ہرات غلامانِ عمیدِ خراسانی را

اُس فقیر کی حکایت جس نے عمید خراسانی کے غلاموں کو ہرات میں دیکھا

آراستہ دید بر اسپانِ تازی با قباہائے زربفت و کلاہ لمعے
بنا ٹھنا، عربی گھوڑوں پر زربفت کی قبائیں پہنے ہوئے اور (کڑھائی سے) ڈھپی

مُغرّق وغیرہ آں بپرسید کہ اینہا کدام امیرانند وچہ
ہوئی ٹوپیاں لئے ہوئے اُس نے پوچھا یہ کونسے سردار ہیں؟ اور کیسے بادشاہ

شاہانند گفتند اُو را کہ اینہا امیراں نیستند اینہا غلامانِ
ہیں؟ لوگوں نے اُس سے کہا کہ یہ سردار نہیں ہیں، یہ عمید خراسانی کے غلام

عمیدِ خراسان اند رُو بآسمان کرد کہ اے خداوند غلام
ہیں اُس نے آسمان کی طرف مُنھ کیا کہ اے اللہ تعالیٰ غلاموں کو پرورش

پروردن از عمید بیاموز آنجا مستوفی را عمید گویند
کرنا عمید سے سیکھ لے۔ وہاں وزیرِ اعظم کو عمید کہتے ہیں۔

آں یکے گستاخ رُو اندر ہرے
ایک مُنھ پھٹ نے ہرات میں

چوں بدیدے اُو غلامِ مہترے
جب اُس نے ایک سردار کے غلام کو دیکھا

جامۂ اطلس کمر زریں[3] رواں
اطلس کا لباس سونے کی پیٹی پہنے ہوئے جا رہا ہے

رُوئے کردے سُوئے قبلۂ آسماں
اُس نے آسمان کی جانب مُنھ کیا

---

[1] زیں۔ وفاداری اگر کتّا بھی کرتا ہے تو آقا اس کا منھ چومتا ہے اور اگر شیر وفاداری کرے تو پھر اس کی کامیابی کا کیا ٹھکانا ہے۔ چہ مگر۔ جیسے فرمایا تھا کہ چور کو معاف تو کر دیا جائے گا لیکن اُس کو اونچے مقامات حاصل نہ ہونگے اب اُس سے استثناء کرتے ہیں اس لئے کہ بعض ڈاکو لوگوں کو بڑے مقامات حاصل ہوگئے ہیں۔ چوں فضیل: حضرت فضیل بن عیاض ڈاکو تھے پھر تائب ہوئے اور اولیا اللہ میں اُن کا شمار ہوا۔

[2] وآنچناں۔ اسی طرح فرعون کے جادوگر توبہ کے بعد کامل بنے۔ رو سیہ کردند۔ یعنی فرعون کو روسیاہ کیا۔ دست و پا۔ اللہ کی محبت میں ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے یہ مقام ڈیڑھ سال عبادت سے بھی مشکل حاصل ہوتا ہے۔ تو کہ۔ عام انسان پچاس سال عبادت کرتا ہے لیکن اُن ساحروں کی سی سچائی اُس کو حاصل نہیں ہوتی ہے۔

کاے خدا! زیں خواجۂ صاحب مِنَن
کہ اے خدا! اِس احسانوں والے آقا سے

چوں نیاموزی تو بندہ داشتن
تو غلام رکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتا

بندہ پروردن بیاموز اے خدا
اے خدا! بندہ پروری سیکھ لے

زیں رئیس و اختیارِ شہرِ ما
ہمارے شہر کے اِس رئیس اور برگزیدہ سے

بُود محتاج و برہنہ بینوا
وہ محتاج اور ننگا بے سروسامان تھا

در زمستاں لرز لرزاں از ہوا
جاڑے میں ہوا سے کانپ رہا تھا

انبساطے کرد آں از خود بری
اُس بے خود نے بے تکلفی برتی

جرأتے بنمود اُو از لمترے
اور پھکڑپن سے اُس نے جرأت کی

[۲] اعتمادش بر ہزاراں موہبت
ہزاروں بخششوں پر اُس کو بھروسہ (تھا)

کہ ندیمِ حق شُد اہلِ معرفت
کیونکہ معرفت والا اللہ (تعالیٰ) کا مصاحب ہوتا ہے

گر ندیمے شاہ گستاخی کند
اگر بادشاہ کا مصاحب گستاخی کرے

تو مکن چوں تو نداری آں سند
تو نہ کرنا، کیونکہ تو وہ سہارا نہیں رکھتا ہے

حق میاں داد و میاں بہ از کمر
اللہ (تعالیٰ) نے کمر عطا کی اور کمر پٹی سے بہتر ہے

گر کسے تاجے دہد اُو داد سر
اگر کوئی تاج دیتا ہے تو اُس نے سر دیا ہے

[۳] تا یکے روزے کہ شاہ آں خواجہ را
یہاں تک کہ ایک دن بادشاہ نے اُس سردار پر

متہم کرد و بہ بستش دست و پا
تہمت لگا دی اور اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے

آں غلاماں را شکنجہ می نمود
اُن غلاموں کو سزا دی

کہ دفینۂ خواجہ بنمائید زود
کہ آقا کا خزانہ جلد دکھاؤ

سرِّ اُو با من بگوئید اے خساں
اے کمینو! اُس کا راز مجھے بتا دو

ورنہ بُرّم از شما حلق و لساں
ورنہ میں تمہارا حلق اور زبان کاٹ ڈالوں گا

مدتِ یک ماہ شاں تعذیب کرد
ایک مہینہ تک اُن کو ستایا

روز و شب از شکنجہ و افشار و درد
دن، رات شکنجہ اور دباؤ اور تکلیف تھی

پارہ پارہ کردشاں و یک غلام
اُنکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ایک غلام نے (بھی)

رازِ خواجہ وانگفت از اہتمام
ہمت کر کے، آقا کا راز نہ کھولا

[۴] گفتش اندر خواب ہاتف کے کیا
غیبی آواز نے اُس سے خواب میں کہا کہ اے سردار!

بندہ بودن ہم بیاموز و بیا
غلام بننا بھی سیکھ لے اور آ جا

اے دریدہ پوستینِ یوسفاں
اے یوسفوں کی پوستین پھاڑنے والے!

گر بدرّد گرگت آں از خویش داں
اگر تجھے بھیڑیا پھاڑے، تو وہ اپنے سبب سے سمجھ

زانکہ می بافی ہمہ سالہ بپوش
کیونکہ جو تو سارے سال بُنتا ہے، وہ پہن

زانکہ می کاری ہمہ سالہ بنوش
جو سارے سال بوتا ہے، وہ کھا

---

۱ کمر زریں۔ سونے کا پٹکا۔ خواجہ۔ یعنی عمید خراسانی محسن۔ احسانات۔ اختیار۔ یعنی مختار، برگزیدہ۔ تجرد یعنی وہ درویش اگرچہ اہل اللہ میں سے تھا لیکن اُس کی حالت نے اُس کو مجبور کیا کہ وہ اللہ کے تقرب کے بھروسہ پر یہ کہہ گزرا۔ لمتر۔ قوی، مرد۔ اس درویش کی حالت ہے۔

۲ اعتمادش۔ بعض مقربینِ بارگاہ، خصوصی رحم وکرم کی بنیاد پر ایسی گستاخی کر بیٹھتے ہیں، عوام کے لئے اِس طرح کی بات مناسب نہیں ہے۔ ندیمِ معرفتِ حق۔ مولانا عمید کی عطا سے اللہ تعالیٰ کی عطا کی افضلیت بتاتے ہیں۔

۳ تا یکے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس درویش کو اُس وقت جواب نہ دیا جب وہ عمید بادشاہ کا معتوب بنا تو ہاتفِ غیبی نے جواب دیا۔ آں غلاماں۔ عمید کے غلام عمید کے اِس قدر وفادار ثابت ہوئے کہ سختیاں برداشت کیں لیکن عمید کا راز نہ کھولا۔

۴ گفتش۔ اب اللہ کی جانب سے اس درویش کو جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عمید سے غلام پروری کیا سیکھے گا تو عمید کے غلاموں سے بندگی سیکھ لے۔ اے دریدہ۔ انسان جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ زانکہ۔ انسان کے جیسے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔

فعلِ تُست ایں غُصّہائے دمبدم — **ایں بُود معنیٔ قد جفّ القلم**

یہ ہر وقت کے رنج، تیرا کارنامہ ہے — قلم (لکھ کر) خشک ہو گیا کے یہ معنیٰ ہیں

کہ نگردد سُنّتِ ما از رَشَد — **نیک را نیکی بُود بد راست بد**

کیونکہ ہماری سنت بھلائی سے منحرف نہیں ہوتی ہے — نیک کے لئے نیکی ہوتی ہے بُرے کیلئے بُرائی ہے

کار۲ کُن ہیں کہ سلیماں زندہ است — **تا تو دیوی تیغِ اُو بُرندہ است**

کام میں لگا رہ، کیوں کہ سلیمان زندہ ہے — جب تک تو دیو ہے اُس کی تلوار کاٹ کرنے والی ہے

چوں فرشتہ گشت از تیغ ایمن ست — **از سُلیماں فارغ و از خوف رَست**

جب فرشتہ بن گیا، تلوار سے محفوظ ہے — سلیمان سے فارغ اور ڈر سے نجات پا گیا ہے

از سُلیماں ہیچ اُو را خوف نیست — **دشمنِ دیو ست وا زوے ایمنے ست**

سلیمان سے اُسے کوئی ڈر نہیں ہے — کیونکہ وہ دیو کا دشمن ہے اور اس سے (فرشتہ کو) امن حاصل ہے

حکمِ اُو بر دیو باشد نے مَلک — **رنج در خاکست نے فوقِ فلک**

(سزا کا) حکم دیو پر لگتا ہے، نہ کہ فرشتہ پر — تکلیف زمین پر ہے، نہ کہ آسمان پر

ترک۳ کُن ایں جبر را کہ بس تہیست — **تا بدانی سِرِّ سِرِّ جبر چیست**

اس جبر (کے عقیدے) کو چھوڑ کیونکہ خالی (ڈھول) ہے — تاکہ تو سمجھ جائے کہ جبر کے راز کا راز کیا ہے؟

ترک کُن ایں جبرِ جمعِ مُنبلاں — **تا خبر یابی ازاں جبر چو جاں**

کاہلوں کی جماعت کے جبر کو چھوڑ دے — تاکہ تجھے اس جبر کا پتہ لگ جائے جو جان جیسا ہے

ترکِ معشوقی کُن و کُن عاشقی — **اے گماں بُردہ کہ خوب و فائقی**

معشوقی چھوڑ اور عاشقی کر — اے وہ شخص جس نے گمان کر لیا ہے (کہ) تو حسین اور بڑھا ہے

اے۱ کہ در معنیٰ زشب خاموش تری — **گفتِ خود را چند جوئی مشتری**

اے وہ کہ معانی میں رات سے بھی زیادہ خاموش ہے — اپنی گفتگو کا خریدار کب تک تلاش کرے گا؟

سر بجُنبانند پیشت بہرِ تو — **رفت در سودائے ایشاں عمرِ تو**

تیرے سامنے تیری خاطر سے وہ جھومتے ہیں — اُن کے شوق میں تیری عمر برباد ہو گئی

تو مرا گوئی حسد اندر میپچ — **چہ حسد آرد کسے بر فوتِ ہیچ**

تو مجھ سے کہتا ہے کہ حسد کرنے میں نہ لگ — ناچیز کے فوت ہو جانے پر کوئی کیا حسد کرے؟

ہست تعلیمِ خَساں اے بار سخ — **ہمچو نقشِ خُوب کردن بر کلوخ**

اے بارسوخ! کمینوں کو تعلیم دینا — ڈھیلے پر اچھے نقش بنانا ہے

فعلِ تست۔ قرآنِ پاک میں ہے۔ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہاری لائی ہوئی ہے۔ کہ نگردد۔ سنتِ الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔ نیک۔ قرآنِ پاک میں ہے هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔

۲ کار کُن۔ سلیمان سے مراد شاہِ حقیقی ہے اور دیو سے مراد نفسِ امّارہ ہے۔ چوں فرشتہ۔ قرآنِ پاک میں ہے إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ جو اللہ کے دوست ہیں اُن پر نہ کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ از سلیماں۔ نیکوں کو عذاب سے امن حاصل ہے۔ حکمِ او۔ سزا کا حکم شیطان صفت کے لئے ہے۔ رنج۔ جب انسان ملکوتی بن جائے تو پھر راحت ہی راحت ہے۔

۳ ترک کُن۔ یہ جبرِ مذموم کا عقیدہ جو ترکِ اطاعت پیدا کرتا ہے اس کو چھوڑ کر فنا کا درجہ اختیار کر جب تجھے جبرِ محمود کا پتہ چلے گا اور معلوم ہو گا کہ تجھے اختیارِ خداوندی حاصل ہے اور تیرا ہر عمل اختیارِ خداوندی سے صادر ہوتا ہے۔ منبلاں۔ کاہل لوگ۔ چو جاں۔ جبرِ محمود بڑی قیمتی چیز ہے۔ ترک کُن۔ معشوقوں کا سا ناز ــــــ چھوڑ کر عاشقوں کا سا نیاز پیدا کر۔

۱ اے کہ۔ تو اپنی لچھے دار تقریروں پر نازاں ہے جو معانی سے بالکل خالی ہیں اور تو اپنی ان تقریروں سے خریدار ڈھونڈتا ہے۔ سر بجنبانند۔ یہ تیری تقریریں سننے والے محض تیرے لحاظ میں جھوم رہے ہیں اور تو ان کے عشق میں عمر برباد کرتا ہے۔ تو مرا۔ جب میں تجھے ان لچھے دار تقریروں سے روکتا ہوں تو تو مجھ پر حسد کا الزام لگاتا ہے حالانکہ ان لچھے دار

خویش را تعلیم کن عشق و نظر
اپنے آپ کو عشق اور نظر کی تعلیم دے

کاں بُوَد کالنقش فی جرم الحجر
کیونکہ وہ پتھر کی لکیر کی طرح ہے

نفسِ تو با تُست شاکر در وفا
تیرا نفس وفا داری میں تیرا شکر گزار ہے

غیر فانی شُد کجا جوئی کجا
غیر، فنا ہوگیا کہاں ڈھونڈتا ہے کہاں؟

تا کُنی مر غیر را حَبر و سَنی [۴]
جب تک تو دوسرے کو بڑا عالم اور اونچا بنا تا رہیگا

خویش را بد خُو و خالی میکُنی
اپنے آپ کو بد عادت اور خالی کرتا رہے گا

مُتّصل چوں شُد دلت با آں عدن
جب تیرا دل عدن سے وابستہ ہوگیا

ہیں بگو مہراس از خالی شُدن
ہاں کہتا رہ، خالی ہونے سے ہراساں نہ ہو

اَمرِ قُل زیں آمدش کاے راستیں
قل کا حکم اُن کو اسی لئے آیا کہ اے راست رو!

کم نخواہد شُد بگو دریاست ایں
کہیے، کم نہ ہوگا، یہ دریا ہے

اَنْصِتُوا [۳] یعنی کہ آبت را بلاغ
"تم خاموشی سے سنو" یعنی کہ اپنے پانی کو لغو باتوں سے

ہیں تلف کم کُن کہ اُب خشک ست باغ
خبردار! تباہ نہ کر، کیونکہ باغ پیاسا ہے

ایں سخن پایاں ندارد اے پدر
اے بابا! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے

ایں سخن را ترک کُن پایاں نگر
اس بات کو چھوڑ، انجام پر نظر کر

غیر تم آید کہ پیشت بیستند [۵]
مجھے شرم آتی ہے کہ تیرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں

بر تو می خندند و عاشق نیستند
تیری ہنسی اُڑاتے ہیں اور وہ عاشق نہیں ہیں

عاشقانت در پسِ پردہ کرم
تیرے عاشق کرم کے پسِ پردہ

بہرِ تو نعرہ زناں بیں دمبدم
اُن کو تو لمحہ بلمحہ اپنے لئے نعرے لگاتے ہوئے دیکھ

عاشقِ آں عاشقانِ غیب باش
تو اُن غیب کے عاشقوں کا عاشق بن

عاشقانِ پنج روزہ کم تراش
چند روزہ عاشق، نہ بنا

کہ بخوردندت [۶] زخُدعہ و جذبہ
دھوکے اور کشش سے اُنھوں نے تجھے کھایا

سالہا زیشاں ندیدی حبّہ
سالوں تو نے اُنکی جانب سے ایک رتی نہ دیکھی

چند ہنگامہ نہی بر راہِ عام
عام راستہ پر تو کب تک مجمع لگائے گا؟

کام جُستی بر نیامد ہیچ کام
تو نے مقصد کی تلاش کی، کوئی مقصد پورا نہ ہوا

وقتِ صحت جملہ یارند و حریف
تندرستی میں سب دوست اور ساتھی ہیں

وقتِ درد و غم بجُز حق کو الیف
درد و غم کے وقت سوائے خدا کے کون دوست ہے؟

---

[۱] آسمیے یہاں مراد دریائے وحدت ہے۔ امرِ قل۔ قرآن پاک میں ہے قُل لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي آپ کہہ دیجئے کہ خدا کے کلمات کے لئے اگر سمندر روشنائی بنیں تو وہ اس سے پہلے ختم ہو جائیگی کہ خدا کے کلمات ختم ہوں ——— [۳] انصتوا۔ قرآن پاک میں ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا "اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان دھرو اور خاموش رہو" لغو۔ بیہودہ گفتگو۔ ایں سخن۔ یعنی لچھے دار تقریروں کی بُرائی۔ پایاں۔ یعنی اپنے انجام کی فکر کر۔

تقریروں کے حاصل نہونے پر کوئی کیا حسد کرے گا یہ خود بیکار ہیں۔ نفث۔ عوام میں تقریریں کرکے واہ وا کرانا مٹی کے ڈھیلے پر باریک نقش و نگار کرنا ہے جو قائم نہیں رہ سکتا۔ خویش۔ اپنی اصلاح کر اور اپنے آپ کو عشق کی تعلیم دے یہ باقی رہنے والی چیز ہے۔

[۴] تا کُنی۔ دوسروں کو وعظ و تلقین سے اپنی اصلاح بہتر ہے۔ حبر۔ بڑا عالم۔ سَنی۔ بلند۔ متصل۔ یہ شبہ ہوا کہ بہت سے حقیقی بزرگ مُریدوں کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں تو اس سے کیوں روکا جا رہا ہے مولانا نے فرمایا کہ جو بزرگ ایسے ہیں کہ اُن کا اتصال دریائے وحدت سے ہوگیا ہے وہ تعلیم دیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ عدن۔ دال کے سکون سے، اقامت ہی ہے جنات عدن ہمیشگی اقامت کی جنتیں اور دال کے زبر سے شہر کا نام ہے جہاں سے عقیق

[۵] غیرتم۔ اے لچھے دار تقریر کرنے والے یہ سامعین تیرے حقیقی عاشق نہیں ہیں یہ تو تیرا مذاق اُڑاتے ہیں۔ عاشقانت۔ تیرے عاشق تو وہ ہیں جو تیری اصلاح کی دعائیں کرتے ہیں تو اُن عاشقوں کا عاشق بن اور چند روزوں کی واہ واہ کرنے والوں سے گریز کر۔

[۶] کہ بخوردندت۔ ان چند روزہ عاشقوں نے تجھے ضائع کر رکھا ہے اُن سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ چند ہنگامہ۔ عوام کا مجمع لگانے سے تیرا کوئی صحیح مقصد پورا نہ ہوا۔ وقتِ صحت۔ یہ تیرے عاشق

وقتِ دردِ چشم و دندان ہیچکس
دانتوں اور آنکھ کے درد کے وقت، کوئی شخص

پس ہماں درد و مرض را یاد دار
تو اسی درد اور مرض کو یاد رکھ

پوستیں آں حالتِ دردِ تو است
پوستین تیرے درد کی حالت ہے

دستِ تو گیرد بجز فریاد رس[3]
تیری دستگیری کرتا ہے! سوائے خدا کے

چوں ایاز از پوستیں گیر اعتبار
ایاز کی طرح پوستین سے عبرت حاصل کر

کہ گرفتہ است آں ایاز آں را بدست
جو اُس ایاز نے ہاتھ سے پکڑی ہے

راحت کے ساتھی بہیں مصیبت کے وقت کا ساتھی صرف خدا ہے۔
الیف۔ دوست۔
۳ فریادرس۔ اللہ تعالیٰ۔
درد۔ یعنی اس درد کے وقت کو اسی طرح پیشِ نظر رکھ جس طرح ایاز اپنی پرانی پوستین کو پیشِ نظر رکھتا اور اُس سے عبرت حاصل کرتا رہتا تھا۔
پوستین۔ ایاز پوستین سے عبرت حاصل کرتا اپنی مصیبت کے زینت کے عبرت کے لیے

شرح

مومن نے جواب دیا کہ اے معتقد جبر کافر! اب تو میری گفتگو سُن! تو نے اپنی تو کہہ لی اب میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اے شطرنج باز! تو نے اپنی چال تو چل لی اب تو اپنے حریف کی لمبی چوڑی چال دیکھ اور تو نے اپنا معذرت نامہ تو پڑھ لیا۔ اب تو ایک سنی کا جواب نامہ پڑھ اور اس عقیدہ کو چھوڑ! اس میں کیا الجھ کر رہ گیا ہے تو نے باب قضا میں جبریانہ گفتگو کی اب مجھ سے اسکی حقیقت سُن! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم کو فی الجملہ اختیار حاصل ہے اور یہ ایک امر محسوس اور بدیہی بات ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ تم حس و بداہت کا انکار نہیں کر سکتے پس تم اپنے اختیار کو دیکھو اور جبری نہ بنو۔ تم نے اس عقیدہ میں صراط مستقیم کو چھوڑ دیا ہے پس تم صراط مستقیم پر آؤ اور ٹیڑھے نہ چلو —— تفصیل اسکی یہ ہے کہ آدمی مکلّف ہے اور اس کا مکلّف ہونا اسکے اختیار کی واضح دلیل ہے کیونکہ پتھر کو کوئی نہیں کہتا کہ آ۔ اور ڈھیلے سے کوئی وفاداری کا.. طالب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں ان امور کی قدرت ہی نہیں ہے۔

علیٰ ھٰذا آدمی کو اُڑنے کا حکم کوئی نہیں دیتا کیونکہ اس میں اُڑنے کی قدرت ہی نہیں ہے یا یوں سمجھو کہ اندھے سے کوئی نہیں کہتا کہ تو مجھے دیکھ! وجہ اسکی یہی ہے کہ وہ عاجز ہے حق سبحانہٗ نے اسے جہاد سے مستثنیٰ کر دیا کہ لیس علی الأعمیٰ حرج اور کرنا بھی چاہیئے کیونکہ حق سبحانہٗ تو اپنے بندوں کو فراخی عطا فرماتے ہیں وہ کسی پر تنگی کیوں رکھیں گے۔ اور سُنو! پتھر سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تو دیر میں آیا۔ یا یوں کہو کہ لکڑی سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ اے لکڑی!

تو میرے کیوں لگی۔ غرض کہ مجبور سے اس قسم کے سوالات کوئی نہیں کرتا اور نہ کوئی معذور کو مارتا ہے۔ بلکہ امر اور نہی یا اکرام اور عتاب صرف صاحب اختیار کے لیے ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہم کو فی الجملہ اختیار ہے اور ہم ظلم و ستم وغیرہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور میں نے جو کہا ہے کہ نفس و شیطان مجھے کفر اور بت خانہ کی طرف کھینچتے ہیں اس کا یہی مطلب تھا کہ تم امور کو اپنے اختیار سے کرتے ہو۔ مگر یہ تمہارے معین ہوتے ہیں۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ تم کو اختیار حاصل ہے مگر وہ ساکن ہوتا ہے اور جب تک وہ کسی یوسف کو نہیں دیکھتا اس وقت تک اپنے ہاتھ کو زخمی نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اختیار اور داعیہ معصیت نفس میں ساکن ہوتا ہے مگر جب وہ کسی مغلوب کو دیکھتا ہے اس وقت وہ ہر پروے پھاڑ کر لپٹتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کتا جس وقت سوتا ہوتا ہے اس وقت اس کا اختیار مخفی ہوتا ہے مگر جب کہ وہ اوجڑی کو دیکھتا ہے تو اسکے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور وہ دم ہلاتا ہے یا یوں سمجھو! کہ گھوڑا سکون کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے اور اسوقت اس کا اختیار مستور ہوتا ہے مگر جس وقت وہ جو دیکھتا ہے اس وقت اسکے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور وہ ہنہناتا ہے۔

یا یوں سمجھو کہ بلی خاموش ہوتی ہے مگر جس وقت وہ گوشت کو دیکھتی ہے اسوقت اسکے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور وہ میاؤں میاؤں کرتی ہے — پس ان مثالوں سے معلوم ہوگیا کہ کسی مطلوب کو دیکھنا اختیار کو حرکت میں لاتا ہے جیسے آگ کہ جس وقت اس میں پھونک ماری جاتی ہے اس وقت اس سے شعلے اٹھتے ہیں جبکہ یہ تمہیدی مضمون معلوم ہوگیا تو اب سمجھو! کہ جس وقت ابلیس دلال... منکر تمہارے پاس کسی مطلوب کا پیغام لاتا ہے اس وقت تمہارے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور جبکہ وہ کسی مطلوب کو کسی عباد کے سامنے پیش کرتا ہے اس وقت اس کا سویا ہوا اختیار شور و شر کرتا ہے مگر برخلاف شیطان کے فرشتے اس کے سامنے اچھے مطلوبات پیش کرتے ہیں اور اسکے دل میں شورش پیدا کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارے اختیار خیر کو حرکت ہوتی ہے۔ شیطان اور فرشتوں کے مطلوبات خیر و شر کو پیش کرنے کی ضرورت

اسلئے ہے کہ تمہاری ہر دو خصلتیں یعنی اختیار خیر و اختیار شر سوئے ہوتے ہیں لہذا ضرورت ہوتی ہے کہ اسکو جگایا جائے تاکہ معنی امتحان متحقق ہوں۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ شیطان اور فرشتے ہر دو فریق مطالب خیر و شر کو برگہائی اختیار کو جنبش دینے کے لئے پیش کرتے ہیں اور الہامہائے ملائک اور وساوس شیاطین سے آدمی کا اختیار خیر و شر ظہور میں بہت کچھ بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے حکم ہے کہ تحلیل نماز یعنی ختم نماز کے وقت فرشتوں کو سلام کرو۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ تمہارے الہام اور دعوت الی اللہ فرشتے سے تیرا نماز کا اختیار جاری ہوگیا پھر جبکہ تم سے کوئی معصیت صادر ہوتی ہے توتم شیطان پر لعنت کرتے ہو۔ کیونکہ تم پر گناہ بار لاد کر... تمہاری کمر اسی نے جھکائی ہے لیکن یہ خفیہ مقاصد کو پیش کرنے والے پردۂ غیب میں رہ کر مقاصد کو پیش کرتے ہیں اور تم کو نظر نہیں آتے مگر جس وقت پردۂ غیب آگے سے اٹھ جائے گا اور قیامت میں مخفیات کا ظہور ہوگا اس وقت تم اپنے دلالوں کے منہ دیکھوگے اور اس کی باتوں سے پہچان لوگے کہ پردہ میں باتیں کرنیوالے فی الحقیقت یہی تھے کیونکہ شیطان کہے گا کہ اے پابند نفس و جسم میں نے برائیوں کو صرف تیرے سامنے پیش کیا تھا میں نے تجھے مجبور نہ کیا تھا۔ فلا تلوموني ولوموا انفسکم۔ اور فرشتے کہیں گے کہ ہم نے تو تجھ سے کہہ دیا تھا کہ اس کام کو نہ کر۔ گو اس وقت تجھے خوشی ہوگی۔ مگر آخر میں اس سے تیرا غم بڑھے گا اچھا بتلا! کہ کیا فلاں دن ہم نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ جنت کا رستہ یہ ہے تو ہمارا کہنا مان۔ ہم تیرے جانی دوست اور تیری روح کو بڑھانے والے اور تیرے جدامجد کو سجدہ کرنے والے اور آپکے مخلص ہیں اور جس طرح ہم ہمیشہ سے اس خاندان کے خادم ہیں یوں ہی اب بھی خدمت کرتے ہیں اور نیک مشورہ دیکر تجھے مخدومی کی طرف بلاتے ہیں اور یہ جماعت جو تجھے برائیوں کی ترغیب دیتی ہے یہ تیرے جدامجد کی دشمن اور ان کے سجدہ سے انکار کرنے والی ہے مگر تو نے ان کی بات مانی اور ہماری نہ مانی اور ہماری خدمات کا حق نہ پہچانا۔ اب تو تقریر اور لہجہ سے ہم کو اور ان کو پہچان لے کہ ہم وہی ہیں یا نہیں جو تجھے بھلائیوں کی ترغیب دیتے تھے اور یہ جماعت وہی ہے یا نہیں جو تجھے برائیوں کی طرف بلاتی تھی۔ آواز اور لہجہ سے پہچاننا کوئی بڑی بات نہیں۔

دیکھو! جب تم رات کے وقت کسی دوست کا تضرع سنتے ہو تو جب وہ صبح کو بولتا ہے تو تم جان لیتے ہو کہ یہ وہی ہے جو رات کو گڑگڑا رہا تھا۔ علیٰ ہذا اگر رات کو دو شخص کوئی خبر لادیں تم صبح کے وقت گفتگو سے دونوں کو پہچان سکتے ہو اور سمجھ سکتے ہو کہ یہ وہی ہے جس نے رات یہ بات کہی تھی اور یہ وہ جس نے یہ کہا تھا۔ علیٰ ہذا رات کے وقت شیر اور کتے کی آواز آتی ہے اور اندھیرے کے سبب صورت دونوں کی غیر محسوس ہوتی ہے مگر جس وقت صبح ہوتی ہے اور دونوں پھر بولتے ہیں تو تم دونوں کو آواز سے پہچان لیتے ہو۔ پس اسی طرح آواز سے فرشتے اور شیاطین بھی پہچانے جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیاطین اور ملائک جو کہ مطالب خیر و شر کو پیش کرتے ہیں وہ اختیار کو حرکت دے کر اس کی تکمیل کرتے ہیں اسلئے میں نے تیرے افعال کو ان کی طرف نسبت کر دیا تھا اور کہا تھا کہ نفس شیطان تجھے کفر اور بت خانے کی طرف لے جاتے ہیں۔

غرضکہ ہم کو اختیار حاصل ہے جو کہ ایک عرصہ تک غیر محسوس ہوتا ہے مگر جبکہ آدمی کو دو مطلوب نظر آتے ہیں تو وہ اختیار ظہور اور اثر میں بڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاد بچوں کو مارتے ہیں تاکہ ان کے اختیار کو حرکت ہو اور پتھر کو سزا نہیں دیتے۔ اچھا بتلاؤ! کیا تم پتھر سے کہتے ہو کہ کل آنا ورنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ یا کوئی عاقل ڈھیلے کو مارتا ہے یا پتھر پر غصہ ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ برخلاف آدمیوں کے کہ انکو مکلف بھی بنایا جاتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کو سزا بھی دیجاتی ہے اور ان پر عتاب بھی کیا جاتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آدمی کی حالت جمادات کے خلاف ہے اور وہ جمادات کی طرح مجبور نہیں ہے پس تو اعتقاد جبر کو چھوڑ۔ کیونکہ گو انکار تقدیر بھی برا اعتقاد ہے مگر جبر اس سے بھی زیادہ ذلیل عقیدہ ہے، کیونکہ جبری اپنے مشاہدہ کا انکار کرتا ہے۔ برخلاف قدری کے کہ وہ امر حسی کا انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ افعال کو مخلوق عباد کہہ کر فعل حق کا انکار کرتا ہے اور فعل حق امر محسوس نہیں ہے پس جو شخص فعل حق کا انکار کرتا ہے وہ کسی امر حسی کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ ایک ایسے امر کا انکار کرتا ہے جو برہان و دلیل عقلی سے ثابت ہے اسلئے ان دونوں کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کو دھواں دکھلائی دیتا ہے اور آگ اسکی نظر سے مخفی ہو یا روشنی دکھلائی دیتی ہو

اور شمع اسکی نظر سے اوجھل ہو اور وہ شخص کہے کہ دھواں تو ہے مگر آگ نہیں ۔ یا نور تو ہے مگر شمع نہیں اور دوسرا آگ کو شخص اور معین دیکھ رہا ہے اور اسکی وجود سے انکار کرتا ہے اس کا کپڑا جل رہا ہے اور کہتا ہے کہ آگ ہے ہی نہیں اور اس کا کپڑا جل رہا ہے اور کہتا ہے کہ تار ہے ہی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ دعویٰ جبر فی الحقیقت انکار حساب ہے اس سے لازم آیا کہ جبری دھری سے بھی بدتر ہو کیونکہ دھری کہتا ہے کہ عالم ہے مگر اس کا خالق اور اس میں متصرف کوئی نہیں اور اسلئے وہ گویا کہ ایسے دعا کرتا ہے جس کو کوئی قبول کرنے والا نہیں مگر جبری کہتا ہے کہ خود جہان ہی کوئی چیز نہیں پس یہ شخص سوفسطائی یعنی منکر بدیہیات اور مبتلائے ضلال ہے کیونکہ تمام عالم باب اختیار میں امر ونہی یعنی یہ لاؤ وہ نہ لاؤ ۔ وغیرہ کا اقرار کرنا اور جائز کہتا ہے مگر جبری کہتا ہے کہ امر و نہی کوئی چیز نہیں اور کسی کو کچھ اختیار نہیں لہٰذا یہ سب غلط ہیں ـــــ خیر انسان تو بڑی چیز ہے ہم کہتے ہیں کہ محسوسات تو حیوانات کو بھی اعتراف ہے ۔ ہاں ادراک دلیل دقیق ہے اسلئے حیوانات کو دلائل کا احساس نہیں ہو سکتا پس جبری جو کہ منکر اختیار محسوس ہے جانور سے بھی بدتر ہے پس حاصل یہ ہے کہ ہم کو اختیار حاصل ہے اور وہ ایک امر محسوس ہے لہٰذا اس کی بنار پر مکلف بنانا بالکل درست ہے ۔

شاید کوئی کہے کہ حس اختیار کو محسوس کیونکر کہا جاتا ہے آخر وہ کون سے حاسہ سے محسوس ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار حقیقۃً حسی نہیں ہے ۔ بلکہ مجازاً حسیّ ہے کیونکہ وہ ایک وجدانی اور ذوقی امر ہے اور وجدانیات وحسیات ہر دو ایک ہی فہرست میں داخل ہیں کیونکہ دونوں بدیہیات میں سے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم کہتے ہیں کہ چونکہ اختیار ایک بدیہی امر ہے لہٰذا اسکی بنار پر حکم فعل وترک اور امر ونہی وغیرہ واقعات مثلاً عتاب و تشریف وغیرہ بالکل ٹھیک اور عمدہ ہیں اور ان میں کسی قسم کا قبح اور کوئی برائی نہیں اور یہ ارادہ کہ میں کل یہ کروں گا اور وہ کروں گا ۔ یہ اختیار کی واضح دلیل ہے کیونکہ اگر اختیار ہی نہیں تو قصد و ارادہ چہ معنی دارد ۔ نیز کسی برائی پر نادم ہونا یہ بھی اختیار کے وجود کی دلیل ہے کیونکہ یہ راہ اُسی نے دکھائی ہے ورنہ فعل غیر اختیاری پر ملامت کیسے نیز یہ امر کہ قرآن اوامر ونواہی سے پر ہے یہ بھی ثبوت اختیار کی دلیل ہے کیونکہ مجبور کو امر نہیں کیا

جا سکتا۔ بھلا کسی نے دیکھا ہے کہ کوئی پتھر کو حکم بالمعنی الحقیقی کرتا ہو۔ اور کوئی دانا کوئی عاقل ایسا کرتا ہے یا پتھر اور ڈھیلے پر غصہ کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے یہ کہا تھا اور وہ کہا تھا۔ ارے بے جانو! اور عاجزو! تم نے ایسا کیوں نہیں کیا ہرگز نہیں بھلا کہیں عقل پتھروں اور لکڑیوں کو بھی حکم کرتی ہے اور چنگ نواز کہیں تصویر چنگ کو بھی بجاتا ہے جو کہ بجنے کی قابلیت نہیں رکھتی یا کوئی کہتا ہے کہ اے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے غلام! نیزہ اٹھا اور معرکہ جنگ میں چل۔ ہرگز نہیں۔ پس جبکہ عام عقلاء ایسا نہیں کرتے تو حق سبحانہ، جو خالق نجوم و سما ہیں یہ احمقانہ امر و نہی کیسے کر سکتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ بندہ کو ضرور اختیار ہے جس کی بنا پر وہ مکلف ہے اور اس سے باز پرس ہوگی تم نے قدر کو چھوڑ کر جبر کو اختیار کیا اور اس طرح گویا کہ اپنے زعم میں ایک اچھی بات کی کہ الزام عجز کو کہ جو تمہارے زعم میں بنا بر اعتقاد و قدر حق سبحانہ، پر عائد ہوتا ہے اس سے دفع کیا مگر تم اعتقاد جبری سے اس سے بڑی بلا میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ تم نے جہل و حماقت و سفہ کو اس کی طرف نسبت کیا نیز اول اعتقاد و قدر پر نسبت عجز الی اللہ لازم نہیں آتی کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور صرف اتنی بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مقدور حق نہ ہوں لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لیں کہ واقع اس میں نسبت عجز بسوئے قادر مطلق ہے۔ تب بھی معتقد قدر تم سے اچھے ہیں کیونکہ وہ اگر عجز کو اس کی طرف نسبت کرتے ہیں تو تم جہل و حماقت کو اس کی طرف نسبت کرتے ہو اور جہل عجز سے بُرا ہے کیونکہ عجز میں تخلی عن الفضائل ہے اور جہل میں تحلی بالرذائل۔ و بینہما بون بعید واستوضح ذلک من امر الجماد العاجز والشیطان الجاھل ــــ شاید تمہیں تسلط شیطان سے عجز انسان کا شبہ ہو لہٰذا اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہ، کو تمثیل کے لیے ایسا سمجھو جیسا ترک و للہ المثل الاعلیٰ اور شیطان کو اس کا کتا پس تسلط شیطان کی حالت ایسی ہے جیسے ترک اجنبی مہمان کو اپنی عنایت سے مطلع کر دے اور کہہ دے کہ میرے دروازہ پر تم نہ تو کتا لے کر آنا اور نہ گُدڑی پہن کر آنا اور ادب کے ساتھ فلاں جانب سے میرے پاس آنا۔ تاکہ میرا کتا تمہیں نہ کاٹ لے۔ مگر وہ مہمان جس طرح

ترک نے کہا تھا اس کی خلاف صورت میں جائے اس کا لامحالہ یہ نتیجہ ہوگا کہ کتا اُسے کاٹے گا اور وہ زخمی ہو گا ——— پس اسے یوں جانا چاہیئے جیسے غلام جاتے ہیں تاکہ اس کا کتا حلیم اور شفیق ہو جائے لیکن جبکہ وہ اپنے ساتھ کتا یا لومڑی لے جائے گا تو لامحالہ ہر خیمہ سے ایک کتا بھڑکے گا اور اسے صدمہ پہنچائے گا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ گو حق سبحانہٗ نے شیطان کو مسلط کیا ہے مگر اس کے ساتھ اس سے بچنے کے طریق بھی بتا دیئے ہیں پس اگر کوئی ان طریقوں سے کام نہ لے اور اسلئے وہ شیطان کے پنجہ میں پھنس جائے تو یہ خود اس کا قصور ہے جو کہ خود اس نے اپنے اختیار سے کیا ہے پس تسلط شیطان سے بھی آدمی کا عاجز اور مجبور ہونا لازم نہ آیا ——— اچھا یہ تو بتاؤ اگر خدا کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں تو پھر قصورواروں پر تمہیں غصہ کیوں آتا ہے اور دشمن پر تم دانت کیوں پیستے ہو اور اس کے افعال کو تم اس کا قصور اور جرم کیوں سمجھتے ہو۔ دیکھو اگر چھت میں سے کوئی کڑی ٹوٹ جائے اور تمہارے اوپر گر کر تمہیں سخت زخمی کر دے تو کیا تمہیں کڑی پر غصہ آئے گا اور تم اس کے دشمن ہو جاؤ گے اور یہ کہو گے کہ یہ مجھ پر کیوں گری اور اس نے میرا ہاتھ کیوں توڑا۔ یا پھر مجھ پر کیوں گری اور مجھے کیوں دبا دیا یہ میری دشمن جانی ہے اور اس نے قصداً میری جان لینے کا ارادہ کیا ہے تم ہرگز ایسا نہ کرو گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب آدمی ایسا ہی ہے جیسے کڑی تو تم اس کے دشمن ہوتے ہو۔ نیز ہم پوچھتے ہیں کہ جب آدمی مجبور ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم افعال ناشائستہ کی بنار پر بچوں کو مارتے ہو اور افعال حمیدہ کی بنا پر بزرگوں کو زد و کوب سے منزہ کرتے ہو اور دونوں میں فرق کیا ہے اور جو شخص تمہارا مال چرا لے اسکو کہتے ہو۔ لینا پکڑنا اسکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو اسے قید کر دو۔ وغیرہ وغیرہ اور جو تمہاری بی بی کے درپے ہوتا ہے اس پر بے حد و نہایت تم کو غصہ آتا ہے۔ لیکن اگر رَو آ کر تمہارے تمام اسباب کو بہا لے جائے تو کیا اس پر بھی تمہیں غصہ آئے گا۔ یا اگر ہوا آئے اور تمہاری پگڑی اڑا لے جائے تو تمہارے دل میں ہوا کے اوپر غصہ نہیں آتا یہ امتیاز اور تفرقہ کیوں ہے

پس ثابت ہوا کہ تمہارا غصہ خود اختیار کو ثابت کر رہا ہے تاکہ تم جبریانہ معذرت نہ کر سکو

اور خود اپنے افعال سے ملزم ہو جاؤ۔ اور سنو۔ دیکھو اگر کوئی شخص اونٹ کو مارتا ہے تو اونٹ مارنے والے کے درپے ہوتا ہے اسکو لکڑی پر غصہ نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اختیار عبد کا اونٹ کو بھی احساس ہے۔ علیٰ ہذا اگر تم کتے کے ڈھیلا مارو تو وہ پلٹ کر تم پر حملہ کرے گا اور پتھر کو کچھ نہ کہے گا لیکن اگر وہ کسی پتھر کو ہی پکڑے اور چبا لے تو اسکی وجہ بھی تمہارا غصہ ہے کیونکہ تم دور ہو اور اسلئے وہ تم پر قابو نہیں پاتا لہٰذا وہ پتھر کو چباتا ہے پس جبکہ عقول حیوانیہ کو بھی اختیار کا پتہ ہے تو اے عقلِ انسانی تجھے شرم کرنی چاہیئے اور یہ نہ کہنا چاہیئے کہ بندہ مجبور ہے۔ رہی یہ بات کہ جب اختیار اتنا واضح ہے تو پھر لوگ اس کے منکر کیوں ہیں سو اسکی وجہ یہ ہے کہ امر اختیار سفیدیٔ صبح کی طرح روشن ہے۔

لیکن قاعدہ ہے کہ سحری کی طمع سے کھانے والا روشنی سے آنکھ بند کر لیتا ہے اور چونکہ اُسے روٹی کھانے کی پوری خواہش ہوتی ہے اسلئے اندھیرے کی طرف منہ کرکے کہتا ہے کہ ابھی تو رات ہے ابھی دن نہیں نکلا پس جبکہ حرص خور آفتاب کو نظر سے مخفی کر دیتی ہے تو کیا عجب ہے اگر ہوائے نفس کی بنا پر وہ دلیل کی طرف سے منہ موڑ لے اور اس پر نظر نہ کرے۔

اچھا یہ حکایت سُنو اور اس سے تم اپنے اختیار کو عالم امتحان میں محسوس کرو۔ ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ بقضاء و بحکم الٰہی کیا ہے کوتوال نے جواب دیا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وہ بھی حکم خدا ہی ہے پس جبکہ تو اپنے کو چوری میں معذور سمجھتا ہے تو مجھے سزا میں معذور سمجھ یہ تو واقعہ تھا اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ بندہ مجبور نہیں ہے بلکہ مختار ہے کیونکہ چور کوتوال کو معذور نہ سمجھتا تھا۔ پس وہ خود ہی معذور نہ ہوگا اور اس کا اپنے کو معذور نہ سمجھنا کید نفس ہوگا اور سُنو۔ اگر کوئی شخص کسی دکان سے مولی اٹھا لے اور کہے کہ یہ بحکمِ خدا ہے اور میں معذور ہوں تو تم اس کے عذر کو قبول نہ کرو گے اور دو تین گھونسے اسکے سر میں لگاؤ گے اور کہو گے کہ اگر چوری حکم حق ہے تو یہ بھی حکم خدا ہے کہ یہیں رکھ دے پس جبکہ ایک مولی کے بارے میں بقال کے

نزدیک عذر جبر مقبول نہیں ہے تو بڑے غضب کی بات ہے کہ تم اس پوچ اور بیہودہ عذر کے بھروسہ پر سانپ اور بچھوؤں کے پاس جاتے ہو اور اپنے کو خطرہ میں مبتلا کرتے ہو۔ ارے بھولے نادان! اگر تو ایسے عذروں سے لوگوں کے خون اور مال اور عورتوں کو اپنے لیے حلال کریگا تو ہر شخص تیری مونچھیں اکھیڑے گا اور یہی عذر کریگا اور اپنے کو مجبور قرار دیگا اور کہے گا کہ اگر قضائے الٰہی تیرے لیے عذر ہے تو یہ عذر تو ہمیں بھی سکھا دے اور فتوے دیدے کہ جو کچھ میں کروں ہیں اس میں معذور ہوں۔ کیونکہ میرے دل میں بہت سی آرزوئیں اور خواہشات ہیں

پس تو عنایت کر اور مجھے بھی یہ عذر سکھا دے اور اس طرح میرے ہاتھ اور پاؤں سے گرہ کھول دے۔ اس کی اس بات کو تو ہرگز نہیں مان سکتا پس معلوم ہوا کہ تیرا عذر جبر غلط ہے اور تو مختار ہے اور سُنو! تم ایک پیشہ اختیار کرتے ہو جن کے معنی یہ ہیں کہ میں اختیار اور غور و فکر رکھتا ہوں۔ ورنہ بتلاؤ کہ تم نے اس پیشہ کو اور پیشوں کو درمیان میں سے کیوں انتخاب کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تم مختار ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب نفس اور خواہش کی نوبت آتی ہے تو بیس آدمیوں کا اختیار تمہارے اندر آجاتا ہے اور تم نہایت کوشش سے اس کام کو انجام دیتے ہو اور اگر کوئی نفع نفس تم سے ایک حبہ لے جاتا ہے تو جنگ کا اختیار تمہارے اندر پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب انعامات الٰہیہ کے شکر کا موقع آتا ہے تو پھر تمہیں اختیار نہیں رہتا۔ اور تم پتھر سے بھی زیادہ کم رتبہ ہو جاتے ہو لیکن یہ واضح رہے کہ دوزخ کو بھی تیرے لیے یقیناً یہی عذر ہو گا کہ تو معاصی کے لیے مجبور تھا ــــ میں جلانے میں معذور ہوں پس تو جس طرح اپنے کو معذور سمجھتا تھا مجھے بھی معذور سمجھ کیونکہ جب یہاں کوئی تجھے اس دلیل کی بنا پر معذور نہیں سمجھتا اور یہ دلیل یہاں تجھے جلاد کے ہاتھ سے دُور نہیں رکھتی تو چونکہ مدبر عالم ایک ہی ہے اور جو یہاں کا حاکم ہے وہی وہاں کا ہے اور جس کا قانون یہاں جاری ہے اسی کا وہاں ہے لہٰذا اس اس عالم کا حال بھی معلوم ہو گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ وہاں بھی کوئی تجھے معذور نہ رکھیگا اور یہ دلیل تجھے دوزخ سے نہ بچا سکے گی۔

اب ہم تجھے ایک اور حکایت سناتے ہیں جس سے اختیار کا ثبوت ہو اچھا سن !

ایک شخص درخت پر چڑھ گیا اور چوری سے خوب میوہ گرائے اتنے میں باغ والا آگیا اس نے کہا کہ ارے ذلیل آدمی تجھے خدا سے بھی شرم نہیں آتی یہ کیا حرکت کرتا ہے اس نے کہا اس میں شرم کی کیا بات ہے باغ خدا کا ہے اگر خدا کے باغ میں ایک خدا کا بندہ چھوہارے کھائے جو کہ اسکو خدا نے دیئے ہیں تو تو جاہلانہ ملامت کیوں کرتا ہے ارے خدا کے دسترخوان پر بخل کرتا ہے یہ سنکر اس نے کہا کہ ارے غلام! ذرا اسے لانا کہ میں اسے ایک عمدہ جواب دوں۔ یہ سنکر غلام اسکو لایا اور اس نے اُسے درخت سے خوب جکڑ دیا اور اس کی پنڈلی پر اور کمر پر سخت ڈنڈے مارنے شروع کئے اس پر اس نے کہا کہ ارے خدا سے شرما کہ تو ایک خدا کے بندہ کو بے قصور مارے ڈالتا ہے اس نے کہا کہ خدا کا ایک بندہ خدا کی لکڑی سے۔ خدا کی دوسرے بندہ کی کمر کوٹ رہا ہے بس جبکہ لکڑی بھی خدا کی ہے اور کمر اور پسلیاں بھی اسی کی اور میں اس کا غلام اور اس کے حکم کا آلہ ہوں تو مجھ پر کیا ملامت ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا۔ کہ میں نے جبر کو عذر بنایا تھا یہ میری غلطی تھی اب میں جبر سے توبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ضرور بندہ کو اختیار ہے اور چوری میرا قصور تھا تو مجھے چھوڑ دے اس سے ثابت ہوا کہ تم کو بھی اختیار ہے اب سمجھو کہ تمہارا اختیار خدا کے اختیار کو ثابت کرتا ہے۔

اور حق سبحانہٗ کے اختیار اور تمہارے اختیار کی ایسی مثال ہے جیسے سوار اور گرد کیونکہ جس طرح گرد سوار کی برانگیختہ کی ہوئی ہوتی ہے اور وہ برانگیختہ ہو کر خود ظاہر ہوتی ہے اور سوار کو چھپا لیتی ہے یوں ہی تمہارا اختیار ناشی ہے اختیار حق سے مگر اس اختیار نے حق کو چھپا لیا ہے۔

پس حاصل یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کو اختیار حاصل ہے اور اس کے اختیار نے تم کو اختیار دیا ہے اور تکالیف شرعیہ اسی اختیار پر مبنی ہیں جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ حق سبحانہٗ کو بھی اختیار ہے اور تم کو بھی۔ اب اپنے اور اس کے اختیار کا فرق سمجھو! تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر مخلوق کو ایک بے اختیار صورت پر حکومت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ وہ شکار کو بدون اختیار کے کھینچتا ہے اور زید کو کان پکڑ کر کھینچ لاتا ہے مگر حق سبحانہٗ کی کاریگری

کو دیکھو کہ اُس نے اختیار عبد کو اس کے کمند بنایا ہے اور اس کا اختیار خود اسے قید کرتا ہے اور حق سبحانہٗ بے کتے اور بے جال کے اس کا شکار کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ... مقدورات عبد بنا خواہ اور اضطرارا اس کا انقیاد کرتی ہیں۔ مگر حق سبحانہٗ بندوں سے اس کے اختیار سے اپنی خواہش کے موافق کام لیتے ہیں دیکھو بڑھئی کو لکڑی پر حکومت حاصل ہے مصور کو صورت جمیلہ پر اقتدار حاصل ہے۔ لوہار لوہے پر حکومت کرتا ہے۔ معمار کو کرنی بسولے پر حکومت حاصل ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ تمام اختیارات اور اقتدار حق سبحانہٗ کے اختیار اور اس کے اقتدار کے غلامانہ مطیع اور محکوم ہیں۔ شاید تم یہ کہو کہ جب اختیار عبد محکوم اختیار حق ہے تو وہ اختیار ہی کہاں رہا لہٰذا اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا محکوم ہونا اس کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔

دیکھو! کیا تمہاری قدرت پر جمادات نے ان سے جمادیت کو سلب کر دیا ہرگز نہیں پس جس طرح تمہارے جمادات پر قدرت ان سے جمادیت کو سلب نہیں کرتی یونہی تمہارے اختیارات کا محکوم حق ہونا اُن سے اختیاریت کو مسلوب نہ کرے گا پس گو ہر چیز بمشیتِ حق سبحانہٗ ہے مگر تم اس مشیت کو اس طرح سے کہو کہ وہ کامل ہے اور نقص جبر وہ میرا ہے اس کی طرف منسوب نہ ہو یعنی جبکہ تم یہ کہو کہ میرا کفر بمشیت حق سبحانہٗ ہے تو خود اپنی خواہش کو بھی سمجھو کہ وہ ہے اور اسے معدوم نہ بتاؤ کیونکہ واقع میں تمہاری خواہش کے بغیر تمہارا کفر نہیں ہو سکتا پس کفر کا اقرار ہو اور اپنی خواہش کا انکار۔ یہ واقع میں متناقض کلام ہے کیونکہ کفر کو اپنی طرف منسوب کرنا نفس الامر میں اقرار ہے۔ اپنی خواہش اور اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کا اسلئے کہ فی الواقع کفر ایک امر اختیاری ہے۔ گو قائل کو ان کا اقرار نہ ہو۔ اور افعال اختیاریہ بدوں مشیت و ارادہ و اختیار کے صادر نہیں ہو سکتے پس اقرار کفر خود من حیث لا یعلم المقر اقرار ہے ان سب امور کا۔ پس ان امور کا اقرار کر کے ان کی نفی کرنا واقع میں متناقض کلام بولنا ہے خواہ قائل کو اس تناقض کا ادراک نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے فعال میں مختار ہو نہ کہ مجبور۔ اب ہم اس کا مزید ثبوت

دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبد مکلف ہے اور اسے کہا گیا ہے کہ تم یہ کام کرو اور یہ نہ کریں۔ اور یہ امر بدوں اختیار کے نہیں ہو سکتا کیونکہ عاجز کو حکم کرنا عام عقلاء سے قبیح اور مذموم ہے اور کوئی عاقل اسکو جائز نہیں رکھ سکتا پھر اسکے عدم امتثال پر غصہ کرنا اور بھی برا ہے اسکو تو عقلاء بالاولیٰ جائز نہ رکھیں گے۔ پس جبکہ عاجز کو حکم کرنا اور عدم امتثال پر اس پر غصہ ہونا ہی عقلاء سے مذموم ہے تو حق سبحانہٗ سے تو بالاولیٰ قبیح ہوگا اور حق سبحانہٗ قبائح سے منزہ ہیں۔ پس وہ اس کا ارتکاب نہ کریں گے۔ حالانکہ انہوں نے بندوں کو مکلف ہی بنایا ہے اور عدم امتثال پر عتاب بھی فرمایا ہے پس لازم ہے کہ یہ افعال قبیح نہ ہوں اور قبیح اسی وقت نہ ہوں گے جبکہ اختیار ہو۔ پس اختیار ثابت ہو گیا۔ تم غور تو کرو۔ اگر بیل جوا نہیں لیتا۔ تو اُسے مارتے ہیں۔ بھلا کسی بیل کو اسلئے ہی مارتے ہیں کہ وہ اڑتا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس یہ فرق کیوں ہے اسی لیے وہ جوا لینے میں مختار ہے اور اڑنے میں مجبور۔ جس میں وہ مجبور ہے اس پر وہ قابل عتاب نہیں ہے اور جس میں مختار ہے اس میں مستحق عتاب ہے اب تم اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرو اور سمجھو کہ جب بیہودگی میں بیل معذور نہیں ہے۔ چنانچہ تم خود انکو معذور نہیں جانتے تو بیل والا کیسے معذور ہو سکتا ہے۔

الحاصل جب کہ تم بیمار نہیں ہو تو سر میں پٹی نہ باندھو یعنی جب تم مجبور نہیں ہو تو خواہ مخواہ مجبور نہ بنو۔ تم کو اختیار حاصل ہے پس تم اس کا انکار کر کے اپنا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اور اختیار سے کام لو۔ اور طلب حق میں امکانی کوشش کرو۔ تاکہ تجھے جام محبت حق سبحانہٗ ملے اور اسسے تیری کایا پلٹ ہو جائے اور اس وقت تو بے خود اور بے اختیار ہو جائے اور کل اختیار سے عشق کو حاصل ہو جائے اور تو مستوں کی طرح معذور مطلق ہو جائے اور تو جو کچھ کہے وہ مئے عشق ہی کا کیا ہوا ہو۔ اور جس کو تو صاف کرے وہ مئے عشق کا ہی صاف کیا ہوا ہو خلاصہ یہ کہ تم کوشش کرو۔ تاکہ تم کو عشق حق سبحانہٗ حاصل ہو جائے اور تم فنا فی المحبوب ہو جاؤ۔ جب تم کو یہ بات حاصل ہو جائے گی اس وقت تمہاری حالت یہ ہو گی کہ مستوں کی طرح بے اختیار ہو گے اور تمہارے افعال و اقوال عشق کی طرف منسوب ہوں گے جو کہ منشا

ہے ان اقوال وافعال کا۔ تم تشبیہ تبسکاری سے یہ نہ سمجھنا کہ سب عشق حق سبحانہ، کے افعال و
اقوال عام مستوں کی طرح مضطرب ہوں گے کیونکہ ایسا نہیں ہے بھلا جو مست کہ جامِ حق
سے شرابِ محبت پی چکا ہے اور فنا فی الحق ہو کر متخلق باخلاق اللہ ہو چکا ہے۔ وہ کہیں عدل
اور صواب کے بعد کوئی حرکت کرے گا ہرگز نہیں۔

(فائدہ: ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ فنائے تام اور اتحادِ محض ناممکن ہے پس
اس کلام کو اغلب احوال پر محمول کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ فانی من حیث ہو فانی
عدل صواب کے سوا کچھ نہیں کرتا اور جو اس سے لغزشیں ہوتی ہیں وہ من حیث الفنا نہیں
ہوتیں۔ بلکہ فی الجملہ بقاء خودی کے سبب ہوتی ہیں)

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا جو دفع دخل مقدر کے لیے لایا گیا تھا۔ اب پھر مضمون
سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو جب فرعون نے جادوگروں سے کہا
لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ
بس کر۔ ہم مست شراب عشق حق سبحانہٗ ہیں اور مستوں کو ہاتھ پاؤں کی پرواہ نہیں
ہوتی۔ ہمارے اصلی ہاتھ پاؤں تو شرابِ عشق حق سبحانہٗ ہے۔ رہے ہاتھ پاؤں ظاہری
سو یہ تو محض بے حقیقت اور نکمے ہیں ہم ان کو رکھ کر کیا کریں گے ـــ تم سمجھتے کیا یہ الفاظ
وہ اپنے اختیار سے کہہ رہے تھے نہیں! بلکہ وہ شراب اور مستی عشق تھی جو ان سے
یہ الفاظ کہلوا رہی ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب سر میں جام حق کی شراب بھر جاتی ہے
تو پھر وہ تمام دل پہ تسلط کر لیتی ہے۔ اور کچھ نفع ونقصان دنیاوی نہیں سوچنے دیتی
پس ایسی حالت میں آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ بالاضطرار کرتا ہے اور مستی بھی اس سے
کراتی ہے یہاں تک ہم نے اختیار کو ثابت کیا تھا۔

اب ہم ان نصوص کی توضیح کرتے ہیں۔ جن سے جبر کا شبہ ہوتا ہے منجملہ ان کے ایک
ماشاءاللہ کان ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پس
ہم کہتے ہیں کہ آدمی جو کہتا ہے کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ
آدمی مجبور ہے اور یہ اسکو اس سے تعلیم نہیں کیا گیا ہے کہ وہ سعی چھوڑ دے بلکہ اس کی

تعلیم میں ترغیب ہے خلوص اور سعی زائد کے اور کنایہ ہے کہ تم طاعت پر بہت زیادہ مستعد ہو جاؤ۔ کیونکہ اگر یہ کہیں کہ جو بندہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور زمام اُمور اسی کے قبضہ میں ہے جو وہ چاہے وہی ہو گا۔ ایسی حالت میں اگر وہ کچھ نہ کرے تو جائز ہے کیونکہ تمام امور اسی کے قبضہ و قدرت میں ہوں گے اور جو وہ چاہے گا۔ اور جو وہ کہے گا وہی ہو گا اس کے خلاف ہو سکتا ہے نہیں تو اس کو کسی ضرر کا اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جب اسے کسی ضرر کا اندیشہ نہیں تو اسکو اختیار ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ لیکن جب کہ اس سے یہ نہیں کہا جاتا۔ بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور حکم فی الحقیقت اور ہمیشہ اسی کا حکم مطلق ہے۔

ایسی حالت میں کون سی وجہ ہے کہ آدمی پوری کوشش سے غلامانہ اسکے گرد نہ گھومے اور اسکو اپنا مطاع اور مقصود نہ بنائے۔ دیکھو! اگر لوگ یہ کہیں کہ جو وزیر چاہے وہی ہوتا ہے اور معاملات حکومت میں اسی کی خواہش معتبر ہے تو تم.... انتہائی کوشش کے ساتھ اس کا طواف کرو گے اور حتی الامکان اسکی رضا جوئی میں کوشش کرو گے تاکہ وہ تم سے خوشنود ہو کر تم پر انعام واحسان کا مینہ برسا دے۔ یا تم وزیر اور اسکے محل سے بھی بھاگو گے؟ یقیناً تم پہلے بات کرو گے اور اس سے بھاگو گے نہیں کیونکہ اس سے بھاگنا۔ اس کی جستجو اور اس کی اعانت نہیں ہے۔ جس کی بنا پر تم انعام واحسان کے مستحق ہو۔ پس اس قاعدہ کی بنا پر تم کو چاہیئے یہی تھا کہ تم ماشاءاللہ کان کو سنکر اسکی طاعت میں اور سرگرم ہوتے۔ مگر تم نے الٹا یہ کیا کہ اس کو سن کر اور کاہل ہو گئے اور.... الٹی سمجھ اور لٹے خیال کے آدمی بن گئے۔ دیکھو یہ جو کہتے ہیں کہ حکم تو اصل فلاں صاحب کا ہے اس کے کیا معنی ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اسی سے تعلق رکھو اور اس کے سوا کسی سے ربط ضبط نہ رکھو اور کوئی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا پس جبکہ اسی کی چلتی ہے تو اسی سے تعلق رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ دشمنوں کو ہلاک کرتا اور دوستوں کو مصیبت سے چھڑاتا ہے لہٰذا اسکی مخالفت اور اس سے تعلق نہ رکھنا موجب خطرہ ہے اور اس سے تعلق رکھنا باعث نفع اور فائدہ ہے اور جو کچھ وہ چاہے گا وہی تم کو ملے گا اس کے سوا کچھ نہیں مل سکتا پس تم ادھر ادھر کہیں نہ بھٹکو اور اسی کی خدمت کرو اسکے معنی

ہیں کہ چونکہ وہ حاکم ہے اسلئے اس کے پاس نہ بھٹکو ۔ تاکہ ایسا کرنے سے تم بداعمال اور زرد رُو ہو جاؤ ۔ اور اس طرح اسکے قہر و غضب کے مستحق ہو جاؤ بلکہ اسکے معنیٰ یہی ہیں لہٰذا اسی کو پکڑ لینا چاہیئے اور کسی طرف نہ جانا چاہیئے کیونکہ اور کسی کو کوئی اختیار اور کوئی قدرت نہیں ہے پس اسی طرح ماشاءاللہ کان کے معنیٰ سمجھ لو کیونکہ معنیٰ صحیح وہی ہیں جو کہ تم کو طلب حق میں سرگرم کریں اور پر امید اور چست اور باحیا بنا دیں ۔ اور جو معنیٰ تمہیں سست اور کاہل بنا دیں وہ حقیقت میں تحریف کلام ہے نہ کہ اسکے صحیح معنیٰ ۔ اس کو خوب سمجھ لو پس یہ کلام ماشاءاللہ کان اسلئے وارد ہوا ہے کہ لوگ اور زیادہ کوشش کریں اور اس سے مقصود ناامیدوں کی دستگیری ہے تاکہ وہ یہ سمجھ کر کہ حق سبحانہٗ قادر مطلق ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں ۔ ناامیدی کو چھوڑ دیں اور سعی میں مصروف رہیں ۔ تم نصوص قرآنیہ کے معنیٰ اپنے جی سے نہ گھڑو ۔ بلکہ یا قرآن سے اسکی توضیح ڈھونڈو ۔ یا اُن سے پوچھو جنہوں نے خواہشات نفسانیہ کو آگ لگا دی ہے اور اپنے کو قرآن کا تابع محض بنا دیا ہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قرآن ان کا عین روح ہو گیا ہے کیونکہ ایسے لوگوں سے پوچھنا بھی قرآن ہی سے پوچھنا ہے مثلاً جو روغن اپنے کو گل میں فنا کر چکا ہو ۔ اور وہی گل کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس کا سونگھنا اور پھول کا سونگھنا دونوں یکساں ہو جاتے ہیں ۔

خلاصہ یہ ہے اگر تم کو اس نص کے صحیح معنیٰ معلوم نہیں ہیں تو تم ان کو تلاش کرو تا آنکہ وہ معنیٰ تم کو مشاہد ہو جاویں اور ذوقاً تم کو ان کی صحت معلوم ہو جائے اور یہی توجیہ جفّ القلم کی بھی ہے کہ وہ بھی مشاغل ضروریہ اور امور دینیہ کی طرف رغبت دلانے کے لیے ہیں اور معنیٰ جف القلم بما ہو کائن کے یہ ہیں کہ حق سبحانہٗ نے ہر کام میں اسکے مناسب ایک خاص اثر رکھا ہے اور اس پر خاص نتیجہ مرتّب کیا ہے ۔ قلم اُن تمام کاموں کو ان کے آثار و نتائج سمیت لکھ کر خشک ہو چکا ہے اب اس کے خلاف نہ ہو گا ۔ پس اگر کجروی اختیار کرو گے تو اس کا نتیجہ بد تم کو بھگتنا ہو گا کیونکہ جف القلم بہٰذا الامر ۔ اور اگر تم ٹھیک ٹھیک چلو گے تو اس سے تمہارے لیے سعادت پیدا ہو گی ۔ کیونکہ جف القلم بہٰذا الامر ۔ اور اگر تم ظلم کرو گے تو بُرا نتیجہ بھگتو گے کیونکہ جف القلم بہٰذا ۔ اور انصاف کرو گے تو اس کا پھل پاؤ گے

کیونکہ جف القلم بہذا۔ اور جب کوئی چوری کریگا تو ہاتھ کٹے گا لانہ جف القلم بہذا۔ اور اگر کوئی.. شراب پیئے گا تو مست ہوگا کیونکہ جف القلم بہذا۔

تم ہی بتاؤ کیا تم جائز رکھتے ہو۔ یا یہ امر فی نفسہٖ جائز ہے کہ حق سبحانہٗ حکم سابق کی بنا پر بمنزلہ معزول کے ہوجائیں۔ اور کہیں کہ اب معاملہ میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے کیونکہ جف القلم بما ہو کائن۔ لہٰذا اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ پس تم نہ میرے پاس آؤ اور نہ روؤ پیٹو۔ امید ہے کہ تم یہی کہو گے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ پس جبکہ ایسا نہیں ہوسکتا تو اس نص کے یہ معنی بھی نہیں ہوسکتے کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہو کر رہے گا پس ہمیں کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جف القلم بما ہو کائن کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک عدل اور ستم دونوں یکساں نہیں ہیں بلکہ ہم نے بھلائی اور برائی کے درمیان امتیاز رکھا ہے نیق ہم نے بد اور بدتر میں بھی امتیاز رکھا ہے اور اگر تمہارے اندر اپنے بارے ایک ذرہ برابر بھی ادب اور خوبی زائد ہوگی تو حق سبحانہٗ کو اس زیادتی کا بھی علم ہوگا۔ بلکہ بقدر اس ذرہ کے تم کو اجر زیادہ دیں گے اور وہ ذرہ پہاڑ کی طرح ظاہر ہوگا یعنی جس طرح بڑی بڑی نیکیاں قیامت میں محسوب ہوں گی یوں ہی وہ ذرا سی نیکی بھی محسوب ہوگی اور نظرانداز نہ کی جائے گی اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے کیونکہ جس بادشاہ کی عدالت میں امین اور ظالم میں فرق نہ ہو۔ اور جو شخص کہ مردود بارگاہ سلطانی ہوجانے کے خوف سے کانپتا ہو۔ اور جو شخص کہ اقبال شاہی پر طعنہ زن ہو۔ ان دونوں میں اسکے نزدیک کچھ فرق نہ ہو اور اسکی نظر میں دونوں یکساں ہوں اسکے سر پر خاک سیاہ پڑے۔ وہ بادشاہ نہیں ہوسکتا۔ وتعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ حق سبحانہٗ اس اندھیر کھاتے سے منزہ ہیں اسکی تو یہ حالت ہے کہ اگر تمہاری کوشش میں دوسروں کی سعی سے ذرہ برابر بھی زیادتی ہے تو وہ بھی میزانِ عدل خداوندی میں تولی جائے گی اور اتنا ہی اجر تم کو اوروں سے زائد دیا جائیگا۔

دیکھو! تم ان بادشاہوں کی جان توڑ کر خدمت کرتے ہو۔ حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ انکو معلوم نہیں کہ کون غدار ہے اور کون صاف باطن اور مخلص! اس بنا پر اگر کوئی شکایت کردے کہ فلاں شخص حضور کو برا کہتا تھا تو وہ تمہاری برسوں کی خدمت کو ملیامیٹ کردیتے

ہیں اور تمہیں سزا دیتے ہیں - مگر حق سبحانہٗ جوکہ اپنے باوفا غلاموں اور بے وفاؤں کو پہچانتے ہیں تم ان کی خدمت سے جی چُراتے ہو اور حیلہ بہانہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ خدمت سے کیا فائدہ جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا - کتنی بے انصافی کی بات ہے نیز ان بادشاہوں کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی چغل خور کہہ دے کہ حضور فلاں شخص آپ کو بُرا کہتا تھا تو تمہاری برسوں کی خدمت کو ملیامیٹ کر دیں گے اور فوراً تمہیں سزا دیدیں گے - مگر حق سبحانہٗ کی یہ حالت ہے کہ اس کے یہاں کسی چغل خور کی بات مؤثر نہیں ہوتی -

بنابریں تمام غماز ادھر سے مایوس ہو کر ہماری طرف آتے ہیں اور ہم کو سمجھاتے ہیں اور بادشاہ حقیقی کی برائیاں ہم سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجی وہ تمہاری جانفشانیوں پر کب نظر کرتے ہیں اسکو تو جو کرنا تھا وہ پہلے ہی لکھ چکے ہیں اور وہی کریں گے پس تمہاری اطاعت فضول ہے تم اپنے کو خواہ مخواہ مصیبت میں پھنساتے ہو تم بھی طاعت چھوڑ دو - جو ہوتا ہے وہ ہو رہے گا - پس تم ان چغل خوروں شیاطین الجن والانس کی بات نہ سُنو اور طاعت حق میں جد و جہد کرو - جف القلم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ طاعت و معصیت دونوں یکساں ہیں - جیساکہ یہ چغل خور کہتے ہیں - بلکہ اُس کے معنی یہ ہیں کہ معصیت کے لیئے سزا مقرر ہو چکی ہے اور طاعت کے لیے انعام مقرر ہو چکا ہے - مگر ہر دو تقدیروں میں یہ فرق ہے کہ تقدیر اوّل مُعلّق بشرطِ مشیئت ہے اور تقدیر ثانی حتمی اور لازم - اس بنا پر جرائم معاف ہو سکتے ہیں لیکن اگر جرائم معاف بھی ہو جائیں تو وہ امید درجات عالیہ کہاں جو نیکوں کو ہوتی ہے کیونکہ آدمی روشن چہرہ تو تقوے سے ہی ہوتا ہے مثلاً اگر چور کو اگر معاف بھی کر دیا جائے تو اس کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جان بچالے گا - یہ تو نہ ہوگا کہ اسکو امین اور خزانہ شاہی کا خزانچی بنا دیا جائے وعلیٰ ہذا گنہگاروں کو بخش ہی دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ دوزخ سے بچ کر جنت میں پہنچ جائیں گے مگر ان پر وہ انعام و افضال کب ہو سکتے ہیں جو بندگانِ خاص پر ہونگے پس اے طالب دین کے میلو! یعنی مکلفو آؤ - اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیکر مراتب رفیعہ حاصل کرو کیونکہ مراتب رفیعہ کا منشا وفاداری ہی ہے نہ کہ بے وفائی -

دیکھو! اگر شاہزادہ بھی خیانت شاہی کرے تو اس کا سر بھی اس کے جسم سے جُدا کر

کردیا جائے گا۔ اور اگر کوئی غلام ہندی بھی وفا کرے جو گورنمنٹ اس پر مہربان ہوگی۔ اور اسکے لیے طال بقاک کے نعرے لگائے گی۔ خیر غلام تو پھر بھی بڑی چیز ہے۔ اگر دروازہ پر کتا بھی وفادار ہو تو اسکے آقا کے دل میں اسکی بھی بہت جگہ ہوتی ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اب تم غور کرو کہ جب وفا کی بدولت کسی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مالک اس کا منہ چومتا ہے تو اگر شیر باوفا ہو تو اسکو کس قدر کامیابی ہوگی۔

کہ اگر چور بھی چوری سے توبہ کرکے طاعت سلطانی میں مصروف ہو جائے تو اس کا یہ خلوص اسکے جرم سابق کو جڑ سے اُکھیڑ پھینکتا اور کالعدم کردیتا ہے۔

مثال کے طور پر فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لو جو کہ ابتدا میں ڈاکو تھے مگر بعد کو صحیح چال چلے کیونکہ پوری کوشش سے حق سُبحانہٗ کی طرف دوڑے اور غور کرو کہ اس خدمت کی بدولت درگاہ حق سبحانہٗ میں ان کا کیا مرتبہ ہوگیا۔ علیٰ ہذا۔ جادوگروں کو دیکھ لو کہ جنہوں نے اپنے صبر اور وفا سے فرعون کا منہ کالا کردیا۔ اور اس جُرم اور اسکے انتقام میں ہاتھ پاؤں بھی دیدیے اور دیکھو کہ اسی دم سے ان کا کیا رتبہ ہوگیا یہ وہ خلوص تھا جو سو برس کے عابدانہ عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنے کو دیکھ لو کہ تم نے پچاس سال یا زائد از پچاس سال عبادت کی ہے مگر تم کو وہ صدق حاصل نہیں ہُوا جو انکو ذرا سی دیر میں حاصل ہوگیا تھا۔

اب ہم تمہیں ایک حکایت سُناتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہو کہ صدق اور وفا نہایت ضروری چیز ہے۔ اچھا سُنو! ہرات میں ایک بزرگ تھے جو کہ بظاہر گستاخ عہ اور بے باک تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب وہ ایک رئیس کے غلاموں کو دیکھتے اور دیکھتے کہ اطلس

عہ مولانا نے ان کو گستاخ رو۔ یعنی بظاہر گستاخ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں ؎

نبض عاشق بے ادب بر می جہد

خویش را در کفۂ شہ می نہد بے ادب تر نیست زوکس در جہاں۔

کے کپڑے پہنے ہوئے اور کمر پر زریں پٹکا باندھے ہوئے جارہے ہیں تو وہ آسمان کی طرف منہ کرکے یہ کہتے کہ اے اللہ! آپ اس محسن ہرات سے غلام رکھنا کیوں نہیں سیکھتے آپ ہمارے شہر کے رئیس اور حاکم سے بندہ پروری سیکھیے۔

وجہ اس گفتگو کی یہ تھی کہ یہ بزرگ محتاج اور ننگے اور بالکل بے ساز و سامان تھے اور ہوا کی سردی سے جاڑے کے موسم میں تھر تھر کانپ رہے تھے پس جبکہ اس رئیس ہرات کا اپنے غلاموں کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھا اور اپنے بادشاہ کا اپنے ساتھ یہ سلوک مشاہدہ کیا تو اس فانی فی اللہ نے ذرا بے تکلفی سے کام لیا اور اپنی عظمت شان کے سبب حق سبحانہ، کی جناب میں جرأت کر بیٹھے اور ایک فقرہ کس دیا۔ اور منشاء اس بے تکلفی کا یہ تھا کہ ان کو حق سبحانہ، کی ہزاروں عنایتوں پر بھروسہ تھا۔ اور جانتے تھے کہ حق سبحانہ، کی مجھ پر اس قدر عنائتیں ہیں کہ وہ اس بے تکلفی سے ناخوش نہ ہوں گے۔ اور وجہ اسکی یہ تھی کہ وہ عارف تھے اور عرفا حق سبحانہ، کے ندیم اور مزاج شناس ہوتے ہیں۔

بنا بریں وہ بھی مصاحب اور مزاج شناس تھے اس مقام پر تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ گو ان بزرگ نے گستاخی کی تھی مگر تمہارے لیے ان کی تقلید جائز نہیں پس تم ان کی دیکھا دیکھی گستاخی نہ کرنا کیونکہ وہ تو حق سبحانہ، کے مصاحب اور مزاج دان تھے مگر تم ایسے نہیں ہو۔ اور اگر بادشاہ کا کوئی مصاحب بادشاہ کی جناب میں کوئی گستاخی کرے جسے بادشاہ برا نہ مانے تو تم کو وہ بات نہ کرنی چاہیئے کیونکہ جس اعتماد پر ندیم یہ جرأت کرتا ہے وہ اعتماد تم کو حاصل نہیں ہے اب سمجھو! کہ جس طرح ان بزرگ کا کلام حق سبحانہ، کی جناب میں گستاخی تھا۔ یوں ہی فی نفسہٖ غلط بھی تھا کیونکہ اس میں اس رئیس کے انعامات کو انعام خداوندی سے بڑھ کر بتلایا گیا تھا اور یہ صحیح نہیں کیونکہ اس رئیس نے غلاموں کو پٹکا دیا تھا اور ان بزرگ کو حق سبحانہ، نے کمر دی ہے ... اور یہ یقینی بات ہے کہ کمر پٹکے سے بہتر ہے۔ نیز اس نے انکو تاج دیا تھا اور حق نے ان بزرگ کو سر دیا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سر تاج سے افضل ہے۔ پس ضروری ہے کہ حق سبحانہ، کا انعام ان بزرگ پر بہ نسبت اس انعام کے جو رئیس ہرات نے اپنے غلاموں پر کیا تھا بہت زائد ہو نہ کہ کم۔ جیسا کہ ان

بزرگ نے ظاہر کیا ہے - ایک جواب ان بزرگ کے کلام کا یہی تھا مگر حق سبحانہٗ نے انکو تحقیقی یہ جواب نہیں دیا - بلکہ اس الزامی جواب کیلیے جو اس سے زیادہ دلچسپ تھا - مگر ایک واقعہ پر موقوف تھا - سردست کچھ جواب نہ دیا - تاآنکہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز بادشاہ نے اس رئیس پر کوئی جرم قائم کیا اور اسکے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اس کے غلاموں کو بھی شکنجہ میں دیدیا - اور کہا کہ اس رئیس کا خزانہ بتلاؤ - اور اس کا راز ہم سے کہہ دو - ورنہ ہم تمہاری زبان اور تمہارا گلہ کاٹ ڈالیں گے ایک ہفتہ تک برابر انکو تکلیف دی - اور رات دن ان کے لیے شکنجہ اور دباؤ اور ایذا رہتی اور مارتے مارتے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے تھے - مگر کسی نے بھی اس رئیس کا راز ظاہر نہیں کیا - اس پر ہاتف غیبی نے خواب میں ان بزرگ سے کہا کہ جناب آپ اس رئیس کے غلاموں سے غلامی سیکھئے اور آجائیے ہم ویسے ہی انعامات کرنے کو تیار ہیں جیسے وہ آقا کرتا تھا تم تو اسکے غلاموں کی سی وفاداری نہ سیکھو اور مجھ سے اس کا سلوک چاہو - کتنی بڑی بے انصافی کی بات ہے -

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جسنے بے گناہوں پر زیادتی کی ہے تو حق سبحانہٗ کے اس جواب سے سبق حاصل کر اور سمجھ کہ تجھ کو اگر کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کا سبب خود تو ہے کیونکہ تو نے اوروں پر ظلم کیا تھا - اوروں نے تجھ پر ظلم کیا پس جو کچھ تو بنے اسی کو سال بھر پہن اور جو کچھ تو بوئے اسی کو سال بھر کھا - یعنی جو کچھ تو کرے اُس کا خمیازہ بھگت -

یاد رکھ کہ تجھ کو جو ہر وقت رنج پہنچتے رہتے ہیں یہ سب تیرے کرتوتوں کے نتائج ہیں اور جف القلم کے معنی یہی ہیں کہ ہماری عادت راستے سے نہیں ہٹتی اسلیئے اچھے کو اچھائی ملتی ہے اور بُرے کو بُرائی - پس اگر تم کو مضار سے بچنا مقصود ہے تو اطاعت حق سبحانہ کرو - کیونکہ وہ حیّ قیوم موجود ہے اور افعال کی نگرانی کر رہا ہے ایسی حالت میں اگر تم سرکشی کروگے تو یاد رکھو کہ اس کا قہر تمہارے لیے موجود ہے - دیکھو جب آدمی مطیع ہو جاتا ہے تو پھر اسکو قہر حق سبحانہٗ کا کھٹکا نہیں رہتا اور وہ عتاب حق سبحانہٗ سے

واقع میں مطمئن ہو جاتا ہے اور خوف سے نجات پاجاتا ہے (مگر خود اسکو مطمئن نہ ہونا چاہیئے) اور واقع میں اسکو حق سبحانہٗ سے کوئی خوف نہیں رہتا (مگر اسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اب میرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔) کیونکہ دشمنی و عتاب سرکشوں کی طرف سے ہے اور حق سبحانہٗ کی طرف سے تو بے خوفی ہے یعنی عتاب سرکشی سے پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ وہ تو نہایت رحیم ہیں اور حق سبحانہٗ کا تشدد تو نافرمانوں اور سرکشوں پر ہوتا ہے نہ کہ مطیعین پر اور تکلیف تو۔۔ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک آدمی محبوس ناسوت رہے ورنہ جبکہ وہ بذریعہٗ طاعت کے ملحق بہ ملکوت ہوگیا اس وقت اسکو کچھ تکلیف نہیں ہوتی جبکہ یہ معلوم ہوگیا تو اب تمکو چاہیئے کہ طاعت میں مشغول ہو۔ اور جبر میں کچھ نہیں دھرا اسے چھوڑ و۔ جب تم جبر کو چھوڑ دو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت جبر کیا ہے پس تم اس جبر کو جس کو کاہل لوگوں نے کام نہ کرنے کا حیلہ بنا رکھا ہے چھوڑ دو۔ تاکہ تم اس جبر سے آگاہ ہو۔ جو جان کی طرح عزیز ہے وہ جبر یہ ہے کہ آدمی اپنے اختیار کو حق سبحانہٗ کی مرضی کے تابع کر دے اور اپنے کو اس کی خواہش کا آلہ بنا کر خود معطل ہو جائے۔ یہ جبر محمود ہے اور قابل تحصیل ہے۔

برخلاف جبر سابق الذکر کے۔ جس کو کاہل لوگ اپنے کام نہ کرنے کا حیلہ بناتے ہیں ـــــ یہاں تک تو مولانا نے عوام کو نصیحت فرمائی تھی جو کہ کچھ کام نہیں کرنا چاہتے اور عذر یہ کرتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ اب ان ناقصین کی اصلاح فرماتے ہیں۔ جو مشائخ یا معلم بنے ہوئے ہیں اور اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے وہ لوگو! جو اپنے کو اچھا اور بڑھیا سمجھتے ہو اور اسلئے طالبین کے فکر میں منہمک ہو۔ تم مطلوبی خلق کو چھوڑو اور طالب حق بنو اور اے وہ لوگ! جن کے باطن میں رات سے زیادہ سناٹا ہے۔ تم اپنی گفتگو کے خریدار کب تک تلاش کرو گے۔ اس لغو حرکت کو چھوڑو اور کمال حاصل کرو۔ لوگ تمہاری باتیں سُن سُن کے جھومتے ہیں۔ تم اس کو پسند کرتے ہو۔ اور ایسے لوگوں کو تلاش کرتے ہو۔ سو ان کی تلاش ہی میں تمہارا وقت ضائع ہوگیا۔ اور

نہ حاصل کیا۔ شاید تم میری نصیحت کو رشک اور حسد پر محمول کرو۔ اور کہو کہ تم ہمارے اوپر حسد نہ کرو۔ اسلیے میں کہتا ہوں کہ بھلے مانسو! یہ کچھ چیز بھی ہو جس کے حاصل نہ ہونے پر کوئی رشک کریگا۔ تم سوچو تو سہی کہ ایک لاشے کے فوت ہونے پر کوئی کیا رشک کر سکتا ہے پس تم میری گفت گو کو حسد پر محمول نہ کرو اور سمجھو کہ تم جو عوام کی تعلیم و تلقین میں مصروف ہو۔ اس کا کوئی معتدبہ نتیجہ نہیں ہے کیونکہ ان کی تعلیم ایسی ہے جیسے ڈھیلے پر عمدہ نقش بنانا کہ ذراسی ٹھیس لگی ڈھیلا ٹوٹ گیا اور تمہاری ساری محنت اکارت ہوگئی پس تم اس دھندے کو چھوڑ دو۔ اور خود اپنے کو عشق و معرفت حق سبحانہٗ سکھلاؤ کیونکہ یہ پتھر کی لکیر اور پائدار ہے اسلیے اس کا نفع بھی دائم ہوگا۔

دیکھو! تمہاری ہستی جو کہ ایک وفادار شاگرد ہو کر ہمیشہ تمہارے پاس رہے گا۔ تم اسے کیوں نہیں تعلیم کرتے۔ اغیار تو فانی اور بے وفا ہیں انہیں کہاں ڈھونڈتے ہو بس ان کو چھوڑ دو اور اپنے کو تعلیم دو۔ دیکھو! جب تک تم دوسروں کو فاضل اور لائق بنانے کی کوشش کرتے ہو اس وقت تک اپنے کو بدخو اور خالی کرتے ہو۔ اس کی دو وجہ ہیں اوّل یہ کہ عوام کے ساتھ اختلاط ہوگا۔ ان کے اختلاط سے تمہارے اندر سے صفات حمیدہ زائل ہوں گی اور صفات ذمیمہ جائے گیر ہوں گی۔ دوسری یہ کہ گفت گو میں یہ خاص اثر ہے کہ اس سے کیفیات قلبیہ میں فتور واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ تعلیم عوام کو ترک کیا جائے۔ ہاں جب تمہارا قلب عالم غیب سے تعلق پیدا کرلے جو کہ جواہر معارف کا معدن ہے تو اس وقت خوب گفت گو کرو اور خالی ہونے سے نہ ڈرو کیونکہ جس قدر ذخیرہ خرچ ہوگا۔ اس قدر یا اس سے زائد آمد ہو جائیگی پس خالی ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کہو اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ خاموش رہو۔ کیونکہ قل کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا باطن مثل دریا کے ہے اس میں کمی نہ آئے گی پس خوب کہو اور اَنصِتوا کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا پانی ختم ہو جانے والا ہے پس تم اسے برباد نہ کرو۔ کیونکہ خود تمہارے باغ دل کو اس کی ضرورت ہے خیر یہ بات تو ختم نہ ہوگی لہٰذا ہم اسے مختصر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ با باتم گفتگو

چھوڑو! اور اپنے انجام پر نظر کرو۔ مجھے غیرت آتی ہے کہ لوگ تمہارے سامنے کھڑے ہیں اور بزبانِ حال تمہارا مذاق اُڑا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں دیکھو! ہم نے کیا اسے احمق بنایا ہے۔ یہ لوگ تمہارے سچے عاشق نہیں ہیں تمہارے سچے عاشق پردۂ کرم کے پیچھے برابر آوازیں دے رہے ہیں اور تمہیں اپنی طرف بلا رہے ہیں پس تم اپنے ان غیبی عاشقوں پر عاشق ہو۔ اور عاشقاں پنجروزہ نہ بناؤ۔ جنہوں نے تم کو فریب اور کشش سے چٹ کر لیا ہے اور بے بس ہو گئے مگر تم کو ان سے ذرا سا ہی حقیقی نفع حاصل نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معارف الٰہیہ یا ملائکہ جو شاہدانِ غیبی ہیں وہ تمہارے طالب اور تم کو اپنی طرف بُلاتے ہیں پس تم ان کے طالب بنو اور عام خریداروں کو اپنا مطلوب نہ بناؤ کیونکہ فانی ہیں۔ اور تم کو حقیقی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ الٹا ضرر پہنچاتے ہیں کہ تم کو اپنے میں مشغول کر کے تجارت آخرت سے روکتے ہیں۔

دیکھو تم کب تک شاہراہ عام پر تماشہ کرو گے اور اپنے کمال کی شہرت دیکر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو گے آخر اس کا کچھ نتیجہ بھی۔ اب تک تم نے اس طریق سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا اور وہ حاصل بھی ہوا۔ اور لوگ تمہارے معتقد بھی ہو گئے۔ مگر آخرت کا مقصود جو کہ اصل مقصود ہے کچھ حاصل نہ ہوا۔ پس تم کو چاہیئے کہ ان کو چھوڑو اور حق سبحانہٗ کے ساتھ مشغولیت پیدا کرو۔ یہ لوگ صرف تندرستی کے یار ہیں۔ اور تکلیف کے وقت خدا کے سوا کوئی تمہارا دوست نہیں ہے۔

اچھا بتلاؤ! جب کہ تمہاری آنکھ میں یا دانت میں درد ہوتا ہے تو اس وقت کیا ان میں سے کوئی تمہاری دستگیری کرتا ہے اور تمہاری تکلیف کو دور کر دیتا ہے کوئی نہیں کرتا۔ بجز حق سبحانہٗ کے۔ پس تم اپنے اسے زمانہ تکلیف اور مرض کو یاد رکھو! جس میں تم خدا سے مدد چاہتے ہو اور وہ تمہاری مدد کرتا ہے اور ایاز کی طرح پوستین سے عبرت حاصل کرو۔ پوستین جس کو ایاز ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اس سے ہماری مراد تمہاری حالت مرض ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ حالتِ مرض جو بمنزلہ پوستین ایاز کے ہے تم اسکو پیش نظر رکھو اور خدا کو نہ بھولو۔

باز جواب گفتنِ آں کافرِ جبری آں مومنِ سُنّی را کہ باسلام و

اُس جبری کافر کا دوبارہ اُس سُنّی مومن کو جواب دینا جو اُسکو اسلام اور جبر

ترکِ اعتقادِ جبرش دعوت میکرد و دراز شدنِ مناظرہ از طرفین

ترک کرنے کی دعوت دے رہا تھا اور دونوں طرف سے مناظرے کا دراز ہونا

کہ مادۂ اشکال و جواب را نبُرد الّا عشقِ حقیقی کہ او را پروائے

کیونکہ اعتراض اور جواب کے مادّے کو سوائے حقیقی عشق کے کوئی چیز ختم نہیں کرتی ہے کیونکہ

آں نماند و ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

اُس کو اُسکی پرواہ نہیں رہتی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسکو چاہے عطا کر دیتا ہے

کافرِ جبری جواب آغاز کرد — کز آں حیراں شد آں منطیق[1] مرد

جبری کافر نے جواب دینا شروع کیا — جس سے وہ زیادہ بولنے والا شخص حیران ہو گیا

لیک گر من آں جوابات و سوال — جملہ وا گویم بمانم زیں مقال

لیکن اگر میں وہ جوابات اور سوال — سب بیان کروں، اِس بات سے رہ جاؤں گا

زاں مہم تر گفتنیہا ہست ہاں — کہ بداں فہمِ تو بہ یابد نشاں

ہیں اِس سے زیادہ اہم باتیں کہنی ہیں — جن سے تیری سمجھ بہتر نشانی حاصل کرے گی

اندکے گفتیم زاں بحث اے عتل — زاندکے پیدا بود قانونِ کل

اے سنگدل! اِس بحث میں سے میں نے تھوڑا سا کہہ دیا — تھوڑے سے سب قاعدہ کھل جاتا ہے

درمیانِ جبری و اہلِ قدر — ہمچنیں بحث ست تا حشرِ بشر

جبری اور قدریوں کے درمیان — حشر نشر تک ایسی ہی بحثیں ہیں

گر فرو ماندے ز دفعِ خصمِ خویش — مذہبِ ایشاں بر افتادے ز پیش

اگر اپنے مخالف کی مدافعت سے عاجز آجاتے — تو اُن کا مذہب باطل ہو جاتا

چوں بروں شوشاں نبودے در جواب — پس رمیدندے ازاں راہِ تباب

اگر جواب میں اُن کا مخلص نہ ہوتا — تو اُس ہلاکت کے راستہ سے بھاگ جاتے

چونکہ مقضی بُد دوامِ آں روش — میدہدشاں از دلائل پرورش

چونکہ اُس روش کی ہمیشگی کا فیصلہ ہو چکا تھا — تو اُن کی دلائل سے (غذا) پرورش کرتا ہے

تا[2] نگردد ملزم از اشکالِ خصم — تا بود محجوب از اقبالِ خصم

تاکہ مخالف کے اعتراض سے ملزم نہ بنے — تاکہ مخالف کے اقبال سے محفوظ رہے

تا کہ ایں ہفتاد و دو ملت مدام — در جہاں ماندے الیٰ یوم القیام

تاکہ یہ بہتر ملتیں، ہمیشہ — قیامت کے دن تک دنیا میں باقی رہیں

ف۔ جب تک عشقِ خداوندی حاصل نہیں ہوتا انسان کی زبان بہت چلتی ہے اور اشکال و جواب میں زبان درازی کرتا رہتا ہے۔

[1] منطیق۔ بہت بولنے والا۔ زیں مقال۔ یعنی فصیحت کی باتیں۔ کہ بداں۔ اِن فصیحت کی باتوں سے فہم میں روشنی پیدا ہوگی۔ عتل۔ سنگدل۔ زاندکے۔ مشتے نمونہ از خروارے کافی ہوتا ہے۔ درمیاں مختلف فرقوں کی یہ بحثیں قیامت تک ختم نہ ہوں گی کیونکہ دنیا میں بہتر فرقے باقی رہنے ہیں۔ بروں شو۔ نکلنے کا راستہ، مخرج۔ تباب۔ ہلاکت، تباہی۔ مقتضی۔ یعنی قضا و قدر کا فیصلہ۔

[2] تا نگردد۔ ہر فرقہ والے کو اُنکے دلائل عطا کر دیئے گئے ہیں کہ مخالف سے عاجز نہ آجائے۔ ملزم۔ یعنی لاجواب۔ از اقبال۔ یعنی مخالف اُس پر غلبہ حاصل نہ کر سکے۔ زجیں۔ جب سورج غروب کر جاتا ہے تو زمین کے جس رُخ سے اُس نے غروب کیا ہے اُس کا سایہ فضائے آسمانی تک پھیل جاتا ہے، دنیا میں ظلمت اور تاریکی ہے یہاں حق اِس قدر واضح نہیں ہے، باطل دلائل سے حق پوشیدہ ہو جاتا ہے

چوں جہانِ ظلمت ست و غیب ایں
چونکہ یہ تاریکی اور غیب کی دنیا ہے
از برائے سایہ می باید زمیں
سایہ کے لئے زمین درکار ہے

تا قیامت ماند ایں ہفتاد و دو
تاکہ یہ بہتر فرقے قیامت تک رہیں
کم نیاید مبتدع ۵۹ را گفتگو
بدعتی کی گفتگو کم نہ پڑے

عزتِ مخزن بُود اندر بہا
قیمت کے اعتبار سے اس خزانہ کی عزت ہوتی ہے
کہ برو بسیار باشد قفلہا
جس پر بہت سے قفل ہوں

عزتِ مقصد ۶۰ بُود اے ممتحن
اے مصیبت زدہ! مقصد کی عزت ہے
پیچ پیچ راہ عقبہ و راہزن
گھاٹی کا خمدار راستہ اور ڈاکو

عزتِ کعبہ بُود آں ناحیہ
وہ گوشہ، کعبہ کی عزت ہے
دزدیِ اعراب و طولِ بادیہ
(اور) بدوؤں کی چوری اور صحرا کا طول

ہر روشِ ہر رہ کہ آں محمود نیست
جو روش (اور) راہ قابلِ ستائش نہیں ہے
عقبہ و مانعے و رہزن ست
وہ گھاٹی اور مانع اور ڈاکو ہے

ایں روشِ ۶۱ خصم و حقودِ آں شدہ
یہ روش اس کی مخالف اور کینہ ور بنی
تا مقلد در دو رہ حیراں شدہ
یہاں تک کہ مقلد دونوں راستوں میں حیران ہو گیا

صدق ہر دو ضد بہ بیند در روش
روش میں ہر دو ضدوں کی سچائی خیال کرتا ہے
ہر فریقے در رہِ خود خوش منش
ہر فریق اپنی راہ پر خوش طبع ہے

گر جوابش نیست می بند ستیز
اگر اس کے پاس جواب ہو تو جھگڑا ختم ہو جائے
بر ہماندم تا بروزِ رستخیز
اسی وقت سے قیامت کے دن تک کیلئے

کہ مہانِ ما بدانند ایں جواب
کہ ہمارے بڑے اس جواب کو جانتے ہیں
گرچہ از ما شد نہاں وجہِ صواب
اگرچہ درست بات ہم سے مخفی ہو گئی ہے

پوز بند وسوسہ عشق ست و بس
وسوسہ کے لئے پوز کا عشق ہی ہے اور بس
ورنہ کے وسواس را بست ست کس
ورنہ وسوسہ کو کس نے بند کیا ہے؟

عاشقے ۶۲ شو شاہدِ خوبے بجو
عاشق بن حسین معشوق تلاش کر
صیدِ مرغابی ہمی کن جو بجو
نہر در نہر مرغابی کا شکار کرتا رہ

کے بری زاں آب کاں آبت برد
تو اس پانی سے کیا فائدہ اٹھائیگا جو تیری آبرو برباد کرے
کے کنی زاں فہم کہ فہمت خورد
تو اس سے کیا سمجھ سکتا ہے جو تیری سمجھ کو کھا لے

غیرِ ایں معقولہا معقولہا
ان عقلی باتوں کے علاوہ معقول باتیں
یابی اندر عشق با فر و بہا
تو عشق میں شوکت والی اور قیمتی پائے گا

---

۵۹ مبتدع یعنی باطل فرقہ۔ عزتِ مخزن جس قدر قیمتی خزانہ ہوتا ہے اتنے ہی اس پر قفل زیادہ ہوتے ہیں اسی لئے حق مذہب جو قیمتی چیز ہے اس پر باطل فرقوں کے قفل لگے ہوئے ہیں۔

۶۰ عزتِ مقصد مقصد... جسقدر عزیز ہوگا اسیقدر اس تک پہنچنے کا راستہ پیچ در پیچ ہوگا اور راہزن کا خوف ہوگا۔ عقبہ۔ پہاڑی گھاٹی۔ عزتِ کعبہ۔ کعبہ کا دور دراز گوشہ میں ہونا اور پھر وہاں بدوؤں کی ڈاکہ زنی اور صحرا کا طول کعبہ کے باعزت ہونے کی دلیل ہے۔ ناحیہ۔ گوشہ۔ اعراب۔ بدو۔ بادیہ۔ صحرا۔ ہر روش۔ باطل فرقوں نے جو روش اور راہ اختیار کر رکھی ہے وہ سیدھے راستے کے لئے گھاٹی اور مانع اور ڈاکو ہے۔

۶۱ ایں روش باطل فرقوں کی روش صحیح راستہ کی روش کے مخالف ہے اس کی وجہ سے تقلید کرنیوالا حیران ہو جاتا ہے کہ کس راستہ کو اختیار کرے۔ صدق۔ وہ سمجھتا ہے کہ دونوں راستے درست ہیں۔ گر جوابش۔ اگر باطل فرقہ والا جواب ہو جائے تو جھگڑا ختم ہو جائے۔ کہ۔ وہ یہ کہدے کہ اس سوال کا جواب مجھے نہیں آتا میرے بڑے جانتے ہوں گے۔ پوز بند۔ اس طرح کے وساوس صرف عشق خداوندی سے ہٹ سکتے ہیں۔

۶۲ عاشقے۔ وساوس ایسی طریقہ پر مٹیں گے کہ راہ عشق

غیرِ ایں عقلِ تو حق را عقلہاست
کہ بداں تدبیرِ اسبابِ سماست

اس تیری عقل کے سوا اللہ کے پاس عقلیں ہیں
جن سے آسمان کے اسباب کی تدبیر ہوتی ہے

تا بدیں عقل آوری ارزاق را
زاں دگر مفرش کنی اطباق را

تو اس عقل کے ذریعہ رزقوں کو حاصل کرے گا
تو اس دوسری سے (آسمانی) طبقوں کو بستر بنائیگا

عشرِ[1] امثالت دہد تا ہفت صد
چوں ببازی عقل در عشقِ صمد

تجھے دس گنے سے سات سو گنے تک عطا کرے
جب تو اللہ تعالیٰ کے عشق میں عقل کی بازی لگا دے

آں زناں چوں عقلہا در باختند
بر رواقِ عشقِ یوسف تاختند

ان عورتوں نے جب عقلیں ہار دیں
دو یوسف کے عشق کے چھجے پر چڑھ گئیں

عقلِ شاں یکدم ستد ساقیٔ عمر
سیر گشتند از خرد باقیٔ عمر

عمر کے ساقی نے ایکدم ان کی عقل لے لی
باقی عمر کے لئے اُن کا عقل سے پیٹ بھر گیا

اصلِ صد یوسف جمالِ ذوالجلال
اے کم از زن شو فدای آں جمال

سینکڑوں یوسفوں کی اصل اللہ (تعالیٰ) کا حسن ہے
اے عورت سے کم! اس حسن پر قربان ہو جا

عشق بُرّد بحث را اے جاں و بس
کو زگفت و گو شود فریاد رس

اے جان! عشق بحث کو کاٹ دیتا ہے اور بس
کیونکہ وہ گفتگو کے معاملہ میں فریاد رس بنجاتا ہے

حیرتے آید ز عشق آں نطق را
زہرہ نبود کہ کند او ماجرا

عشق سے گویائی پر حیرت طاری ہو جاتی ہے
اس کا پتہ نہیں رہتا کہ وہ گفتگو کرے

کہ بترسد[2] گر جوابے وا دہد
گوہرے از لفج او بیروں جہد

کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر جواب دے
موتی اس کے ہونٹ سے باہر نکل پڑے گا

لب بہ بندد سخت او از خیر و شر
تا نباید کز دہاں افتد گہر

بھلے اور بُرے سے ہونٹ خوب بالکل بند کر لیتی ہے
تاکہ ایسا نہ ہو کہ منہ میں سے موتی گر جائے

ہمچناں کہ گفت آں یارِ رسول
چوں نبی بر خواندے بر ما فضول[3]

جیسا کہ اُن صحابی نے فرمایا ہے
جب نبی ہم ناکاروں کو سناتے

آں رسولِ مجتبیٰ وقتِ نثار
خواستے از ما حضور صد وقار

بکھاور کرنے کے وقت وہ برگزیدہ رسولؐ
ہم سے سینکڑوں وقار اور حضورِ قلب چاہتے

آنچنانکہ بر سرت مرغے بود
کز فواتش جانِ تو لرزاں شود

جس طرح کہ تیرے سر پر پرندہ ہو
جس کے اڑ جانے سے تیری جان لرزتی ہو

پس نیاری ہیچ جنبیدن ز جا
تا نگیرد مرغِ خوبِ تو ہوا

تو جگہ سے ہل نہ سکے گا
تاکہ تیرا حسین پرندہ، ہوا نہ پکڑے

اختیار کر: ولا اُسکا ما بہتر تلاش کرنے سے کے تری۔ جن دلائل عقلیہ سے تو وسائل کو دُور کرنا چاہتا ہے وہ بیکار ہیں۔

[1] عشر۔ عقل معاد نیکی کراتی ہے جس کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملتا ہے۔ صمد۔ اللہ تعالیٰ۔ آں زناں۔ یعنی مصری عورتیں۔ رواق۔ محل، چھجہ۔ ساقیٔ عمر۔ یعنی عشق۔ اصل۔ حضرت یوسفؑ کا جمال اللہ تعالیٰ کے جمال کا پر تو تھا۔ عشق بُرد۔ مشہور مقولہ ہے مَن عَرَفَ رَبَّہٗ کَلَّ لِسَانُہٗ جس شخص نے اپنے خدا کو پہچان لیا اس کی زبان کُند ہو گئی حیرتے۔ عشق ایسی حیرت پیدا کر دیتا ہے جس سے گویائی عاجز آجاتی ہے۔

[2] کہ بترسد۔ عاشق ڈرتا ہے کہ اگر وہ زبان کھولے گا عشق کا راز ظاہر ہو جائے گا۔ لفج۔ لام کے زبر کے ساتھ گوشت کا ٹکڑا جس میں ہڈی نہ ہو ہونٹ بعض نسخوں میں "لُفج" لام کے پیش کے ساتھ ہے اس کے معنی بھی ہونٹ ہیں بعض... نسخوں میں "کام" ہے جس کے معنی تالو کے ہیں۔ ہمچناں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت کچھ بیان فرماتے تھے صحابہؓ کو ہدایت تھی کہ وہ خاموشی سے سنیں اور صحابہؓ خاموشی اور سکون سے اس طرح بیٹھے سنتے رہتے تھے کہ گویا اُنکے سروں پر کوئی پرندہ ہے اُنکو ڈر ہے کہ اگر وہ بولے یا ہلے تو وہ پرندہ اُڑ جائے گا۔

[3] فضول بعض لوگوں نے اسکو ۱۰ کا بیان قرار دیا ہے ایک اعتبار سے ہم نے ناکارہ موزوں تر کیا ہے بعض لوگوں نے اس کے معنی فضائل کے کئے ہیں یعنی فضائل قرآنی بعض نسخوں میں بغیر نقطہ کے فصول ہے اس صورت میں قرآن کی سورتیں مراد ہوں گی۔ حضور یعنی کیسی توجہ۔ مرغ۔ کہانی۔ یعنی وہ پرندہ جو سر پر بیٹھا ہوا ہے۔

دم نیاری زد به بندی مرغ را — تا نباید کہ بپرد آں ہما

تو سانس نہ لے سکے گا، کہ انسی کو روک لیگا — تاکہ وہ ہما نہ اڑ سکے

ور کسے شیریں بگوید یا ترش — بر لب[1] انگشتے نہی یعنی خمش

اگر تجھ کو کوئی شخص میٹھی بات کہے یا کڑوی — تو ہونٹ پر انگلی رکھے گا یعنی چپ رہ

حیرت آں مرغست خاموشت کند — بر نہد سر دیگ و پُر جوشت کند

حیرت وہ پرندہ ہے، جو تجھے خاموش کر دیتا ہے — دیگ کا ڈھکنا ڈھک دیتا ہے اور تجھے جوشیلا بنا دیتا ہے

[1] بر لب۔ اپنے ہونٹ پر انگلی رکھنا دوسرے کو چپ رہنے کا اشارہ ہے۔ حیرت جس طرح ہر پرندہ بات کرنے سے روکتا ہے مقام حیرت بھی روکتا ہے سالک جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی زبان بند ہو جاتی ہے اور دل میں جوش و خروش ہوتا ہے

شرح اب ہم اصل قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب سنی اپنی گفتگو کو ختم کر چکا۔ تو کافر جبری نے جواب دینا شروع کیا جس سے وہ پر گو شخص دنگ ہو گیا لیکن میں ان سوالات اور جوابات کو جو ان دونوں کے درمیان اس کے بعد ہوئے ہیں بیان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اگر میں ان تمام سوالوں اور جوابوں کو بیان کروں تو میں اس بات سے رہ جاؤں گا جو میں زیادہ ضروری سمجھ کر کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان سوالوں اور جوابوں سے زیادہ ضروری کچھ اور باتیں کہنی ہیں۔ جن سے تمہارے فہم کو ان سے بہتر... مضامین کا پتہ چلے گا۔

رہی اس مجادل کی گفتگو سو اس کا کچھ حصہ تو ہم نے بیان کر ہی دیا ہے۔ رہی اسکی گفتگو سو اسے مختصر گفتگو سے تم کو اس کا طریق بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پس اسکو چھوڑ کر ہم زیادہ ضروری باتیں بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ جو زیادہ ضروری بات اس وقت ہم کو کہنی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ اہل جبر و اہل قدر و غیرھم کے درمیان قیامت تک یوں ہی گفتگو جاری رہے گی اور اس کا کبھی خاتمہ نہ ہو گا کیونکہ اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے حریف کے جواب سے عاجز ہو جاتا تو اس کا مذہب ساقط ہو جاتا اسلئے کہ جب اس فریق کو کوئی جواب ہی نہ بن پڑتا۔ تو لامحالہ وہ اس تباہ رستہ کو چھوڑ دیتا۔ اور اس طرح اس مذہب کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن چونکہ یہ امر مقدر ہو چکا ہے کہ یہ مذہب ہمیشہ قائم رہے گا اسلئے حق سبحانہ ان لوگوں کو دلائل سے قوت پہنچاتے رہتے ہیں اور دلائل کا القا ان کے دل

میں کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ یہ گروہ اپنے مقابل سے الزام نہ کھائے اور اس طرح اپنے حریف کی سعادت واقعیہ یا متوہمیہ سے محجوب اور محروم رہے (یعنی وہ اس سے مغلوب ہوکر اس اس مذہب کو قبول نہ کرے جس کو وہ اپنے زعم میں دولت اور سعادت سمجھتا ہے) اور تاکہ اس طرح یہ بہتر ان باطل مذہب، مذہب حق کے ساتھ دنیا میں قیامت تک باقی رہیں اور راز اس کا یہ ہے کہ حق سبحانہ نے امتحان کی غرض سے دنیا کو عالم ظلمت و تستر حقائق بنایا ہے کیونکہ اگر اس میں حقائق بالکل بے حجاب ہوتیں۔ تو پھر امتحان بھی نہ ہو سکتا تھا اور جبکہ یہ عالم ظلمت و تستر حقائق ہے لہٰذا اس میں تاریکی و خفا کی ضرورت ہے اور تاریکی و خفا اس وقت ہو سکتا ہے

جبکہ حق کے ساتھ باطل بھی ہو۔ تاکہ وہ حق کو چھپا سکے۔ اسلئے باطل کا وجود ضروری ہوا اور بنا بریں یہ بہتر باطل فرقے قیامت تک قائم رہیں گے اور اہل بدعت و ہوا کا منہ بند نہ ہو سکے گا (فائدہ: تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ قولہ "از برائے سایہ می باید زمیں" الخ زمین سے مراد باطل ہے) شاید کسی کو شبہ نہ ہو کہ آخر اس ستر کی کیا ضرورت تھی اسلئے ہم اس کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ جس مطلوب کے حصول کے بہت سے موانع ہوتے ہیں وہ اسی قدر گرامی قدر سمجھا جاتا ہے اور اس کی عزت اسی میں ہے کہ اس کے لیے بہت سے موانع ہوں۔ چنانچہ خزانہ کی گراں قدری اسی میں ہے کہ اس پر بہت سے قفل ہوں اور مقصد سفر کی گراں قدری اسی میں ہے کہ راہ پیچ در پیچ ہو اور اس میں خطرات اور ڈاکو بہت ہوں اور کعبہ و ما یتعلق بہا کی عزت اسی میں ہے کہ بدو چوری کریں اور اس کے اور زائر کے درمیان لق و دق صحرا واقع ہو۔ بنا بریں حق سبحانہ نے اپنی دین کی عزت کے اظہار کے لیے طالب اور دین حق کے درمیان گھاٹیاں اور موانع اور ڈاکو قائم کر دیے ہیں کیونکہ ہر نا محمود مذہب اسکے لیے گھاٹی اور مانع اور راہزن ہے۔

اور مذہب باطل۔ مذہب حق کا دشمن اور مخالف ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقلد ناحقیقت شناس اس دوراہہ پر حیران کھڑا ہوا ہے اور وہ احتمالاً حق و باطل دونوں کو حق سمجھتا ہے اور جو جس راستہ پر پڑ گیا ہے اور جس نے جو مذہب اختیار کر لیا ہے وہ اسی کو

حق سمجھ کر اسی سے خوش ہے اور جو کوئی اسکو سمجھاتا ہے اور دلائل سے اسکے بطلان کو واضح کرتا ہے تو جہاں تک اس سے ہو سکتا ہے اس کا رد کرتا ہے اور اگر اس سے رد نہیں ہو سکتا تو فوراً یہ کہہ کر قیامت تک کے لیے اس جھگڑے کو ختم کر دیتا ہے کہ ہمارے علماء اس کا جواب جانتے ہیں۔ گو ہم کو اس کا صحیح جواب معلوم نہیں اور اسکو اس مذہب کے بطلان کا وسوسہ تک نہیں ہو سکتا۔ جانتے ہو اسکی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ وہ اس مذہب پر عاشق ہے۔

پس سے ثابت ہوا کہ وساوس کا منہ بند کرنے والا صرف عشق ہے ورنہ وساوس کو کوئی نہیں روک سکتا ـــــ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا تو اب تم کو چاہیئے کہ تم اس دین پر عاشق ہو۔ جو کہ واقع میں اچھا ہے اور مذاہب باطلہ پر عاشق نہ ہو۔ اور ندیوں میں مُرغابی کا شکار کرو صحرا میں سور کا شکار نہ کرو۔ یعنی دین حق کے طالب ہو۔ باطل کے پیچھے نہ پڑو۔ تم باطل کو اسلئے اختیار کرتے ہو کہ اس سے ہم کو نفع ہو گا اور فہم حقائق حاصل ہو گی لیکن یہ تمہاری غلطی ہے اسلئے کہ جو مذہب انجام کار تم کو ذلیل کرنے والا ہے اس سے تم کو کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا اور جو کہ تمہاری رہی سہی سمجھ کو بھی چٹ کر جانے والا ہے لان حبك الشئ يعمى ويصم اس سے تم کو سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر تم کہو کہ مذہب حق کو اختیار کرنے سے بھی تو عقل جاتی رہے گی۔ کیونکہ حبك الشئ يعمى ويصم اس پر صادق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو مذہب حق پر عاشق ہو کر بھی تمہاری عقل جاتی رہے گی۔ مگر اس کے بعد تمہیں اور نہایت باشان وشوکت عقل ملے گی جو اس عقل سے کہیں بڑھ کر ہو گی۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے پاس اس عقل کے سوا جس سے تم اپنے اسباب معاش مہیا کرتے ہو اور بھی بڑی بڑی عقلیں ہیں یہاں تک کہ اس عقل سے تو تم رزقوں ہی ۔۔ کو مہیا کرتے ہو اور وہ عقل جو کہ حق سبحانہٗ کے خزانۂ عقول میں محفوظ ہے اور جو تم کو اس عقل کے کھونے کے بعد ملے گی اس سے تم آسمانوں کو زمین بنا سکتے ہو۔ یعنی اس کی ذریعے سے تم اتنی روحانی بلند پروازی کر سکتے ہو کہ آسمان تمہاری بلندی اور عروج روحانی کے مقابلہ میں انہیں زمین معلوم ہوں گے۔

الغرض! جب تم حق سبحانہٗ کے عشق میں اپنی عقل کو کھو دو گے تو وہ تم کو اسکے معاوضہ

میں دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک عقل عطا فرما دیں گے کیونکہ جب مال خرچ کرنیوالوں کے لئے اس قدر انعام کا وعدہ فرمایا ہے تو جو عقل خرچ کردے گا وہ تو اس انجام کا بالاولی مستحق ہے۔ دیکھو جبکہ زنانِ مصر نے یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوکر اپنی عقلیں کھودی تھیں اور اس بھولے ساقی نے ان کی عقلیں سلب کر لی تھیں تو انکو تمام عمر اپنے عقول رفتہ کا افسوس نہیں ہوا تھا۔ اور وہ عمر بھر کے لیے اُن سے سیر ہو گئیں تھیں۔ پس جبکہ جمال یوسف کے لئے عقل کا کھویا جانا باعث افسوس نہیں ہے تو حق سبحانہٗ کا جمال جو کہ سیکڑوں یوسفوں کے جمال کا منبع ہے اس کے لئے عقل کا کھویا جانا کیوں باعث افسوس ہوگا۔

ارے تم تو عورتوں سے بھی کم عقل اور کم ہمت ہو تم کو چاہیئے کہ مرد بنو اور جمالِ حق پر پر قربان ہو جاؤ۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ عشق جو کہ گفت گو کے نرغہ سے چھڑاتا ہے۔ وہ ہی بحث ومباحثہ کو ختم کرتا ہے۔ اس کے بغیر اعتراضات وجوابات کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ جب عشق آجاتا ہے تو اس کے اہلِ نطق پر حیرت طاری ہو جاتی ہے اور ان کی مجال نہیں ہوتی کہ بات کر سکیں۔ کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر معترض کا جواب دیا جاتا ہے تو ان کے منہ سے ایک موتی نکلا جاتا ہے (فائدہ: مولانا نے خیال یار کے ہٹ جانے موتی کا ضائع ہونا قرار دیا ہے، اور چونکہ کلام اس کے ضائع ہونے کا سبب ہوا ہے اسلئے کلام کے منہ سے نکلنے کو اس موتی کا نکلنا قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم) عاشق کی حالت یہی ہوتی ہے جس کا نقشہ ایک صحابی نے یوں کھینچا کہ جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرآن وغیرہ سناتے تو ہم سے ایسا حضور اور ایسا سکون چاہتے جیسے کسی کے سر پر جانور بیٹھا ہو۔ جس کے ضائع ہو جانے کا اس کو نہایت خوف ہو اور اسلئے وہ اپنے جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکتا ہو۔ تاکہ اس کے سر سے وہ عمدہ جانور اڑ نہ جائے اور سانس بھی نہ لے سکتا ہو اور کھانسنے کو بھی روکتا ہو۔ تاکہ وہ مبارک جانور پرواز نہ کر جائے اور اگر ایسی حالت کوئی اسے بُرا بھلا بھی کہے تو وہ بھی اسکو بھی جواب نہ دے اور منہ پر انگلی رکھ کر کہہ دے کہ بھائی ذرا خاموش رہو۔ ایسا نہ ہو میرا شکار

جاتا رہے۔

القصہ حیرت عشق ہی وہ جانور ہے جو تم کو خاموش کر سکتا ہے اور تم پر چپنی رکھ کر پکا سکتے یعنی تمہارا منہ بند کر کے اندر ہی اندر تم کو کامل بنا سکتی ہے پس تم حیرت عشق حاصل کرو اور قیل وقال کو چھوڑ دو۔ کیونکہ اس سے تم مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے تمر الربع الثالث بعون اللہ تعالیٰ۔

نوٹ۔ ربع ثانی میں محمود اور ایاز کا قصہ واقع ہوا تھا جو کہ ان میں تمام نہ ہوا تھا ربع رابع میں اسکو تمام کیا جائے گا۔ ۱۲ منہ

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۵

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

کلیدِ مثنوی

جلد ۲۴

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

پرسیدنِ بادشاہ قاصداً ایاز را کہ چندیں غم و شادی با چارق
بادشاہ کا ایاز سے قصداً دریافت کرنا کہ رنج اور خوشی کی اس قدر باتیں تو چپل

و پوستین کہ جماد ست بچہ میگوئی تا ایاز را در سخن در آرد
اور پوستین سے جو کہ بے روح ہیں کیوں کرتا ہے؟ تاکہ ایاز سے بات کہلوائے

سوالِ سلطان ازو
اور بادشاہ کا اُس سے دریافت کرنا

اے[۲] ایاز ایں مہرہا بر چارقے ۔۔۔ چیست آخر ہمچو بر بُت عاشقے
اے ایاز! چپل سے اس قدر محبتیں ۔۔۔ آخر کیوں ہیں! جیسا کہ بُت پر عاشق

ہمچو مجنوں از رُخِ لیلیٰ خویش ۔۔۔ کردۂ تو چارقے را دین و کیش
مجنوں کی طرح اپنی لیلیٰ کے رُخ کو ۔۔۔ تُو نے چپل کو دین اور مذہب بنا لیا ہے

با دُو کُہنہ مہرِ جاں آمیختہ ۔۔۔ ہر دو را در حُجرہ آویختہ
دو پُرانی چیزوں سے جان کی محبت وابستہ کر لی ہے ۔۔۔ دونوں کو حُجرے میں لٹکا لیا ہے

چند گوئی با دو کہنہ تو سُخن ۔۔۔ در جمادے می دَمی سِرِّ کُہن
تو دو پُرانی چیزوں سے کتنی باتیں کرے گا! ۔۔۔ تو پُرانا راز پتھر میں پھونکتا ہے

چوں[۳] عرب با رَبع و اَطلال اے ایاز ۔۔۔ میکشی از عشق گفتِ خود دراز
اے ایاز! عربوں کی طرح منزل اور ٹیلوں سے ۔۔۔ عشق کی وجہ سے تو بات کو لمبا کرتا ہے

چارقت رَبعِ کدامیں آصف ست ۔۔۔ پوستیں گوئی قمیصِ یوسُف ست
تیری چپل کونسے آصف کی منزل ہے؟ ۔۔۔ گویا پوستین یوسفؑ کی قمیص ہے

ہمچو ترسا کو شمارد با کشش ۔۔۔ جُرمِ یکسالہ زنا و غِلّ و غِش
عیسائی کی طرح جو پادری کے سامنے گنتا ہے ۔۔۔ ایک سال کے زنا اور کھوٹ اور دھوکے کے جرم

تا بیامرزد کشیش[۱] آں گناہ ۔۔۔ عفوِ اُو را عفو داند از آلہ
تاکہ پادری اس کا وہ گناہ بخش دے ۔۔۔ اُسکے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کرنا سمجھتا ہے

نیست آگہ آں کشیش از جُرم و داد ۔۔۔ لیک بس جادوست عشق و اعتقاد
وہ پادری جرم اور انصاف سے واقف نہیں ۔۔۔ لیکن عشق اور اعتقاد بہت بڑا جادو ہے

دوستی در وہم صد یوسُف تند ۔۔۔ اَسحر از ہاروت و ماروت ست خود
عشق وہم میں سینکڑوں یوسف بنا لیتا ہے ۔۔۔ وہ خود ہاروت اور ماروت سے زیادہ جادوگر ہے

پرسید ۔ یہاں سے مولانا نے محمود و ایاز کا ناتمام قصہ دوبارہ شروع کیا ہے ۔ ایاز ۔ ایک کوٹھری میں جا کر اپنے پُرانے چپلوں اور پوستین سے باتیں کرتا تھا ۔

[۲] اے ایاز ۔ محمود نے ایاز سے کہا کہ تو اپنی چپل کا عاشق کیوں ہے ؟ ہمچو جس طرح مجنوں نے لیلیٰ کو اپنا دین و مذہب بنایا تھا تو نے چپل کو بنا لیا ہے ۔ دو کہنہ ۔ یعنی پُرانی چپل اور پوستین ۔ چند گوئی ۔ ایاز اپنی چپل اور پوستین سے اپنی غربت اور بے کسی کے سابق واقعات دہراتا تھا ۔

[۳] چوں عرب ۔ عربی شعراء اپنے اشعار میں محبوبہ کی منزل اور اُس کے پڑاؤ کے ٹیلوں کا بہت ذکر کرتے ہیں ۔ ربع ۔ موسم ربیع گذارنے کا مکان ، مطلقاً مکان ۔ اطلال ، طلل کی جمع ہے ، ٹیلہ ۔ آصف ۔ ابن برخیا حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے یہاں مطلقاً سردار مراد ہے ۔ قمیص ۔ حضرت یوسفؑ کی قمیص سے حضرت یعقوبؑ بینا ہو گئے تھے ۔۔۔

[۱] کشش ۔ کشیش ، قسیس نصرانی عالم ، نیت ۔ نصرانی عالم سے ز گناہ کا تعلق نہ معاف کرنے کا لیکن نصرانی کا عشق اور اعتقاد یہ سب کچھ اُس سے کراتا ہے ۔ دوستی ۔ عشق ، محبت عاشق کے ذریعہ معشوق میں حضرت یوسفؑ سے زیادہ حُسن دکھا دیتا ہے ۔ اسحر ۔ زیادہ جادوگر ۔ مطلب یہ کہ عشق معشوق کی ذہنی تصویر سامنے کرتا ۔

ہمچو ترسا ۔ نصاریٰ اپنے پیشواؤں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اُن کے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کر دینا سمجھتے ہیں ۔ کشش ۔ کشیش ۔

صورتے پیدا کند بر یادِ اُو — جذبِ صورت آردت در گفتگو
وہ (عشق) اُسکی یاد پر ایک صورت پیدا کر دیتا ہے — صورت کی کشش تجھے گفتگو پر آمادہ کر دیتی ہے

راز گوئی[۲] پیشِ صورت صد ہزار — آنچناں کہ یار گوید پیشِ یار
تو صورت کے سامنے ہزاروں راز بیان کرتا ہے — جس طرح دوست، دوست کے سامنے بیان کرتا ہے

نے بدانجا صورتے نے ہیکلے — زادہ از وے صد الست و صد بلے
نہ وہاں کوئی تصویر ہے، نہ بُت — اُس (عشق) سے سینکڑوں سوال جواب پیدا ہو جاتے ہیں

آں چناں کہ مادرِ دل بُردہ — پیشِ گورِ بچۂ نو مُردہ
جیسا کہ غمگین ماں — نئے مرے ہوئے بچہ کی قبر کے سامنے

راز ہا گوید بجدّ و اجتہاد — می نماید زندہ اُو را آں جماد
کوشش اور محنت سے راز کہتی ہے — وہ بے روح اُس کو زندہ نظر آتا ہے

حیّ و قائم داند اُو آں خاک را — خوش نگر ایں عشقِ ساحرناک را
وہ اُس مٹی کو زندہ اور قائم سمجھتی ہے — اِس جادوگر عشق پر غور کرے

پیشِ[۳] اُو ہر ذرۂ آں خاکِ گور — گوش دارد ہوش دارد وقتِ شور
اُس کے نزدیک۔ قبر کی مٹی کا ہر ذرہ — شور کے وقت کان رکھتا ہے، ہوش رکھتا ہے

مُستمع داند بجدّ آں خاک را — چشم و گوشے داند اُو خاشاک را
وہ واقعی طور پر اُس مٹی کو سننے والا سمجھتی ہے — وہ مٹی کے کان اور آنکھ سمجھتی ہے

آں چناں بر خاکِ گورِ تازہ اُو — دمبدم خوش می نہد با اشک رُو
وہ نئی قبر کی مٹی پر اِس طرح — لمحہ بہ لمحہ اشک آلود چہرہ مستعدی سے رکھتی ہے

کہ بوقتِ زندگی ہرگز چناں — رُوئے ننہادہ است بر پورِ چو جاں
کہ زندگی کے وقت اِس طرح کبھی بھی — جان جیسے بیٹے پر چہرہ نہیں رکھا

از عزا[۵] چوں چند روزے بگذرد — آتشِ آں عشقِ اُو ساکن شود
جب سوگ کے چند روز گذر جائیں — اُس کی محبت کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے

عشق بر مُردہ نباشد پائدار — عشق را بر حیِّ جاں افزائے دار
مُردے سے عشق پائدار نہیں ہوتا ہے — زندہ، جان بڑھانے والے سے عشق کر

بعد ازاں زاں گور خود خواب آیدش — از جمادے ہم جمادی زایدش
اُس کے بعد خود اُس کو اُس قبر سے نیند آنے لگتی ہے — اُس میں بے روح سے بے حسی پیدا ہو جاتی ہے

زانکہ عشق افسونِ خود بر بود و رفت — ماند خاکستر چو آتش رفت تفت
کیونکہ عشق اپنا منتر لے گیا اور چل دیا — جب آگ تیزی سے جل گئی، راکھ رہ گئی

[۲] راز۔ عاشق اپنے درد کے سینکڑوں راز اُس ذہنی تصویر سے اِس طرح بیان کرتا ہے جیسا کہ کوئی دوست دوست سے بیان کرے۔ نے۔ بنفس الامر میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ عاشق کی فرضی تصویر سے سینکڑوں سوال وجواب کرتا ہے۔ اَلَستُ۔ یعنی عہد۔ بلیٰ یعنی اقرار۔ آنچناں۔ اگر کسی عورت کا بچہ مر جائے تو وہ اُس کی قبر سے باتیں کرتی ہے۔ حیّ۔ ماں کا عشق اُس بچہ کو زندہ اور تندرست دکھاتا ہے یہ بھی عشق کی جادوگری ہے۔

[۳] پیشِ اُو۔ ماں جب بچہ کی قبر پر جا کر نالہ وشیون کرتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ قبر کا ذرہ ذرہ سُن رہا ہے۔ چشم۔ یہ بھی سمجھتی ہے کہ قبر کی مٹی کے آنکھ اور کان بھی ہیں اور قبر سے اِس طرح چمٹتی ہے کہ بچہ سے زندگی میں بھی کبھی نہ چمٹی ہوگی۔

[۵] از عزا۔ سوگ، مصیبت، صبر، یعنی چند دن کے اندر وہ جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ عشق۔ مولانا فرماتے ہیں یہ اُس عشق کی کیفیت ہے جو مُردے سے ہو، خدا کے عشق کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی ہے۔ بعد ازاں۔ کچھ دن بعد یہ حالت ہوتی ہے وہ ماں اُسی قبر کے پاس آکر آرام سے سو جاتی ہے۔ زانکہ۔ وہ اُس کی حالت عشق کی جادوگری تھی عشق ختم ہوا تو آگ ختم ہو کر راکھ رہ گئی۔ [۶] آنچہ۔ جان سے مراد وہ شخص ہے جو حقائق تک پہنچا ہوا اور پہچے مراد حضرت حق تعالیٰ کی جانب

آنچہ بیند آں جواں در آئینہ ‏ پیر اندر خشت بیند آں ہمہ

جوان جو کچھ آئینہ میں دیکھتا ہے ‏ پیر اینٹ میں وہ سب کچھ دیکھتا ہے

پیرِ[2] عشقِ تست نے ریشِ سپید ‏ دستگیرِ صد ہزاراں نا اُمید

عشق، تیرا پیر ہے، نہ سفید داڑھی ‏ جو لاکھوں مایوسوں کا دستگیر ہے

عشق صُورتہا بسازد در فراق ‏ تا مُصوَّر سر کند وقتِ تلاق

عشق، جدائی میں تصویریں بناتا ہے ‏ یہاں تک کہ ملاقات کے وقت تصویر رُو نما ہو جاتی ہے

کہ منم آں اصلِ اصلِ ہوش و مست ‏ بر صُوَرہا عکسِ حُسنِ ما بُدست

کہ ہوش اور مست کا اصلِ اصول میں ہوں ‏ صورتوں پر ہمارے ہی حُسن کا عکس تھا

پردہا را ایں زماں بر داشتم ‏ حُسن را بے واسطہ بفراشتم

اب میں نے پردے اُٹھا دیئے ہیں ‏ میں نے حُسن کو بے واسطہ جلوہ گر کر دیا ہے

زانکہ[3] بس با عکسِ من در یافتی ‏ قوتِ تجریدِ ذاتم یافتی

کیونکہ تو نے مجھے عکس کے ساتھ بہت پایا ہے ‏ (اب) تو نے میری ذات کو مجرد کرنے کی قوت حاصل کر لی ہے

چوں ازیں سو جذبۂ من شُد رواں ‏ او کشش را می نہ بیند درمیاں

جب اِس جانب سے میرا جذبہ روانہ ہوا ‏ وہ کشش کو درمیان میں نہیں دیکھتا ہے

مغفرت[1] میخواہد از جرم و خطا ‏ از پسِ آں پردہ از لُطفِ خدا

وہ جرم اور خطا کی معافی چاہتا ہے ‏ خدا کی مہربانی سے اُس پردے کے بعد

چوں ز سنگے چشمہ جاری شود ‏ سنگ اندر چشمہ مُتواری شود

جب کسی پتھر سے چشمہ بہ پڑتا ہے ‏ پتھر چشمہ میں چھپ جاتا ہے

کس نخواند بعد ازاں آں را حجر ‏ زانکہ جاری شُد ازاں سنگ آں گہر

اُس کے بعد اس کو کوئی پتھر نہیں کہتا ‏ کیونکہ اِس پتھر سے وہ موتی بہ پڑا ہے

کاسہا[2] داں ایں صُوَر را واندرو ‏ آنچہ حق ریزد بداں گیرد عُلو

اِن عکسوں کو پیالے سمجھ اور اُن میں ‏ حق (تعالیٰ) جو ڈالتا ہے اُس سے وہ سربلندی حاصل کر لیتے ہیں

وہ شخص ہے جس کو حقائق کا کشف حاصل ہو گیا ہو پہلے ذکر آیا تھا کہ عشق حی و قیوم سے کرو اب فرماتے ہیں کہ جس کو یہ عشق حاصل ہو جاتا ہے اُس کو کشفی علوم ہو جاتے ہیں اُس کے کشف کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو بے آئینہ بننے کے بعد عوام کو جو کچھ اس میں نظر آتا ہے اُس کو وہ بے کی اینٹ میں بھی نظر آ جاتا ہے۔

[2] پیر: پہلے شعر میں پیر کا لفظ آیا تھا اُس کی تشریح کرتے ہیں کہ پیر سے مراد عشق ہے سفید داڑھی والا مراد نہیں ہے۔ عشق۔ یہ عشق کی کارفرمائیاں ہیں کہ وہ فراق کی حالت میں معشوق کی تصویر دکھاتا ہے پھر ملاقات کے وقت صاحبِ تصویر سامنے آتا ہے ابتداءً سالک صورتوں سے دو چار ہوتا ہے پھر ذات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ [3] منم۔ جب ذات

[1] مغفرت۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیک لوگوں کے حسنات، مقربین بارگاہ کے اعتبار سے سیئات ہیں۔ پہلے چونکہ عبادت میں احسان کا اعلیٰ درجہ نہ تھا اس لئے مشاہدہ کے بعد اُس عبادت پر معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ چوں ز سنگے۔ جذب و کشش کے مخفی ہونے کی یہ مثال ہے کہ جس پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور وہ پتھر پانی میں ڈوب جاتا ہے تو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور اب لوگ اُس کو پتھر نہیں کہتے بلکہ پانی کا چشمہ کہتے ہیں۔ [2] کاسہا۔ عبادت میں ابتدائی صُوَر کے مشاہدہ کو بمنزلہ پیالوں کے سمجھو اُن میں

کا مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں سب کی اصل ہوں اور صورتوں پر میرا عکس پڑ گیا تھا اب میں نے پردے اُٹھا دیئے ہیں اور بغیر کسی واسطے کے حسن کا مشاہدہ کرا دیا۔ [3] زانکہ۔ عکوس میں مشاہدہ کے بعد پھر درجہ فنا میں یہ طاقت ہو جاتی ہے کہ وہ مجرد ذات کا مشاہدہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ صوفیاء کے نزدیک اِس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ احسان یہ ہے کہ تو عبادت اِس طریقہ پر کر گویا تو ذات کا مشاہدہ کر رہا ہے اگر تو اپنی خودی بالکل فانی ہو گیا تو اُس ذات کو دیکھے گا وہ بیشک تجھے دیکھتی ہے اگرچہ تو تیری کمزوری ہے جو ان کو نہیں دیکھ سکتا جذب و کشش خداوندی سے ہیں لیکن یہ جذب و کشش مخفی رہتی ہے

شرح یہاں سے مولانا قصۂ ایاز کی طرف پھر رجوع فرماتے ہیں جو کہ رُبعِ ثانی میں گذر چکا ہے اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ایاز سے دریافت کیا کہ

اے ایاز! تیری جوتیوں سے ایسی محبت! جیسے کہ کوئی معشوق پر عاشق ہوتا ہے کیوں ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے تو نے تو ان لیتروں کو یوں اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے جیسے مجنوں نے رخ لیلیٰ کو۔ کہ تو نے ان سے بجان و دل محبت کر کے ان کو اپنے حجرہ میں لٹکا رکھا ہے آخر یہ بات کیا ہے۔ آخر تو ان پرانے لیتروں سے کب تک گفتگو کرتا رہے گا اور ایک بے حس و حرکت شے سے کب تک اپنے اسرار بیان کرتا رہے گا۔ جس طرح عرب منازلِ محبوب اور اسکے کھنڈروں سے گفت گو کیا کرتے ہیں۔ تو اپنی عشق کی بنا پر ان سے گفت گو کو طول دیتا ہے تو بتلا تو سہی یہ تیرے لیترے کس باعظمت شخص کی یادگار ہیں اور تیرا پوستین کس یوسف کا کرتہ ہے تیری حالت تو ایسی ہے جیسے کوئی نصرانی جو کہ اپنے پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے گناہوں زنا، چوری اور دیگر نقصانات کو بیان کرتا ہو۔ تاکہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ وہ اسلیئے کرتا ہے کہ وہ اس کی معافی کو خدا کی معافی سمجھتا ہے حالانکہ اسکو نہ اسکی نیکیوں کی خبر ہوتی ہے نہ بدیوں کی۔ مگر عشق و اعتقاد بُری بلا ہیں وہ اسکو عالم الغیب وغیرہ ظاہر کرتے ہیں اور اسکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اسکے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اسکی معافی کا خواستگار ہو — بات یہ ہے کہ محبت عجیب چیز ہے کہ یہ ایک نہایت ہی مکروہ شے کو خیال میں سینکڑوں یوسفوں کے برابر حسین ظاہر کرتی ہے اور وہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے اور ان سے زیادہ اشیائے غیر واقعیہ کو واقعیہ دکھلاتی ہے۔ محبت محبوب کے خیال میں تمہارے سامنے ایک صورت بنا دیتی ہے اور وہ صورت اپنی کشش سے تمہیں گویا کرتی ہے۔ بنا بریں تم اُس صورت کے سامنے لاکھوں اسرار یوں بیان کرتے ہو جیسے عاشق اپنے معشوق کے سامنے کیا کرتا ہے حالانکہ نہ وہاں واقع میں کوئی صورت ہوتی ہے نہ جسم۔ اور اسکے تمہارے خیال میں سینکڑوں سوالات و جوابات پیدا ہوتے ہیں اور تم اُسے واقع میں سائل، اور محبت سمجھتے ہو۔ اور تم اسکے یوں سوال و جواب کرتے ہو جیسے کہ

ایک مادر مشفقہ اپنے عنقریب مرے ہوئے بچے کی گور پر گیا کرتی ہے وہ وہاں جا کر اپنی پوری کوشش سے اسرار بیان کرتی ہے اور وہ بے حس و حرکت شے اُسے زندہ معلوم ہوتی ہے اور وہ اس خاک کو حی و قائم سمجھتی ہے۔ اب تم اس جادوگر عشق کی حالت کو غور سے دیکھو کہ یہ کیا جادو کرتا ہے اور کس طرح آدمی کی عقل کو معطل اور وہم کو غالب کرتا ہے۔ اس ماں کے نزدیک قبر کی مٹی کا ہر ذرہ اُسکی آہ و زاری کے وقت سامع اور فہیم ہوتا ہے اور وہ واقع میں اس خاک کو سامع سمجھتی ہے اور اس خاشاک کو وہ ہمہ تن چشم و گوش جانتی ہے۔ بنابریں وہ اپنے بچہ کی نئی قبر کی مٹی پر رو کر یوں متوجہ ہوتی ہے کہ اُس نے اس کی زندگی کی حالت میں اس کیطرف کبھی یوں توجہ نہ کی تھی۔ لیکن جب اس سانحہ کو کچھ دن ہو جاتے ہیں تو اس کے عشق کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور یہ شور و شر اور غلبۂ خیال سب رفو چکر ہو جاتا ہے!

پس تم اس واقعہ سے سبق لو اور سمجھو کہ مُردوں (خواہ حالاً مُردے ہوں یا مآلاً) کا عشق قائم نہیں رہتا۔ پس تم ان سے دل لگاؤ اور اس سے لو لگاؤ جو زندہ رہے گا۔ نہ صرف خود ہی زندہ رہے گا۔ بلکہ تمہارے اندر حیات بڑھائے گا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سمجھو! کہ جب اس سانحہ کو زیادہ دن ہو جاتے ہیں تو ماں پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اس جماد سے اس میں جمادیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بے حس ہو جاتی ہے کیونکہ یہ شور و شر عشق کا اثر تھا۔ عشق اپنا کرشمہ دِکھلا گیا اور چلتا ہُوا۔ اور جب آگ جاتی رہے تو اب ٹھنڈی راکھ رہ گئی۔

اب سمجھو! کہ جوان (ناتجربہ کار) جس چیز کو آئینہ میں دیکھتا ہے (پیر و تجربہ کار) اسکو اسی وقت دیکھ لیتا ہے جبکہ آئینہ مکمل بھی نہیں ہوتا یعنی ناقصین کو تو عشق فانیات کی برائی اس کے زوال کے بعد معلوم ہوتی مگر اہلِ کمال کو اس کا قبح اسکے وجود سے معلوم ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ فانیات سے دل ہی نہیں لگاتے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر آگے بمناسبت پیر اندر خشت بلیند الخ ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل پیر تو تمہارا عشق ہے جو کہ سینکڑوں ناامیدوں کی دستگیری کرتا اور ان کو مطلوب حقیقی تک پہنچاتا ہے نہ کہ

سفید ڈاڑھی والا شخص۔ پس تم عشق حق سبحانہٗ اختیار کرو۔ یاد رکھو کہ عشق حقیقی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تک محبوب حقیقی تک رسائی نہیں ہوتی اس وقت تک تو وہ مطلوب حقیقی کو طالب کے سامنے مختلف صورتوں میں جلوہ گر کرتا ہے (جو کہ اس کے لئے ایسے ہوتے ہیں جیسے نصاریٰ کے لیے قِسّیسین) یہاں تک کہ ایک وقت اس کو وصال ہوتا ہے اور مطلوب حقیقی جس کی صورتیں اس نے اپنے خیال میں تراش رکھی تھیں۔ اس کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ہوش اور بے ہوشی کی اصل الاصل میں ہوں۔ اور ان صورتوں میں جس قدر بھی حُسن ہے وہ میرے ہی حُسن کا پرتو ہے اب میں نے حجابات اُٹھا دیئے ہیں اور تمہارے سامنے حُسن کو بے پردہ جلوہ گر کر دیا ہے چونکہ تم میرے خیال میں اپنی خیالی صورتوں پر بہت کچھ عاشق رہ چکے ہو۔ اسلئے اب تمہارا عشق پختہ ہو گیا ہے اور میری ذات مجردہ کے مشاہدہ کی استعداد تم میں پیدا ہو گئی ہے۔

لو اب دیکھو! القصہ جب جذبۂ حق سبحانہٗ اپنا کام کرتا ہے تو پھر وہ اپنے صُوَرِ خیالیہ کو جو کہ غیریت حق سبحانہٗ فی الواقع اور الوہیت فی الخیال میں بمنزلہ قسیسین کے تھیں۔ درمیان سے اُٹھ جاتی ہیں اور طالب ان کو درمیان میں نہیں دیکھتا اس وقت وہ رفع حجابات کے بعد براہِ راست حق سبحانہٗ سے اپنے جرائم کی معافی چاہتا ہے جیسا کہ اس سے قبل وہ ان صور خیالیہ سے چاہتا تھا جو کہ اس کے لیے بمنزلہ قسیسین کے تھیں۔

اب ہم ایک شُبہ کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں۔ تقریر شُبہ یہ ہے کہ جب یہ عاشق قبل وصال صور غیر خدا کی پرستش کرتا تھا تو اس کو مُشرک ہونا چاہیئے یہ تو شبہ تھا اب ہم جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کسی پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور وہ پتھر اس میں مستور ہو جاتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں پتھر کہتا۔ بلکہ چشمہ کہتے ہیں کیونکہ اس سے پانی جاری ہو گیا ہے جس نے اُسے چھپا لیا ہے۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ صُوَرِ خیالیہ تو بمنزلہ پیالے کے ہے۔ حق سبحانہٗ ان میں جس قدر اپنا حُسن ڈالتے ہیں اس کے انکے

علو مرتبت حاصل ہوتا ہے اور اسی حُسن کی بنا پر وہ مطلوب ہوتے ہیں نہ کہ مِن حیثُ الحق اور اس حیثیت سے وہ غیرِ خدا نہیں ہیں۔

[فائدہ: اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مشرکین کی طرف سے بھی یہی جواب ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ جواب نہیں ہو سکتا وجہ اسکی یہ ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ ذات حقہ حقیقیہ کی پرستش کی جائے اور کسی ایسی شے کی پرستش نہ ہو جس میں یہی وجہ بھی غیریت ہو اسی لیے حق سبحانہٗ نے پرستش اغیار کی ممانعت فرمائی ہے۔ مگر حق سبحانہٗ کی صور خیالیہ سے ناقصین کے لیے احتراز ناممکن تھا و لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا۔ بنا بریں اسُ نے اپنے صور خیالیہ کے پرستش کو اپنی پرستش قرار دیا اور ان کو معذور سمجھا۔ اور بتوں وغیرہ کی پرستش سے اجتناب ممکن تھا اسلیے ان کی پرستش کی ممانعت علیٰ حالہا باقی رہی اور عبدۃ اصنام کو معذور نہ قرار دیا۔ واللّٰہ اعلم)

گفتنِ خویشاوندانِ مجنوں را کہ حسنِ لیلیٰ باندازہ ایست،
رشتہ داروں کا مجنوں سے کہنا کہ لیلیٰ کا معمولی حسن ہے زیادہ نہیں ہے ہمارے

چنداں نیست از و نغز تر در شہرِ ما بسیار ست یکے و دو و دہ
شہر میں اس سے بہتر بہت ہیں ہم ایک اور دو اور دس

بر تو عرضہ کنیم اختیار کن و مارا و خود را وا رہاں وجواب
تیرے سامنے پیش کردیتے ہیں تو اُن میں سے پسند کرلے اور ہمیں اور اپنے آپ کو نجات دے

گفتنِ مجنوں ایشاں را
اور اُن کا مجنوں کو جواب دینا

گفتن
مجنوں کی اس گفتگو سے یہ بھی سمجھا ہے کہ مظاہر، مظہر کے حُسن کے اعتبار سے نام اور رنگ اختیار کرتے ہیں۔ ابلہاں: بیوقوفوں نے مجنوں کو دعوت کرنی شروع کردی بلکہ کہا کہ لیلیٰ کا معمولی حسن ہے تو اس پر اس قدر فریفتہ کیوں ہے۔ سہل: معمولی۔ ۳۵ نازنیں: دوسرے معشوق ناز و انداز اور حُسن میں لیلے سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

ابلہاں گفتند مجنوں را ز جہل
بیوقوفوں نے نادانی سے مجنوں سے کہا

حسنِ لیلیٰ نیست چنداں ہست سہل
لیلیٰ کا حسن زیادہ نہیں ہے، معمولی ہے

بہتر از وے صد ہزاراں دلربا
اُس سے زیادہ حسین لاکھوں معشوق

ہست ہمچوں ماہ اندر شہرِ ما
ہمارے شہر میں چاند جیسے ہیں

نازنیں تر ز و ہزاراں حور وش
حوروں جیسے اُس سے زیادہ ناز و انداز والے

ہست بگزیں زاں ہمہ یکیار خوش
موجود ہیں، اُن سب میں سے ایک حسین یار منتخب کرلے

داریاں خود را و مارا نیز ہم — از چنیں سودای زشت متہم

اپنے آپ کو اور ہم بھی نجات دے — ایسے برے متہم عشق سے

گفت صورت کوزہ است و حسن مے — مے خدایم میدہد از ظرف وے

اس نے کہا صورت پیالہ ہے اور حسن شراب ہے — مجھے اس کے پیالے سے خدا شراب پلاتا ہے

مر شمارا[1] سرکہ داد از کوزہ اش — تا نباشد عشق او تاں گوش کش

اس کے پیالے سے تمہیں سرکہ دیا ہے — تاکہ اس کا عشق تمہارے کان نہ کھینچے

از یکے کوزہ دہد زہر و عسل — ہر یکے را دست حق عزوجل

ایک ہی پیالے سے زہر اور شہد — اللہ تعالے کا ہاتھ ہر ایک کو عطا کرتا ہے

کوزہ می بینی و لیکن آں شراب — روی ننماید بچشم ناصواب

تم پیالہ دیکھتا ہے، لیکن وہ شراب — غلط آنکھ کو چہرہ نہیں دکھاتی ہے

قاصرات الطرف باشد ذوق جاں — جز بخصم خویش ننماید نشاں

طبیعت کا ذوق نظر کو روکنے والیوں میں سے ہے — اپنے اہل کے سوا چہرہ نہیں دکھاتا ہے

قاصرات الطرف باشد آں مدام — ویں حجاب ظرفہا ہمچوں خیام

وہ شراب نظر کو روکنے والیوں میں سے ہے — اور یہ پیالوں کا پردہ خیموں کی طرح ہے

ہست دریا خیمہ در وے حیات — بط را لیکن کلاغاں را ممات

دریا ایک خیمہ ہے اس میں زندگی ہے — بطخ کی، لیکن کووں کی موت ہے

زہر باشد مار را ہم قوت و برگ — غیر او را زہر او درد است و مرگ

زہر سانپ کی روزی بھی ہے اور ساز و سامان بھی — اس کے غیر کے لئے اس کا زہر درد اور موت ہو

صورت ہر نعمتے و محنتے — ہست ایں را دوزخ آں را جنتے

ہر نعمت اور محنت کی صورت — اس کے لئے دوزخ ہے، انکے لئے جنت ہے

بس[2] ہمہ اجسام اشیا تبصرون — اندرو قوت است و سم لاتبصرون

بس تم تمام چیزوں کے جسم دیکھتے ہو — ان کے اندر روزی ہے اور زہر ہے تم نہیں دیکھتے ہو

ہست ہر جسمے چو کاسہ و کوزہ — اندرو ہم قوت و ہم دل سوزہ

ہر جسم پیالے اور کٹورے کی طرح ہے — اس میں روزی بھی ہے اور دل کا جلاوا بھی

کاسہ پیدا اندرو پنہاں رغد — طاعمش داند کزاں چہ می خورد

پیالہ ظاہر ہے اس میں خوش عیشی پوشیدہ ہے — اس کا کھانے والا جانتا ہے کہ انہیں سے کیا کھا رہا ہے

صورت یوسف چو جامے بود خوب — زاں پدر می خورد صد بادہ طرب

(حضرت) یوسف کی صورت ایک عمدہ جام تھی — باپ اس سے سیکڑوں مست کرنیوالی شرابیں پیتے تھے

داریاں ۔ تو دوسرے شہر اور قبیلہ کی لڑکی پر عاشق ہے جس کی وجہ سے تو اور ہمارا خاندان بدنام ہو رہا ہے ۔ گفت ۔ مجنوں نے کہا کہ لیلی کی صورت تو ایک پیالہ ہے اور اس سے خدا اپنی شراب مجھے پلا رہا ہے ۔

[1] مر شمارا ۔ اسی پیالہ سے تمہیں سرکہ پلا رہا ہے تاکہ تمہیں اس کے عشق کی فضیلت حاصل نہ ہو ۔ از یکے ۔ یہ عجائب قدرت میں سے ہے کہ قدرت ایک ہی پیالہ سے کسی کو زہر اور کسی کو شہد پلاتی ہے ۔ کوزہ ۔ تم لوگوں کو صرف صورت اور کوزہ نظر آرہا ہے چونکہ تمہاری نظریں صحیح نہیں ہیں تمہیں وہ شراب نظر نہیں آرہی ہے ..... قاصرات الطرف ۔ جنتی حوروں کے بارے میں مذکور ہے ..... فیہن قاصرات الطرف اور مذکور ہے حور مقصورات فی الخیام یعنی وہ حوریں بجز شوہروں کے کسی دوسرے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتی ہیں یہی حال عشق کا ہے وہ اہل کیطرف متوجہ ہوتا ہے خصم ۔ یعنی صاحب اہل ۔

[1] مدام یعنی شراب عشق ۔ حوریں خیموں کے اندر رہتی ہیں باہر نہیں نکلتی ہیں اسی شراب عشق کے لئے برتن بمنزلہ حوروں کے خیموں کے ہیں ۔ ہست دریا ۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز کسی شخص کے اعتبار سے مفید ہے کسی کے اعتبار سے مضر ہے ۔ دریا بطخ کے لئے ذریعۂ حیات ہے اور کوے کی موت کا سبب ہے ۔ زہر ۔ سانپ کا زہر سانپ کے لئے زندگی کا اور دوسروں کی موت کا سبب ہے ۔ صورت ہر نعمتے ۔ ہر نعمت اور محنت کا صحیح استعمال جنت کا سبب اور غلط استعمال دوزخ کا سبب ہے ۔ —— [2] بس ۔ دنیا کا ہر جسم جس کو تم دیکھتے ہو انمیں روزی اور زہر چھپا ہوا ہے جس کو تم نہیں دیکھ پاتے ہو ۔ ہر جسمے ۔ ہر جسم کو اسی طرح سمجھو ۔ کاسہ ۔ ظاہر نظر آرہا ہے اس کے باطن میں نعمت ہے جس کا نتیجہ استعمال کرنیوالا سمجھتا ہے ۔ رغد ۔ سبب عیش ۔ صورت ۔ حضرت یوسف کی صورت ایک جام تھی انہیں سے حضرت یعقوب مست کرنیوالی شراب پیتے تھے اور بھائی زہر کا گھونٹ پیتے تھے ۔

بازِ اخواں را ازاں زہراب بُود
پھر بھائیوں کے لئے اُس میں زہریلا پانی تھا

کاندر ایشاں زہرِ کینہ میفزُود
جو اُن کے اندر کینے کا زہر بڑھا رہا تھا

بازِ[1] آں دوے مرزلیخا را شکر
پھر اُس میں سے زلیخا کے لئے شکر

می کَشید از عشق افیونِ دگر
عشق کے ذریعہ دوسری افیون نکالتی تھی

غیر آں چہ بُود مر یعقوبؑ را
اس کے سوا جو (حضرت) یعقوبؑ کے لئے تھی

بُود از یوسفؑ غذا آں خوب را
اُس حسین کے لئے یوسفؑ میں سے غذا تھی

گونہ گونہ شربت و کوزہ یکے
طرح طرح کی شرابیں ہیں اور پیالہ ایک ہے

تا نماند در مَیِ غیبت شکے
تاکہ تجھے غیب کی شراب میں شک نہ رہے

بادہ از غیبست و کوزہ زیں جہاں
شراب غیب کی ہے اور پیالہ اس جہان کا ہے

کوزہ پیدا بادہ در وے بس نہاں
پیالہ ظاہر ہے اُس میں شراب بہت مخفی ہے

بس[2] نہاں از دیدۂ نامحرماں
نامحرموں کی آنکھ سے بہت پوشیدہ ہے

لیک بر محرم ہویدا و عیاں
لیکن محرم پر ظاہر اور کھلی ہوئی ہے

یا الٰہی سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا
اے میرے خدا ہماری بینائیاں مدہوش کر دی گئی ہیں

فَاعْفُ عَنَّا اُثْقِلَتْ اَوْزَارُنَا
ہمیں معاف کر، ہمارے (گناہوں کے) بوجھ بھاری ہو گئے ہیں

یَا خَفِیًّا قَدْ مَلَاْتَ الْخَافِقَیْن
اے پوشیدہ! تو نے مشرق و مغرب کو پُر کر دیا ہے

قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُوْرِ الْمَشْرِقَیْن
تو دونوں مشرقوں کے نور سے بڑھ گیا ہے

اَنْتَ[3] سِرٌّ کَاشِفُ اَسْرَارِنَا
تو راز ہے، ہمارے بھیدوں کو کھولنے والا ہے

اَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرٌ اَنْہَارَنَا
تو صبح کا سفیدہ ہے، ہماری نہروں کو جاری کرنے والا ہے

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوْسَ الْعَطَا
اے مخفی ذات والے، محسوس عطا والے

اَنْتَ کَالْمَاءِ وَ نَحْنُ کَالرَّحَا
تو پانی کی طرح اور ہم پن چکی کی طرح ہیں

اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَ نَحْنُ کَالْغُبَار
تو ہوا کی طرح، اور ہم غبار کی طرح ہیں

یَخْتَفِی الرِّیْحُ وَ غَبْرَاہُ جِہَار
ہوا پوشیدہ رہتی ہے اور اُس کا غبار ظاہر ہے

تو بہاری ما چو باغِ سبز و خوش
تو (موسم) بہار ہے ہم سبز اور خوش باغ کی طرح ہیں

او نہان و آشکارا بخشش
وہ پوشیدہ اور اُس کی عطا کھلی ہوئی ہے

تو چو جانے ما مثالِ دست و پا
تو جان کی طرح ہے ہم ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہیں

قبض و بسطِ دست لے زجاں شُد روا
ہاتھ کا بند ہونا اور کھلنا، جان سے ممکن ہوا

تو[1] چو عقلی ما مثالِ ایں زباں
تو عقل کی طرح ہے، ہم اِس زبان جیسے ہیں

ایں زباں از عقل دارد ایں بیاں
اِس زبان کو عقل سے بیان حاصل ہوا ہے

تو مثالِ شادی و ما خندہ ایم
کہ نتیجہ شادیِ فرخندہ ایم

---

[1] باز۔ پھر زلیخا کو جو یوسفؑ سے شراب ملی وہ اس شراب کے علاوہ تھی جو حضرت یعقوبؑ نے پی۔ مرتب۔ یعنی زلیخا۔ گونہ۔ ایک پیالے سے مختلف قسم کی شرابیں حاصل ہوتی ہیں تاکہ غیبی شراب کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

[2] بس نہاں۔ پیالہ کی شراب نامحرموں سے پوشیدہ ہے۔ سُکِّرَتْ۔ بند کر دی گئی ہیں یعنی ہماری نگاہیں صحیح کام نہیں کر رہی ہیں۔ اَبْصَار۔ بَصَر کی جمع ہے، بینائی۔ اَوْزَار۔ وِزر کی جمع ہے، بوجھ، گناہ۔ یا خفیاً۔ حضرت حق تعالیٰ کی ذات مخفی ہے لیکن کائنات کو محیط ہے۔ اَلْخَافِقَیْن۔ مشرق و مغرب۔ اَلْمَشْرِقَیْن۔ یعنی جاڑوں کے زمانے کی مشرق اور گرمیوں کے زمانے کی مشرق۔

[3] اَنْتَ۔ اے خدا تو مخفی اور راز ہے لیکن ہمارے راز تجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اَنْتَ لفجر۔ فجر۔ صبح کا سفیدہ، پانی کو جاری کرنا۔ رحا۔ پن چکی۔ غبراء۔ غبار۔ تو بہاری۔ باغ کی بہار و بقا موسم بہار کی وجہ سے ہے۔ او نہاں۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے تَفَکَّرُوْا فِیْ آلَاءِ اللّٰہِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِہٖ۔ اللہ کی نعمتوں میں غور کیا کرو اس کی ذات میں غور نہ کیا کرو۔ تو چو جانے جس طرح جان اور روح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں کے لئے وہ محرک ہے یہی صورت ذات حق تعالیٰ اور کائنات کی ہے

[1] تو چو عقلی۔ زبان کو عقل گویا بناتی ہے۔ تو مثال جس

ز خوشی کی طرح ہے اور ہم جنسی ہیں — کیونکہ ہم ہمارے خوشی کا تبسم ہیں

(۱) جنبشِ ما ہر دمے خود اشہد ست
ہماری حرکت ہر وقت خود بڑا گواہ ہے
کو گواہِ ذوالجلالِ سرمد ست
کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والے ذوالجلال کی گواہ ہے

گردشِ سنگ آسیا در اضطراب
پن چکی کے پتھر کی گردش، بے قراری میں
اشہد آمد بر وجودِ جوئے آب
نہر کے پانی پر بڑا گواہ ہی

(۲) اے بروں از وہم و قال و قیلِ من
اے وہ! جو کہ میرے وہم اور بات چیت سے باہر ہے
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من
میری سر کی مانگ اور مثال دینے پر خاک

بندہ نشکیبد ز تصویرِ خوشت
تیرے حسین تصور پر بندہ صبر نہیں کر سکتا ہے
ہر دمے گوید کہ جانم مفرشت
ہر لمحہ کہتا ہے کہ میری جان تیرا فرش ہو

ہمچو آں چوپاں کہ میگفت اے خدا
اس گڈریے کی طرح جو کہہ رہا تھا اے خدا!
پیشِ چوپانِ محبّ خود بیا
اپنے عاشق گڈریے کے سامنے آجا

تا شپشت جویم من از پیراہنت
تاکہ میں تیرے کپڑوں میں سے جوئیں پاؤں
چارقت دوزم ببوسم دامنت
تیرا چپل سی دوں، تیرا دامن چوموں

(۳) کس نبودش در ہوا و عشق جفت
محبت اور عشق میں کوئی اس جیسا نہ تھا
لیک قاصر بود از تسبیح و گفت
لیکن تسبیح اور گفتگو میں کوتاہ تھا

عشقِ او خرگاہ بر گردوں زدہ
اس کے عشق نے آسمان پر خیمہ گاڑ دیا تھا
جاں سگِ خرگاہِ آں چوپاں شدہ
جان، اس گڈریے کے خیمہ کا کتا بن گئی تھی

چونکہ بحرِ عشقِ یزداں جوش زد
جب اللہ (تعالیٰ) کے عشق کے سمندر نے جوش مارا
بر دلِ او زد ترا بر گوش زد
اس کے دل سے ٹکرایا، تیرے کان سے ٹکرایا

طرح مسکراہٹ خوشی کا سبب ہے اسی طرح ہم سب حضرت حق تعالیٰ کی شئوں کے مظاہر ہیں۔ جنبش۔ ہماری حرکات حضرت حق تعالیٰ کے وجود کی گواہ ہیں۔ گردش۔ پن چکی کے پاٹ کی حرکت نہر کے پانی کے وجود کی گواہ ہے۔ اشہد۔ زیادہ گواہ۔

۲ اے بروں۔ حضرت حق تعالیٰ کی ذات وہم و قیاس سے بالاتر ہے لہٰذا اس کی کوئی مثال اس کے مطابق نہیں ہے۔ بندہ۔ مثالیں دینے کی مجبوری یہ ہے کہ بندہ محض تصور پر صبر نہیں کرتا ہے مزید وضاحت چاہتا ہے۔ ہمچو۔ حق تعالیٰ کے لئے مثالوں کی یہی حقیقت ہے جس طرح گڈریے نے خدا کی ذات کی تعبیر کی تھی شپش۔ جوں۔ چارق۔ چپل۔

۳ کس نبودش۔ اس گڈریے کی تعبیرات اگرچہ غلط تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اس کا عشق بے مثال تھا۔ عشق اس کے عشق کا مقام مافوق الافق اور جان جیسی معزز چیز اس کے خیمہ کا کتا بنی ہوئی تھی چونکہ عشق کا اثر اس کے دل پر تھا تیرے صرف کان پر ہے۔

شرح

اب مولانا کا سہاوان این صور الخ کی مناسبت سے مجنون کا قصہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ احمقوں نے اپنی حماقت سے مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ کا حسن تو اس قدر نہیں ہے کہ اس کے لیے آدمی یوں دیوانہ ہو جائے وہ تو بہت معمولی ہے اس سے بہتر ہمارے یہاں سینکڑوں معشوق ہیں جو کہ حسن میں چاند کے مثل ہیں اور اس سے زیادہ نازنین ہزاروں حورو‌ش ہیں تو ان میں سے کسی کو چھانٹ لے اور اس بے ہودہ جنون سے جو بدنامی کا باعث ہے اپنے کو بھی نجات

دے اور ہمیں بھی اس نے جواب دیا کہ صاحبو سُنو! صورت ایک پیالہ ہے اور حُسن شراب
خدا مجھے اسی کے پیالہ سے شراب پلاتا ہے اور مجھے اسی کے حُسن سے لذت ملتی ہے
تم کو اس کے حُسن سے لذت حاصل نہیں ہوتی۔ اسلئے یوں کہا جائے گا کہ تمہیں
خدا اس پیالہ سے بجائے شراب کے سرکہ پلاتا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ اس کا عشق تمہارے
کان پکڑ کر اس کی طرف نہیں لے جاتا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سُبحانہٗ بڑے کامل القدرت ہیں وہ اپنی قدرت کاملہ
سے مختلف لوگوں کو ایک ہی پیالہ سے شراب بھی پلاتے ہیں۔ اور سرکہ بھی یعنی کوئی
مخلوقات میں تجلیات حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا چنانچہ
تم پیالہ تو دیکھتے ہو مگر شراب حسنِ الٰہی تمہاری غلط بیں آنکھ سے مخفی ہے اور اُسے
دکھلائی نہیں دیتی۔ اسلئے تمہیں ان سے لطف روحانی حاصل نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ لطف روحانی ان حوروں کے مشابہ ہے جو کہ اپنی نظر صرف
اپنے شوہروں تک محدود رکھتی ہیں اور اجنبی آدمی پر نظر نہیں ڈالتیں۔ بنابریں وہ
اپنے اہل کے سوا دوسرے کو اپنا پتہ نہیں دیتا۔ نیز شراب حُسنِ الٰہی بمنزلہ انہی
حوروں کے ہے جو کہ اپنی نظر کو صرف شوہروں تک محدود رکھتی ہیں۔ اور ظروف
صور اس کے لیے بمنزلہ خیموں کے ہیں۔

بنابریں نااہلوں کی اس شراب تک رسائی نہیں ہوتی اور خیمہ ہائے صُور
دریا کے مشابہ ہیں جو کہ بطون کے لیے موجبِ حیات ہوتا ہے اور گودن کے لیے
مَوت۔ اسلئے صورِ محسوسات اہل اللہ کے لیے حیات روحانی ہیں اور محجوس کے لیے
موت روحانی کا سبب ہیں۔ اور یہ کچھ بعید نہیں۔ دیکھو! زہر سانپ کے لیے غذا
اور سامانِ عیش ہوتا ہے مگر دوسروں کے لیے موجب تکلیف و موت ہوتا ہے۔

علیٰ ہٰذا ہر نعمت اور ہر تکلیف کسی کے لیے دوزخ اور موجبِ اذیت ہے
اور کسی کے لئے جنت اور موجبِ راحت۔ القصہ تم جس قدر اجسام یا
اشیاء دیکھتے ہو۔ ان میں غذا بھی ہے اور زہر بھی۔ مگر تمہیں ان میں دو چیزیں

نظر نہیں آئیں۔

اب ہم اس مضمون کو ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! ہر جسم بمنزلہ ایک پیالہ اور کے ہے۔ جس میں غذا بھی ہے اور اذیت قلبی بھی اور کاسہ تو ظاہر ہے۔ مگر شراب یا نعمت وغیرہ اس میں پوشیدہ ہے جس کو ہر ایک نہیں دیکھ سکتا جو اسکو کھاتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں کیا ہے اور وہ کیا کھا رہا ہے پس جو اس سے لذت حاصل کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں لذت ہے اور جو اس سے تکلیف اُٹھاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس میں اذیت ہے چنانچہ صورت یوسف علیہ السلام ایک عمدہ پیالہ کے مثل تھی پس ان کے باپ تو اس سے سینکڑوں مست کُن شرابیں پیتے تھے۔ اب بھائیوں کی حالت سُنو۔ بھائیوں کو اس سے زہریلا پانی ملتا تھا جو کہ ان کے اندر زہر کینہ بڑھاتا تھا۔

اچھا اب زلیخا کی حالت سُنو۔ زلیخا کو اس پیالہ سے شکر ملتی تھی۔ اور وہ اس کے عشق سے ایک اور ہی افیون کھاتی تھی اور اس سے اس کے اندر ایک اور ہی نشہ پیدا ہوتا تھا جو کہ اس نشہ کے مغائر تھا جو اس سے یعقوب علیہ السلام کو حاصل ہوتا تھا (کیونکہ زلیخا کا عشق شہوانی تھا برخلاف یعقوب علیہ السلام کے) اور یوسف علیہ السلام سے اس کو بھی ایک طرح کی غذا ملتی تھی۔ (گو وہ اس غذا کے مغائر تھی جو ان سے یعقوب علیہ السلام کو ملتی تھی۔) پس کوزہ ایک تھا مگر اس سے مختلف لوگوں کو مختلف شربت ملتے تھے۔ اب تم کو شراب پینے کے بارہ میں شک نہ رہنا چاہیئے اور تم کو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے آثار کیونکر مختلف ہو سکتے ہیں۔

الغرض کوزہ تو ناسوتی ہیں مگر ان میں شراب غیبی بھری ہوئی ہے اور کوزہ محسوس ہیں۔ مگر شراب ان میں نہایت مخفی ہے۔ یعنی نامحرموں کی آنکھوں سے مخفی ہے لیکن محرموں کے لیے نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ بنا بریں وہ بے تکلف ان میں تجلیات حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری آنکھیں سست اور بے ہوش ہو گئیں ہیں کہ اسلئے تیرے جمال کا مشاہدہ نہیں

کر سکتیں پس ہمیں معاف کر دے ہمارے گناہوں کا بوجھ بہت ہو گیا ہے تاکہ یہ رنج دور ہو کر ہم کو تیرے جمال کا مشاہدہ نصیب ہو سکے اے خفی الذات! تو نے اپنے نور سے مشرق و مغرب کو پُر کر دیا ہے اور تو ظہور میں نور مشرقین سے بھی بڑھ گیا ہے تو ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے مگر ہمارے اسرار کو ظاہر کرنیوالا ہے اور تو آثار کے لحاظ سے صبح روشن ہے اور ہماری خشک نہروں کو اپنے کمالات کے آب سے جاری کرنیوالا ہے اے خفی الذات! اور محسوس العطا! تو مثل پانی کے ہے اور ہم مثل چکی کے پاٹوں کے ہیں اور تو مثل ہوا کے ہے اور ہم بمنزلہ غبار کے ہیں کیونکہ ہوا مخفی ہوتی ہے مگر اسکا غبار ظاہر ہوتا ہے۔ علیٰ ہٰذا جو کہ ہم مثل غبار کے ہیں ظاہر ہیں۔ اور تو جو کہ مثل ہوا کے ہے مخفی ہے۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ بہار کے ہے اور ہم بمنزلہ سرسبز اور شاداب باغ کے۔ کیونکہ بہار غیر ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی عطا ظاہر۔ یوں ہی تو مخفی ہے اور ہم جو کہ تیرے عطا ہیں ظاہر ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ جان کے ہے اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں کا کھلنا اور ان کا بند ہونا روح کے ہی سبب ہوتا ہے یوں ہی ہماری حرکات بھی تیرے ہی ذریعہ سے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ عقل کے ہے اور ہم مثل زبان کے اسلئے کہ زبان کو گویائی عقل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہی ہمارے آثار بھی تیرے ہی ذریعہ سے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ خوشی کے ہے اور ہم بمنزلہ ہنسنے کے۔ کیونکہ جس طرح ہنسی سے معلول ہوتی ہے خوشی کا۔ یوں ہی ہم تیرے معلول ہیں اور ہماری حرکات ہر وقت بزبانِ حال اشہد کہتی ہیں کیونکہ وہ گواہ ہیں ایک صاحبِ عظمت خدا کے وجود وغیرہ کے جس طرح کہ چکی کے پتھر کی مضطربانہ حرکات شاہد ہوتی ہے وجود جوئے آب کی۔

یہاں تک بیان کر کے مولانا کو سُکر سے صحو ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اے اللہ! تو تو میرے وہم اور میری گفت گو کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ میرے سر پر اور میرے مثالوں کے سر پر خاک پڑے۔ کجا میں اور میری مثالیں اور کجا تو۔ مگر اے اللہ! غلام سے تیرے عمدہ تصور کے بغیر

صبر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ہر وقت یہی کہتا ہے کہ میری جان تیرا فرش ہو جس طرح وہ چوپاں کہتا تھا کہ اے اللہ! اپنے عاشق چوپاں کے پاس آ۔ تاکہ میں تیرے کُرتہ میں جوئیں دیکھوں اور تیرے جوتے سیئوں۔ اور تیرا دامن چوموں اور یہ گفتگو اس کی بنا پر عشق و محبت تھی نہ کہ بغرض توہین و تنقیص۔ یوں ہی میں بھی جوشِ محبت میں اپنے حوصلہ کے مطابق تیری تصویر کھینچتا ہوں تو معاف کرنا۔ یہاں سے خطاب کا رُخ بدلتے اور فرماتے ہیں کہ عشق و محبت میں کوئی شخص اس چوپاں کا ہمسر نہ تھا۔ مگر بےچارہ تسبیح و تقدیس اور گفتار مناسب ذات پاک سے قاصر تھا اسکے عشق نے آسمان پر خیمہ گاڑا تھا اور وہ چوپاں بارگاہ حق سبحانہ کا یوں ہی مقرب ہو گیا تھا۔ جیسے کتا اُمراء کے خیموں کا مقرب ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ فی نفسہٖ ایک ذلیل جانور ہوتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو جو کچھ وہ چوپاں کہتا تھا اُس کا منشا بھی عشق حق سبحانہ تھا اور جو تسبیح و تقدیس تم کہتے ہو۔ اس کا منشا بھی عشقِ الٰہی ہی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ جب بحرِ عشق حق سبحانہ جوش زن ہُوا تو اسکی اس کے دل پر اثر کیا اور تمہارے کانوں پر اثر کیا بنابریں وہ وہی الفاظ کہتا تھا جو اسکے دل سے بےساختہ اور بے تکلف اور جوشِ محبت سے نکلتے تھے اور تم وہ الفاظ کہتے ہو۔ جو تمہارے کانوں کو بھلے معلوم ہوں۔ دل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے پس چونکہ اُس کی تعریف دل سے تھی اور تمہاری زبان سے اسلئے وہ مقرب ہُوا۔ اور تم دور رہے۔

حکایت جوحی کہ چادر پوشید در وعظ میانِ زناں نشست و

جوحی کا قصہ جو کہ چادر اوڑھ کر وعظ میں عورتوں کے درمیان بیٹھ گیا اور

حرکتے کرد زنے اورا بشناخت کہ مرد ست و نعرہ بزد

اُس نے ایسی حرکت کی کہ ایک عورت نے اس کو پہچان لیا کہ مرد ہے اور اس نے نعرہ مارا

حکایت۔ اس حکایت سے یہ سمجھنا ہے کہ دل پر اور کسی دوسرے عضو پر اثر میں بہت بڑا فرق ہے۔ جوحی۔ ایک شخصیت ہے جس کی طرف بہت سے پُرمذاق لطیفے منسوب ہیں جیسی کہ اُردو ادب میں تو دو پیازہ یا شیخ چلی۔

واعظے بد لُس گزیدہ در بیاں زیرِ منبر جمع مردان و زناں

ایک واعظ تقریر میں بہت منتخب تھا (اسکے) منبر کے پاس مرد اور عورتیں جمع تھیں

رفت جوحی چادر و رُوبند ساخت
جوحی چلا، چادر اور نقاب پہنا

درمیانِ آں زناں شد ناشناخت
اُن عورتوں میں اَن جان ہو گیا

سائلے پرسید واعظ را براز
ایک سوال کرنیوالے نے آہستہ سے واعظ سے دریافت کیا

مُوئے عانہ ہست نقصانِ نماز
زیرِ ناف کے بال نماز کے نقصان (کا باعث) ہیں[1]

گفت[2] واعظ چوں شود عانہ دراز
واعظ نے کہا جب زیرِ ناف کے بال بڑھ جائیں

پس کراہت باشد از وے در نماز
تو اُس سے نماز میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے

یا بنورہ یا بُسترہ بستُرش
چونے سے یا اُسترے سے اُن کو مونڈ دے

تا نمازت کامل آید خوب و خوش
تاکہ تیری نماز بھلی اچھی مکمل ہو

گفت سائل آں درازی تا چہ حد
سوال کرنے والے نے کہا، لمبائی کس حد تک

شرط باشد تا نماز اکمل بُود
مناسب ہے تاکہ نماز مکمل ہو جائے؟

گفت چوں قدرِ جوے گردد بطول
اُس نے کہا، اگر جَو کی بقدر لمبے ہو جائیں

پس سترُدن فرض باشد اے سئول
اے بھکڑ! مونڈنا فرض ہو جائے گا

پیشِ جوحی یک زنے بنشستہ بُود
جوحی کے آگے ایک عورت بیٹھی تھی

ہوش را بر وعظِ واعظ بستہ بُود
جس نے ہوش کو واعظ کے وعظ سے وابستہ کر دیا تھا

گفت جوحی زُود اے خواہر ببیں
جوحی نے کہا، اے بہن! جلد دیکھ لے

عانۂ من گشتہ باشد ایں چنیں
میرے زیرِ ناف بال ایسے ہو گئے ہونگے

بہرِ خوشنودیِ حق پیش آر دست
(اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی کیلئے ہاتھ بڑھا

کاں بمقدارِ کراہت آمدست
کہ وہ کراہت کی بقدر ہو گئے ہیں!

دست زن در کرد در شلوارِ مرد
عورت نے مرد کے شلوار کے اندر ہاتھ ڈالدیا

کیرِ اُو بر دستِ زن آسیب[3] کرد
اُس کے خایہ نے عورت کے ہاتھ پر اثر کیا

نعرہ زد سخت اندر حالِ زن
عورت نے فوراً ایک نعرہ مارا

گفت واعظ بر دلش زد گفتِ من
واعظ نے کہا میری بات نے اُسکے دل پر اثر کیا ہے

صدق را زیں زن بیاموزید ہیں
ہاں، تم سچائی اس عورت سے سیکھ لو

چونکہ بر دل زد وُرا گفتِ چنیں
جبکہ ایسی گفتگو نے اُسکے دل پر اثر کیا ہے

گفت[4] نے بر دل نزد بر دست زد
اُس (جوحی نے) کہا دل پر نہیں ہاتھ پر اثر کیا ہے

وائے گر بر دل زدے اے پُرخرد
اے عقلمند! کیا بنتا اگر دل پر اثر کرتا

بر دلِ آں ساحراں زد اندکے
اُن جادوگروں کے دل پر تھوڑا سا اثر کیا

شُد عصا و دست ایشاں را یکے
اُن کے لئے لکڑی اور ہاتھ یکساں بن گیا

---

۱ گزید۔ منتخب۔ رُوبند۔ نقاب۔ مُوئے عانہ۔ زیرِ ناف کے بال۔ عانہ۔ یعنی جب زیرِ ناف بال بڑھ جائیں تو نماز میں کراہت آجاتی ہے۔ نورہ۔ چونا۔ سترہ۔ اُسترہ۔ تا چہ حد۔ درازی کو متعین کر دیجئے کہ بال کس قدر بڑھ جانے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

۲ گفت۔ واعظ نے کہا۔ سئول۔ بہت زیادہ سوال کرنے والا۔ ہوش۔ یعنی واعظ کے وعظ کی جانب پوری توجہ تھی۔ مرد۔ یا شلوار کا مضاف الیہ یا کرد کا فاعل ہے دونوں صورتوں میں ترجمہ جداگانہ ہے۔

۳ آسیب۔ اثر۔ گفت۔ واعظ نے کہا کہ میرے وعظ کا اُس کے دل پر اثر ہوا ہے اسی لئے اُس نے نعرہ مارا ہے۔۔۔ صدق۔ واعظ نے مردوں سے کہا تم لوگ اُس عورت سے نصیحت حاصل کر لو۔

۴ گفت۔ جوحی نے کہا دل پر نہیں محض ہاتھ پر اثر ہوا ہے اسلئے کہ اُس کا ہاتھ جوحی کی شرمگاہ پر لگا تھا۔ بر دل۔ فرعون کے جادوگروں کے دل پر اثر ہوا تھا تو عشقِ الٰہی میں اُن کے لئے ہاتھ پاؤں کا کٹنا ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی لکڑی کا کٹنا۔ گر۔ اگر تو بوڑھے کی داڑھی نوچ لے تو اُس کو اس سے زیادہ رنج ہوگا جیسا کہ اُن کو ہاتھ پاؤں کٹنے پر ہوا تھا۔

گر ز پیرے در ربائی تو عصا
اگر تو کسی بڈھے کی لاٹھی اڑا لے

نعرۂ[12] لا ضَیر بر گردوں رسید
کوئی ہرج نہیں کا نعرہ آسمان پر پہنچا

چوں بدانستیم ما کیں تن نہ ایم
چونکہ ہم جان گئے کہ ہم یہ جسم نہیں ہیں

اے خُنک آں را کہ ذاتِ خود شناخت
قابلِ مبارکباد ہے وہ جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا

کودکے گرید پئے جوز و مویز
بچہ جس اخروٹ اور منقیٰ کے لئے روتا ہو

پیشِ دل جوز و مویز آمد جسد
دل کے لئے جسم، اخروٹ اور منقیٰ ہے

ہر[13] کہ محجوب است او خود کودک است
جو پردے میں ہے، وہ بچہ ہے

گر بریش و خایہ مردستے کسے
اگر کوئی داڑھی اور خایہ کی وجہ سے مرد ہے

پیشوای بد بُود آں بُز شتاب
وہ بکرا بُرا پیشرو ہے، جلد

ریش شانہ کردہ کہ من سابقم
داڑھی کو کنگھی کئے ہوئے کہ میں راہنما ہوں

ہیں روشِ بگزیں و ترکِ ریش کن
خبردار! روش اختیار کر اور داڑھی کو چھوڑ

ریشِ[14] خود را خندہ زارے کردہ
تو نے اپنی داڑھی کو مضحکہ بنا لیا ہے

تا شوی چوں بوئے گل بر عاشقاں
تاکہ تو پھول کی خوشبو کی طرح، عاشقوں کیلئے بجائے

چیست بوئے گل دمِ عقل و خرد
پھولوں کی خوشبو کیا ہے؟ عقل اور سمجھ کی بات

پیش رنجکاں گروہ از دست و پا
وہ اس سے زیادہ رنجیدہ ہو گا جتنا گروہ ہاتھ پاؤں کے

ہیں بُبر کہ جاں ز جاں کندن رہید
ہاں کاٹ دے، جان جان کنی سے نجات پا گئی

از ورای تن بیزداں میزییم
جسم کے سوا ہم خدا کے ذریعہ جی رہے ہیں

اندر امنِ سرمدی قصرے بساخت
ہمیشگی کے امن میں اس نے محل بنا لیا

پیشِ عاقل باشد آں بس سہل چیز
عقلمند کے لئے وہ آسان چیز ہے

طفل کے در دانشِ مرداں رسد
بچہ، مردوں کی عقل کو کب پہنچتا ہے؟

مرد آں باشد کہ بیروں از شک است
مرد وہ ہے جو شک سے باہر ہے

ہر بُزے را ریش و خصیہ ہست بسے
تو ہر بکرے کے داڑھی اور خصیہ ہے

میبرد اغنام را پیشِ قصاب
بکریوں کو قصاب کے آگے لیجاتا ہے

سابقی لیکن بسوئے درد و غم
تو راہنما ہے، لیکن درد اور غم کی جانب

ترکِ ایں ما و من و تشویش کن
اس تکبر و غرور اور پریشانی کو ترک کر

ناز کم کن چونکہ ریش آوردۂ
جبکہ تیرے داڑھی نکل آئی ہے، نخرے نہ دکھا

پیشوا و رہنمای گلستاں
باغ کا رہنما اور پیشوا

خوش قلاوزِ رہ باغِ ابد
جو ابدی باغ کے لئے بہترین راہنما

[12] نعرۂ۔ جس وقت فرعون نے جادوگروں سے کہا تھا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا۔ لا ضیر۔ کوئی نقصان نہیں۔ چونکہ۔ جادوگروں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں ہے بلکہ روح کی ہے۔ اے خنک۔ حدیث شریف ہے جس نے اپنی حقیقت سمجھ لی اس نے خدا کو پہچان لیا۔ کودکے۔ بچے کے لئے اخروٹ اور منقیٰ عزیز ہیں عقلمند کے لئے وہ حقیر ہیں۔ چونکہ اہل دل کیلئے ہاتھ پاؤں اخروٹ اور منقیٰ کی جگہ ہیں۔

[13] ہر کہ۔ جو شخص اپنی حقیقت نہیں سمجھا، بچہ ہے۔ گر ریش۔ اگر مرد ہونا داڑھی اور خصیہ کی وجہ سے ہو تو یہ چیزیں بکرے کے بھی ہوتی ہیں۔ چونکہ بکرے میں عقل خام ہے اس لئے ذبح ہوتے وقت وہ بکریوں کا پیشوا بن جاتا ہے۔ ریش۔ بناوٹی پیر

[14] ریش۔ تو نے تو اپنی داڑھی کا بھی مذاق اڑوا لیا ہے تیرے داڑھی نکل آئی ہے اب ناز و انداز مناسب نہیں ہے، راہِ سلوک اختیار کر ورنہ داڑھی کی مذاق اڑے گی۔ تا شوی۔ پھر تو خوشبو کی طرح عاشقوں کے لئے باغ کا رہنما بن جائیگا۔ چیست۔ خوشبو سے مراد عقلمندی کی باتیں کرنا ہے۔

[illegible]

شرح

"بر دل او زد ترا بر گوش زد" کی مناسبت سے مولانا ایک مذاقیہ حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک نہایت عمدہ واعظ وعظ میں مصروف تھا اور پیڑ کے نیچے بہت سے مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں اس مجمع میں جوجی (ایک مسخرہ کا نام ہے) بھی پہنچ گیا اُسنے اوڑھنا اوڑھ لیا اور منہ کو چھپالیا۔ اس طرح زنانہ بھیس بدل کر عورتوں کے مجمع میں بیٹھ گیا اور کسی نے اُسکو نہ پہچانا کہ یہ مرد ہے۔ اتفاقاً ایک سائل نے واعظ سے پوچھا کہ حضرت کیا موئے زیر ناف سے نماز میں نقصان آتا ہے اُسنے کہا ہاں! جب وہ بڑھ جائیں تو ان سے نماز مکروہ ہوتی ہے ایسی حالت میں تم کو یا تو چونے سے یا اُسترہ سے ان کو صاف کر دینا چاہیئے تاکہ تمہاری نماز کامل اور عمدہ ہو۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ حضرت اس درازی کی حد کیا ہے جہاں تک نماز کامل ہو اور اسکے بعد مکروہ اسنے جواب دیا کہ جب جَو برابر ہو جائیں تو ان کا صاف کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس سے کم میں مضائقہ نہیں۔

یہ سوال وجواب سُنکر جوجی کو مسخرہ پن سوجھا۔ اسکے پاس ایک عورت نہایت خوب صورت بیٹھی ہوئی تھی۔ جسنے واعظ کو دنگ کر رکھا تھا۔ اور جس کی وجہ سے اُس سے وعظ بھی ٹھیک نہ کہا جاتا تھا اسنے اُس سے کہا کہ بہن ذرا دیکھنا میرے موئے زیر ناف تو اس قدر نہیں بڑھ گئے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا ہاتھ بڑھا کر دیکھنا کہ کہیں میرے بال کراہت کی حد تک تو نہیں پہنچ گئے اس عورت نے اس مرد کے پاجامہ میں ہاتھ ڈالا اور اس کا اعضاءِ تناسل اسکے ہاتھ میں لگا اس پر اُس نے چیخ ماری۔ واعظ نے سمجھا کہ اسکے دل پر میرے وعظ سے چوٹ لگی ہے۔ اور کہا کہ لوگو خلوص اس عورت سے سیکھو کہ میرے... بیان سے اس کے دل پر چوٹ لگی ہے اور تم پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ جوجی نے کہا جناب! اسکے دل پر چوٹ نہیں لگی بلکہ صرف ہاتھ میں ٹکر لگی ہے اس کا یہ اثر ہے اگر دل پر چوٹ لگتی تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔ یہ مذاقیہ حکایت بیان فرما کر پھر اپنے رنگ کی طرف عود کرتے ہیں اور مضمون سابق کی تکمیل فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

شرح

ہم نے کہا تھا کہ عشقِ الٰہی نے چوپان کے دل پر اثر کیا ہے مگر تمہارے دل پر اثر نہیں کیا - یہ ایک واقعی بات ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تم ہنوز تن پروری میں مشغول ہو - پس اگر تمہارے دل پر اثر ہوتا تو تمہارا یہ اشتغال ناممکن تھا - دیکھو - اس نے ساحرانِ فرعون کے دل پر ذرا سا اثر کیا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ لاٹھی اور ہاتھ پاؤں ان کے نزدیک برابر ہو گئے تھے - بلکہ یوں کہیئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں ان کی نظر میں لاٹھی سے کم وقعت رکھتے تھے اسلئے کہ اگر تم کسی بڈھے کے ہاتھ سے لاٹھی چھین لو - تو جس قدر اسے لاٹھی کا رنج ہو گا ان کو اپنے ہاتھ پاؤں کے کٹنے کا اتنا بھی رنج نہ تھا - چنانچہ جب فرعون نے انکو ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی ہے تو انہوں نے نہایت زور سے کہا کہ اس سے ہم کو کچھ بھی نقصان نہیں تو شوق سے کاٹ ڈال - کیونکہ اب ہماری جان فکرِ جسم سے چھوٹ گئی ہے جو کہ دراقع میں جان کنی اور سخت موجبِ اذیت ہے اسلئے کہ اب ہمکو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم یہ جسم نہیں ہیں بلکہ ہماری حقیقت روح ہے اور ہم بحکم الروح من امر ربّی بحکم و قدرتِ الٰہی جیتے ہیں نہ کہ اس جسم کے ذریعے سے ایسی حالت میں اگر جسم فنا ہو جائے تو ہم میں کچھ بھی کمی نہ آئے گی -

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے ! بڑے مزہ ہیں اُس شخص کے جو اپنی حقیقت پہچان لے - اور اس طرح رنج و راحتِ دنیوی سے بے پرواہ ہو کر راحتِ روحانی حاصل کرے اور اس ہمیشہ رہنے والے محل میں گھر بنالے -

صاحبو ! دیکھو ! جوز و مویز کے لیے لونڈے رویا کرتے ہیں - اے اہلِ عقل سو وہ انکی کچھ بھی وقعت نہیں کرتے پس جو حالت عقلاء کے سامنے جوز و مویز کی ہے وہی حالت اہلِ دل کے سامنے جسم کی ہے لہٰذا وہ جسم کو کوئی چیز بھی نہیں سمجھتے اور اسکے رنج و راحت کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے - مگر لونڈوں کو مردوں کے برابر سمجھ نہیں ہو سکتی اسلئے محجوبین اس پر مٹے ہوئے ہیں -

یاد رکھو ! کہ جو کوئی محجوب ہے وہ لونڈا ہے - مرد وہ ہے جو عارف ہو اور صاحبِ یقین ! اور شک کی حد سے گذر چکا ہو ـــــ رہی یہ بات کہ ان کی ڈاڑھی اور اعضاء

تناسل ہے تو یہ ان کے مردمی اور کمال کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ڈاڑھی اور اعضاءِ تناسل سے مرد (صاحب کمال) ہوسکتا تو ہر بکرے کی ڈاڑھی اور بڑے بڑے خصیہ اور ذکر ہوتے ہیں۔ اس بنا ر پر ہر بکرا مرد (صاحب کمال) ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اسکو تم ہی مانتے ہو پس معلوم ہوا کہ مردی اور کمال ریش اور خصیوں وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ کمال اور ہی چیز ہے اس مقام پر یہی بتلا دینا ضروری ہے کہ بنے ہوئے پیر واقعی مرد (صاحب کمال) نہیں ہیں۔ بلکہ بکرے یعنی شبیہ اہل اللہ ہیں اور بکریوں یعنی اپنے مریدوں اور معتقدوں کو قصاب لعین شیطان کیطرف لیجاتے ہیں یہ لوگ داڑھی میں کنگھی کر کے اور اپنی صورت اہل اللہ کی سی بنا کر دعوٰے کرتے ہیں کہ کہ ہم پیشوا ہیں اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ضرور پیشوا ہیں اور اپنی بکریوں کو لئے جا رہے ہیں مگر رنج و تکلیف کی طرف نہ کہ راحت و آرام کی جانب! ارے بھلے مانس! تو کیا ڈاڑھی بگھار رہا ہے۔ اسے چھوڑ! اور صحیح روش اختیار کر اور تو خودی اور دعوٰی اور پریشانیوں کو چھوڑ کر فنا اور طمانینت حاصل کر۔ تو نے اپنی ڈاڑھی کو اہل اللہ کا مضحکہ بنا رکھا ہے تو اس روش تصنع کو چھوڑ اور نازمت کر کیونکہ تیرے ڈاڑھی آگئی ہے۔ اسلئے تو ناز کے قابل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو ناقص ہے اسلئے مشیخت کے قابل نہیں ہے پس تو مخدومی کو چھوڑ کر خدمت اہل اللہ اختیار کر۔ تاکہ تو عشاق کے لیے بمنزلہ بوئے گل کے ہوجائے اور باغ عالم محبت کا حقیقی پیشوا اور رہنما بن جائے تو جانتا ہے کہ بوئے گل اور رہنمائے راہِ حقیقت کیا چیز ہے۔ یہ تیرے مشائخانہ صورت اور مکاری کی گفتگو نہیں ہے بلکہ وہ کلام ہے جو عقل وہبی سے ناشی ہو جو کہ اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے پس تو اسے حاصل کر۔ اور صورت اور تزویر... کو چھوڑ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی وہ کلام باغ ابدی (عالم غیب یا علوم و معارف) کا عجیب اور نہایت نفیس رہنما ہے

فرمودنِ شاہ باایاز بارِ دیگر کہ شرحِ چارق و پوستین را

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ حکم دینا کہ چپل اور پوستین کی تشریح کو واضح طور پر بتا

آشکارا بگو تا خواجہ تاشانت ازاں اشارت پند

تاکہ تیرے آقا شریک اس اشارے سے نصیحت حاصل کرلیں

گیرند کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ

چونکہ دین نصیحت ہے

سرِّ چارق را بیاں کن اے ایاز
اے ایاز! چپل کا راز بتا

پیشِ چارق چیستت چندیں نیاز
چپل کے سامنے تیری اسقدر نیازمندی کیوں ہے؟

تا نیوشد سُنقر و بگیارُقت
تاکہ سنقر اور تیرے ساتھی سُن لیں

سرِّ سرِّ پوستین و چارقت
تیرے پوستین اور چپل کے راز کا راز

اے ایاز از تو غلامی نور یافت
اے ایاز! تجھ سے غلامی نے نور حاصل کیا

نورت از پستی سُوئے گردوں شتافت
تیرا نور پستی سے آسمان کی جانب دوڑ گیا

حسرتِ آزادگاں شُد بندگی
غلامی آزادوں کے لئے باعثِ حسرت بنگئی

بندگی را چوں تو دادی زندگی
جبکہ تو نے غلامی کو زندگی بخشی

مومن آں باشد کہ اندر جزر و مد
مومن وہ ہوتا ہے کہ جوار بھاٹے میں

کافر از ایمانِ اُو حسرت خورد
کافر اس کے ایمان پر حسرت کرے

لغات: ۱ نصیحۃ - الدین النصیحۃ - دین اخلاص ہی ہے - سرِّ چارق - محمود نے ایاز سے کہا جوتی کا راز بیان کر اس کے ساتھ تیری نیازمندی کیوں ہے - ۲ سُنقر - غلام کا نام ہے - بگیارُق - خواجہ تاش - اے ایاز - تیرے غلام ہونے نے غلامی کو منور کر دیا ہے - حسرت - تیرے وجود سے آزاد لوگ غلامی کی حسرت کرنے لگے ہیں چونکہ غلامی کو تو نے ایک زندگی عنایت کر دی ہے - ۳ مومن - جس طرح ایاز کی غلامی آزادوں کے لئے باعث حسرت تھی اسی طرح مومن وہ ہے جس کے ایمان کو دیکھ کر کافر حسرت کرے جیسا کہ حضرت بایزید کا ایمان تھا نہ یہ کہ اس کا ایسا ایمان ہو جو لوگوں کو ایمان لانے سے روکے جیسا کہ موذن تھا۔

شرح اب پھر ہم قصہ ایاز کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ اے ایاز تو ان جوتوں کے اسرار کو بیان کر دے اور بتلا دے کہ کیا وجہ ہے کہ تو ان جوتوں کے سامنے اتنی عاجزی کرتا ہے تاکہ سنقر اور تیرے خواجہ تاشان تیرے پوستین اور چارق کے اسرار کو سُن لیں۔ اور اس سے سبق حاصل کریں۔

(فائدہ: سنقر ایک خاص غلام کا نام ہے) مگر یہاں مطلق غلام مراد ہے۔ اور بمعنی خواجہ تاش ہے واللہ اعلم) آگے بادشاہ ایاز کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ایاز تو نے غلامی کو رونق دیدی ہے۔ اور تیرا نور نیک نامی زمین سے آسمان تک پہنچ گیا اور جبکہ تو نے غلامی کے قالب میں روح پھونک دی ہے۔ تو اس سے غلامی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ احرار غلامی کی تمنا کرتے ہیں۔

حکایت گبرے کہ در عہدِ شیخ بایزید قدس سرّہٗ گفتندش

اُس کافر کا قصّہ کہ بایزید قدس سرّہٗ کے زمانے میں لوگوں نے اُس سے کہا

کہ مسلمان شو وجواب اُو ایشان را

کہ مسلمان ہو جا اور اُس کا اُن کو جواب دینا

بُود گبرے در زمانِ بایزیدؒ — گفت اُو را یک مسلمانِ سعید

(حضرت) بایزیدؒ کے زمانے میں ایک کافر تھا — اُس سے ایک نیک بخت مسلمان نے کہا

کہ چہ باشد گر تو اسلام آوری — تا بیابی صد نجات و سروری

اگر تو اسلام لے آئے تو کیا اچھا ہو — تاکہ تو سینکڑوں نجاتیں اور سرداریاں حاصل کرے

گفت ایں ایماں اگر ہست اے مُرید — آنکہ دارد شیخِ عالم بایزیدؒ

اُس نے کہا اے مُرید! اگر ایمان وہ ہے — جو کہ دنیا بھر کے شیخ بایزیدؒ رکھتے ہیں

من ندارم طاقتِ آں تابِ آں — کاں فزوں آمد ز کوششہائے جاں

میں اُس کی طاقت اُس کی قوت نہیں رکھتا ہوں — کیونکہ وہ جان کی کوشش سے بالاتر ہے

گرچہ در ایمان و دیں ناموقنم — لیک در ایمانِ اُو بس مؤمنم

اگرچہ میں (مسلمانوں کے) ایمان اور دین پر اعتقاد نہیں رکھتا ہوں — لیکن اُن کے ایمان کے بارے میں میرا ایمان ہے

دارم ایماں کاں ز جملہ برتر است — بس لطیف و با فروغ و با فرست

میرا ایمان ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہے — بہت پاکیزہ اور بارونق اور شان و شوکت والے ہیں

مؤمنِ ایمانِ اُویم در نہاں — گرچہ مُہرم ہست محکم بر دہاں

میں پوشیدہ طور پر اُن کے ایمان کا مومن ہوں — اگرچہ میرے مُنھ پر سخت مُہر ہے

باز ایمان خود گر ایمانِ شماست — نے بداں میلستم و نے اشتہاست

پھر اگر ایمان تمہارا ایمان ہے — نہ اُس کی طرف میرا جھکاؤ ہے نہ خواہش ہے

آنکہ صد میلش سوئے ایماں بُود — چوں شما را دید آں فاتر شود

جس کو ایمان کی جانب سینکڑوں میلان ہوں — جب اُس نے تمہیں دیکھا وہ سُست پڑ گیا

زانکہ نامے بیند و معنیش نے — چوں بیاباں را مفازہ گفتنے

کیونکہ وہ (صرف) نام دیکھے گا، اور اُس کی حقیقت کچھ نہیں ہے — جس طرح بیابان کو مفازہ کہہ دینا ہے

چوں بایمانِ شما اُو بنگرد — عشقِ اُو ز آوردِ ایماں بفسرد

جب وہ تمہارے ایمان کو دیکھے گا — اُس کا عشق ایمان لانے میں ٹھٹھر جائے گا

ایں حکایت یاد گیر اے تیز ہوش — صورتش بگذار و معنی را بنوش

اے تیز ہوش! اس حکایت کو یاد کر لے — اِس کی صورت کو چھوڑ اور معنی کو سُن لے

بلہ گبر۔ کافر۔ کہ چہ باشد۔ مسلمان نے اُس کافر سے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو تجھے نجات حاصل ہو جائے گی۔ گفت۔ اُس کافر نے کہا کہ اگر ایمان وہ ہوتا ہے جو بایزیدؒ رکھتے ہیں تو مجھ میں اُس کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ گرچہ۔ اگرچہ میں اسلام کے ایمان اور دین کا قائل نہیں ہوں لیکن اُن کے ایمان پہ میرا ایمان ہے۔

ؔ دارم۔ اُس کافر نے مسلمان سے کہا کہ میرا یقین ہے کہ وہ بایزیدؒ سب سے بڑھ کر ہیں اور میرا اُن کے ایمان پہ ایمان ہے لیکن زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔ باز۔ اور اگر ایمان سے مراد تمہارا والا ایمان ہے تو مجھے ایسے ایمان کی نہ خواہش ہے نہ اُس کی طرف میرا میلان ہے۔ آنکہ۔ تم تو ایسے مومن ہو کہ اگر کسی کو ایمان کی خواہش بھی ہو تو تمہیں دیکھ کر وہ سُست پڑ جائے گا۔

ؔ زانکہ۔ اسلئے کہ تمہارا ایمان تو برائے نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور تم برعکس نام نہند زنگی کافور کا مصداق ہو۔ بیابان جنگل، یعنی ہلاکت کی جگہ ہے لیکن اُس کو لوگ مفازہ یعنی کامیابی کی جگہ کہتے ہیں۔ حکایت۔ اس قصہ سے یہ بتانا ہے کہ بعض مومن ایسے ہیں کہ کافر ان کو بڑا ایماندار سمجھتے ہیں۔

حکایتِ آں مؤذنِ زشت آواز کہ در کافرستان بانگ زد

اس بھدی آواز والے مؤذن کی حکایت۔ جس نے نماز کے لئے کفرستان میں اذان

برای نماز و مردِ کافر اُورا ہدیہ ہا داد

دی اور ایک کافر شخص نے اُس کو بہت سے تحفے دیئے

یک مؤذن داشت بس آوازِ بد — شب ہمہ شب میدریدے حلقِ خود[1]
ایک مؤذن کی بُری آواز تھی — وہ پوری پوری رات اپنا حلق پھاڑتا تھا

خوابِ خوش بر مردماں کردہ حرام — در صُداع افتادہ از وے خاص و عام
اس نے انسانوں پر میٹھی نیند حرام کر دی تھی — اس کی وجہ سے عوام و خواص دردِ سر میں مبتلا تھے

کودکاں ترساں ازو در جامہ خواب — مرد و زن زآوازِ او اندر عذاب
بچے بستروں میں اس سے ڈرتے تھے — مرد و عورت اس کی آواز سے عذاب میں تھے

مجتمع گشتند مر توزیع را — بہرِ دفعِ زحمت و تصدیع را
وہ لوگ چندہ جمع کرنے کیلئے اکٹھے ہو گئے — دردِ سر اور تکلیف کو رفع کرنے کیلئے

پس طلب کردند اُورا در زماں — اُنچہا دادند و گفتند اے فلاں
انھوں نے اُس کو فوراً طلب کیا — نقدیاں دیں اور انھوں نے کہا اے فلاں!

از اذانت جملہ آسودیم ما[2] — بس کرم کردی شب و روز اے کیا
ہم سب نے تیری اذان سے راحت پائی — اے جناب! آپنے دن اور رات بڑا کرم کیا

چوں رسید از تو بہر یک دولتے — خواب رفت از ما کنوں ہم مدتے
چونکہ آپ کی وجہ سے ہر ایک کو دولت میسر آگئی ہے — اب پھر مدت کے لئے ہماری نیند اُڑ گئی ہے

بہرِ آسائش زباں کوتاہ کن — در عوض ما ہمتے ہمراہ کن
آرام کی خاطر آپ زبان بند کر لیجئے — اس کے بدلے میں باطنی توجہ فرمایئے

قافلہ می شد بکعبہ از وَلَہ[3] — اُنچہ بستد شد رواں با قافلہ
شدتِ شوق کی وجہ سے ایک قافلہ کعبہ کو روانہ ہوا — اُس نے نقدی لے لی، قافلہ کیساتھ روانہ ہو گیا

شبگہے کردند اہلِ کارواں — منزل اندر موضعِ کافرستاں
قافلہ والوں نے رات کے وقت کیا — کفرستان کے مقام پر پڑاؤ

واں مؤذن عاشقِ آوازِ خود — درمیانِ کافرستان بانگ زد
اُس اپنی آواز کے عاشق مؤذن نے — کفرستان میں اذان دی

چند گفتندش مگو بانگِ نماز — کہ شود جنگ و عداوتہا دراز
بہت سے لوگوں نے اُس سے کہا نماز کی اذان نہ دے — ورنہ جنگ اور لمبی دشمنیاں ہو جائینگی

[1] حلقِ خود۔ چونکہ اُس کو اپنی خوش الحانی پر عقیدہ تھا رات میں مناجات اور ذکر باآواز بلند کرتا ہوگا۔ صُداع۔ دردِ سر۔ جامہ خواب سونے کا بستر۔ توزیع۔ چندہ۔ تصدیع۔ دردِ سر میں مبتلا کرنا۔ اُنچہ۔ سکہ۔

[2] آسودیم۔ اُن لوگوں نے طنزاً کہا۔ دولت۔ یعنی شب بیداری کی دولت۔ خواب۔ اب اس دولت کی خوشی میں ہم رات بھر نہیں سو سکتے ہیں۔ در عوض۔ جو نقدی ہم تجھے دے رہے ہیں اُس کے بدلے میں ہمارے لئے دل سے دعائیں کر دینا۔

[3] وَلَہ۔ شدتِ عشق۔ قافلہ یعنی حاجیوں کا قافلہ۔ کافرستان۔ وہاں کے باشندے سب کافر تھے۔ بانگ زد۔ اذان دی۔ چند گفتندش۔ ساتھیوں نے اس کو کافرستان میں اذان دینے سے روکا اور کہا کہ یہ کافر لڑائی دنگا کرینگے ایسا نہ کر لیکن وہ نہ مانا اور اس نے اذان دیدی۔

اُو ستیزہ کرد و بس بے احتراز
اس نے جھگڑا کیا اور بہت لاپروائی سے

خلق[۱] خائف شُد ز فتنۂ عامّہ
ہم فتنے سے لوگ ڈر گئے

شمع و حلوا و یکے جامہ لطیف
شمع اور حلوا اور ایک عمدہ لباس

پُرس و پُرساں کایں موذن کو کجاست
پوچھتے ہوئے، کہ یہ موذن کہاں ہے؟

ہیں چہ راحت بُود زاں آوازِ زشت
ایں، اس بھدی آواز سے کیا راحت ملی؟

دخترے دارم لطیف و بس سَنی
میرے ایک لڑکی ہے پاکیزہ اور بہت خوبصورت

ہیچ[۲] ایں سودا نمیرفت از سرش
یہ جنون اس کے سر سے کبھی نکلتا نہیں ہوتا تھا

در دلِ او مہرِ ایماں رستہ بُود
اس کے دل میں ایمان کی محبت پیدا ہو گئی تھی

در عذاب و درد و اشکنجہ بُدم
میں مصیبت اور شکنجہ اور درد میں تھا

ہیچ[۳] چارہ می ندانستم دراں
میں اس کا کوئی علاج نہ سمجھ پا رہا تھا

گفت دختر چیست ایں مکروہ بانگ
لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ ڈراؤنی آواز کیسی ہے؟

من ہمہ عمر ایں چنیں آوازِ زشت
میں نے تمام عمر اس طرح کی بھدی آواز

خواہرش گفتہ کہ ایں بانگِ اذاں
اس کی بہن نے کہا، کہ یہ اذان کی آواز

باورش نامد بپرسید از دگر
اس کو یقین نہیں آیا، اس نے دوسرے سے پوچھا

گفت در کافرستاں بانگِ نماز
کفرستان میں اذان دے دی

خود بیامد کافرے با جامۂ
ایک کافر کپڑے لئے ہوئے خود آیا

ہدیہ آورد و بیامد چوں الیف
تحفہ لایا اور دوست کی طرح آیا

کہ صلای و بانگِ اُو راحت فزاست
جس کی اذان کی آواز راحت بڑھانے والی ہے

کو فتاد از وے بناگہ در کنشت
جو اچانک اس سے مندر میں پہنچی

آرزو می بود اُو را مؤمنی
اس کو مومن بننے کی آرزو تھی

پند ہا می داد چندیں کافرش
بہت سے کافر اس کو نصیحتیں کرتے تھے

ہیچو مجمر بُود ایں غم من چو عُود
یہ فکر انگیٹھی کی طرح اور میں اگر کی لکڑی کی طرح تھا

کہ بجنبد سلسلۂ اُو دمبدم
کیونکہ اس کا یہ سلسلہ ہر وقت حرکت میں تھا

تا فرو خواند ایں مؤذن آں اذاں
یہاں تک کہ اس موذن نے وہ اذان دی

کہ بگوشم آمد ایں دو چار دانگ
جس کے دو چار ٹکڑے میرے کان میں آئے ہیں

ہیچ نشنیدم دریں دَیر و کنشت
اس مندر اور بت خانہ میں کبھی نہیں سُنی

ہست اعلام و شعارِ مؤمناں
مومنوں کا اعلان اور علامت ہے

آں دگر ہم گفت آرے اے قمر
دوسرے نے بھی کہا، ہاں اے چاند!

۱ خلق۔ یہ لوگ تو کافر لڑکی کے ڈر سے خائف تھے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کافر تحفہ میں کپڑے اور حلوہ وغیرہ لے آرہا ہے۔ الیف۔ دوست۔ پُرس۔ اس موذن کو پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ موذن کی اذان نے بہت راحت پہنچائی ہے۔ ایں چہ۔ اس کافر سے کسی نے کہا کہ اس بھدی آواز سے جو مندر میں پہنچی کیا راحت ملی ہے.... دخترے۔ اس کافر نے کہا کہ میری ایک بہت خوبصورت لڑکی ہے وہ اسلام لانے پر آمادہ ہو رہی تھی۔

۲ ہیچ۔ ہم لوگوں نے اسکو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آرہی تھی۔ مجمر۔ انگیٹھی۔ عود۔ اگر کی لکڑی جس کی دھونی دی جاتی ہے۔ در عذاب۔ اس لڑکی کے ارادہ سے میں مصیبت میں تھا اور وہ اس ارادہ میں پختہ ہوتی جارہی تھی۔

۳ ہیچ۔ اس کو اس ارادہ سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ تھی حتیٰ کہ اس موذن نے اذان دی تو لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ بھیانک آواز کیسی ہے میں نے ایسی بھدی اور خوفناک آواز کبھی نہیں سُنی۔ خواہرش۔ اس لڑکی کی بہن نے اسکو بتایا کہ یہ مسلمانوں کی اذان کی آواز تھی۔ اعلام۔ اعلان تھا۔ وہ علامت جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔ ہم۔ اسکو بہن کی بات

۱۴ [illegible] نے اس کی تصدیق کر دی۔

چوں[۱] یقیں گشتش رخِ اُو زرد شُد — از مُسلمانی دلِ اُو سَرد شُد
جب اُس کو یقین ہو گیا تو اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا — مسلمانی سے اُس کا دل افسردہ ہو گیا

باز رَستم من ز تشویش و عَذاب — دوش خُوش خفتم دَراں بیخوف خواب
میں پریشانی اور عذاب سے چھوٹ گیا — گذشتہ رات بغیر ڈر کے نیند خوب سویا

راحتم ایں بُود از آوازِ اُو — ہدیہ آوردم بشکر آں مَردِ کُو
مجھے اُس کی آواز سے یہ راحت پہنچی — میں شکرانہ میں تحفہ لایا ہوں وہ شخص کہاں ہے؟

چوں[۲] بدیدش گفت ایں ہدیہ پذیر — کہ مَرا گشتی مُجیر و دستگیر
جب اُس نے اسکو دیکھا کہا یہ ہدیہ قبول کیجئے — کیونکہ آپ میرے پناہ دینے والے اور دستگیر ہیں

آنچہ کردی با من از احسان و بِر — بندۂ تو گشتہ ام مَن مُستمِر
آپ نے جو احسان اور بھلائی مجھ سے کی — میں ہمیشہ کے لئے آپ کا غلام ہو گیا ہوں

گر بمال و مُلک و ثروت فردمے — من دہانت را پُر از زر کردمے
اگر میں مال اور سلطنت اور مالداری میں اکیلا ہوتا — میں سونے سے آپ کا منھ بھر دیتا

ہَست ایمانِ شما زَرق و مجاز — راہزن ہمچوں کہ آں بانگِ نماز
تمہارا ایمان مکر اور مجاز ہے — اِسی طرح کا ڈاکو ہے جس طرح کہ وہ اذان

رجوع بحکایتِ گبر با مسلمان در ایمان

ایمان کے بارے میں کافر کی مسلمان سے حکایت کی جانب رجوع

لیک[۳] از ایمان و صدقِ بایزیدؒ — چند حسرت در دل و جانم رسید
لیکن بایزیدؒ کے ایمان اور سچائی سے — میرے دل اور جان میں بہت سی حسرتیں آئی ہیں

ہمچو آں زن کو جماعِ خَر بدید — گفت آوہ چیست ایں فحلِ فرید
اُس عورت کی طرح جس نے گدھے کی جُفتی دیکھی — بول، آہ کیسا یکتا نر ہے

گر جماع این ست کایداز خراں — بر کُسِ ما میرینداین شوہراں
اگر جُفتی یہ ہے، جو گدھے کرتے ہیں — تو یہ شوہر ہماری شرمگاہ پر ہگتے ہیں

داد جُملہ دادِ ایماں بایزیدؒ — آفرینہا بر چنیں شیرِ فرید
بایزیدؒ نے ایمان کا پورا حق ادا کر دیا — ایسے یکتا شیر کو آفرین ہے

قطرۂ[۵] ز ایمانش در بحر ار رَوَد — بحر اندر قطرہ اش غرقہ شوَد
اُن کے ایمان کا ایک قطرہ اگر سمندر میں چلا جائے — اُس کے قطرے میں سمندر ڈوب جائے

ہمچو آتش ذرہ در بیشہا — کاندراں ذرہ شود بیشہ فنا
جیسا کہ آگ کا ایک ذرہ جنگلوں میں — کہ اُس ذرہ میں جنگل فنا ہو جائیں

۱ـ چوں یقین۔ جب اُسکو یقین آگیا تو مایوسی سے اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اسلام لانے کا ارادہ ٹھنڈا ہو گیا۔ باز رستم۔ جب اُس کا دل اسلام سے برگشتہ ہو گیا تو میری مصیبت ختم ہوئی اور رات کو آرام سے سو سکا مؤذن کی آواز سے مجھے اِس طرح راحت ملی لہٰذا میں اُس کے لئے تحفہ لایا ہوں۔

۲ـ چوں بدیدش۔ جب اُس کافر نے اُس مؤذن کو دیکھا تو کہا کہ یہ تحفے لے لے تو میرا پناہ دہندہ اور دستگیر ہے۔ جز پیکی۔ مستمر۔ ہمیشہ۔ گر بمال۔ میں زیادہ مالدار نہیں ہوں ورنہ تیرا منھ سونے سے بھر دیتا۔ ہست۔ اُس کافر نے اسلام کی دعوت دینے والے مسلمان سے کہا تمہارا ایمان بھی مؤذن کی طرح انسانوں کو ایمان سے روکنے والا ہے۔

۳ـ لیک۔ اُس کافر نے یہ بھی کہا کہ بایزیدؒ کے ایمان اور سچائی کو دیکھ کر مجھے بھی حسرت ہوتی ہے کہ ایسا ایمان مجھے کیوں میسر نہ آیا۔ ہمچو۔ اُس کافر کو بایزیدؒ کے ایمان پر ایسی ہی حسرت تھی جیسی کہ ایک عورت نے گدھے کو جفتی کرتے دیکھ کر حسرت کی تھی اور کہنے لگی تھی کہ اگر جفتی یہ ہے تو مرد ہمارے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ ہیچ ہے۔ داد۔ حضرت بایزیدؒ نے ایمان کا حق ادا کر دیا۔ فرید۔ بے مثال۔

۵ـ قطرہ۔ اُنکے ایمان کی یہ وسعت تھی کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو

چوں خیالے در دلِ شہ یا سپاہ — میکُند در جنگ خصماں را تباہ

جیسا کہ ایک خیال لشکر والے بادشاہ کے دل میں — جنگ میں دشمنوں کو تباہ کر دیتا ہے

یک[۲] ستارہ در محمدؐ رُو نمُود — تا فنا شُد کفرِ ہر گبر و جھُود

ایک ستارہ محمدؐ میں رونما ہوا — یہاں تک کہ ہر کافر اور منکر کا کفر فنا ہو گیا

یک ستارہ در محمدؐ شُد سطرب — تا فنا شُد کفرِ جملہ شرق و غرب

ایک ستارہ محمدؐ میں پھیلا — یہاں تک کہ مشرق و مغرب کا سارا کفر فنا ہو گیا

آنکہ ایماں یافت رفت اندر اماں — کفر ہائے باقیاں شُد در گماں

جس نے ایمان حاصل کر لیا وہ امن میں آ گیا — بقیہ کا کفر مشکوک ہو گیا

کفرِ صِرفِ اوّلیں بارے نماند — یا مُسلمانی و یا بیمے نشاند

اب پہلوں کا سا خالص کفر نہ رہا — یا مسلمان اور یا خوف بٹھا دیا

ایں بحیلہ آب و روغن کردنیست — ایں مثلہا کفوِ ذرہ نور نیست

یہ تدبیر سے پانی اور تیل بلانا ہے — یہ مثالیں نور کے ذرے کی ہمسر نہیں ہیں

ذرہ[۳] نبُود جُز ز چیزِ مُنجسِم — ذرہ نبُود شارقِ لا ینقسِم

ذرہ جسم بن جانے والی چیز کے علاوہ کچھ نہیں ہے — ذرہ، روشن، تقسیم نہ ہونے والا نہیں ہوتا ہے

گفتنِ ذرہ مُرادے داں خفی — محرمِ دریا نہ ایں دم کفی

ذرہ کہنے کا مقصد پوشیدہ سمجھ — تو اس وقت دریا کا رازداں نہیں ہے تو جھاگ ہے

آفتابِ نیّرِ ایمانِ شیخ — گر نماید رُخ ز شرقِ جانِ شیخ

شیخ کے ایمان کا روشن سورج — اگر شیخ کی جان کی مشرق سے رونما ہو جائے

جملہ پستی گنج گیرد تا ثرے — جملہ بالا خُلد گردد اخضرے

تمام پست حصہ تا ثریٰ تحت الثریٰ خزانہ بن جائے — تمام بالائی حصہ سر سبز جنت بن جائے

او یکے جاں دارد از نورِ مُنیر — او یکے تن دارد از خاکِ حقیر

وہ روشن کرنے والے نور کی ایک جان رکھتا ہے — وہ حقیر مٹی کا ایک جسم رکھتا ہے

اے[۴] عجب اینست او یا آں بگو — کہ بماندم در اشکال و جستجو

تعجب ہے! وہ یہ ہے یا وہ وہ ہے، بتا — کیونکہ میں اشکال اور جستجو میں پڑ گیا ہوں

گر وے اینست اے برادر چیست آں — پُر شُدہ از نورِ او ہفت آسماں

اگر وہ یہ ہے، اے بھائی! وہ کیا ہے؟ — کہ جس کے نور سے ساتوں آسمان لبریز ہیں

ور وے آنست ایں بدن اے دوست چیست — اے عجب زیں دو کدامین ست وے کیست

اور اگر وہ وہ ہے، تو اے دوست! یہ بدن کیا ہے؟ — اے تعجب! ان دونوں میں سے وہ کون مراد لیا؟

سمندر کو ڈبو دے۔ یعنی اُن کے ایمان کا قطرہ سمندر پر اسی طور پر حاوی ہو جائے جس طرح آگ کا ایک ذرہ جنگل پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے۔ یا جس طرح شاہ کا ایک معمولی خیال دشمنوں میں تباہی مچا دیتا ہے۔

۲ یک ستارہ۔ آنحضورؐ کی تائید کے لئے خدائی تائید کا ایک ستارہ نمودار ہوا جس سے سب کافروں کا کفر فنا ہو گیا۔ آنکہ۔ سب کافروں کا کفر اس طور پر ختم ہوا کہ کچھ تو مسلمان ہی ہو گئے باقی کفر کے معاملہ میں مشکوک ہو گئے اور خالص کفر بالکل ہٹ گیا اگر مسلمان بھی نہ ہوئے تو ذمی بن کر مسلمانوں کا ذریعہ گئے۔ ایں بحیلہ۔ ہم نے بایزیدؒ کے ایمان کے ذرے کی مثالیں دی ہیں یہ محض تکلف ہے اور یہ اس ذرے کی صحیح مثالیں نہیں ہیں یہ آب و روغن کردن۔ بیکار کوشش کرنا۔

۳ ذرہ۔ شیخ کے نور کو ذرہ سے تشبیہ دی تھی اب فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ مناسب نہیں ہے منجسم جسم اختیار کرنے والا شارق روشن۔ لاینقسم۔ جو چیز تقسیم نہ ہو سکے کفی۔ تو جھاگ ہے نیّر۔ روشن ثرے۔ زمین کا پست حصہ خزانہ بنجائے اور بالائی حصہ

۴ اے عجب۔ اب ایک حیرت ہے کہ شیخ جسم کو کہیں یا روح کو۔ اینست۔ یعنی شیخ اگر جسم ہے۔ چیست آں۔ تو روح کیا ہے۔ آنست۔ یعنی شیخ روح ہے۔

حکایتِ آں زن کہ گفت شوہر راکہ گوشت را گُربہ خورد ؁۲

اُس بیوی کا قصہ جس نے شوہر سے کہا کہ گوشت بِلی کھا گئی

شوہر گُربہ را بترازو بر کشید گربہ نیم من برآمد گفت اے زن گوشت نیم من بُود و افزوں اگر ایں گوشت ست

شوہر نے بِلی کو ترازو میں رکھا، بِلی آدھا من نکلی، شوہر نے اُس سے کہا اے بیوی! گوشت آدھا من تھا اور کچھ زیادہ اگر یہ گوشت ہے تو

گُربہ کُو و اگر ایں گُربہ ست گوشت کُو

بِلی کہاں ہے اور اگر یہ بِلی ہے تو گوشت کہاں ہے؟

بُود مردے کدخدا ؁۳ اُو را زنے

ایک گھروالے مرد کی ایک بیوی تھی

سخت طنّاز و پلید و رہزنے

سخت نخرے باز اور ناپاک اور لٹیری

ہر چہ آوردے تلف کردیش زن

وہ جو کچھ لاتا بیوی اُسکو برباد کردیتی

مرد مُضطر بُود اندر تن زدن

شوہر چُپ رہنے سے عاجز آگیا تھا

بہرِ مہماں گوشت آورد آں مُعیل

وہ بال بچوں والا، مہمان کے لئے گوشت لایا

سُوئے خانہ با دو صد جہدِ طویل

گھر، دو سو طویل مشقتوں کے ساتھ

زن بخوردش با شراب و با کباب

بیوی نے اُس کو شراب کباب کیساتھ کھالیا

مرد آمد گفت دفعِ ناصواب

شوہر آیا، اُس نے اُس کو غلط جواب دیا

مرد گفتش گوشت کُو مہماں رسید

شوہر نے اُس سے کہا گوشت کہاں ہے؟ مہمان آگیا

پیشِ مہماں لُوت می باید کشید

مہمان کے سامنے لذیذ کھانا رکھنا چاہیئے

گفت زن کیں گُربہ خورد آں گوشت را

بیوی نے کہا یہ بِلی وہ گوشت کھا گئی

گوشتِ دیگر خر گرت باید ترا

اگر تجھے چاہیئے اور گوشت خرید لا

گفت اے ایبک ؁۵ ترازو را بیار

اُس نے کہا، او نوکر! ترازو لا

گُربہ را من بر کشم اندر عیار

میں بِلی کا وزن کروں گا

بر کشیدش بُود گُربہ نیم من

اُس نے اُسکو تولا، بِلی آدھا من تھی

پس بگفت آں مرد کائے محتال زن

تو اُس شوہر نے کہا اے حیلہ گر عورت!

گوشت بُد شش اُوقیہ افزوں از آں

گوشت چھ اوقیہ سے بڑھا ہوا تھا

گُربہ ہم شش اُوقیہ ست اے حیلہ داں

اے حیلہ باز! بِلی بھی چھ اوقیہ ہے

گوشت نیم من بُود افزوں یک ستیر

گوشت نصف من سے ایک استار بڑھا ہوا تھا

ہست گُربہ نیم من ہم اے ستیر

اے پردہ نشین: بِلی بھی نصف من ہے

؁۲ حکایت۔ جس طرح شیخ کے بارے میں حیرانی ہے کہ اگر وہ جسم ہے تو روح کو کیا کہیں اگر روح ہے تو جسم کو کیا کہیں اسی طرح اُس شوہر کو حیرانی تھی کہ ترازو میں جو تولا ہے اگر وہ بِلی ہے تو گوشت کہاں ہے اور اگر گوشت ہے تو بِلی کہاں گئی۔

؁۳ کدخدا۔ صاحب خانہ۔ مرد۔ یعنی شوہر چُپ رہتے رہتے عاجز آگیا تھا۔ مُعیل۔ بال بچوں والا۔ دفعِ ناصواب۔ غلط جواب۔ لُوت۔ عمدہ کھانا۔ گفت زن۔ بیوی نے شوہر کو جواب دیا۔

؁۵ ایبک۔ غلام۔ من۔ دو رطل کا ہوتا ہے رطل آدھ سیر کا ہوتا ہے تو من ایک سیر ہوا اور نیم من آدھ سیر ہوا۔ محتال۔ حیلہ گر۔ اوقیہ۔ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ وقیہ۔ اوقیہ۔ نیمن۔ آدھا من۔ ستیر۔ پہلے مصرع کے قافیہ میں استار کے معنی میں ہے استار ایک سعد ہم وزن کو کہتے ہیں دوسرے مصرع میں پردہ نشین کے معنی میں ہے۔

این[2] اگر گربہ است پس آں گوشت کو
اگر یہ بلی ہے تو پھر گوشت کہاں ہے؟
ور بود ایں گوشت بنما گربہ تو
اور اگر یہ گوشت ہے، تو تو بلی دکھا

بایزید ار ایں بود آں روح چیست
بایزید اگر یہ ہے، وہ روح کیا ہے؟
ور وے آں روح ست ایں تصویر کیست
اگر وہ، وہ روح ہیں، یہ صورت کس کی ہے!

حیرت اندر حیرت ست اے یارِ من
اے میرے دوست! حیرت در حیرت ہے
ایں نہ کارِ تست نے ہم کارِ من
یہ نہ تیرا کام ہے، نہ میرا کام ہے

ہر دو او باشد ولیک از ریع و زرع
وہ دونوں ہیں، لیکن پیداوار اور کھیتی میں
دانہ باشد اصل و آں کہ ہست فرع
دانہ اصل ہے، اور بھوسا فرع ہے

حکمت[3] ایں اضداد را باہم بہ بست
حکمت (خداوندی) نے اِن دو ضدوں کو باہمی باندھ دیا ہے
اے قصاب ایں گرد راں با گرد نست
اے قصائی! یہ ران کا گردہ گردن سے وابستہ ہے

روح بے قالب نتاند کار کرد
روح بغیر جسم کے کوئی کام نہیں کرسکتی ہے
قالبِ بیجاں فسردہ بود و سرد
بے روح جسم، ٹھٹھرا ہوا اور ٹھنڈا ہوتا ہے

قالبِ بے جاں کم از خاک ست دوست
اے دوست! بے روح جسم مٹی سے بھی کم ہے
روح چوں مغز ست و قالب ہمچو پوست
روح گری کی طرح ہے اور جسم چھلکے کی طرح ہے

قالبِ بے جاں نمی آید بکار
بے روح جسم، کسی کام نہیں آتا ہے
سعی کن جانے بدست آر اے عیار
اے کھرے! کوشش سے جان حاصل کرلے

قالبت پیدا و آنجاں بس نہاں
تیرا جسم ظاہر ہے اور وہ روح بہت پوشیدہ ہے
راست شد زیں ہر دو اسبابِ جہاں
دنیا کے کام اِن دونوں سے دُرست ہوئے ہیں

خاک[4] را بر سر زنی سر نشکند
خاک کو سر پر مارے گا وہ سر کو نہ توڑے گی
آب را بر بر زنی بر نشکند
تو پانی کو جسم پر مارے گا وہ جسم کو نہ توڑے گا

گر تو میخواہی کہ سر را بشکنی
اگر تو چاہتا ہے سر کو پھوڑ دے
آب را و خاک را برہم زنی
پانی اور مٹی کو آپس میں ملالے

چوں شکستی سر رود آبش باصل
جب تونے سر پھوڑ دیا اُس کا پانی اصل کی طرف چلا جاتا ہے
خاک سوئے خاک آید روزِ فصل
جدائی کے دن مٹی، مٹی کی جانب آجاتی ہے

حکمتے کہ بود حق را ز ازدواج
باہمی ملنے میں اللہ تعالٰی کی جو حکمت تھی
گشت حاصل از نیاز و از لجاج
وہ عاجزی اور سرکشی سے حاصل ہوگئی

باشد[5] آنگہ ازدواجاتِ دگر
وہاں دوسرے ملاپ ہوں گے
لَا سَمِعَ اُذُنٌ وَلَا عَیْنٌ بَصَرْ
جن کو نہ کان نے سنا نہ آنکھ نے دیکھا

---

۲ این۔ یہ جو کچھ تولا ہے اگر بلی ہے تو گوشت کہاں گیا اور اگر گوشت ہے تو بلی کہاں گئی اِس لئے کہ یہ تو ایک چیز کا وزن ہے۔ بایزیدؒ۔ اگر ہم بایزیدؒ جسم کو قرار دیں تو روح کو کیا کہیں اور اگر روح کو بایزیدؒ کہیں تو جسم کو کیا کہیں۔ ہر دو۔ جسم اور روح کے مجموعہ کو بایزیدؒ کہیں گے۔ ریع۔ پیداوار۔ دانہ۔ روح بمنزلہ دانہ کے اور جسم بمنزلہ بھوسے کے ہے۔

۳ حکمت۔ اللہ تعالٰے نے روح اور جسم کو باہمی حکمت کیلئے ملا دیا ہے۔ نقطع.... روح جسم کے بغیر بیکار ہے، جسم روح کے بغیر مردہ ہے۔ قالب۔ جسم روح کا قالب ہے روح مغز ہے اور جسم اس کا چھلکا ہے۔ سعی کن۔ انسان کو روح حاصل کرنی چاہئیے تا کہ جسم ظاہر ہے روح مخفی ہے دونوں ہی سے دنیا کا نظام چل

۴ خاک۔ آمیزش سے مقصد برباری ہوتی ہے صرف خاک سر نہ پھوڑے گی اس میں پانی کی آمیزش کرکے ڈھیلا بنالو تو سر پھوڑ دیگی۔ بر۔ پہلو، سینہ، بغل۔ روزِ فصل۔ یعنی جب روح جسم سے جدا ہوگی، قرآنِ پاک میں ہے۔ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا "بیشک جدائی کا دن مقرر ہے" ازدواج۔ یعنی روح اور جسم کا باہمی جوڑ جو دنیا میں لگا ہے اسکی حکمت یہ ہے کہ نیازمندوں اور سرکشوں کا امتیاز ہوجائے۔

۵ باشد آنگہ۔ عالم آخرت میں روح کا جو جوڑ لگے گا وہ نہ

گر شنیدے اُذن کے ماندے اُذن ۔ یا کجا کردے دگر ضبطِ سخن

اگر کان سنتا، کان کب رہتا؟ ۔ یا پھر دوسری بات کہاں محفوظ رکھتا؟

گر بدیدے برف و یخ خورشید را ۔ از یخی برداشتے اُمید را

اگر برف اور یخ، سورج کو دیکھ لیتا ۔ یخ پن سے اُمید ہٹا لیتا

آب گشتے بے عروق و بے گرہ ۔ کہ ز لطف از باد میگشتے زرہ

بغیر رگوں، اور بغیر گرہ کا پانی بن جاتا[1] ۔ جو ہوا کی لطافت سے زرہ (کی طرح)، بن جاتا[2]

پس شدے درمانِ جانِ ہر درخت[3] ۔ ہر درختے از قدومش نیکبخت

پھر وہ ہر درخت کی جان کا علاج بن جاتا ۔ اس کی آمد سے ہر درخت نیک بخت ہو جاتا

واں یخے بفسُردہ در خود ماندہٗ ۔ لا مساسے با درختاں خواندہٗ

ٹھٹھرے ہوئے عاجز یخ نے ۔ "نہ چھو" درختوں پر پڑھ دیا ہے

لَیْسَ یَالِفْ لَیْسَ یُولَفُ جِسْمُہٗ ۔ لَیْسَ اِلَّا شُحَّ نَفْسٍ قِسْمُہٗ

اس کا جسم نہ محبت کرتا ہے نہ محبت کیا جاتا ہے ۔ اس کا حصہ سوائے نفس کے بخل کے کچھ نہیں ہے

نیست ضائع زو شود تازہ جگر ۔ لیک نبود پیکِ سلطانِ خضر

وہ بیکار نہیں ہے اس سے جگر تازہ ہوتا ہے ۔ لیکن وہ سبزی کے شہنشاہ کا قاصد نہیں ہے

کو کہتا ہے مجھے نہ چھونا۔ لیس۔ نہ وہ نباتات کا جزو بنتا ہے نہ نباتات کو وہ خوشگوار لگتا ہے۔ شحّ۔ بخل
یعنی برف اور یخ درختوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔ نیست ضائع۔ لیکن کوئی شخص برف اور یخ کو بیکار نہ
سمجھے اس سے ٹھنڈا کر کے پانی پیا جائے تو جگر میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ خضر۔ سبزی۔

کان نے سُنا ہے نہ آنکھ نے دیکھا ہے۔ گر شنیدے۔ اگر کان اس کی حقیقت سُن لے تو فنا ہو جائے یا اُس کی قوتِ سماعت جاتی رہے۔ گر بدیدے۔ کان اسی طرح فنا ہو جائے جس طرح برف اور یخ سورج سے فنا ہو جاتا ہے۔ برف۔ برفانی ممالک میں جاڑے میں دو چیزیں آسمان سے گرتی ہیں ایک روئی کے گالوں کی طرح کی چیز ہے اس کو برف کہتے ہیں اور ایک کنکری جیسی چیز اولے کی طرح کی ہے اس کو یخ کہتے ہیں۔
[1] بے عروق۔ یخ کی لڑیاں جمتی ہیں۔
[2] ز لطفِ باد۔ ہوا کی لہریں پانی کی سطح کو موجوں سے زرہ کی طرح بنا دیتی ہیں۔
[3] پس شدے۔ برف اور یخ سے درخت جل جاتے ہیں پانی سے پرورش پاتے ہیں۔ یخ۔ شیخ سامری کی طرح درخت

شرح

اوپر بیان تھا کہ ایاز کی غلامی پر احرار کو رشک ہوتا ہے۔ اب مولانا اس مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ایاز حقیقی بندہ تھا۔ اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ احرار کو اس کی بندگی پر رشک ہوتا تھا۔ اور وہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی چاہتے تھے۔ یوں ہی مومن اور حق سبحانہٗ کا عبدِ حقیقی وہ ہے جس کی ہر اچھی اور بری حالت میں یہ حالت ہو کہ کفار جو کہ حق سبحانہٗ کے نافرمان بندہ ہیں ان کو بھی .... ان کے ایمان اور ان کی بندگی پر رشک آئے اور ان کو اس کی آرزو ہو۔ شاید تم کہو کہ ایسا کون ہو سکتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ استبعاد صحیح

نہیں۔ کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانہ میں ایک کافر تھا اس سے کسی نیک بخت مسلمان نے کہا کہ تمہارا کیا نقصان ہے اگر تم مسلمان ہو جاؤ اور اس ذریعہ سے تم نجات اُخروی اور شرف عنداللہ حاصل کرو۔ اس نے جواب دیا کہ جناب اگر ایمان اور اسلام اسے کہتے ہیں۔ جو بایزید کو حاصل ہے تو واقعی بات یہ ہے کہ اسلام اچھی چیز ہے اور مجھے مسلمان ہو جانا چاہیئے لیکن میں اپنے اندر اس کی طاقت نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ ہمارے مساعی سے بالاتر ہے۔ لہٰذا میں معذور ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ میں مسلمان نہیں لیکن مجھے ان کے ایمان کا اعتقاد ہے اور میں اس کی تصدیق رکھتا ہوں کہ اس زمانہ میں وہ سب سے فائق ہے۔ اور نہایت پاکیزہ اور بارونق اور باشان و شوکت ہے۔ اور میں دل سے ان کے ایمان کی تصدیق کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ان کا دین نہایت سچا ہے۔ گو تیرے منہ پر مضبوط مہر ہے اور میں زبان سے اس دین کی حقانیت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور اگر ایمان یہ ہے جو تم کو حاصل ہے اور جس کو تم ایمان کہتے ہو۔ سو جناب مجھے اس ایمان کی خواہش ہے اور نہ اسکی طرف رغبت۔ آپ مجھے معاف رکھیئے۔

سو صاحبو! ایمان اسے کہتے ہیں جس کو کافر بھی تسلیم کرلیں کہ یہ ایمان ہے اور اس کے آرزو مند ہوں نہ کہ تمہارا ایمان۔ تمہارے ایمان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو ایمان کی طرف بہت کچھ میلان ہو تو تمہارے ایمان کو دیکھ کر اس کا دل بھی بُجھ جائیگا اور اُسے کسی کو رغبت پیدا ہونا تو درکنار۔ کیونکہ وہ تمہارے اندر صورت ایمان تو پائے گا مگر حقیقت نہ پائے گا۔ لہٰذا وہ اس لفظ کو بے معنی اور برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق سمجھے گا۔ اور ایسا پائیگا جیسا کہ بیابان (مقام خالی عن فوز المرام) کو مفازہ (محل فوز) کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب وہ تمہارے ایمان پر نظر کریگا۔ تو اس کی ایمان لانے کے شوق کا جوش فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اب ہم تمہیں اس کے مناسب ایک حکایت سُناتے ہیں۔ تم اس کو سنو اور اس کی صورت کو چھوڑ کر معنی اور مقصود کو لے لو۔

ایک مؤذن کریہہ الصوت تھا وہ رات کو تمام رات چلاتا رہتا تھا۔ اُس نے لوگوں پر سونا حرام کر دیا تھا۔ اور اس کی آواز سے تمام لوگوں کے سر میں درد رہنے لگا تھا۔ بچوں

کی یہ حالت تھی کہ رات کو بستر پر پڑے ہوئے ڈرتے تھے اور مرد اور عورتیں سب اُس کے ہاتھوں مصیبت میں تھیں۔ آخر وہ لوگ چندہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ تاکہ اس زحمت اذیت رسانی کو دور کیا جائے اور انہوں نے چندہ کر لیا۔ جب ایک معقول رقم اکٹھی ہو گئی تو انہوں نے اس مؤذن کو بلایا اور اسکو وہ روپے دیدے اور کہا کہ جناب! آپ کی اذان سے ہم سیر ہو گئے ہیں۔ آپنے رات دن ہم پر بہت کرم کیا ہے۔ پس جبکہ آپ کی جانب سے ہم سب کو یہ دولت ملی ہے کہ ہماری نیند جاتی رہی۔ تو اب گذارش ہے کہ آپ براہ مہربانی کچھ دنوں کے لیے زبان کو بند رکھیئے۔ تاکہ ہم کو کسی قدر راحت نصیب ہو۔ اور اس کے عوض میں ہم سے یہ روپے لیجئے۔ اور ہمارے لیے یہ دعا کرتے رہئیے۔ یہ سُنکر اُس نے روپے لے لئے اور خاموش ہو رہا ۔۔۔ اتفاقاً ایک قافلہ حج کے لیے کعبہ کو جا رہا تھا وہ بھی اس قافلہ کے ہمراہ چلدیا۔ رات کے وقت اس قافلہ نے کافروں کے ایک شہر میں قیام کیا۔ اس مؤذن نے جو کہ اپنی آواز کا عاشق تھا وہاں اذان دینی شروع کی لوگوں نے اُس سے بہت کچھ کہا کہ میاں یہاں اذان نہ کہو خواہ مخواہ جنگ و جدل برپا ہو جائے گی اور طول طویل دشمنی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا یہ سُنکر وہ لڑنے لگا اور بے کھٹکے اذان کہہ دی۔ لوگوں کو ڈر رہا کہ مبادا کوئی فتنہ برپا ہو لیکن شور و شر کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ ایک کافر کپڑے وغیرہ لیے ہوئے آیا وہ شمع اور کچھ شیرینی اور کچھ عمدہ کپڑے ہدیۃً لے کر دوستانہ پوچھتا ہوا آیا کہ صاحبو! ذرا یہ بتلادو کہ وہ مؤذن کہاں ہے جس کی آواز سے ہمیں بیحد راحت پہنچی۔ لوگوں نے تعجب سے کہا کہ جناب! اُس بھدی آواز سے کونسی راحت ہو گی جو اس بت خانہ میں پہنچی ہو گی۔ یعنی نہ تو اس کی آواز ہی اچھی ہے جس سے کسی کو راحت ہو اور نہ یہاں کے لوگ ہی ایسے ہیں جن کو اللہ کے نام سے راحت ہو۔ پھر وہ کیا راحت ہے جو تم کو پہنچی اُسنے جواب دیا کہ میری ایک لڑکی ہے جو نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اسکو مسلمان ہونے کی خواہش تھی اور یہ خیال کسی طرح اُسکے دل سے نہ نکلتا تھا۔ لوگ اسکو بہت کچھ سمجھاتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ مانتی تھی کیونکہ اسکے دل میں ایمان کی محبت پیدا ہو چکی تھی اس کا مجھے نہایت رنج تھا اور یہ غم گویا کہ میرے لیئے

انگیٹھی تھا اور میں اسکے لیے عود - پس میں ـــ بہت کچھ تکلیف اور مصیبت میں تھا کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ اسکے خیالات میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی جاتی ہے اور مجھے اس کی کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی - تا آنکہ اس مؤذن نے اذان کہی اس کو اس لڑکی نے سُنا۔ اور کہا کہ یہ مکروہ آواز کیسی ہے جس کی کچھ بھنک میرے کانوں میں پڑی ہے میں نے تو تمام عمر ایسی مکروہ آواز اپنے بت خانہ میں نہیں سُنی اُس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی آواز مسلمانوں کے دین کا طریقہ ہے اور اسکے وہ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع کرتے ہیں اُس کو اس کہنے کا یقین نہ آیا - اسلئے اس نے کسی اور سے پوچھا اسنے کہا میرے چاند! یہ بات بالکل ٹھیک ہے جب کہ اسکو یقین ہوگیا تو اس کا چہرہ زرد ہوگیا اور اسلام کی طرف سے اس کا دل سرد ہوگیا - اس طرح مجھے اس پریشانی اور تکلیف سے نجات ہوئی اور رات میں خوب چین سے سویا - یہ وہ راحت تھی جو مجھے اسکی آواز سے پہنچی اور اسلئے میں اُس کے لیے ہدیہ لایا ہوں تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے آخر کار لوگوں نے اسے بتلادیا ہے کہ وہ حضرت یہ ہیں۔

جب اسنے اسے دیکھا تو کہا کہ جناب! یہ ہدیہ قبول فرمائیے کیونکہ آپ نے مجھے اس غم سے پناہ دی ہے اور اس مصیبت میں میری دستگیری فرمائی ہے آپنے جو مجھ پر احسان اور میرے ساتھ سلوک کیا ہے اسکے میں ہمیشہ کے لیے آپکا غلام ہوگیا ہوں - اگر میں مال اور ملک اور دولت میں یکتا ہوتا تو تمہارا منہ اشرفیوں سے بھر دیتا - مگر کیا کیجئے کہ غریب ہوں - اور اسلئے اسکے زیادہ خدمت نہیں کرسکتا - پس صاحبو! جس طرح اس مؤذن کی اذان اس لڑکی کے لئے راہزن ہوگئی تھی یوں ہی تمہارا ایمان بھی کفار کے لیے راہزن ہے کیونکہ وہ ایک دھوکا اور مجازاً ایمان ہے نہ کہ اصلی اور حقیقی۔

خیر تو اس کافر نے کہا کہ مجھے تمہارے ایمان کی طرف تو میلان نہیں ہے ہاں بایزیدؒ کے ایمان اور ان کی سچائی سے میرے دل و جان میں یہ آرزو ہے کہ ایسا ایمان مجھے حاصل ہوجائے اس کافر کا یہ کہنا اس عورت کے مقولہ کے

مشابہ تھا جس نے گدھے کو جماع کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ ارے واہ کیا کہنا ہے اس یکتا نر کا۔ اگر جماع یہ ہے جو گدھے کرتے ہیں تو میں کہتی ہوں کہ ہمارے شوہر ہم سے جماع نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارے فرج پر ہگتے ہیں۔

القصہ میں کہتا ہوں کہ بایزیدؒ نے ایمان کا کما حقہٗ حق ادا کر دیا شاباش ہے اس یکتا شیر خدا کو۔ ان کے ایمان کا اگر ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سمندر اس قطرہ میں غرق ہو جائے۔ جیسے کہ آگ کی ایک چنگاری بن میں جا پڑتی ہے تو سارا بن بھسم ہو جاتا ہے۔ یا جیسا کہ بادشاہ یا فوج کے دل میں ایک خیال آتا ہے۔ تو وہ خیال جگ میں دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

دیکھو! آفتاب ایمان کا ایک ستارہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر رو نما ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کفار کا کفر فنا ہو گیا۔

(فائدہ: اس پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایمان نعوذ باللہ کامل نہ تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم کمال سے کیا مراد ہے آیا یہ کہ دوسری مخلوق انسان یا جنات یا ملائکہ سے کم تھا۔ تو یہ مضمون نہ اس شعر سے مفہوم ہوتا ہے۔ نہ واقع میں ایسا تھا۔ بلکہ آپ کا ایمان تمام مخلوق کے ایمان سے اکمل تھا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ گو آپ کا نور ایمان تمام مخلوق کے نور ایمان سے بڑھا ہوا تھا مگر وہ کُل نورِ ایمان کا ایک قلیل حصہ تھا تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ نور ایمان کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ اور جو نور آپ کو حاصل تھا وہ اس کا ایک خاص مرتبہ تھا جس سے اوپر مراتب غیر متناہیہ ہیں۔

اور اس آفتاب کا ایک ستارہ جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں واقع ہوا تھا اتنا بڑھا تھا جس سے تمام مشرق اور مغرب کی ظلمتِ کُفر فنا ہو گئی تھی کیونکہ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کا کُفر تو فنا ہی ہو گیا تھا اور وہ تو اس سے مامون ہی ہو گئے تھے رہ گئے اور لوگ سو اُن کے کفر بھی تذبذب میں آ گئے

تھے کیونکہ کم سے کم حقیقت اسلام کا شبہ تو ہر ایک کو پیدا ہو ہی گیا تھا۔

الغرض! وہ پہلا کفر محض باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ اس کی جگہ یا اسلام آگیا تھا یا یہ کھٹکا کہ شاید اسلام ہی حق ہو جائے گیر ہو گیا تھا۔ ہماری تشبیہات سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ نورِ ایمان کی مثلیں ہیں۔ نہیں بلکہ تمثیلات اور تشبیہات ہیں۔ اور محض تقریب فہم کے لیے یہ تکلف کیا گیا ہے اور کبھی اسکو آگ سے تشبیہ دیگئی ہے۔ کبھی پانی سے اور کبھی خیال سے اور کبھی آفتاب اور ستارے سے یہ اشیاء، نور ایمان کے تو کیا برابر ہوتیں۔ یہ تو اس کے ذرہ کے برابر بھی نہیں۔

اور ہم نے جو اس کے لیے ذرہ قرار دیا ہے یہ بھی محض تقریبِ فہم کے لیے ہے ورنہ ذرہ تو جسم کے لیے ہوتا ہے جو کہ قابل انقسام ہے۔ اور ناقابلِ انقسام شئے کے لیے ذرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نورِ ایمان ناقابلِ انقسام ہے تو اس کے لئے ذرہ نہیں ہو سکتا۔ پس ذرہ نور ایمان سے ہمارے مراد اس کا ایک ضعیف اور خفی مرتبہ ہے مگر تو مچھلیوں کی طرح بحرِ معرفت کا محرم راز نہیں بلکہ اس کے لیے بمنزلہ خس و خاشاک کے ہے اسلئے ان تمثیلات کی ضرورت پڑتی ہے۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب ہم پھر حالت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا ایمان اتنا کامل ہے کہ اگر وہ آفتاب روشن (ایمان شیخ) مشرق جان شیخ سے طالع ہوا اور عالم پر اپنا اثر ڈالے تو تمام عالم سفلی تحت الثریٰ تک گنج معرفت سے مملو ہو جائے اور تمام علوم علوی معارف کی ایک سرسبز جنت بن جائے۔ اسکے اندر دو چیزیں ہیں۔ ایک نور روشن کی بنی ہوئی روح، اور ایک ناچیز مٹی کا بنا ہوا جسم۔

میں شیخ کی تعریف کرتا ہوں مگر میں حیران ہوں کہ بایزید کون ہے آیا روح یا جسم! اور میں اس اشکال اور اسکے حل کی فکر میں پڑ گیا ہوں۔ اچھا تم بتلاؤ کہ بایزید کون ہے اگر وہ جسم ہے تو پھر روح کیا چیز ہے جس نور نے

ہفت آسمان کو پُر کر دیا ہے اور اگر وہ روح ہے تو پھر جسم کیا ہے۔

غرضکہ میں حیران ہوں کہ ان دونوں میں سے بایزید کون ہے اور یہ میرا سوال ایسا ہے جیسا ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک شخص کی شادی ہو چکی تھی اور اسکی بیوی نہایت نخرہ باز اور گندی اور غارت گر تھی۔ چنانچہ وہ جو کچھ لاتا وہ اسے ضائع کر دیتی تھی اور وہ شخص مجبوراً خاموش ہو جاتا تھا۔ اتفاقاً وہ عیالدار شخص ایک مہمان کے لیے بڑی کوشش سے گھر میں گوشت لایا اور کہا کہ اسے پکا دینا عورت نے اسے شراب و کباب میں اڑا دیا جب مرد آیا اور گوشت مانگا تو اس نے ایک غلط جواب دیدیا۔ یعنی جب اس نے کہا کہ مہمان آگیا ہے لاؤ وہ گوشت کہاں ہے کیونکہ اب ضرورت ہے کہ مہمان کے سامنے کھانا لے جایا جائے تو عورت نے ایک بلی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گوشت تو یہ بلی کھا گئی اگر ضرورت ہو تو اور گوشت لے آؤ۔ اس نے غلام کو حکم دیا کہ ذرا ترازو لانا۔ میں بلی کو تولوں وہ ترازو لے آیا اور بلی کو تولا۔ تو بلی آدھ سیر کی اُتری۔ اس پر اس نے کہا کہ اے مکار عورت! گوشت چھ اوقیہ سے بلکہ اس سے زیادہ تھا اور بلی صرف چھ اوقیہ ہے اور گوشت ایک استار اوپر آدھ سیر تھا۔ اور بلی صرف آدھ سیر ہے اب اگر یہ بلی ہے تو بتلا گوشت کہاں ہے اور اگر یہ گوشت ہے تو بلی دکھا کہاں ہے۔ پس میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر بایزیدؒ جسم ہے تو بتلاؤ روح کیا ہے اور اگر بایزید روح ہے تو یہ پیکر جسمانی کون ہے۔

غرضکہ یہ سخت حیرت کا مقام ہے اور اس عقدہ کو حل کرنا نہ تمہارا کام ہے نہ میرا کام۔ بلکہ یہ کام حق سبحانہٗ کا ہے جو کہ حقائق اشیاء کو جانتے ہیں پورے طور پر تو اسکو وہی حل کر سکتے ہیں مگر جس قدر بھی علم عطا کیا گیا ہے اس کے موافق میں بھی کچھ کہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میرے نزدیک بایزید دونوں کا مجموعہ ہے مگر فرق اتنا ہے کہ روح جزوِ مقصود ہے اور جسم جُزوِ غیر مقصود۔ جیساکہ پیداوار اور کھیتی میں دانہ مقصود ہوتا ہے اور بھوسہ تابع ہے۔ رہی یہ بات کہ روح اور جسم اپنے صفات کے لحاظ سے متضاد ہیں تو انکو

یکجا کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اجتماع میں ایک خاص حکمت ہے اور وہ حکمت ان کے تعلق باہمی کو مقتضی ہوتی ہے۔

شرح اس حکمت کی یہ ہے کہ روح بدوں جسم کام نہیں کر سکتی اور جسم بے جان کے جماد محض ہے۔ پس ضرور ہوا کہ ان دونوں کو یکجا جمع کیا جائے تاکہ اعمال کا وجود ہو سکے اور امتحان متصور ہو۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں کہ دیکھو! قالب بے جان مٹی سے بھی بدتر ہے اور روح اس کے لیے بمنزلہ مغز کے ہے اور وہ بمنزلہ پوست کے۔ اور جس جسم میں جان نہ ہو وہ کسی کام کا ہی نہیں پس تم کوشش کر کے جان حاصل کرو (فائدہ؛ مقصود یہ ہے کہ تمہاری جان غلبہ صفات جسمانیہ و نفسانیہ کے سبب حکم میں جسم کے ہو گئے ہے اسلئے اب تم بمنزلہ جسم کی جان کے ہو پس تم اوصاف جسمانیہ کو مغلوب کر کے صفاتِ روحانیہ کو غالب کرو۔ تاکہ تم جاندار اور زندہ کہلا سکو۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو! کہ حق سبحانہٗ نے باقتضاءِ حکمت تمہارے اندر روح اور جسم دونوں کو جمع کر دیا ہے اور جسم تمہارا ظاہر ہے مگر روح نہایت مخفی اس سے دین و دنیا کے کام درست ہو گئے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پھر یہ کام نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ نہ ان کاموں کا سرانجام صرف روح سے ہو سکتا ہے نہ صرف جسم سے اسلئے روح اور جسم کی ایسی مثال ہے جیسے پانی اور مٹی کی۔ کہ اگر تم صرف خاک کو سر پہ مارو۔ تو اس سے سر نہ پھوٹے گا اور اگر صرف پانی کو پہلو پر مارو تو اس سے پہلو نہ ٹوٹے گا۔ بلکہ اگر تم سر کو پھوڑنا چاہتے ہو تو پانی اور مٹی کو ملا لو۔ اس سے سر ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر تم چاہو۔ کہ کام کرو۔ تو یہ نہ صرف روح سے ہو سکتا ہے نہ صرف جسم سے۔ بلکہ اس کے لیے ضرورت ہے دونوں کے ملانے کی۔ تاکہ اعمال متصور ہو سکیں اب سُنو! کہ جب تم پانی اور مٹی کو ملا کر سر پھوڑ دو گے تو اس وقت اس کے اجزاء جدا ہو جائیں گے اور پانی اپنے کرہ میں چلا جائے گا اور مٹی اپنے کرہ میں پہنچ جائے گی۔ یوں ہی جب اعمال مقدرہ ختم ہو جائیں گے اس وقت روح اور جسم میں افتراق ہو جائے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے مسکن کی طرف لوٹ جائیگا

کیونکہ جو حکمت حق سبحانہ، کے ملاپ میں تھی وہ حاصل ہو گئی ہیں اور جس کو طاعت اور معمولی منافع لوگوں کو پہنچتے ہیں اسلئے بیکار ان کا وجود بھی نہیں ہے۔

اےؔ ایاز استارۂ تو بس بلند — نیست ہر بُرجے عبورش را پسند
اے ایاز! تیرا استارہ بہت بلند ہے — ہر بُرج اُس کے عبور کا پسندیدہ نہیں ہے
ہر وفا را کے پسندد ہمتت — ہر صفا را کے گزیند صفوتت
تیری ہمت ہر وفا کو کب پسند کرتی ہے؟ — تیری صفائی ہر صفائی کو کب منتخب کرتی ہے؟

لہ اے ایاز۔ یہاں سے پھر ایاز کے قصہ کی جانب رجوع کیا ہے۔ بُرج۔ ستارے کا محور۔ ہر وفا۔ ایاز میں خاص وفاداری اور خاص قسم کا خلوص تھا

شرح یہ اشعار حسرت آزادگاں شد بندگی الخ سے مرتبط ہیں جو کہ بذیل سُرخی فرمودن شاہ با ایاز۔ بار دیگر الخ واقع ہے اور تتمہ ہے تعریف محمود کا۔ اور حل اشعار یہ ہے کہ ایاز! تیرا استارہ بہت بلند ہے جو اپنے عبور کے لیے ہر بُرج کو پسند نہیں کرتا یعنی تو اور لوگوں سے بہت ممتاز ہے اور تیرا طالع ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ نہیں ہے جو اوروں کے لیے طالع ہیں بلکہ وہ ان سے بہت اونچا ہے اور وہ ایسے ویسے برجوں میں گذرنا بھی پسند نہیں۔ بلکہ اُس کے عبور کے لیے کوئی اور ہی بُرج ہیں جو بُروج متعارفہ سے جُداگانہ ہے (خلاصہ یہ ہے کہ تو اپنے اوصاف خلقیہ و خلفیہ میں دوسرے لوگوں سے نہایت ممتاز ہے اسلئے کہ گویا کہ تیرا طالع ولادت ہی کچھ اور ہے اور وہ نہیں ہے جو اوروں کا ہوتا ہے۔) تیری ہمت عالی ہر وفا کو کب پسند کرتی ہے اور تیرا انتخاب ہر صفا کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کے لیے خاص وفا اور خاص صفا کی... ضرورت ہے اور تیری مثال ایسی ہے جیسے اُس زاہد کی جو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ جس میں شراب حلال تھی۔ لیکن وہ باوجود حکمت کے شراب خواری کو پسند نہ کرتا تھا۔ قصہ اس کا حسب ذیل ہے۔

حکایتِ آں امیر کہ غلام را گفت مے بیار غلام رفت و سبوئے

اُس امیر کی حکایت۔ جس نے غلام سے کہا شراب لے آ غلام گیا اور شراب

مے آورد در راہ زاہدے بُود امرِ معروف کرد سنگے بزد و سبو

کی ٹھلیا لا رہا تھا راستہ میں ایک زاہد تھا جس نے بھلائی کا حکم کیا، پتھر مارا

را بشکست امیر بشنید قصدِ ہلاک و گوشمالِ زاہد کرد زاہد

اور ٹھلیا کو توڑ دیا، امیر نے سُنا زاہد کو ہلاک کرنے اور سزا دینے کا ارادہ کیا

گریخت ایں قضیہ در عہدِ عیسیٰ علیہ السلام بُود کہ ہنوز

زاہد بھاگ گیا، یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا تھا کہ اُس وقت تک

مے حرام نشدہ بُود لیکن زاہد تقذّرے[2] میکرد و از لذت

شراب حرام نہ ہوئی تھی، لیکن زاہد گھن کرتا تھا اور مزے اُڑانے اور

و تنعّم منع می کرد

عیش پرستی سے روکتا تھا

بُود امیرے خوش دلے مے بارۂ ‏ ‏ ‏ کہفِ ہر مخمور و ہر بیچارۂ
ایک امیر خوش دل، شراب دوست تھا ‏ ‏ ‏ ہر شرابی اور ہر بے کس کا سہارا تھا

مشفقے مسکیں نوازے عادلے ‏ ‏ ‏ مکرمے زر بخشے و دریا دلے
مہربان، غریب پرور، مُنصف تھا ‏ ‏ ‏ سخی، سونا عطا کرنے والا اور دریا دل تھا

شاہِ مردان و امیر المؤمنیں ‏ ‏ ‏ راہ بان[3] و راز دان و دور بیں
بہادروں کا شاہ، مؤمنوں کا امیر تھا ‏ ‏ ‏ راستہ کا محافظ اور راز سے واقف اور دور بین تھا

دورِ عیسیٰ[4] بود و ایامِ مسیح ‏ ‏ ‏ خلق دلدار و کم آزار و ملیح
حضرت عیسیٰ کا دور تھا اور حضرت مسیح کا زمانہ تھا ‏ ‏ ‏ لوگ دلدار اور نہ ستانے والے اور خوش مزاج تھے

آمدش مہماں بناگاہاں شبے ‏ ‏ ‏ ہم امیرِ جنسِ او خوش مذہبے
ایک رات ہی اچانک اُس کے پاس مہمان آیا ‏ ‏ ‏ جو اسی جیسا حاکم اور دیندار تھا

بادہ[5] بایست شاں در نظمِ حال ‏ ‏ ‏ بادہ بُود آں وقت ماذون و حلال
اُن کو حالت کی باقاعدگی کے لئے شراب درکار تھی ‏ ‏ ‏ اُس وقت شراب جائز اور حلال تھی

بادہ شاں کم بُود و گفتا اے غلام ‏ ‏ ‏ رَو سبو پُر کُن بما آور مُدام
اُن کی شراب کم تھی اور انہوں نے کہا اے غلام! ‏ ‏ ‏ جا ٹھلیا بھر، ہمارے پاس شراب لے آ

از فلاں راہب کہ دارد خمرِ خاص ‏ ‏ ‏ تا ز خاص و عام یابد جان خلاص
فلاں راہب کے پاس سے کیونکہ وہ مخصوص شراب رکھتا ہے ‏ ‏ ‏ تاکہ عوام و خواص سے جان کو چھٹکارا حاصل ہو

حکایت۔ جس طرح ایاز کا خلوص اور وفا عام خلوص اور وفا سے برتر تھا اس حکایت سے یہ بتاتا ہے کہ مختلف پرہیزگاروں کی پرہیزگاری میں بھی بڑا فرق ہے۔

٢ تقذّر۔ گھناؤنا سمجھنا۔ تنعّم۔ عیش پرستی۔ مے بارہ۔ شراب کو محبوب رکھنے والا۔ کہف۔ غار، ٹھکانا، ملجا۔ مکرم۔ سخی۔ شاہِ مرداں۔ بہادر۔

٣ راہ بان۔ راستہ کا محافظ۔ دورِ عیسیٰ۔ حضرت عیسیٰ مسیح کا زمانہ پیار محبت کا زمانہ تھا۔ ہم جنس۔ وہ بھی اسی طرح کا امیر اور خوبی تھا جیسا کہ میزبان تھا۔

٤ بادہ۔ وہ لوگ دیندار تھے اور شراب استعمال کرتے تھے چونکہ حضرت عیسیٰ کے دور میں شراب حلال تھی۔ ماذون۔ جس کو اجازت حاصل ہو۔ مدام۔ شراب۔ راہب۔ نصرانی عبادت گذار جس نے دنیا ترک کر کے گرجا گھر میں اقامت کر لی ہو۔ رہبان اس کی جمع ہے۔ خلاص۔ یعنی اور دوسرے خریداروں کی ضرورت نہ پڑے۔

جرعۂ زاں جامِ راہب آں کند
اُس راہب کے جام کا ایک گھونٹ وہ کرتا ہے

کہ ہزاراں جرّہ و خمداں کند
جو ہزاروں ٹھلیاں اور مٹکے کرتے ہیں

اندراں مے مایۂ پنہانی ست
اُس شراب میں ایک سرمایہ پوشیدہ ہے

آنچناں کاندر عبا سلطانی ست
جس طرح چوغہ میں شہنشاہی ہے

تو بدلقِ پارہ پارہ کم نگر
تو پھٹی پرانی گدڑی کو نہ دیکھ

کز سیہ کردند از بیرونِ زر
کیونکہ اوپر سے سونے کو کالا کر دیا ہے

از برائے چشمِ بد مردود شُد
بد نظری کی وجہ سے وہ ناپسند بنا ہے

وز بروں آں لعل دُود آلود شُد
اور باہر سے وہ لعل دھوئیں سے آلودہ ہے

گنج و گوہر کے میانِ خانہاست
خزانہ اور گوہر گھروں میں کہاں ہے!

گنجہا پیوستہ در ویرانہاست
خزانے ویرانوں سے وابستہ ہیں

گنجِ آدمؑ چوں بویراں بُد دفیں
(حضرت) آدمؑ کا خزانہ چونکہ ویرانہ میں دفن تھا

گشت طینش چشم بندِ آں لعیں
اُس کی مٹی اُس لعین کی آنکھ کا پردہ بن گئی

اُو نظر میکرد در طیں سُست سُست
وہ مٹی کو حقارت سے دیکھتا تھا

جاں ہمی گفتش کہ طینم سدِّ تست
روح اُس سے کہتی تھی کہ میری مٹی تیری روک ہے

دو سبو بستد غلام و خوش دوید
غلام نے دو ٹھلیاں لیں اور تیز دوڑا

در زماں در دَیرِ رہباناں رسید
فوراً راہبوں کے گرجا گھر میں پہنچ گیا

زر بداد و بادہ چوں زر خرید
سونا دیا اور سونے جیسی شراب خریدلی

سنگ داد و در عوض گوہر خرید
پتھر دیا اور بدلے میں گوہر خرید لیا

بادہ کاں بر سرِ شاہاں جہد
وہ شراب جو بادشاہوں کے سر میں اثر کرتی ہے

تاجِ زر بر تارکِ ساقی نہد
ساقی کے سر پر سونے کا تاج رکھ دیتی ہے

فتنہا و شورہا انگیختہ
فتنے اور شور برانگیختہ کر دیتی ہے

بندگان و خسرواں آمیختہ
غلاموں اور شاہوں کو ملا دیتی ہے

استخوانہا رفتہ جملہ جاں شدہ
ہڈیاں ختم ہو جاتی ہیں سب کچھ جان بنجاتا ہے

تخت و تختہ آں زماں یکساں شُدہ
اُس وقت تخت اور تختہ یکساں ہو جاتا ہے

وقتِ ہشیاری چو آب و روغن اند
انسان ہوش کے وقت پانی اور تیل کی طرح ہیں

وقتِ مستی ہمچو جاں اندر تن اند
مستی کے وقت جسم میں جان کی طرح ہیں

چوں ہریسہ لحم و گندم غرق ہم
جیساکہ ہریسہ، گوشت اور گیہوں باہمی غرق ہیں

ہیچ سبقے نے دراِیشاں فرق ہم
انہیں کوئی دوڑ نہیں، نہ انہیں باہمی فرق ہے

جرعہ۔ ایک گھونٹ۔ جرّہ۔ ٹھلیا۔ اندراں۔ اُس راہب کی شراب میں ایک مخفی سرمایہ ہے، جس طرح عبا میں سلطانی مخفی ہوتی ہے۔

۲ تو بدلق۔ فقراء کی گدڑی کو حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے فقراء کی گدڑی میں وہ سلطانی ہوتی ہے جو شاہوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ کز سیہ۔ سونے کو اوپر سے کالا کر دیا جاتا ہے تاکہ اسکو کوئی نہ چرائے۔ مردود۔ نظر بد سے بچانے کے لئے سونے کو اوپر سے کالا کر دیا جاتا ہے لعل۔ لعل کو بھی دھوئیں سے آلودہ کر دیا جاتا ہے۔ گنج۔ حضرت آدمؑ کی روح چونکہ جسم کی مٹی میں تھی وہ مٹی شیطان کی آنکھ کا پردہ بن گئی۔

۳ اُو نظر۔ شیطان کی نظر صرف مٹی پر تھی سُست۔ روک۔ دَیر۔ یعنی گرجا گھر۔ زر بداد۔ اشرفیوں سے عمدہ قسم کی شراب خریدلی سنگ داد۔ سونا پتھر ہی سے نکلتا ہے۔ بادہ۔ شاہ جب اس قسم کی شراب پیتے ہیں

۱ فتنہا۔ شراب شور و شر پیدا کرتی ہے اور آقا اور غلام کا امتیاز مٹا دیتی ہے استخوانہا۔ شراب پی کر انسان مجسم جان بن جاتا ہے۔ تخت۔ یعنی شاہی تخت۔ تختہ۔ یعنی پھانسی کا تختہ۔ وقتِ ہشیاری۔ ہوش کے وقت آدمیوں میں ایسا بیر ہوتا ہے جیسا کہ تیل اور پانی میں اور مستی کے وقت سب ایک جان ہو جاتے ہیں۔ ہریسہ۔ حلیم کی طرح کا کھانا ہے جس میں گوشت اور

چوں ہریسہ گشت آنجا فرق نیست
نیست فرقے کاندر آنجا غرق نیست

جب ہریسہ بن گیا وہاں کوئی فرق نہیں ہے
کوئی ایسا فرق نہیں ہے جو وہاں غرق نہ ہو گیا ہو

اینچنیں[2] بادہ ہمی بُرد آں غلام
سُوے قصرِ آں امیرِ نیک نام

وہ غلام اس طرح کی شراب لے جا رہا تھا
نیک نام امیر کے محل کی جانب

پیش آمد زاہدے غم دیدہ
خُشک مغزے در بلا پیچیدہ

ایک غموں کا مارا زاہد سامنے آ گیا
جس کا دماغ خشک ہو گیا تھا مصیبت میں پھنسا ہوا تھا

تن ز آتشہای دل بگداختہ
خانہ از غیرِ خدا پرداختہ

جسم دل کی آگوں سے پگھل گیا تھا
اس نے دل کو خدا کے سوا سے خالی کر لیا تھا

گوشمال[3] محنتِ بے زینہار
داغہا بر داغہا چندیں ہزار

بے پناہ مشقت کی گوشمالی کی وجہ سے
داغوں پر داغ کئی ہزار تھے

دیدہ ہر ساعت خلش در اجتہاد
روز و شب چفسیدہ اُو بر اجتہاد

وہ ہر وقت مجاہدے میں تکلیف اٹھاتا تھا
وہ دن رات مجاہدے سے چمٹا ہوا تھا

سال و مہ در خاک و خوں آمیختہ
صبر و حلمش نیم شب بگریختہ

سالوں اور مہینوں خاک اور خون میں لتھڑا تھا
اس کا صبر اور بُردباری آدھی رات کو بھاگ چکی تھی

دید در شب یک غلامِ نیک پے
در شتابش اُو زمیں میکرد طے

اس نے ایک نیک خصلت غلام کو رات میں دیکھا
وہ اپنی جلدی میں زمین طے کر رہا تھا

گفت زاہد در سبوہا چیست آں
گفت بادہ گفت آنِ کیست آں

زاہد نے کہا ٹھلیوں میں کیا ہے؟
اس نے کہا شراب، اس نے کہا کس کی ہے؟

گفت[1] ایں آنِ فلاں میرِ اجل
گفت طالب را چنیں باشد عمل

اس نے کہا یہ فلاں بڑے سردار کی ملکیت ہے
اس نے کہا طلبگار کا یہ کام ہوتا ہے؟

طالبِ یزداں و آنگہ عیش و نوش
بادۂ شیطان و آنگہ نیم ہوش

خدا کا طلبگار، اور پھر عیش اور پینا
شیطانی شراب اور پھر ہوش کی تیزی؟

ہوشِ تو بے مے چنیں پژمردہ است
ہوشہا باید براں ہوشِ تو بست

تیرا ہوش بغیر شراب کے ایسا مرجھایا ہوا ہے
تیرے ہوش پر بہت سے ہوش وابستہ کرنے چاہئیں

تا چہ باشد ہوشِ تو ہنگامِ سکر
اے چو مُرغے گشتہ صیدِ دامِ سکر

پھر نشہ کے وقت تجھے ہوش کہاں ہوگا!
اے وہ! جو پرندہ کی طرح نشہ کے جال میں ہے

گیہوں کا دلیہ ہوتا ہے جب ہریسہ تیار ہو جاتا ہے تو گوشت اور دلیہ میں امتیاز نہیں رہتا۔ فرق۔ اب دونوں کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔

۲ اینچنیں۔ وہ غلام ان اوصاف کی شراب امیر کے محل کی طرف لے کر چلا۔ غم دیدہ۔ یعنی جس پر قبض کی کیفیت طاری تھی۔ خشک مغز۔ مجاہدہ کی کثرت سے اس کا دماغ خشک ہو گیا تھا۔ تن۔ اس زاہد کا جسم عشق کی آگ سے پگھل گیا تھا اور اس کے دل میں صرف حق تعالیٰ کا خیال تھا۔

۳ گوشمال۔ مجاہدوں کی بے پناہ مشقت نے اس کے دل پر ہزاروں داغ لگا دیئے تھے۔ کر دیدہ۔ اس کا شغل شب و روز مجاہدہ تھا۔ نیم شب۔ یعنی اس کو بہت زیادہ جلایا اور اس میں صبر اور حلم کی طاقت نہ رہی تھی۔ دید۔ اس نے دیکھا غلام بھی کو

۱ گفت ایں۔ غلام نے زاہد کے جواب میں کہا کہ یہ شراب امیر اعظم کی ہے۔ زاہد نے کہا کہ طالبِ حق کے یہ کام ہوتے ہیں اس کو تو نا و نوش سے بچنا چاہیئے شیطانی شراب پی کر ہوش کہاں رہتا ہے۔ ہوش۔ انسان بغیر شراب کے بھی غافل ہے جبکہ نے میکر میں ہوش درکار ہیں تو پھر نشہ میں کیا ہوش رہ سکتا ہے نشہ میں تو ایسا ہی پھنستا ہے جس طرح پرندہ جال میں۔

حکایت[۲] ضیائے بلخ کہ دراز بالا بود و برادرش شیخ الاسلام

ضیاء بلخ کا قصہ جو دراز قد تھے اور اُن کے بھائی شیخ الاسلام

تاجِ بلخ بغایت کوتاہ بالا بود و ایں شیخ الاسلام از

تاج بلخ بہت چھوٹے قد کے تھے اور یہ شیخ الاسلام اپنے

برادرش ننگ داشت، روزے ضیا در آمد بدرسِ او و ہمہ

بھائی سے ذلت محسوس کرتے تھے ایک روز ضیا اُن کے درس میں پہنچ گئے

صدورِ بلخ حاضر بودند بدرسِ او ضیا خدمتے کرد و بگذشت

اور بلخ کے تمام صدور اُن کے درس میں حاضر تھے، ضیا نے حاضری دی اور چلدیئے

شیخ الاسلام نیم قیام کرد سَرسَری ضیا گفت آرے

شیخ الاسلام معمولی طور پر آدھے کھڑے ہو گئے ضیا نے کہا بیشک آپ

سخت درازی پارہ دَر دُزد از خود

بہت لمبے ہیں، کہ اپنے میں سے ایک حصہ چُرا لیا

آں ضیاءِ بلخ خوش[۳] اِلہام بُود | دا درِ آں تاجِ شیخ اسلام بُود
ضیا بلخی خوش طبع تھے | تاج شیخ الاسلام کے بھائی تھے

از برائے علم خلقے پیشِ او | گشتہ دائم در ملازم دَرس جُو
علم کی وجہ سے لوگ اُن کے سامنے | ہمیشہ رہتے تھے، صحبت میں درس کے طالب

تاجِ شیخ اسلام دار الملک بلخ | بُود کوتہ قد و کوچک ہمچو فرخ
دار الخلافہ بلخ کے شیخ الاسلام تاج | پست قد اور چوزے کی طرح چھوٹے تھے

گرچہ فاضل بُود و فحل و ذُو فنوں | ایں ضیا اندر ظرافت بُد فزوں
اگرچہ فاضل تھے اور یکتا اور فنون والے | یہ ضیاء مذاق میں بڑھے ہوئے تھے

اُو بسے کوتہ ضیا بے حد دراز | بُود شیخ اسلام را صد کبر و ناز
وہ بہت ٹھنگنے، ضیاء بہت لمبے | شیخ الاسلام میں سینکڑوں تکبر اور ناز تھے

زیں برادر عار و ننگش آمدے | آں ضیا ہم واعظے بُد با ہُدے
اِن بھائی سے، اُن کو عار اور ذلت آتی | وہ ضیاء بھی باہدایت واعظ تھے

روزِ محفل اندر آمد آں ضیا | بارگہ پُر قاضیان و اصفیا
مجلس کے دن ضیاء اندر آئے | دربار قاضیوں اور منتخب لوگوں سے بھرا ہوا تھا

کرد شیخ اسلام از کبرِ تمام | ایں برادر را چنیں نصف[۵] القیام
شیخ الاسلام نے پورے غرور سے کیا | اِس بھائی کے لئے، ایسے ہی آدھا قیام

پس ضیا چوں دید کبر اندر سرش | انفعالے داد حالے در خورش
جب ضیا نے اُن کے سر میں غرور دیکھا | اُن کے مناسب فوراً اُن کو شرمندہ کیا

۲ حکایت - یہ بتایا تھا کہ انسان خود ہی مدہوش ہے، شراب پی کر تو اور بدحال ہوگا اِس حکایت سے بھی یہی بتایا ہے کہ شیخ الاسلام کا خود قد چھوٹا تھا نیم قد کھڑے ہونے پر اور چھوٹا ہوگیا۔

۳ خوش الہام - ظرافت مزاج - دادر - برادر - ملازم - ملازمت - دار الملک - دار الخلافہ - فرخ - پرند کا بچہ۔

۴ گرچہ - تاج شیخ الاسلام اگرچہ بڑے صاحبِ علم تھے لیکن ضیاء خوش طبعی میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے۔ آں ضیا - ضیا ہدایت یافتہ واعظ تھے، شیخ الاسلام کا اُن کی بھائی بندی سے ذلت محسوس کرنا غیر مناسب تھا۔ اَصفیاء - برگزیدہ۔

۵ نصف القیام - یعنی تعظیم کے لئے آدھے کھڑے ہوئے۔ پس ضیا - چونکہ ضیاء کو محسوس ہوا کہ دماغ میں تکبر ہے اِس نے فوراً اُن کو شرمندہ کیا۔

گفت آرے بس درازی بہرِ مزد — اندکے زاں قدِ سروت ہم بدزد
انھوں نے کہا، جی ہاں آپ بہت لمبے ہیں مزدوری کیلئے — اپنے سرو جیسے قد سے بھی تھوڑا سا چرا لیجئے

رجوع بحکایتِ زاہد باغلامِ امیر
امیر کے غلام کے ساتھ زاہد کی حکایت کی طرف واپسی

پس ترا خود ہوش کو و عقل کو — تا خوری مے اے تو دانش را عدو
پھر تجھے خود ہوش کہاں اور عقل کہاں ہے؟ — تاکہ تو شراب پیئے، اے عقل کے دشمن!

روت بس زیباست نیلی ہم بکش — ضحکہ باشد نیل بر روی حبش
تیرا چہرہ بہت حسین ہے، نیل بھی لگالے — حبشی کے چہرے پر نیل مذاق ہوتا ہے

در تو نورے کے درآمد اے غوی — تا تو مے نوشی و ظلمت جو شوی
اے گمراہ! تیرے اندر نور ہی کب آیا ہے؟ — کہ تو شراب پئے اور ظلمت کا طالب بن جائے

سایہ در روز ست جستن قاعدہ — در شبِ ابرے تو سایہ جو شدہ
سایہ تلاش کرنے کا قاعدہ، دن میں ہے — تو ابر والی رات میں سایہ کا طالب بنا ہے

گر حلال آمد پئے قوتِ عوام — طالبانِ دوست را آمد حرام
اگر وہ (شراب) عوام کی خوراک کیلئے حلال ہے — دوست کے طلبگاروں کے لئے حرام ہے

عاشقاں را بادہ خونِ دل بود — چشمِ شاں بر راہ و بر منزل بود
عاشقوں کی شراب، خونِ دل ہوتا ہے — اُن کی نگاہ، راہ اور منزل پر رہتی ہے

در چنیں راہ و بیابانِ مخوف — اے قلاوزِ خرد با صد کسوف
ایسے راستے اور خوفناک جنگل میں — (اور) اے عقل کے رہنما سینکڑوں گہن میں

خاک در چشمِ قلاوزاں زنی — کارواں را ہالک و گمرہ کنی
تو راہنماؤں کی آنکھ میں دھول جھونکتا ہے — قافلہ کو تباہ اور گمراہ کرتا ہے

نانِ جو حقا حرام ست و فسوس — نفس را در پیش نہ نانِ سبوس
جَو کی روٹی (بھی) حرام اور (باعث) افسوس ہے — نفس کے سامنے بھوسی کی روٹی رکھ

دشمنِ راہِ خدا را خوار دار — دزد را منبر منہ بردار دار
(اللہ تعالیٰ) کے راستہ کے دشمن کو ذلیل کر — چور کے لئے منبر نہ بچھا، سولی پر چڑھا

دزد را تو دست ببریدن پسند — از بریدن عاجزی دستش بہ بند
تو چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کو پسند کر — (اگر) تو کاٹنے سے عاجز ہے اسکے ہاتھ باندھ دے

گر نہ بندی دستِ او دستِ تو بست — گر تو پایش نشکنی پایت شکست
اگر تو اسکے ہاتھ نہ باندھے گا وہ تیرے ہاتھ باندھ دیگا — اگر تو اس کے پاؤں نہ توڑے گا وہ تیرا پاؤں توڑ دیگا

بہر
مزد یعنی لوگوں کو معتقد بنا کر نذرانہ وصول کرنے کے لئے۔
قدِ سروت۔ طنزاً کہا۔
۱ پس ترا۔ زاہد کے قصہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ روت۔ حسین چہرے پر نظر بد سے بچانے کے لئے داغ یا نیل لگا دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بدصورت نیل لگائے تو اس کا مزید مذاق بنے گا ضحکہ۔ ہنسی کی چیز۔ گر حلال۔ شراب اگرچہ عوام کی تقویت کیلئے حلال ہے لیکن نفس کی لذت کے لئے حلال چیز بھی پرہیزگاروں کے لئے ممنوع ہوتی ہے۔
۱ عاشقاں۔ عاشق شراب کی بجائے خونِ دل پیتے ہیں اور وہ راہ و منزل کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو مے پرستی کی فرصت کہاں ہے۔ در چنیں۔ راہِ طریقت، خوفناک راستہ ہے اس میں تو بہت سے حواس کی ضرورت ہے عقل جب شراب کے گہن میں ہو تو کیا راہنمائی کر سکتی ہے۔ ۔۔۔۔ ہالک۔ مدہوش کی عقل کیا راہنمائی کرے گی وہ تو قافلہ کو گمراہ کر دے گی۔ نانِ جو۔ جَو کی روٹی سے بھی حظِ نفس حاصل ہو تو بھوسی کی روٹی کھانا چاہیئے۔
۲ دشمن۔ نفس راہِ خدا کا دشمن ہے اس کو ہر وقت ذلیل رکھو اس کی عزت نہ کرو پھانسی پر چڑھا دے۔ دزد۔ چور کا ہاتھ کاٹنا چاہیئے یعنی

پھر تو ہاتھ باندھے بیٹھا ہے۔
گرفت بندی۔ اگر تو نے چھوڑ کر
آزاد چھوڑا تو وہ تجھے تباہ
کر دے گا۔ بہتر ہے۔ اس کو
راحت سے کیوں رکھتا ہے؟
۴۳ تو۔ زاہد کو غیرت آئی تو
اس نے شراب کی ٹھلیا پر پتھر
مارا

تو عدو را مے دہی و نیشکر
تو دشمن کو شراب اور گنا دیتا ہے
زد ز غیرت بر سبو سنگ و شکست ۴۴
اُسنے غیرت سے ٹھلیا پہ پتھر مارا اور توڑ دیا

بہر چہ گو زہر نوش و خاک خور
کس لئے؟ کہہ دے زہر پیئے اور خاک پھانکے
او سبو انداخت از زاہد بجست
اس (غلام) نے (دوسری) ٹھلیا پھینک دی (اور) زاہد سے بھاگ گیا

شرح

ایک امیر تھا جو کہ خوش دل۔ اور شراب دوست اور مستوں اور عاجزوں کی جائے پناہ اور مشفق اور غریب نواز اور منصف اور صاحبِ کرم اور لوگوں کو مال دینے والا اور دریا دل اور بڑا مرد اور مسلمانوں کا حاکم اور راہنما اور واقف اسرار، اور دُور بین تھا اور عیسٰی علیہ السلام کا زمانہ تھا جو کہ مخلوق کی دل داری کرنے والا اور کسی کو دُکھ نہ دینے والے اور پسندیدہ شخص تھے۔

اتفاق سے ایک رات اس کے یہاں ایک صاحب مہمان ہوئے جو کہ امیر اور اس کے ہم جنس اور اچھے مسلک کے آدمی تھے۔ ان صاحبوں کو درستی حالت کے لیے شراب سُبحانہٗ کرنی تھی وہ طاعت کر چکا ہے اور جس کو مخالفت کرنی تھی وہ مخالفت کر چکا غرضکہ یہ ترکیب تو ختم ہوئی۔ اسکے بعد روح کو عقوبات اور انعامات الٰہیہ کے ساتھ اور بہت سے اتصال ہونگے جن کو نہ کسی کان والے نے سُنا ہے اور نہ کسی آنکھ والے نے دیکھا ہے۔ جبکہ وہ ہنوز کتمِ غیب میں مستور ہیں۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی کان والا یعنی غافل ان کو یوں سُن لیتا۔ جیسا کہ سُننے کا حق ہے تو وہ کان والا یعنی غافل ہی نہ رہتا۔ نیز اس وقت وہ فرط اشتغال آخرت کے سبب کوئی لایعنی بات ہی نہ سُن سکتا۔ اسلیے کہ ان امور کی ایسی مثال ہے جیسے خورشید اور کان والے یعنی غافل کی ایسی مثال ہے جیسے برف۔ پس اگر یہ برف (کان والا یعنی) آفتاب (احوال اُخرویہ) کا مشاہدہ کر لیتا تو اسکو اپنی برفیت اور غفلت سے

امید کو منقطع کر دینا پڑتا۔ اور وہ خالص مساء کی مانند ہو جاتا جو کہ لطف ہوا سے بل کھا کر
ذرہ کی مانند ہو جاتا۔ یعنی اس وقت وہ مطیع محض ہوتا حق سبحانہٗ کے حکم پر چلتا اور
خودی میں محبوس نہ رہتا۔ اور اس کے بعد وہ آبِ حیات بن جاتا اور درختوں یعنی طالبوں
کے جان کی دوا ہو جاتا۔ اور ہر درخت (طالب) اس کی آمد سے خوش قسمت ہو جاتا
وہ خود کامل اور دوسروں کے لیے مکمل ہو جاتا۔ اسے وہ لوگ جو ٹھٹھرے ہوئے برف
کی مانند اور احوال آخرت سے متحیر ہیں انکی یہ حالت ہے کہ وہ خودی میں محبوس
ہیں اور درختوں کے ساتھ میل نہیں کھاتے یعنی دوسروں کو ان سے فائدہ نہیں پہنچتا۔
اور نہ تو وہ خود کسی سے میل کھاتے ہیں اور نہ ان سے کوئی میل کھاتا ہے۔ بلکہ ان کے
حصہ میں بخل آگیا ہے کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ لیکن تاہم وہ بیکار
نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح برف سے کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے یوں ہی ان سے بھی کچھ نہ کچھ
فائدہ دوسروں کو ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ سبزہ کے بادشاہ یعنی حق سبحانہٗ کا قاصد
نہیں بن سکتے اور حق سبحانہٗ کے فیوض کو سبزہ تک نہیں پہنچا سکتے۔ یعنی وہ شیخ بن
کر طالبین کی تربیت روحانی نہیں کر سکتے جو کہ صفت ہے کاملین کی۔ ہاں ان سے

درکار تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں شراب حلال تھی۔ اس کے پاس شراب نہ تھی اسلئے
آقا نے کہا کہ ارے غلام جا۔ اور فلاں راہب کے پاس سے جو کہ خاص شراب رکھتا ہے
گھڑا بھر کے ہمارے لیے شراب لے آ۔ تاکہ خاص و عام کے خیالات سے ہماری جان
کو نجات ہو جائے اور ہم اسکو پی کر مست اور بے خود ہو جائیں۔

یہاں سے مولانا شراب معروف سے شراب عشق الٰہی کی طرف انتقال فرماتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ تارک الدنیا لوگوں کی جامِ محبت کا ایک گھونٹ وہ کام کرتا ہے
جو کہ ہزاروں گھڑے ادر خم کرتے ہیں۔ اور ان کے اندر وہ شراب یونہی باطنی
دولت ہے جیسے کمبل میں سلطنت ہو تم ان کی ظاہری خستگی اور اس کی پھٹی ٹوٹی
گدڑی کو نہ دیکھنا۔ اسلئے کہ یہ ان کے کمال باطنی کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ قاعدہ

ہے کہ سونے کو اوپر سے کالا کر دیا کرتے ہیں تاکہ چوروں اور ڈکیتوں سے محفوظ رہے اور نظر بد سے حفاظت کے لیے وہ بظاہر قابل رد ہوتا ہے اور صرف باہر سے وہ بیش قیمت مال دود آلود ہوتا ہے اور اندر سے نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

نیز خزانہ اور جواہرات لوگ گھروں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ ویرانوں میں رکھتے ہیں۔ جہاں کسی کو ان کے وجود کا شبہ بھی نہ ہو۔ یونہی دولت باطنی بھی خستہ حالوں کو دی جاتی ہے تاکہ بیگانوں کی نظر بد سے محفوظ رہے۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کی دولت باطنی ویرانہ یعنی ان کے جسم خاکی میں مستور تھی اسلیئے ان کی مٹی نے ابلیس ملعون کی آنکھ بند کردی اور وہ اس دولت کو نہ دیکھ سکا۔ اور مٹی پر حقارت سے نظر کرتا تھا۔ مگر ان کی جان بزبان حال کہہ رہی تھی کہ یہ میری مٹی میرے لیے اس خزانہ تک پہنچنے سے مانع ہے اور تو اپنی محرومی و شقاوت کے سبب اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

خیر یہ مضمون استطرادی تو ختم ہوا ـــــ اب قصہ سنو! غلام نے آقا کا حکم سنکر دو گھڑے لیئے اور تیز رفتاری کے ساتھ گیا اور راہبوں کے دیر میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچکر اسنے روپیہ اُن کے حوالہ کیا اور سونے کی مثل روشن شراب

شراب خرید لی اور اس طرح اسے گویا کہ پتھر دے کر موتی خرید لیے یعنی شراب لے لی جس کی یہ شان ہے کہ بادشاہوں کے سر پر چڑھتی اور ساقی کے سر پر تاج زر رکھتی ہے۔ اور جو کہ بہت سے فتنہ اور شور وشغب پیدا کرتی اور غلاموں اور بادشاہوں کو یک رنگ کردیتی ہے۔ اور جس ان کی ہڈیاں نکال کر ان کی جانیں ایک ہوجاتی ہیں یعنی ان کے امتیازات مٹ کر اتحاد پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جس تخت اور تختہ دونوں یکساں ہوجاتے ہیں اور جو لوگ بھلے تیل اور پانی کی طرح آپس میں نہ نکلنے والے تھے ان کی حالت مستی میں ایسی ہوجاتی ہے جیسے جان کی جسم میں اور جس طرح ہریسہ میں گیہوں اور گوشت ایک دوسرے میں فنا ہوجاتے ہیں یوں ہی وہ

سب یکساں ہوجاتے ہیں۔ اوران میں کوئی تفوّق اور فرق باقی نہیں رہتا۔
کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب گوشت اور گیہوں ہریسہ بن جاتے ہیں تو پھر گیہوں اور گوشت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور اس وقت کوئی امتیاز ایسا نہیں رہتا جو کہ مٹ نہ گیا ہو۔ غرضکہ وہ غلام ایسی شراب اس امیر کی دولت سرا کی طرف لئے جاتا تھا۔ اتفاق سے رستہ میں ایک زاہد مل گیا جو کہ محزون اور خشک مغز۔ اور مصیبت عشق میں مبتلا تھا اس کا جسم دل کی آگ سے گھل گیا تھا اور اس کا خانۂ دل غیر خدا کی محبت سے خالی ہوچکا تھا۔ عشق کی بے پناہ مصیبت اسکی گوشمالی کررہی تھی اور اسکے دل پر اوپر تلے ہزاروں داغ تھے۔ وہ مجاہدہ وریاضت میں ہر وقت اپنے اندر محبت کی ایک نئی خلش پاتا تھا۔ اور رات دن ریاضت کو لپٹا ہوا تھا۔ تمام سال اور تمام مہینہ خون میں لتھڑا ہوا تھا اور آدھی رات کے وقت تو اس کا صبر اور تحمّل بالکل ہی فنا ہوجاتا تھا کیونکہ وہ وقت بالکل یکسوئی کا ہوتا ہے اور اس وقت خیال یار پوری طور پر اپنا کام کرتا ہے۔ اسکی رات کے وقت ایک غلام کو دیکھا کہ وہ اپنی جلدی میں زمین کو طے کرتا تھا یعنی تیز جارہا تھا اس پر زاہد نے اُسے ٹوکا اور کہا کہ گھڑوں میں کیا ہے اُسنے جواب دیا کہ شراب! اس پر اس نے پوچھا کہ کس کی ہے اسنے کہا کہ فلاں صاحب کی ہے جو کہ بڑے عالی رُتبہ امیر ہیں اس پر اس زاہد نے کہا کہ کیا طالب خدا کا یہ کام ہوتا ہے؟ طالب خدا ہوکر تعیش و شراب نوشی؟ اور شیطان کی شراب پی کر عقل تیز ہو؟ ناممکن ہے۔ اس سے کوئی کہے کہ ارے جانور کی طرح نشہ کے جال میں گرفتار جبکہ شراب کے بغیر تیری عقل اس قدر پژمردہ ہے کہ.. اُس میں اور بہت سی عقلوں کے ملانے کی ضرورت ہے۔ تو نشہ کے وقت تیری عقل کی کیا حالت ہوگی پس تجھے ہرگز زیبا نہیں ہے کہ تو شراب کا شغل کرے اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی وہ یہ ہے
کہ ضیائے بلخ نہایت خوش الہام شخص تھے اوران کے سائے تاج شیخ الاسلام تھے تحصیل علم کے لیے بہت سے لوگ ان کے یہاں حاضر خدمت رہتے تھے

اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے ملازمین خدمت سے ہمیشہ سبق کے طالب رہتے تھے یعنی ہر وقت تعلیم میں مصروف رہتے تھے یہ تاج دار السلطنت بلخ کے شیخ الاسلام بہت کوتہ قد اور صغیر الجثہ تھے اور اگرچہ وہ بہت بڑے فاضل اور متبحر اور صاحب علوم کثیرہ تھے اور ان کے سائے ضیا علم میں ان کے مرتبہ کے نہ تھے۔ مگر وہ ظرافت میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے نیز وہ بہت چھوٹے تھے اور ضیا بہت لمبی۔ اور شیخ الاسلام کو بہت کچھ غرور اور ناز تھا اسلئے انکو اپنے ان سائے سے بہت عار اور ننگ تھی۔ حالانکہ یہ بھی کچھ معمولی آدمی نہ تھے بلکہ بڑے صاحب ہدایت واعظ تھے ایک روز اتفاق سے ضیا ان کی مجلس میں پہنچ گئے اس وقت ان کی بارگاہ قاضیوں اور منتخب لوگوں سے پُر تھی ایسی حالت میں نہ انکو پوری تعظیم ہی کرتے ہیں اور نہ انہوں نے بالکل ترک تعظیم کو مناسب سمجھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے سائے کی تعظیم کے لئے آدھا قیام کیا پس جبکہ ضیا نے ان کے اندر اتنا تکبر دیکھا تو ان کو فوراً ایک پھبتی کہہ کر شرمندہ کیا جس کے وہ مستحق تھے اور انہوں نے ان پر ایک پھبتی کہی یعنی انہوں نے کہا کہ جی ہاں آپ بہت لمبے ہیں۔۔۔۔ ذرا اپنے سرو کی مانند لمبے قد میں سے کچھ اور بھی کم کر لیجئے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ایک تو ماشاءاللہ آپ کا قد ہی ایسا ہے کہ آپ کا قیام بھی مثل اوروں کے قعود کے ہے اس پر آپنے یہ کیا کہ

نصف قیام کیا جس سے وہ قیام اور بھی کالعدم ہوگیا۔ بس اس قد کے ساتھ اتنا قیام نامناسب تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ارے عقل کے دشمن! تجھے ہوش اور عقل ہی کہاں ہے کہ تو شراب پیئے۔ تیرا منہ خوب صورت بھی تو بہت ہے اس پر کالا... ٹیکا بھی لگالے۔ تیری یہ حرکت نہایت نازیبا ہے کیونکہ حبشیوں کے چہرہ پر کالا ٹیکا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ موجب تمسخر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بے عقل ہوکر شراب پینا ہرگز مناسب نہیں پس تجھے شراب خواری ترک کرنی چاہیئے کیونکہ اگر تو شراب پیئے گا اور اس طرح ظلمت کا طالب

ہو گا تو تیرے اندر نور پیدا نہیں ہو سکتا۔ خیر اگر عقل وافر ہو اور ایسی حالت میں شراب پی لی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ دن کے وقت سایہ تلاش کرتے ہیں مگر تو بے عقلی کی حالت میں شراب پیتا اور گویا کہ شب ابر میں سایہ ڈھونڈتا ہے کس قدر حماقت کی بات ہے۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ شراب حرام ہے نہیں بلکہ وہ حلال ہے لیکن اگر عوام کے لیے حلال ہو تو طالبان خدا کے لیے حرام ہی ہوگی۔ (فائدہ: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت نے اس کے اندر یہ تفصیل کی ہے کہ عوام کے لیے حلال اور خواص کے لئے حرام ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گو شریعت نے اسے مطلقاً حلال کیا ہے مگر خواص کو چاہیئے کہ باوجود اعتقاد حلت کے اس کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو حرام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس کو نہایت سختی اور اہتمام کے ساتھ ترک کریں کیونکہ وہ عقل کو کھو کر حق سبحانہٗ سے غافل کرنے والی چیز ہے) عاشقوں کی شراب تو خون دل ہوتا ہے اور ان کی نظر تو بجائے ساغر کے راہ اور منزل محبوب پر ہوتی ہے ایسے رستہ اور اس قدر خوفناک سامان یعنی راہ آخرت میں اور ایسی ناقص عقل رہنما اور اس پر طرہ یہ کہ تو اس ناقص رہنما کی آنکھ میں اور خاک جھونکتا ہے اور قافلہ کو بالکل ہی تباہ اور اس کو راہ راست سے گمراہ کرتا ہے۔ یہ امر نہایت ہی نازیبا ہے ارے شراب تو بڑی چیز ہے۔ میں تو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کی روٹی بھی کھانا حرام اور قابل افسوس ہے نفس کے سامنے تو بھوسے کی روٹی رکھنی چاہیئے اور اس دشمن راہ خدا کو خوب ذلیل کرنا چاہیئے کیونکہ چور کے لیے منبر مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تو سولی پر چڑھانا چاہیئے اور چور کا تو ہاتھ کاٹنا پسند ہونا چاہیئے اور اس کو کاٹنا چاہیئے لیکن اگر تو اس کا ہاتھ نہ کاٹ سکے تو کم از کم اس کے ہاتھ باندھ دینے چاہییں کیونکہ اگر تو اس کے ہاتھ نہ باندھے گا تو وہ تیرے ہاتھ باندھ دیگا اور اگر تو اس کے پاؤں نہ توڑے گا تو وہ تیرے پاؤں توڑ دے گا پس اپنے ہاتھ پاؤں

بچلانے کے لیے اسکے ہاتھ باندھنا اور پاؤں توڑنا لازم قرار پایا۔

بھلے مانس! تو دشمن کو شراب پلاتا اور گنے کھلاتا ہے یہ کیوں! ارے اس سے کہہ۔ کہ کیسے شراب اور کیسے گنے۔ زہر پی اور خاک کھا۔ یہ کہہ کر اس نے جوش غیرت سے گھڑے میں پتھر مارا۔ اور وہ ٹوٹ گیا اس پر غلام گھڑا پھینک کر بھاگ گیا۔ اور اس طرح زاہد کے قبضہ سے نکل گیا۔

رفتنِ امیر خشم آلودہ برای گوشمالِ زاہد

امیر کا غصہ میں بھرکر، زاہد کو سزا دینے کے لئے جانا

رفت پیشِ میر و گفتش بادہ کو
وہ (غلام) امیر کے سامنے پہنچا امیر نے کہا شراب کہاں ہے؟
ماجرا را گفت یک یک پیشِ او
اس نے ایک ایک کرکے اسکے سامنے قصہ کہہ دیا

میر چوں آتش شد و برجست راست
امیر آگ جیسا ہوگیا اور سیدھا اٹھا
گفت بنما خانۂ زاہد کجاست
بتا، دکھا، زاہد کا گھر کہاں ہے؟

تا بدیں گرزِ گراں کوبم سرش
تاکہ میں اس بھاری گرز سے اس کا سر توڑ دوں
آں سرِ بے دانشِ مادر غرش
وہ سر جو بے عقل، مادر بخطا کا ہے

او چہ داند امرِ معروف از سگی[1]
وہ بھلائی کا حکم کرنا کیا جانے؟ کتے پن سے
طالبِ معروفی ست و شہرگی
نام آوری اور شہرت کا طالب ہے

تا بدیں سالوس خود را جا کند
تاکہ اس مکر سے اپنی جگہ بنائے
تا بچیزے خویشتن پیدا کند
تاکہ کسی ڈھب سے اپنے آپ کو نمایاں کرے

کو ندارد خود ہنر الا ہماں
وہ خود ہنر نہیں رکھتا ہے، بجز اس کے
کہ تسلس میکند با این و آں
کہ ہما شما سے مکاری کرتا ہے

او اگر دیوانہ است و فتنہ کاو
وہ اگر دیوانہ ہے اور فتنہ انگیز
داروی دیوانہ باشد کیر گاو
دیوانہ کی دوا، بیل کا آلۂ تناسل ہے

تا کہ شیطاں از سرش بیروں رود
تاکہ اس کے سر سے شیطان باہر نکل جائے
بے لتِ خر بندگاں خر چوں رود
گدھا کمہاروں کی مار کے بغیر کب چلتا ہے؟

میر[2] بیروں جست دبوسے بدست
امیر باہر نکلا، اور گرز ہاتھ میں تھا
نیم شب آمد بزاہد نیم مست
زاہد کے پاس آدھی رات کو آدھی مستی میں پہنچا

رفت۔ غلام بھاگا بھاگا امیر کے پاس پہنچا اور اس نے اس کو سارا قصہ سنا دیا۔ مادر غر۔ زانیہ ماں۔

[1] او چہ۔ امیر نے غصہ سے کہا وہ زاہد خود کیا ہے اس کو امر بالمعروف سے کیا واسطہ۔ وہ محض شہرت کا طالب ہے۔ جا کند۔ مرتبہ بنائے۔ کو۔ اس کا ہنر صرف لوگوں سے مکر کرنا ہے۔ فتنہ کاو۔ فتنہ برپا کرنے والا۔ کیر گاو۔ بیل کا عضو سکھا کر اس کا دُرہ بنا لیا جاتا تھا۔ بے لت۔ گدھا لاتوں کے بغیر کب چلتا ہے۔

[2] میر۔ امیر غصہ میں پاگل ہو رہا تھا۔ دبوس۔ تازیانہ۔

خواست کُشتن مردِ زاہد را ز خشم
غصہ سے زاہد کو مار ڈالنا چاہا

مردِ زاہد گشت پنہاں زیرِ پشم
زاہد انسان، اُون کے نیچے چھپ گیا

مردِ زاہد می شنود از میرِ آں
زاہد انسان، امیر سے وہ سن رہا تھا

زیرِ پشمِ آں رسن تاباں نہاں
رسی بٹنے والوں کی اُون کے نیچے چھپا ہوا

گفت در رُو گفتنِ زشتیِ مرد
بولا انسان کی بُرائی منہ در منہ

آئینہ تاند کہ رُو را سخت کرد
آئینہ کر سکتا ہے جس نے منہ کو سخت کر لیا ہے

رُوئے باید آئینہ وار آہنیں
آئینہ جیسا لوہے کا منہ چاہیئے

تات گوید رُوئے زشتِ خود ببیں
تاکہ تجھ سے کہے کہ اپنا بھدا چہرہ دیکھ

حکایت[۳] مات کردنِ دلقک سیّد شاہِ ترمذ را

ایک مسخرے کی سیّد شاہِ ترمذ کو مات دینے کی حکایت

شاہ با دلقک ہمی شطرنج باخت
بادشاہ نے مسخرے کے ساتھ شطرنج کی بازی لگائی

مات کردش زُود خشمِ شہ بتاخت
اُسنے اُس (شاہ) کو مات دی بادشاہ کا غصہ جلد دوڑ پڑا

گفت شہ شہ واں شہِ کبر آورش
اُس نے شہ شہ کہا اور وہ متکبر بادشاہ

یک یک آں شطرنج میزد بر سرش
شطرنج کا ایک ایک مہرہ اُس کے سر پر مارتا تھا

کہ[۱] بگیر اینک شہت اے قلتباں
کہ اے دیوث! لے یہ تیری شہ ہے

صبر کرد آں دلقک و گفت الاماں
اُس مسخرے نے صبر کیا اور پناہ چاہی

دستِ دیگر باختن فرمود میر
امیر نے دوسری بازی لگانے کو کہا

اُو چناں لرزاں کہ عُور از زمہریر
وہ اِس طرح کانپا جیسے کہ ننگا جاڑے سے

باخت دستِ دیگر و شہ مات شُد
اُس نے دوسری بازی کھیلی اور بادشاہ کو مات ہو گئی

وقتِ شہ شہ گفتن و میقات شُد
شہ شہ کہنے کا وقت اور جگہ آ گئی

بر جہید آں دلقک و در کنج رفت
وہ مسخرا کودا اور گوشہ میں چلا گیا

شش نمد بر خود فگند از بیم تفت
فوراً خوف سے چھ نمدے اپنے اُوپر ڈال لئے

زیرِ بالشہا و زیرِ شش نمد
تکیوں کے نیچے اور چھ نمدوں کے نیچے

خُفت پنہاں تا ز زخمِ شہ رہد
چھپ کر لیٹ گیا تاکہ بادشاہ کی مار سے نجات پائے

گفت[۲] شہ ہے ہے چہ کردی چیست ایں
بادشاہ نے کہا ہائیں ہائیں تو نے کیا کیا یہ کیا ہے؟

گفت شہ شہ شہ شہ اے شاہِ گزیں
بولا اے منتخب شاہ! شہ شہ شہ شہ

کے تواں حق گفت جز زیرِ لحاف
حق (بات) لحاف کے نیچے کے علاوہ کب کہی جا سکتی ہے؟

با چو تو خشم آورِ آتش سجاف
آپ جیسے غصیلے آگ کے اژدہے کے سامنے

زیرِ پشم۔ زاہد بھاگ کر اُون کی رسی بانٹنے والوں کی اُون میں چھپ گیا اور وہاں میر کی بُری بھلی باتیں سنتا رہا۔ گفت۔ زاہد نے اپنے دل میں کہا کہ کسی کے منہ پر بُرائی کرنے کے لئے آئینہ کا سا لوہے کا چہرہ ہونا چاہیئے تاکہ مار کھا سکے، آئینہ لوہے سے بنتا تھا۔

۳ حکایت۔ اِس حکایت میں یہ بتایا ہے کہ مسخرے نے نمدوں میں لپٹ کر بادشاہ کو شہ شہ کہا تاکہ چوٹ سے بچ سکے۔ دلقک۔ مسخرہ.... مات کردش۔ مسخرے نے بادشاہ کو ہرا دیا۔ گفت شہ شہ۔ ہرنے والے کی تحقیر کے لئے لفظ شہ شہ کہہ دیا جاتا ہے تن شطرنج۔ یعنی شطرنج کے مہرے۔

۱ کہ بگیر۔ بادشاہ مسخرے کے سر پر شطرنج کے مہرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ لے یہ تیری شہ ہے۔ قلتباں۔ دیوث۔ دستِ دیگر۔ دوسری بازی۔ عُور۔ ننگا۔ وقتِ شہ۔ اب مسخرے کے لئے شہ کہنے کا وقت آگیا۔ بر جہید۔ مسخرہ بھاگ کر ایک گوشہ میں چھ نمدے اپنے اوپر ڈال کر لیٹ گیا۔

۲ گفت شہ۔ بادشاہ نے دریافت کیا یہ کیا حرکت ہے۔ گفت۔ مسخرے نے کہا شہ شہ کہنے کے لئے نمدوں میں چھپ گیا ہوں۔ کے تواں۔ غصہ ور آدمی سے حق بات لحافوں میں گھس کر ہی کہی جا سکتی ہے ورنہ زخم برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

اے تو مات و من ز زخمِ شاہ مات — میز نم شش ز زیرِ تختہات
آپ ہارے اور میں شاہ کی مار سے ہارا — میں کپڑوں کے نیچے سے آپکو ششہ کہتا ہوں

آمدنِ امیر بدر خانۂ زاہد و بہ لگد کوفتنِ در

امیر کا زاہد کے دروازے پر آنا اور لاتوں سے دروازے کو پیٹنا

چوں[1] محلہ پر شد از ہیہایِ میر — وز لگد بر در زدن وز دار و گیر
جب امیر کی ہا ہو سے محلہ بھر گیا — دروازے پر لاتیں مارنے سے اور پکڑ دھکڑ سے

خلق بیروں جست زود از چپ و راست — کاے مقدم وقتِ عفوست و رضاست
دائیں اور بائیں سے لوگ باہر نکل آئے — کہ اے پیشرو! معافی اور راضی ہو جانے کا وقت ہے

مغزِ او خشک ست و عقلش ایں زماں — کمترست از عقل و فہمِ کودکاں
اس کا دماغ خشک ہو گیا ہے اور اب اس کی عقل — بچوں کی عقل اور سمجھ سے کم تر ہے

زہد و پیری ضعف بر ضعف آمدہ — و اندراں زہدش کشادے نا شدہ
زہد اور بڑھاپا، کمزوری پر کمزوری آ گئی — اور اس زہد میں اس کو بسط حاصل نہ ہوا

رنج[2] دیدہ گنج نا دیدہ ز یار — کارہا کردہ ندیدہ مزدِ کار
اس نے تکلیف برداشت کی، یار کا خزانہ نہ دیکھا — کام کئے، کام کی مزدوری نہ دیکھی

یا نبود آں کارِ او را خود گہر — یا نیامد وقتِ پاداش از قدر
یا تو اس کے کام میں خود جوہر نہ تھا — یا تقدیر (خداوندی) سے بدلے کا وقت نہیں آیا ہے

یا کہ بود آں سعی چوں سعیِ جہود — یا جزا وابستۂ میقات بود
یا اس کی کوشش، یہود کی کوشش کی طرح تھی — یا بدلہ، وقتِ مقررہ سے وابستہ تھا

مر ورا درد و مصیبت ایں بس ست — کاندریں وادیِ پر خوں بیکس ست
اس کے لئے یہ درد اور مصیبت کافی ہے — کہ وہ اس خوفناک وادی میں بیکس ہے

چشم[3] پر درد و نشستہ او بہ کنج — رو ترش کردہ فرو افگندہ لنج
آنکھ درد سے پر ہے اور وہ گوشہ نشین ہے — منہ بنائے ہوئے ہے ہونٹ لٹکائے ہوئے ہے

نے یکے کحال کو را غم خورد — نیش عقلے کو بہ کحلے پے برد
نہ کوئی آنکھوں کا معالج ہو کہ اس کی فکر کرے — نہ اس کو عقل ہے، کہ وہ سرمہ کی تلاش کرے

اجتہادے میکند با وہم و ظن — کار در بوک ست تا نیکو شدن
وہم اور گمان کے ساتھ کوشش کر رہا ہے — معاملہ ٹھیک ہونے تک وہم میں ہے

زاں رہش دور ست تا دیدارِ دوست — کز نماندش مغزِ سر از عشقِ پوست
اسی لئے دوست کے دیدار تک کا راستہ اسکے لئے دور ہے — کیونکہ چھلکے کے عشق سے اسکے سر میں گودا نہیں رہا

[1] چوں محلہ۔ امیر کے شور و غوغا اور زاہد کے کواڑوں پر لاتیں مارنے سے محلہ کے آدمی جمع ہو گئے۔۔۔ مقدم۔ پیشرو۔ مغزِ او۔ زاہد کا دماغ خشک ہو گیا ہے ایک تو بڑھاپا پھر زہد جس نے اسکو مزید کمزور کر دیا اور پھر اسپر کشادگی یعنی بسط کی کیفیت طاری نہیں ہوئی ہے۔

[2] رنج۔ زاہد نے تکلیفیں اٹھائیں اور ابھی تک کچھ فیض نہ پایا ہے محنت کی ہے اور ابھی تک کوئی مزدوری نہیں ملی ہے۔ خود گہر یعنی اس کی عبادت میں خلوص نہ تھا۔۔۔ یا نیامد۔ یا عبادت تو مقبول ہوئی ہے اور اجر کا وقت نہیں آیا ہے۔ سعیِ جہود۔ یہود کی عبادت بیکار ہے۔ مر ورا۔ اس زاہد کو تو اپنی ہی مصیبتیں کافی ہیں آپ اور کیوں مصیبت میں ڈالتے ہیں۔ وادیِ پرخوں۔ راہِ عشق۔

[3] چشم۔ وہ مایوسی کی حالت میں گوشہ نشین ہے۔ لنج ہونٹ۔ کحال۔ معالجِ چشم۔ بوک۔ "بود کہ" ہو سکتا ہے کہ" یہ کسی معاملہ میں شک کی صورت میں بولا جاتا ہے۔ زاں رہش۔ چونکہ ابھی اس کا اپنی ہستی سے تعلق ہے اس لئے شاہد کی منزل اس سے دور ہے۔

ساعتے اُو با خدا اندر عتاب — کہ نصیبم رنج آمد زیں جناب

کسی وقت وہ خدا سے غصہ میں ہے — کہ اِس درگاہ سے مجھے غم کا حصہ ملا ہے

ساعتے با بختِ خود اندر جدال[۱] — کہ ہمہ پرّاں و ما بریدہ بال

کسی وقت اپنے مقدر سے لڑائی میں ہے — کہ سب پرواز میں ہیں اور ہم بال کٹے ہیں

ہر کہ محبوس ست اندر بُو و رنگ — گرچہ در زُہد ست باشد خوش تنگ

جو شخص بُو اور رنگ میں مُقید ہے — اگرچہ وہ زُہد میں ہے، بہت تنگ ہوگا

تا بروں نایدازیں تنگیں مناخ — کے شود خوئیش خوش و صدرش فراخ

جب تک وہ اِس تنگ پڑاؤ سے باہر نہ نکلے — اُس کی عادت بھلی اور اُس کا سینہ فراخ کب ہوگا!

زاہداں را در خلا پیش از گشاد — تیغ و اُسترہ نشاید ہیچ داد

(اسی لئے)، زاہدوں کو بسط سے پہلے تنہائی میں — تلوار اور اُسترہ کبھی نہ دینا چاہئیے

کز[۲] ضجر خود را بدراند شکم — غصۂ آں بے مرادیہا و غم

کیونکہ تنگدلی کی وجہ سے وہ اپنا پیٹ پھاڑ دیگا — اُن ناکامیوں کے غصہ اور غم (سے)

بے مُرادی ہای ایں دنیا خوش ست — بامُرادی تند خُوی و سرکش ست

اِس دنیا کی نامرادیاں بھلی ہیں — مرادمندی، بدمزاج اور سرکش ہے

انداختنِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود را از کوہِ حرا از وحشت و دیر نمودنِ دیدار و نمودنِ جبرئیل علیہ السلام خود را بوے کہ میند از کہ ترا دولتہا و سعادتہا در پیش ست

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حِرا پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرنا اور جبرئیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کرنا کہ نہ گرائیے کیونکہ آپ کو دولتیں اور سعادتیں درپیش ہیں۔

مُصطفےٰ را ہجر چوں بفراختے — خویش را از کوہ می انداختے

(حضرت) مُصطفےٰ ؐ پر جب فراق غلبہ پاتا — اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ کرتے

تا بگفتے جبرئیلش ہیں مکُن — کہ ترا بس دولت ست از امرِ کُن

حتیٰ کہ اُن کو جبرئیل ؑ کہتے خبردار! یہ نہ کیجئے — کیونکہ اَمرِ کُن کی وجہ سے آپ کے لئے بہت دولتیں ہیں

مُصطفےٰ ساکن شدے ز انداختن — باز ہجراں آوریدے تاختن

(حضرت) مُصطفےٰ ؐ گرانے سے رُک جاتے — پھر، فراق حملہ کرتا

باز خود را سرنگوں از کوہ اُو — میفگندے از غم و اندوہ اُو

پھر خود کو وہ پہاڑ سے اوندھا — غم اور رنج کی وجہ سے گرانے کا ارادہ کرتے

ساعتے۔ وہ کسی وقت تو خدا سے بھی لڑنے لگتا ہے۔

[۱] ساعتے۔ کسی وقت خود اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ ہر کہ جبتک خودی باقی ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو وہ تنگی میں رہتا ہے۔ تا بروں جب تک خودی کے تنگ راستے کو فنا نہ کریگا اسکو بسط کی کیفیت حاصل نہ ہوگی۔ زاہداں بسط کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے قبض کی حالت میں بسا اوقات سالک خودکشی کرنا چاہتا ہے لہٰذا اسکو تنہائی میں کبھی تلوار اور استرہ نہ دینا چاہئیے

[۲] کز ضجر۔ قبض کی حالت میں اِس قدر دل تنگ ہوتا ہے کہ وہ نامرادی کے رنج میں سالک اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مُرادی۔ دنیا کی ناکامی انسان کے لئے بہتر ہے۔ بامُراد، بدمزاج اور سرکش ہو جاتا ہے۔ انداختن آنحضورؐ سے جب وحی کا انقطاع ہوا تو قبض کی ایک کیفیت ہوئی۔ آنحضورؐ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا حضرت جبرئیل ؑ آکر تسلی دیتے تھے تب آپ کو سکون ہوتا تھا۔

[۳] ہجر۔ یعنی قبض کی کیفیت جو مزید مشاہدہ نہ ہونے سے پیدا ہوئی تھی ورنہ ذاتِ اقدس کو ایک گونہ مشاہدہ ہر وقت حاصل تھا۔ امرِ کُن یعنی خدا کے حکم سے۔ جہے بدیل منیٖر۔

باز خود پیدا شدے آں جبرئیل
پھر وہ جبرئیلؑ خود رونما ہوتے
کہ مکن ایں اے تو شاہ بے بدیل
کہ اے بے مثال شاہ ! یہ نہ کیجئے

ہمچنیں[۳۳] می بود تا کشفِ حجیب
پردہ کھلنے تک یہی ہوتا رہتا
تا بیابیداں گہر را او زجیب
یہاں تک کہ انھوں نے جیب میں سے وہ موتی پایا

بہرِ ہر محنت چو خود را می کُشند
جبکہ ہر مصیبت کی وجہ سے اپنے آپکو مار ڈالتے ہیں
اصلِ محنتہاست ایں چوں خوش کشند
یہ مصیبتوں کی جڑ ہے اُسکو کیسے برداشت کریں!

از فدائی مردماں را حیرتیست
قربان ہونے پر لوگوں کو حیرت ہے
ہر یکے از ما فدائے سیرتیست
(حالانکہ) ہم میں سے ہر ایک ایک خصلت پر قربان ہے

اے خنک آنکو فدا کرد ست تن
وہ قابلِ مبارکباد ہے جس نے جسم کو قربان کر دیا
بہرِ آں کار زد فدای آں شدن
اُس کام پر جو قربان ہو جانے کے لائق ہے

مردِ حق بارے فدای ایں فن ست
بہرحال مردِ خدا اِس فن پر قربان ہے
کاندر و صد زندگی در کشتن ست
جس میں فنا ہو جانے میں سینکڑوں زندگیاں ہیں

عاشق و معشوق و عشقش بر دوام
عاشق اور معشوق اور اُس کا عشق ہمیشہ
در دو عالم بہرہ مند و نیک نام
دونوں جہان میں نصیب ور اور نیکنام ہیں

در جہاں ہر کس فدای آں فنے ست
دنیا میں ہر شخص اُس فن پر قربان ہے
کاندراں رہ صرفِ عمر و کشتنے ست
کہ اُس راہ میں عمر کا خرچ ہوتا اور مرجاتا ہے

کشتنی اندر غروبی یا شروق
غروبی یا شروق میں مرجاتا (بجا ہے)
کہ نہ شائق ماند آنجا نے مشوق
کیونکہ وہاں نہ عاشق رہتا ہے، نہ معشوق

یا کرامی اِرْحَمُوا اَهْلَ الْهَوٰی
اے میرے مہربانو ! اہلِ عشق پر رحم کرو
شَانُهُمْ وِرْدُ التَّوٰی بَعْدَ التَّوٰی
اُنکی حالت ہلاکت کے بعد ہلاکت کے گھاٹ پر اترنا ہے

عفو کن اے میر بر سختیِ او
اے امیر! اُس کی سختی کو معاف کر دے
در نگر در درد و بدبختیِ او
اُس کے درد اور بدبختی پر نظر کر

تا ز جرمت ہم خدا عفوے کند
تاکہ خدا! تیری خطا بھی معاف کر دے
زلّتت را مغفرت در آگند
تیری لغزش کو معافی سے بھر دے

تو ز غفلت[۳۴] بس سبو بشکستۂ
تو نے غفلت سے بہت سی ٹھلیاں توڑی ہیں
بر امیدِ عفو دل در بستۂ
معافی کی اُمید سے دل وابستہ کیا ہے

عفو کن تا عفو یابی در جزا
معاف کر تاکہ بدلے میں تو معافی حاصل کرے
می شگافد مو قدر اندر سزا
تقدیر (خداوندی) سزا میں موشگافی کرتی ہے

---

۳۳ ہمچنیں۔ آنحضرتؐ پر جب تک مزید مشاہدہ کا پردہ نہ ہٹ جاتا اور گوہرِ مقصود جیب میں سے نہ پالیتے یہی کیفیت رہتی۔ بہرِ ہر محنت۔ انسان دنیا کی مصیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے تنعم کی یہ کیفیت تو تمام مصائب کی جڑ ہے۔ از فدائی۔ انبیاء اور بزرگ جو راہِ حق میں فدا ہوتے ہیں اُس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے حالانکہ ہر انسان اُس سیرت پر جان دیتا ہے جو اُس کی ہے۔

۱ اے خنک۔ راہِ حق میں فدا ہو جانا قابلِ مبارکباد ہے۔ یہ راہِ حق اِس کے سزاوار ہے کہ اُس پر قربان ہو جانا چاہیئے… مردِ حق۔ اِس راستہ پر قربان ہونے سے سیکڑوں زندگیاں حاصل ہوتی ہیں۔ معشوق یعنی حق تعالےٰ۔ در جہاں۔ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی مشغلہ پر ایسا فریفتہ ہوتا ہے جس میں عمر صرف کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو غروبی یعنی ہجرِ حق میں فنا کر دے یا وصل میں فنا کر دے۔ وصل میں فنا کر دیگا تو نہ پھر عاشق باقی ہے نہ معشوق یعنی ذاتِ باری معشوق کی حیثیت سے باقی نہ رہیگی بجز ذاتِ حق باقی نہ رہیگی۔ غروبی یعنی ہجر۔ شروق۔ یعنی حالتِ مشاہدہ۔

۲ اہل الہوی۔ محبت کرنے والے عاشق۔ شانہم۔ عاشق پر محویت طاری رہتی ہے اور وہ ہر آن فنا ہوتا رہتا ہے۔ عفو کن۔ معاف والوں نے نادر پر

مُو شگافانِ قدر را ہوش دار
قدر (خداوندی) کے نکتہ چینوں کیلئے ہوش کر

قصۂ ما را تو نیکو گوش دار
ہمارے قصے کو اچھی طرح سن لے

باز بشنو قصۂ میراں دِگر
پھر دوسرے امیروں کا قصہ سن لے

تا بیابی زیں حکایت صد خبر
تاکہ تجھے اس قصے سے سینکڑوں خبریں حاصل ہوں

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ یعنی جو ایک ذرہ خیر کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو ایک ذرہ شر کریگا اس کو دیکھے گا۔ باز بشنو۔ دوسرے ظالم امیروں کے انجام کے قصے سن کر عبرت حاصل کرے۔

غضبناک امیر نے کہا۔ دزدِ غر۔ وہ خود بدبختی میں مبتلا ہے اگر اور کیا سزا دیتا ہے تا زجرت۔ حدیث شریف ہے اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ ۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ ۳۵ آز غفلت۔ یعنی تو نے بھی غفلت سے بہت سے قصور کئے ہیں۔ تمی تُکلانہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ

شرح

وہ غلام زاہد کے پاس سے بھاگ کر امیر کے پاس پہنچا۔ امیر نے کہا کہ شراب کہاں ہے اس نے الف سے لیکر "ی" تک سارا۔ قصہ مفصل کہہ دیا یہ واقعہ سنکر امیر غصے سے آگ ہوگیا اور بے تابانہ کھڑا ہو گیا اور کہا کہ چل بتا اس زاہد کا مکان کہاں ہے۔ تاکہ میں اس سارے گرز سے اس کا سر یعنی وہ سر کوٹوں جو عقل سے خالی اور بدمعاش ہے (مادر غر ایک گالی ہے اور غیر زن فاحشہ کو کہتے ہیں) وہ اپنے کتے پن کے سبب امر بالمعروف کیا جانے اور وہ کسی کی اصلاح کیا کریگا وہ تو خود قابل اصلاح ہے کیونکہ ریاکار اور طالب شہرت و نام ہے اور مقصود اس کا یہ ہے کہ اس فریب سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلے اور لوگوں پر ظاہر کر دے کہ میں کچھ ہوں حالانکہ واقع میں اس میں کوئی خوبی بھی نہیں بجز اس کے کہ وہ لوگوں سے دھوکہ بازی اور بناوٹ کرتا ہے وہ اگر دیوانہ ہو گیا ہے اور خواہ مخواہ فتنہ اٹھاتا ہے۔ تو میں اس کا کیر گاؤ سے علاج کروں گا کیونکہ دیوانوں کا علاج کیر گاؤ ہی سے ہوتا ہے (فائدہ: کیر گاؤ سے مراد بیل کا عضوِ تناسل ہے جو کہ بجائے کوڑے اور ہنٹر کے استعمال کیا جاتا تھا) تاکہ شیطان اس کے سر سے بالکل نکل جائے۔ وہ بدوں سزا کے ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ گدھے بدوں گدھے والوں کی لاتوں کے نہیں چلتے۔

الغرض وہ امیر باہر نکلا۔ گرز اسکی ہاتھ میں تھا اور آدھی رات کے وقت شراب سے کسی قدر مخمور زاہد کے مکان پر آیا۔ اور چاہا کہ مرد زاہد کو مارے غصہ کے مار ڈالے لیکن وہ خوف سے اُون کے نیچے چھپ گیا اور رسّی بٹنے والوں کی اُون کے تلے چھپا ہوا امیر کی گفتگو سن رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ آدمی کی بُرائی کو اس کے منہ پر کہہ دینا آئینہ کا کام ہے جو نہایت بیباک اور دلیر ہے اور آئینہ کی طرح لوہے کے منہ کی ضرورت ہے کہ تجھ سے کہے کہ اپنا برا منہ دیکھ یعنی اس کام کے لیے بے باکی اور جرأت کی ضرورت ہے اور مجھ میں یہ بات ہے نہیں۔ اسلئے میں معذور ہوں۔

اب مولانا اسکی مناسب ایک حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس زاہد کی ایسی مثال تھی جیسے دلقک کی اور قصہ اس کا یہ ہے کہ بادشاہ دلقک کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ دلقک نے بادشاہ کو مات کردی اسی سے بادشاہ کو غصہ آگیا۔ دلقک نے حسب عادت شطرنج بازاں شہ شہ کہنی شروع کی۔ یہ سُنکر مغرور بادشاہ نے شطرنج کے مہرہ لے کر ایک ایک کو مہرہ ان کے سر میں ٹھونکنا شروع کیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ لے یہ ہے تیری شہ۔

دلقک نے اس مصیبت پر صبر کیا اور کہا کہ حضور مجھے امان دیں۔ خیر یہ قصہ ختم ہوگیا اور بادشاہ کا غصہ جاتا رہا۔ اسکے بعد بادشاہ نے کہا کہ اچھا اب کے پھر کھیلو۔ وہ یہ سُنکر یوں کانپنے لگا جیسے سخت جاڑے میں ننگا آدمی کانپتا ہے لیکن مجبوراً اُسے کھیلنا پڑا اور بادشاہ کو پھر مات ہوگئی اور شہ کہنے کا وقت آیا اس وقت وہ اُچھل کر ایک کونہ میں گیا اور وہاں جاکر خوف سے اسنے اپنے اوپر چھ نمدے ڈال لیے اور وہ بادشاہ کی مار سے چھُپنے کے لیے چھ نمدہ کے فرشوں کے نیچے چھُپ رہا۔ بادشاہ نے کہا کہ ارے یہ کیا حرکت؟ اسنے کہا کہ حضور والا شہ شہ شہ شہ۔ جناب اصل بات یہ ہے کہ آپ سے غصہ ور اور آتش لباس شخص کے سامنے حق بدوں لحاف کے نہیں کہا جاسکتا۔ پس چونکہ میں نے آپکو مات کی ہے

اور آپکے مار سے مجھے اسلئے میں آپکو۔ فروش کے نیچے سے شہ شہ کرتا ہوں۔

[فائدہ: محشیین نے شہ شہ کو بضم شین منضبط کہا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ لفظ بفتح شین بمعنی مات ہے۔]

خیر یہ قصہ تو ختم ہوا۔ اب سنو! کہ جب امیر نے بہت کچھ شور و شغب کیا تو اسکے شور و شغب سے لوگ اکٹھے ہو گئے اور محلہ لوگوں سے بھر گیا۔ اور انہوں نے خوشامد کرنی شروع کی اور کہا کہ حضور یہ موقع معافی اور رضامندی کا ہے آپ اسے معاف کر دیجئے کیونکہ اسکے دماغ میں خشکی آگئی ہے اور اس زمانہ میں اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں ہے جتنی کہ بچوں کو ہوتی ہے اسلئے کہ اول تو وہ زاہد ہے اور دوسرے بڈھا ہے اسلیے اس میں دونا ضعف آگیا ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اس زہد میں اسکو بسط نہیں ہوا ہے بلکہ ہنوز قبض میں مبتلا ہے کیونکہ تکلیف تو اس نے اٹھائی مگر دولت وصال اسے ہنوز میسر نہیں ہوئی اور اس نے کام تو کیا مگر صلہ اسے نہیں ملا خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہے اور یا یہ وجہ ہو کہ ابھی ثمرہ مرتب ہونے کا وقت نہیں آیا بنابریں یا تو اس کی سعی کوشش کفار کی طرح بے سود ہے یا بے سود تو نہیں مگر اس کی جزا ایک وقت خاص سے متعلق ہے خیر کچھ بھی ہو وہ اس وقت ناکام ضرور ہے اور یہ تکلیف اور یہ مصیبت ہی اسکے لیے کافی ہے کہ وہ اس وادی پر خون میں بیکس ہے۔ اور اس کی آنکھیں درد سے پر ہیں۔ اور وہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے اور غم سے منہ چڑھائے ہوئے اور ہونٹ لٹکائے ہوئے ہے اور نہ کوئی اسکی آنکھوں میں سرمۂ بصیرت لگانے والا ہے کہ جس سے اس کی باطنی آنکھیں کھلیں اور نہ اسے اتنی عقل ہے کہ وہ خود کوئی سرمہ معلوم کرے۔ غرضکہ وہ محض وہم اور ظن کی بنا پر مجاہدات کر رہا ہے اور جب تک اسکی حالت درست نہ ہو جائے اس وقت تک وہ لیت و لعل میں گرفتار ہے اور اسلئے ہنوز اسکے لیے حصول وصال کی کوئی توقع ہی نہیں ہے کہ عشق پوست (راحت و لذت میں ان کا مغز سر ختم ہو گیا ہے کیونکہ کبھی تو وہ خدا سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بس ہمارے حصہ میں تو آپکے یہاں سے

صرف رنج آیا ہے اور خوشی ہماری قسمت ہی میں نہیں ہے اور کبھی اپنی قسمت سے لڑتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ تو عروج کر رہے ہیں اور ہم لاچار اور مجبور ہیں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! جو شخص بُو و رنگ (راحت و لذت) میں گرفتار ہوتا ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور جب تک وہ اس تنگ مقام سے باہر نہیں نکلتا۔ اس وقت تک وہ خوش خلق اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ حل مشکل اور حصول مقصود سے پہلے زاہدوں کو تلوار یا استرہ کچھ نہ دیا جائے کیونکہ وہ دل تنگی اور پریشانی کے سبب اور اپنی ناکامیوں کے رنج و غم میں اپنا پیٹ پھاڑ لیگا اسلئے اسکو اپنی ناکامی کا سخت صدمہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنی جان سے بیزار ہوتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے کیونکہ اخروی ناکامی ضرور رنج کے قابل ہے مگر بشرطیکہ واقعی ہو اور مثل عدم حصول کشف وغیرہ امور غیر مقصودہ خیالی نہ ہو۔ لیکن دنیاوی ناکامیاں اور رنج بری چیز نہیں ہیں بلکہ وہ اچھی ہیں۔ کیونکہ ان سے تذلل اور تمسکن اور افتقار کی شان پیدا ہوتی ہے اور جو کوئی کامیاب ہوتا ہے۔ وہ تند خُو اور سرکش ہو جاتا ہے۔

[فائدہ، یہ بھی ممکن ہے کہ بے مرادہائے این دنیا سے عدم حصول کشف وغیرہ مراد ہو۔ اور مقصود یہ ہو کہ ان امور غیر مطلوبہ کا حاصل نہ ہونا ہی اچھا ہے کیونکہ ان سے نایاد زین تنگیں مناخ کے دعوٰی اور غرور پیدا ہو جاتا ہے و یؤید ہذا الاحتمال قولہ ہر کہ محبوس ست اندر بو و رنگ۔ گرچہ در زہد ست باشد خوش بہ تنگ۔ تا بروں نا ید ازیں

کے شود خویش خوش و صدرش فراخ

خیر! یہ جملہ تو معترضہ تھا۔ اب ہم زاہدوں کے دل تنگی اور ان کی جان سے بیزاری کی تائید ایک واقعہ سے کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ جب صدمہ فراق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے جاتا۔ تو آپ وہاں پہنچکر اپنے کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام آپ کی تسکین فرماتے اور کہتے تھے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ آپ کو بحکم خداوندی بہت سی دولتیں ملنے والی ہیں مگر ہنوز ان کا وقت نہیں ہے آپ گھبرائیں نہیں اور صبر فرمائیں۔ اس تسکین

سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو گرانے سے رُک جاتے تھے۔ پھر بحر یورش کرتا تھا تو پھر آپ رنج و غم سے اپنے کو گرانے کا ارادہ کرتے تھے لیکن پھر جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے تھے کہ یہ مناسب نہیں ہے ایسا نہ کیجیے۔

غرضکہ جب تک حسب دل خواہ کشف حجاب نہیں ہوگیا۔ اور گوہر مقصود جیب قلب سے نہیں پالیا۔ اس وقت تک آپ کی یہ حالت رہی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ جب آدمی عام مصیبتوں کے سبب اپنے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ تو مصیبت فراق حق سبحانہ، تو تمام مصائب سے بڑھ کر ہے اسکو وہ کیونکر جھیل سکتے ہیں۔ لوگوں کو حیرت ہے کہ زاہد لوگ کیونکر اپنی جان دیدیتے ہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ ان کو یہ حیرت کیوں ہے اسلیے کہ ہر ایک کی یہ حالت ہے کہ وہ کسی نہ کسی بات پر جان دے رہا ہے اور کسی کو مال مطلوب ہے وہ مال کے لیے جان دے رہا ہے اور کسی کو جاہ مطلوب ہے وہ جاہ کے لیے جان دے رہا ہے۔ ہکذا پھر زاہدوں کے جان... دینے پر کیوں تعجب کیا جاتا ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی مقصود کے لیے جان دے رہا ہے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ بڑے مزہ میں ہے وہ شخص جو اپنے جسم کو ایسے مقصود کے لیے فنا کر دے جو فدا کرنے کے قابل ہے اور وہ اہل اللہ ہیں جو کہ ایسے مقصود کے لیے فنا کرتے ہیں جسکے لیے جان دینے میں سینکڑوں زندگیاں ہیں۔

اور یہ عشاق اور ان کا معشوق اور ان کا عشق سب کے سب باقی ہیں اور یہ لوگ دین اور دنیا دونوں میں نیک نام ہیں۔ رہے اہلِ دنیا سو ان کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے ہر شخص ایک مقصود پر قربان ہے جس کی راہ میں عمر کھونا اور جان دینا ہے اور یہ جان دینا غروب آفتاب یا شروق آفتاب کے اندر ہے جہاں کہ نہ مطلوب رہے گا اور نہ طالب (مطلب یہ ہے، کہ ان کے عشق کا تعلق عالم ناسوت سے ہے۔ جو محل طلوع و غروب آفتاب اور فانی ہے اور اسلئے خود وہ بھی فانی ہیں اور ان کے معشوق بھی اور ان کا عشق بھی (واللہ اعلم)

خلاصہ یہ ہے کہ عشق بری بلا ہے اور عشاق کا کام پیہم بلاؤں میں پڑنا ہے لہذا

ان کی حالت قابلِ رحم ہے پس لوگو! تم ان پر رحم کرو۔

اب مولانا بنا بر استحضار واقعہ امیر کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں اے امیر آپ بھی اس کی مصیبت پر رحم کریں اور اس کی تکلیف اور بدقسمتی پر نظر کریں تاکہ حق سبحانہٗ آپکے قصور بھی معاف فرمائیں اور آپ کی لغزش کو مغفرت سے بھر دیں آپنے بھی اپنی غفلت کے سبب امرِ حق کے بہت سے گھڑے توڑے ہیں اور تاہم آپ عفوِ الٰہی کی توقع رکھتے ہیں پس آپ بھی اس کا قصور معاف کر دیجیے۔ تاکہ اس کے معاوضہ میں حق سبحانہٗ آپکے قصور کو معاف کر دیں کیونکہ جس طرح آپ اس غریب کے مقابلہ میں بال کی کھال نکالتے ہیں یوں ہی حکمِ الٰہی آپکے مقابلہ میں بھی بال کی کھال نکالے گا۔ پس آپ موشگافانِ تقدیر کو نظر انداز نہ کیجیے اور ان کا لحاظ رکھیے اور ہماری نصیحت کو خوب اچھی طرح سُن لیجیے!

اس گفتگو کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا! اب پھر اس امیر کا قصہ سنو کہ اسنے انہیں کیا جواب دیا۔ تاکہ اس واقعہ کی تم کو بخوبی اطلاع ہو جائے۔

(فائدہ: واضح ہو کہ ہم نے عفو کن اے میر بر سختی او الخ کو خود مولانا کی سفارش قرار دیا ہے اور اسکے تین قرینہ ہیں قرینہ اوّل سفارش عام ہے جو مولانا نے یا کرامی ارحموا اہل النوی الخ سے فرمائی ہے اور قرینہ دوم اختلاف طرزِ سفارش ہے کہ لوگوں کی سفارش میں خوشامد کا رنگ ہے۔ اور اس سفارش میں شانِ ارشاد غالب ہے اور تیسرا قرینہ مولانا کا قول باز بشنو قصۂ میر آں دگر الخ سے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک گفتگو خود مولانا کی تھی واللہ اعلم)

جواب گفتنِ امیر مر آں شفیعانِ زاہد را کہ گستاخی چرا کرد

امیر کا اُن زاہد کے سفارشیوں کو جواب دینا کہ اُس نے گستاخی کیوں کی؟

سبوی مارا چرا بشکست من دریں باب شفاعت قبول

اور ہماری بُلبلیا کیوں توڑی؟ میں اس سلسلے میں سفارش قبول

نخواہم کرد کہ سوگند خوردہ ام کہ سزای او بدہم

نہ کروں گا کیوں کہ میں نے قسم کھائی ہے، کہ اُس کو سزا دوں گا

میر[1] گفت آں کیست تا سنگے زند — بر سبوی ما سبو را بشکند

امیر نے کہا وہ کون ہوتا ہے، کہ پتھر مارے — ہماری بُلبلیا پر، بُلبلیا کو پھوڑ دے؟

چوں گذر سازد ز کویم شیرِ نر — ترس ترساں بگذرد با صد حذر

جب میرے کوچہ سے نر شیر گذرتا ہے — سینکڑوں بچاؤ کے ساتھ ڈرتا ڈرتا گذرتا ہے

بلکہ بگذارد ز ہیبت پنجہ را — مور گردد پیشِ قہرم اژدہا

بلکہ خوف سے پنجہ کو چھوڑ بھاگتا ہے — اژدھا میرے غصہ کے سامنے چیونٹی بنجاتا ہے

بندۂ ما را چرا آزرد دل — کرد ما را پیشِ مہماناں خجل

اُس نے ہمارے غلام کو دل کیوں دُکھایا؟ — اُس نے ہمیں مہمانوں کے سامنے شرمندہ کیا

شربتِ[2] کاں بہ ز خونِ اوست ریخت — ایں زماں ہمچوں زناں از ما گریخت

وہ شراب جو اُس کے خون سے بہتر تھی اُس نے بہادی — اب عورتوں کی طرح ہم سے بھاگ گیا

لیک جاں از دستِ من او کے برد — گرچہ ہمچوں مرغ بر بالا پرد

لیکن وہ میرے ہاتھ سے جان کہاں بچا سکے گا؟ — اگرچہ پرندے کی طرح اوپر کو اُڑ جائے

تیرِ قہرِ خویش بر پرش زنم — پر و بالِ مردہ ریگش بر کنم

میں اپنے قہر کا تیر اُس کے پنکھ پر ماروں گا — اُس کے ورثہ کے بال اور پر نوچ دوں گا

در شود چوں ماہی اندر آب در — از نہیبِ من شود زیر و زبر

اگر وہ مچھلی کی طرح پانی میں گھس جائے — میرے خوف سے تہ و بالا ہو جائے گا

جاں[3] نخواہد برد از شمشیرِ من — ور کند صد حیلہ و تدبیر و فن

وہ میری تلوار سے جان نہ بچا سکے گا — خواہ سینکڑوں حیلے اور تدبیر اور فن کرے

گر رود در سنگِ سخت از کوششم — از دلِ سنگش کنوں بیروں کشم

اگر وہ میری کوشش سے سخت پتھر میں گھس جائے گا — اُس کو پتھر کے اندر سے باہر نکال لوں گا

من برانم بر تنِ او ضربتے[1] — کو بود مر دیگراں را عبرتے

میں اُس کے جسم پر ایسی ضرب لگاؤں گا — جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو گی

---

[1] میر گفت۔ سفارشیوں کے جواب میں امیر نے کہا کہ اُس زاہد کی کیسے ہمت ہوئی کہ میری مٹکی پھوڑ دی میری گلی پر نر شیر بھی گذرتا ہے تو ڈرتا ہوا گذرتا ہے بلکہ خوف سے اپنے پنجے چھوڑ بھاگتا ہے، میرے سامنے اژدھا بھی چیونٹی بن جاتا ہے۔ بندہ۔ اس نے میرے غلام کو ستایا مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ کیا۔

[2] شربت۔ ایسی قیمتی شراب بہادی جو اس کے خون سے بھی زیادہ قیمت کی تھی اور آپ ڈر کر عورتوں کی طرح گھر میں گھس گیا۔ لیک۔ لیکن یہ میرے ہاتھ سے بچ نہ سکیگا اگر یہ پرندہ بن کر اڑے گا تو بھی تیر چلا کر چاک کر دونگا۔ در شود۔ اگر مچھلی بن کر پانی میں گھسے گا میرا قہر وہاں بھی اس کو تہ و بالا کر دے گا۔

[3] جاں نخواہد۔ وہ خواہ کوئی تدبیر کرے مجھ سے بچ نہ سکے گا۔ گر رود۔ اگر وہ پتھر کے دل میں گھسے گا میں اس کو وہاں سے بھی نکال لاؤں گا۔

[1] ضربت۔ مار۔ کہ بود۔ اس کو پٹتا دیکھ کر دوسرے عبرت حاصل کریں گے اور ان کو ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہو گی۔ کہ آیا۔ اس زاہد کا کام مکاری اور حیلہ بازی ہے

اور یہ طریقہ اس نے اپنی شہرت کا تلاش کیا ہے۔ سب سے تو مکر کرتا تھا مجھ سے بھی اس نے مکاری برتی اب اس کو اور اس جیسے سینکڑوں کو سزا دونگا۔ خشم۔ اس امیر کو اس قدر غصہ آرہا تھا کہ اس کے منھ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

کارِ اُو سالوس و زرق و حیلت است
اُس کا کام مکر اور فریب اور حیلہ ہے

لیک مقصودش بیانِ شہرت است
لیکن اُس کا مقصد شہرت ظاہر کرنا ہے

با ہمہ سالوس و با ما نیز ہم
سب کے ساتھ مکر اور ہمارے ساتھ بھی

دادِ اُو و صد چو اُو ایں دم دہم
پس اُس کا اور اُس جیسے سینکڑوں کا ابھی انصاف کرونگا

بر سرش چنداں زنم گرزِ گراں
بھاری گرز اُس کے سر پر اتنے ماروں گا

کز تنش بیروں رود جان و رواں
کہ اُس کے جسم سے روح اور جان باہر نکل جائے

خشمِ خونخوارش شدہ بُد سرکشے
اُس (امیر) کا خونخوار غصہ بے قابو ہو گیا تھا

از دہانش می بر آمد آتشے
اُس کے مُنھ سے آگ نکل رہی تھی

شرح

امیر نے جواب دیا کہ وہ ہمارے گھڑے کو پتھر مار کر توڑ دینے والا کون ہوتا تھا اور اس نے کیوں توڑا۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ جب ہمارے کوچہ سے شیر نر گذرتا ہے تو وہ بھی بہت ڈرتا ڈرتا گذرتا ہے۔ بلکہ ہیبت سے اپنا پنجہ ہمارے کوچہ میں چھوڑ جاتا ہے یا یوں کہو کہ اپنا زور اور سرکشی چھوڑ دیتا ہے اور اژدہا ہمارے قہر کے سامنے چیونٹی ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے اس نے میری گستاخی کی پس وہ ضرور قابل سزا ہے آخر اس نے ہمارے غلام کو کیوں ستایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہم کو اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ ہم اسے ضرور سزا دیں گے اس نے وہ شراب گرائی جو کہ اس کے خون سے بہتر تھی۔ پھر اس کا خون کیوں نہ بہایا جائے اس نے یہ گستاخی کی۔ مگر اب عورتوں کی طرح ہمارے سامنے سے بھاگ گیا لیکن وہ اس تدبیر سے بچ نہیں سکتا۔ وہ اگر پرندہ بن کر ہوا میں اُڑ جائے گا تب بھی ہم سے جانبر نہ ہوگا ہم اپنے قہر کا تیر اس کے پر پر ماریں گے اور اس کے ذلیل پر و بازو توڑ ڈالیں گے اور اگر وہ مچھلی بن کر پانی میں چلا جائے گا تب بھی وہ نجات نہ پائے گا کیوں کہ میرے خوف سے وہاں بھی وہ برباد ہو جائے گا۔

الغرض! وہ میری تلوار سے نجات نہیں پا سکتا خواہ وہ سینکڑوں تدبیریں کر لے اگر وہ پتھر میں بھی گھس جائے گا۔ تب بھی میں اپنی کوشش سے اسے پتھر میں

سے نکال لوں گا اور اس کے جسم پر ایسی کاری ضرب لگاؤں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ اس کا کام مکر اور فریب اور حیلہ ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ وہ برا ہو۔ مگر با ایں ہمہ اس کا مقصود یہی نیکنامی کا ظہور ہے خیر اوروں کے ساتھ تو وہ مکر کرتا ہی تھا۔ ہم سے بھی فریب کرتا ہے پس میں اس کی اور ایسے سینکڑوں کی بھی گت بناؤں گا اور اس کے سر پر اتنے گرز ماروں گا کہ اس کے جسم سے جان نکل جائے۔ الغرض اس کا خونخوار غصہ سرکش ہو گیا تھا جو کہ کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا اور اس کے منہ سے آگ نکل رہی تھی۔

دوم بار دست و پائے امیر را بوسہ دادن و لابہ کردنِ
اس زاہد کے پڑوسیوں اور سفارشیوں کا امیر کے ہاتھ پاؤں کو دوبارہ بوسہ

شفیعان و ہمسایگانِ زاہد
دینا اور خوشامد کرنا

آں شفیعاں از دم وہیہای او[1]
ان سفارشیوں نے اس کے شور و غوغا، دھمکی کی وجہ سے

چند بوسیدند دست و پای او
اس کے ہاتھ پاؤں بہت چومے

کاے امیر از تو نشاید کیں کشی
کہ اے امیر بدلہ لینا آپ کے مناسب نہیں ہے

گر بشد بادہ تو بے بادہ خوشی
اگر شراب جاتی رہی تو آپ بغیر شراب کے اچھے ہیں

بادہ سرمایہ ز لطف تو برد
شراب آپ کے سرور سے سرمایہ حاصل کرتی ہے

لطف آب از لطف تو حسرت خورد
پانی کا لطف آپ کے لطف پر حسرت کرتا ہے

بادشاہی کن بہ بخشش اے رحیم
اے رحم کرنیوالے! بادشاہی کر اسکو بخش دے

اے کریم ابن الکریم ابن الکریم
اے داتا! داتا کے بیٹے، داتا کے پوتے

ہر شرابے[2] بندۂ ایں قد و خد
ہر شراب اس قد اور رخسار کی غلام ہے

جملہ مستاں را بود بر تو حسد
تمام مستوں کو آپ پر حسد ہے

ہیچ محتاج مے گلگوں نہ
تو کسی گلابی شراب کا محتاج نہیں ہے

ترک کن گلگونہ تو گلگونہ
تو غازہ کو چھوڑ، تو خود غازہ ہے

اے رخ[3] چوں زہرہ ات شمس الضحیٰ
تیرا زہرہ جیسا رخ دن چڑھے کا سورج ہے

اے گدای رنگ تو گلگونہا
غازے تیرے رنگ کے بھکاری ہیں

---

[1] آں شفیعاں۔ سفارشیوں نے دوبارہ اس امیر کے ہاتھ پاؤں خوب چومے۔ کیں کشی۔ بدلہ لینا۔ گر بشد۔ امیر سے کہا اگر آپ کی شراب ضائع ہو گئی ہے تو کیا مضائقہ ہے، آپ بغیر شراب کے بھی خوب بھلے ہیں۔ بادہ۔ شراب تو آپ کے سرور سے فیضیاب ہے اور پانی کی پاکیزگی آپ کی پاکیزگی کے سامنے ہیچ ہے۔

[2] ہر شرابے۔ آپ کا قد اور رخسار بغیر شراب کے حسین اور خوبصورت ہے اور آپ میں بغیر شراب کے وہ مستی ہے کہ مست اس پر حسد کرتے ہیں۔ ہیچ۔ آپ کا رنگ خود گلگون ہے آپ کو گلگوں شراب کی اور گلگال کی کیا ضرورت ہے۔

[3] اے رخ۔ جبکہ آپ کا رخ خود سورج ہے اور گلگال آپ کے رنگ کا محتاج ہے تو آپ کو شراب درکار ہے نہ گلگال۔

بادہ کاندر خُم ہمی جوشد نہاں — ز اشتیاقِ روی تو جوشد چناں

چھپی ہوئی شراب جو مٹکے میں جوش مار رہی ہے — تیرے چہرے کے شوق میں اس طرح جوش مار رہی ہے

اے ہمہ دریا چہ خواہی کرد نم — وے ہمہ ہستی چہ می جوئی عدم

اے مجسّم دریا! تو شبنم کا کیا کرے گا؟ — اے مجسّم ہستی! تو عدم کا جویاں کیوں ہے؟

اے مہِ تاباں چہ خواہی گرد کرد — اے کہ خور در پیشِ رویت روی زرد

اے چمکدار چاند! تو گرد کا کیا کرے گا؟ — اے وہ کہ تیرے چہرے کے سامنے سورج کا چہرہ زرد ہے

تو خوشی و خوب و کانِ ہر خوشی — تو چرا خود منّتِ بادہ کشی

تو بھلا ہے اور خوبصورت اور تو ہر بھلائی کی کان ہے — تو کیوں شراب کا احسان لیتا ہے؟

تاجِ[۲] کرّمناست بر فرقِ سرت — طوقِ اعطیناک آویزِ برت

تیرے سر پر "ہم نے مکرّم بنایا" کا تاج ہے — "ہم نے آپ کو دیا" کا ہار تیرے سینے کا آویزہ ہے

جوہرست انسان و چرخ او را عرض — جملہ فرع و سایہ اند و او غرض

انسان جوہر ہے اور آسمان اُس کا عرض ہے — سب سایہ اور فرع ہیں اور وہ مقصود ہے

اے غلامت عقل و تدبیرات و ہوش — چوں چنینی خویش را ارزاں فروش

اے وہ کہ عقل اور تدبیریں اور ہوش تیرے غلام ہیں — تو اپنے آپ کو اتنا سستا بیچنے والا کیوں ہے؟

خدمتت[۳] بر جملہ ہستی مفترض — جوہرے چوں نُزد خواہد از عرض

تمام موجودات پر تیری خدمت فرض ہے — جوہر، عرض سے کیسے مزدوری چاہے گا؟

علم جوئی از کتبہا اے فسوس — ذوق جوئی تو ز حلوای سبوس

اے افسوس! تو کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے — تو بھوسی کے حلوے سے لطف حاصل کرتا ہے

بحرِ علمی در نمے پنہاں شدہ — در سہ گز تن عالمے حیراں شدہ

تو قطرے میں چھپا ہوا علم کا سمندر ہے — تین گز کے جسم میں عالم حیران ہو گیا ہے

مے چہ باشد یا جماع و یا سماع — تا بجوئی زو نشاط و انتفاع

شراب، یا جماع، یا سماع کیا ہوتا ہے؟ — کہ تو اُس سے نشاط اور نفع اندوزی چاہتا ہے

آفتاب[۴] از ذرہ کے شد وام خواہ — زہرہ از جمرہ کے شد کام خواہ

سورج، ذرے سے قرض مانگنے والا کب بنا ہے؟ — زہرہ، انگارے سے کب مقصد کا خواہاں ہوا ہے؟

جانِ بے کیفے شدہ محبوسِ کیف — آفتابے حبسِ عقدہ اینت حیف

بے کیف جان، کیف میں مقید ہو گئی — سورج عقدہ میں پھنس گیا یہ افسوس ہے

بادہ۔ شراب میں جو جوش ہے وہ آپ کے چہرے کے شوق کی وجہ سے ہے۔ اے ہمہ۔ سمندر کو قطرے کی کیا ضرورت ہے۔ وے۔ آپ مجسّم وجود ہیں زاہد کو معدوم کر کے کیا کریں گے۔ تو خوشی۔ آپ خود مجسّم خوشی ہیں شراب سے خوشی حاصل کر کے کیا کریں گے۔

۲؎ تاجِ کرّمنا۔ کائنات پر انسانی فضیلت کے بیان میں قرآن پاک میں ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ "اور البتہ ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت بخشی ہے"۔ قرآن پاک میں ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ "بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے" اگرچہ یہ آنحضورؐ کی خصوصیت ہے لیکن یہ فضیلت آنحضورؐ کو انسانِ کامل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ بر۔ سینہ، بغل۔ جوہرست۔ انسان بمنزلہ جوہر کے ہے اور تمام کائنات بمنزلہ عرض کے ہے قرآن پاک میں ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا "جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔ چوں چنینی۔ جبکہ انسان کے یہ فضائل ہیں تو اُس کو اپنے آپ کو رائیگاں نہ کرنا چاہیئے۔

۳؎ خدمتت۔ کائنات انسان کی خدمتگار ہے۔ تم۔

۴؎ آفتاب۔ انسان آفتاب ہے اور کائنات ذرات ہے۔ زہرہ۔ یہ ستارہ خود چمکدار ہے۔ جان۔ روح مجرّد وہ کم اور کیف سے منزّہ ہے۔ عقدہ۔ وہ برج جس میں پہنچ کر سورج گہن میں آ جاتا ہے۔

انسان کو علم کا ذوق حاصل کرنا چاہیئے۔ حلوای سبوس۔ یعنی گھٹیا چیز۔ بحرِ علمی۔ انسان علم کا سمندر ہے اُس کو معمولی علوم میں منہمک نہ ہونا چاہیئے۔ نم۔ قطرہ۔ ذرہ۔ صوفیا کے نزدیک انسان عالمِ اکبر ہے۔ مے چہ باشد۔ دنیا کی لذتیں فانی ہیں۔ انتفاع۔ نفع حاصل کرنا۔

شرح

ان سفارشی لوگوں نے اس کی گفتگو اور شور و شغب کے سبب بہت کچھ اسکے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا کہ اے امیر آپ کو اس سے انتقام لینا مناسب نہیں کیونکہ اگر شراب جاتی رہی تو اسکی جانے سے آپکے اندر کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ اور اس سے آپکے کمال میں فرق نہیں آیا۔ بلکہ آپ تو بدوں اس کے بھی اسی طرح اچھے ہیں جیسے پہلے تھے توجبکہ اس کے جانے سے آپ کا کچھ ضرر نہیں ہوا تو آپ انتقام کی فکر کیوں کرتے ہیں۔ آپ کے خوبی کی تو یہ حالت ہے کہ خود شراب اس سے خوبی حاصل کرتی ہے اور آپ کی پاکیزگی کی تو یہ حالت ہے کہ اس پر پانی کی پاکیزگی کو حسرت ہوتی ہے۔ پس اے رحیم اور کریم کے بیٹے اور کریم کے پوتے آپ بادشاہی کو کام فرمایئے اور اس کا قصور معاف کیجیے ــــ صاحب شراب کی تو یہ حالت ہے کہ وہ آپکے قد اور رخسار کی لونڈی ہے اور تمام مستوں کو آپ پر رشک ہوتا ہے کہ آپ ایسی شراب رکھتے ہیں جس کی شراب معروف لونڈی ہے یعنی شراب حسن۔ پس آپکو بادۂ گلگوں کی اصلاً ضرورت نہیں ہے آپ اسکی جانے کا افسوس نہ کریں۔ اے امیر! آپ کا زہرہ کی مانند چہرہ خود آفتاب چاشت کی مانند ہے اور گلگونہ آپکے رنگ کے گدا ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اسکو بالکل ترک فرمادیں کیونکہ آپ تو خود گلگوں ہیں۔ آپ کو شراب پی کر چہرہ کو گلگوں بنانے کی کیا حاجت ہے۔

شراب جو خم میں جوش کھاتی ہے تو یہ اس کا اس طرح جوش کھانا آپکے چہرہ کے اشتیاق میں ہے ــــ اجی آپ تو سراسر دریائے خوبی ہیں پس آپ تم یعنی اس معمولی خوبی کو کیا کریں گے جو کہ شراب سے حاصل ہوتی ہے۔ اور آپ تو سراپا ہستیٔ کمال ہیں۔ آپ کمال شراب کو کیوں طلب کرتے ہیں جو کہ آپکے کمال کی مقابلہ میں بمنزلہ عدم کے ہے اور آپ عقل کے لحاظ سے ماہ تاباں ہیں۔ آپ نشۂ شراب کو کیا کریں گے جو کہ اسکے لئے بمنزلہ گرد کے ہے اور آپ کی تو یہ حالت ہے کہ آپ کے حسن کے مقابلہ میں آفتاب شرمندہ ہے۔ اور آپ تو سراپا خوبی۔ اور سراسر خوب اور ہر خوبی کی کان ہیں آپ شراب کا احسان کیوں لیتے ہیں۔ آپکے سر پر کرمنا کا تاج ہے اور اعطیناک الکوثر

کا طوق آپ کے سینہ پر لٹکتا ہے یعنی معظم و مکرم ہیں اور خدا نے آپ کو بہت کچھ کمالات عطا فرمائے ہیں۔ پھر آپ اپنے کو ایک ذلیل اور خسیس شے شراب کا محتاج کیوں سمجھتے ہیں۔

یہ باتیں آپ کے شایاں نہیں ہیں آپ شراب کا خیال چھوڑیں اور زاہد کو معاف فرمادیں

آگے مولانا مطلق انسان کی حالت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان متبوع ہے اور آسمان وجود میں اس کا تابع اسلئے وہ بمنزلہ جوہر کے ہے اور آسمان بمنزلہ عرض کے۔ اور آسمان ہی کی تخصیص نہیں۔ بلکہ تمام ممکنات خلقت ہیں اس کے تابع ہیں اور وہ مقصود بالخلقت پس ہم اس کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو کہ اس قدر عالی رتبہ ہے کہ عقول و تدبیرات اور ہوش تیرے خادم ہیں۔ تو نے اپنے کو اس قدر معمولی قیمت میں کیوں بیچ... رکھا ہے کہ ادنیٰ اور معمولی لذت کے لیے ہر خسیس شے کا غلام بنا ہوا ہے ارے تیری خدمت تو تمام کائنات پر لازم ہے پھر تو اپنے غلاموں کا غلام کیوں بنا ہوا ہے اور ان سے اپنے خدمتوں کا صلہ کیوں چاہتا ہے بھلا کہیں جوہر بھی اعراض سے خدمت کرتا۔ اور ان سے کوئی منفعت چاہتا ہے ہرگز نہیں۔ پس تو کیوں چاہتا ہے۔

ہائے افسوس تو کتابوں سے علم چاہتا ہے اور بھوسے کے حلوے سے لذت چاہتا ہے کس قدر غضب کی بات ہے۔ ارے تیرا مقصود اصلی تو صرف علم لدنی اور لذتِ وصال حق سبحانہٗ ہونا چاہیئے۔ اور کتب اور حلوے اسبوس وغیرہ کو خدمتگاروں کے درجہ میں رکھنا چاہیئے اور ان سے یوں کام لینا چاہیئے جیساکہ خدمتگاروں سے لیتے ہیں مگر تو نے خود ان کو مقصود اصلی بنالیا ہے اور ان کی خدمت کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیا ہے تو تو علم حقیقی کا ایک سمندر ہے جو کہ تری یعنی علم ظاہری میں مستور ہوگیا ہے اور گو تیرا قد تین گز کا ہے مگر تیری جامعیت کمالات ہیں جو کہ درجہ استعداد میں تیرے لیے حاصل ہے۔ ایک عالم حیران ہے پس جبکہ تیری حالت یہ ہے تو شراب یا جماع یا راگ باجے کیا چیز ہیں کہ تو ان سے تفریح اور نفع کا طالب ہو۔ تو تو ایسا ہے جیسا آفتاب! اور دیگر اشیاء ایسی ہیں جیسے ذرہ! بھلا کہیں آفتاب بھی ذرہ سے کمال کا طالب ہوتا ہے ہرگز نہیں تو پھر تو ان سے کیوں طالب ہوتا ہے نیز تیری ایسی مثال ہے جیسے زہرہ اور دوسری اشیاء کی ایسی

مثال ہے جیسے چنگاری۔ پھر کہیں زہرہ بھی چنگاری سے کوئی مقصود حاصل کرتا ہے جبکہ نہیں کرتے تو تو کیوں کرتا ہے۔ افسوس کہ تیری روح جو خود بے کیف اور عالمِ ناسوتی سے خارج تھی۔ کیف یعنی عالم ناسوت میں گرفتار ہو گئی ہے اور اس طرح اُس کے کمالات مخفی ہو گئے ہیں اور اس لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ آفتاب گرہ میں آکر گہن میں پڑ گیا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے (فائدہ علم ہیئت میں یہ امر مقرر ہے کہ جب آفتاب اور ماہتاب عقدہ راس یا ذنب پر مجتمع ہوتے ہیں تو سورج گہن ہوتا ہے پس آفتاب حبس عقدہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے اور حبس عقدہ کنایہ ہے کسوف آفتاب سے۔)

باز جواب گفتنِ امیر مرشفیعاں را

امیر کا سفارشیوں کو پھر جواب دینا

گفت نے نے من حریفِ آں میَم — من بذوقِ ایں خوشی قانع نیَم

اُس نے کہا نہیں نہیں میں اس شراب کا دوست ہوں — میں اس خوشی کے ذوق پر قانع نہیں ہوں

وارہیدہ از ہمہ خوف و اُمید — کز ہمی گردم بہر سو ہمچو بید

میں سب خوفوں اور امیدوں سے نجات پائے ہوئے ہوں — بید کی طرح ہر جانب کو جھومتا ہوں

منؔ چناں خواہم کہ ہمچوں یاسمیں — کز شوم گاہے چناں گاہے چنیں

میں ایسا چاہتا ہوں، کہ یاسمین کی طرح — جھوموں، کبھی یوں کبھی یوں

ہمچو شاخِ بید گرداں چپ و راست — کہ ز بادش گونہ گونہ رقصہاست

بائیں اور دائیں جانب گردید کی شاخ کی طرح جھومتا رہوں — جس کے ہوا کی وجہ سے طرح طرح کے رقص ہیں

گفت۔ امیر نے کہا میں اس شراب کا دوست نہیں ہوں بلکہ میں شراب معرفت کا دوست ہوں۔ بید۔ بید کا درخت پابند نہیں ہے ہر طرف کو جھومتا ہے

۲ھ من چناں۔ میں ہر طرح سے آزاد ہوں۔ آگر جس کو معنوی شراب حاصل ہو گئی وہ اس شراب سے مستی کیوں حاصل کریگا۔ انبیاء۔ اولیاء کو معنوی شراب حاصل ہے ان کی فطرت میں اللہ سے محبت کرنا ہے۔

شرح

امیر نے جواب دیا کہ ہم ان باتوں کو نہیں سنتے ہم کو شراب سے تعلق ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر امید و وہم سے جدا ہو کر ہر طرف بید کی طرح جھومیئے۔ اور ہم کو تو بس یہ مطلوب ہے کہ یاسمین کی طرح کبھی ادھر جھک جائیں اور کبھی اُدھر۔ اور اس شاخ بید کی طرح جو کہ ہوا کے سبب طرح طرح رقص کرتی ہے۔ ہم بھی کبھی بائیں جانب حرکت کریں اور کبھی دائیں جانب۔ اور یہ بات سوائے شراب کے اور شے میں نہیں ہے لہٰذا ہم کو شراب کے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں ہے

آنکہ خُو کرد ست با شادیِ مَے ۔۔۔ ایں خوشی را کے پسندد خواجہ کے
جس نے شرابِ معرفت کی خوشی کی عادت ڈال لی ہو ۔۔۔ اِس خوشی کو کب پسند کرتا ہے! اے صاحب کب؟

انبیا زاں زیں خوشی بیروں شدند ۔۔۔ کہ سرشتہ در خوشیِ حق بُدند
انبیاء اِس خوشی سے اسی لئے علیحدہ ہو گئے ۔۔۔ کیونکہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی خوشی میں گندھے ہوئے تھے

زانکہ جانِ شاں آں[۵۳] خوشی را دیدہ بُود ۔۔۔ ایں خوشیہا پیشِ شاں بازی نمود
کیونکہ اُن کی جان نے اُس خوشی کو دیکھا ہے ۔۔۔ یہ خوشیاں اُن کے لئے کھیل نظر آتی ہیں

ہر کہ را نورِ حقیقی رُو نمُود ۔۔۔ کے شود قانع بتاریکی وَ دُود
جس کے لئے حقیقی نور نمودار ہو گیا ہو ۔۔۔ وہ اندھیرے اور دھوئیں پر کب قناعت کرتا ہے؟

وانکہ در جوعِ اُو طعامُ اللہ خورد ۔۔۔ کے زنان و شوربا حسرت بَرد
اور جو شخص بھوک میں خدا کا کھانا کھائے ۔۔۔ وہ روٹی اور شوربے کی تمنا کب کرتا ہے؟

وانکہ باشد خفتہ اندر گلستاں ۔۔۔ میلِ گلخن کے کُند چوں ابلہاں
اور جو شخص گلستاں میں سویا ہوا ہو ۔۔۔ وہ بیوقوفوں کی طرح بھٹی کی خواہش کب کرتا ہے؟

چوں[۵۴] کُند مُستسقی از آب اجتناب ۔۔۔ چوں کُند مخمُور دُوری از شراب
استسقا کا مریض، پانی سے کیسے پرہیز کرے؟ ۔۔۔ شرابی، شراب سے کیسے دُور ہو؟

سیر نبُود ہیچ عاشق از حبیب ۔۔۔ صبر نکُند ہیچ رنجور از طبیب
عاشق، معشوق سے کبھی سیر نہیں ہوتا ہے ۔۔۔ کوئی بیمار، طبیب سے صبر نہیں کرتا ہے

بابتِ[۵۵] زندہ کسے چوں گشت یار ۔۔۔ مُردہ را چوں در کشد اندر کنار
جو شخص زندہ معشوق کا دوست ہو گیا ہو ۔۔۔ وہ مُردے سے بغل گیر کب ہوگا؟

مُردہ را کس در کنار آرد مگر ۔۔۔ کو ندارد در جہاں از دل خبر
ہاں، مُردے کو وہ بغل میں لے گا ۔۔۔ جس کو دنیا میں دل کا پتہ نہ چلے

[۵۳] آں خوشی۔ اللہ کی خوشی۔ ایں خوشیہا۔ ظاہری خوشیاں۔ ہر کہ۔ حقیقی نور کے بالمقابل ہر چیز تاریک ہے۔ وانکہ۔ حدیث شریف ہے۔ اَلجُوعُ طَعَامُ اللہِ یُرزِقُ بِہٖ الصَّادِقِیْنَ "بھوک اللہ کا کھانا ہے جس کے ذریعہ سچوں کو رزق دیتا ہے۔" گلستاں۔ اللہ کی خوشی۔ گلخن۔ بھٹی یعنی ظاہری خوشی۔

[۵۴] چوں کند جس طرح استسقاء کا مریض پانی سے سیر نہیں ہوتا اور شرابی شراب سے کنارہ کش نہیں ہوتا یہی حال نورِ حقیقی کے عاشق کا ہے۔

[۵۵] بابتِ زندہ۔ یعنی عالمِ آخرت کا عاشق۔ مُردہ۔ یعنی یہ دنیا۔ کنار۔ بغل۔ تفسیر۔ اس آیت میں عالمِ آخرت کی زندگی اور دنیا کی مُردگی بتائی ہے۔

تفسیرِ ایں آیہ کہ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

اِس آیت کی تفسیر کہ اور بیشک آخرت کا گھر وہی زندہ ہے کاش وہ جان لیتے،

کہ در و دیوار و عرصۂ آں عالَم ۔۔۔ و آب و کوزہ و میوہ و درخت
کیونکہ اُس عالم کے در اور دیوار اور صحن اور پانی اور پیالہ اور پھل اور درخت

ہمہ زندہ اند و سخن گو و سخن شنو جہت آں فرمودہ مصطفیٰ
سب زندہ ہیں اور بات کرنے والے اور بات سننے والے، اِسی لئے حضرت مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کہ اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَّطَالِبُھَا کِلَابٌ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مُردار ہے اور اُس کے طلبگار کُتے ہیں

اگر آخرت را حیات نبودے آخرت ہم جیفہ بودے جیفہ
اگر آخرت کے لئے زندگی نہ ہوتی آخرت بھی مُردار ہوتی، مُردار کو

را از برائے مُردگیش جیفہ[۳۵] گویند نہ برائے بوئے زشت
اس کے مُردہ ہونے کی وجہ سے مُردار کہتے ہیں، نہ کہ بدبو کی وجہ سے

آں جہاں چوں ذرہ ذرہ زندہ اند — نکتہ دانند و سخن گویندہ اند
جبکہ اُس جہان کا ذرہ ذرہ زندہ ہے — وہ نکتہ کو سمجھنے والے اور بات کرنے والے ہیں

در جہانِ مُردہ شاں آرام نیست — کایں عَلَف جز لائقِ انعام نیست
مُردہ جہاں میں اُن کو راحت نہیں ہے — کیونکہ یہ چارہ چوپاؤں ہی کے لائق ہے

ہر کرا گلشن بود بزم و وطن — کے خورد او بادہ اندر گولخن
جس شخص کی مجلس اور وطن چمن ہو — وہ بھٹی میں شراب کب پیئے گا؟

جای روحِ پاک علیین[۱] بود — جای روحِ ہر نجس سجیں بود
پاک روح کا مقام علیین ہے — ہر ناپاک روح کا مقام سجین ہے

جای بلبل گلبن و نسریں بود — کِرم باشد کش وطن سرگیں بود
بلبل کا مقام، بوٹا اور نسرین ہے — کیڑا ہوتا ہے، جس کا وطن گوبر ہوتا ہے

بہرِ مخمورِ خدا جامِ طہور — بہرِ ایں مُرغانِ کور ایں آبِ شور
خدا کے مست کے لئے (شرابِ) طہور کا جام ہے — ان اندھے پرندوں کے لئے کھاری پانی ہے

ہر کرا عدلِ عمرؓ ننمود دست — پیشِ او حجاجِ خونی عادل ست
جس کے لئے عمرؓ کا انصاف نمودار نہ ہوا — اُس کے لئے خونی حجاج منصف ہے

دختراں را لعبتِ مُردہ دہند — کز لعبِ زندگاں بے آگہند
لڑکیوں کو مُردہ گڑیاں دیتے ہیں — کیونکہ وہ زندوں کے کھیل سے واقف نہیں ہیں

چوں ندارند از فتوت زور دست — کودکاں را تیغِ چوبیں بہتر ست
جبکہ جوانی کی قوت، بازو نہیں رکھتے ہیں — بچوں کے لئے لکڑی کی تلوار بہتر ہے

کافراں قانع بہ نقشِ انبیا — کہ نگاریدہ ست اندر دیرہا
کافر انبیاء کی تصویروں پر قانع ہیں — جو کہ انھوں نے گرجا گھروں میں بنا رکھی ہیں

واں[۲] جہاں مارا چو روزِ روشنے ست — ہیچ ماں پروای نقش و سایہ نیست
وہ جہان ہمارے لئے روشن دن کی طرح ہے — ہمیں تصویر اور سایہ کی کچھ پروا نہیں ہے

واں یکے نقشش نشستہ در جہاں — واں دگر نقشش چو مہ بر آسماں
اُن کا ایک نقش دنیا میں بیٹھا ہوا ہے — اور اُن کا دوسرا نقش چاند کی طرح آسمان پر ہے

ایں دہانش نکتہ گویاں با جلیس — واں دگر با حق بگفتار و انیس
اُن کا یہ منہ ہم نشین سے نکتے کہتا ہے — اور وہ دوسرا اللہ (تعالیٰ) کا ہمکلام اور دوست ہے

---

۳۵ جیفہ۔ مُردار۔ شاں۔ یعنی اہلِ آخرت۔ علف۔ چارہ۔ انعام۔ چوپائے۔ گولخن۔ بھٹی۔

۱ علیین۔ جنت کا اعلیٰ مقام ہے۔ سجین۔ جہنم کا بُرا مقام ہے۔ کِرم۔ کیڑا۔ سرگیں۔ گوبر۔ طہور۔ جو خاصانِ خدا ہیں وہ شراب طہور پیتے ہیں۔ مُرغانِ کور۔ دنیا دار۔ حجاج۔ یعنی یوسف ثقفی کا بیٹا۔ لعبت۔ کھلونا گڑیا۔ لعب زندگاں۔ یعنی شادی بیاہ۔ فتوت۔ جوانی۔ نقش۔ یعنی بُت تصویر۔

۲ واں جہاں۔ چونکہ ہمارے لئے عالمِ آخرت روزِ روشن کی طرح ہے لہٰذا ہمیں تصاویر کی کوئی پروا نہیں ہے۔ نقش و سایہ۔ تصویر نقش سے اور عکس سے بنتی ہے۔ یکے نقشش۔ انبیا کا ایک نقش دنیا میں ہوتا ہے اور ایک نقش عالمِ بالا پر ہوتا ہے۔ ایں دہاں۔ ظاہری نقش کے اعضا دنیا کے کاموں میں ہوتے ہیں اور دوسرے اعضا حضرتِ حق کے ساتھ مصروف رہتے ہیں۔

گوشِ[۳] ظاہر ضبطِ ایں افسانہ کُن — گوشِ جانش جاذبِ اسرارِ کُن

ظاہری کان اِس افسانے کو سننے والا ہے — اُس کی جان کا کان "کُن" کے رازوں کو جذب کرنیوالا ہے

چشمِ ظاہر ضابطِ حُلیہ بشر — چشمِ سر حیرانِ مَا زَاغَ الْبَصَرُ

ظاہری آنکھ انسان کے حُلیے کو محفوظ رکھنے والی ہے — باطنی آنکھ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ" میں حیران ہے

دستِ ظاہر میکُند داد و سِتَد — دستِ باطن بر درِ فردِ صَمَد

ظاہری ہاتھ لین دین کرتا رہتا ہے — باطنی ہاتھ، یکتا بے نیاز کے دَر پر ہے

پایِ ظاہر در صفِ مسجد صوافِ[۱] — پایِ معنیٰ فوقِ گردوں در طواف

ظاہری پاؤں مسجد کی صف میں صف باندھنے والوں میں ہے — باطنی پاؤں آسمان پر طواف میں ہے

جُزو جُزوش را تو بشمر ہمچنیں — ایں دُرونِ وقت و آں بیرونِ حِیں

تو اُس کے جُزو جُزو کو اسی طرح گن لے — یہ زمانہ کے اندر ہے اور وہ وقت سے باہر ہے

اینکہ در وقتست باشد تا اجل — واں دگر یارِ اَبد قرنِ ازل

یہ جو وقت میں ہے موت تک ہے — اور وہ دوسرا ابد کا یار، ازل کا ساتھی ہے

ہستِ[۲] یک نامش ولیُ الدولتین — واں دِگر نامش امامُ القبلتین

اُس کا ایک نام "دونوں دولتوں کا والی" ہے — اور اُس کا دوسرا نام "دونوں قبلوں کا امام" ہے

خلوت و چلہ برو لازم نماند — ہیچ غیمے مر وُرا غامُم نماند

تنہائی اور چلہ کشی، اُس کے لئے ضروری نہ رہی — کوئی ابر اُس پر چھانے والا نہ رہا

قرصِ خورشیدست خلوت خانہ اش — کے حجاب آرد شبِ بیگانہ اش

اُس کا تنہائی کا گھر، سورج کی ٹکیا ہے — اجنبی رات اس کے لئے کب پردہ ڈال سکتی ہے!

علتِ[۳] و پرہیز شُد بُحراں نماند — کفرِ اُو ایماں شُد و کُفراں نماند

بیماری اور پرہیز ختم ہو گیا، بُحران نہ رہا — اُس کا کفر ایمان بن گیا ناشکری نہ رہی

چوں اَلِف از استقامت شُد بہ پیش — اُو ندارد ہیچ از اوصافِ خویش

اَلِف کی طرح راستی سے وہ پیشی میں پہنچ گیا — اُس کا اب کوئی اپنا وصف نہ رہا

گشت فرد از کسوتِ خوہائے خویش — شُد برہنہ جاں بجاں افزایِ خویش

وہ اپنی عادتوں کے لباس سے برہنہ ہو گیا — ننگی جان کیساتھ اپنی جان بڑھانیوالے کیجانب روانہ ہو گیا

چوں برہنہ رفت پیشِ شاہِ فرد — شاہ ہش از اوصافِ قدسی جامہ کرد

جب یکتا شاہ کے پاس، وہ ننگا پہنچا — شاہ نے اُس کو قدسی اوصاف کا لباس پہنا دیا

خلعتے پوشید از اوصافِ شاہ — بر پرید از چاہ تا ایوانِ جاہ

اُس نے شاہ کے اوصاف کا لباس پہن لیا — کنویں سے مرتبہ کے محل پر اڑ کر چلا گیا

لہٰذا اُس کے مراتب بہت بلند ہو گئے۔ ایں چنیں۔ جب طبیعت صاف ہو جاتی ہے طبع کے بالائی حصہ میں آجاتی ہے۔

[۳] گوشِ ظاہر۔ ظاہری کان انسانوں کی باتیں سنتا ہے باطنی کان اللہ تعالیٰ کے اسرار سنتا ہے۔ چشمِ ظاہر۔ ظاہری آنکھوں سے انسانوں کے حلیے دیکھتے ہیں۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے بارے میں ہے کہ آپ کی آنکھ نے نہ کجی برتی اور نہ سرکشی کی بلکہ صحیح دیکھا یعنی اولیاء مشاہدۂ حق میں حیران رہتے ہیں۔

[۱] صواف۔ صف بندی کرنیوالے نمازی۔ یعنی جسم ظاہری زمان و مکان کا پابند ہے۔ واں۔ یعنی جسم علوی زمان اور مکان سے پاک ہے۔ اینکہ یعنی جسم عنصری۔ اجل۔ موت۔ قرن۔ قرین ساتھی یعنی جسم علوی ابدی اور ازلی ہے۔

[۲] ہست۔ جس طرح اس کے دو جسم ہیں اسی طرح نام بھی دو ہیں۔ وَلیُّ الدَّولتین۔ دنیا اور آخرت کی سلطنت کا والی۔ امامُ القبلتین۔ یعنی بیت اللہ اور بیت المقدس کا امام۔ خلوت۔ اب اس کو نہ تنہائی کی ضرورت ہے نہ چلہ کشی کی وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے رات اس کے لئے حجاب نہیں ہو سکتی۔ شبِ بیگانہ۔ یعنی اس کے لئے ہر وقت دن ہے رات کی تاریکی اس کے لئے حجاب نہیں ہے۔

[۳] علت۔ یعنی نہ اس میں مرض ہے نہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ بحران مرض کی شدت بپیش۔ درگاہ اُلوہیت۔ گشت۔ وہ اپنے اوصافِ بشری سے برہنہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچا

اینچنیں باشد چو دُردے صاف گشت — از بُنِ طشت آمد او بالائے طشت

یہی ہوتا ہے جب تلچھٹ صاف ہو جاتی ہے — طشت کی تَہ سے طشت کے اوپر آ جاتی ہے۔

۱ دَر بُنِ طشت ارچہ بُود او دُردناک — شومیِ آمیزشِ اجزایِ خاک

طشت کی تَہ میں وہ دردمند کیوں تھی؟ — خاک کے اجزاء کی آمیزش کی بدبختی کی وجہ سے

یارِ ناخوش پَرّ و بالش بستہ بُود — وَرنہ او دَر اصل بس برجستہ بُود

بُرے دوست نے اس کے پَر و بال باندھ دیئے تھے — ورنہ وہ اصل میں بہت تیز تھی

چوں عتابِ اِهْبِطُوا انگیختند — ہمچو ہاروتش نگوں آویختند

جب انہوں نے "نیچے اترو" کا عتاب برپا کیا — اس کو ہاروت کی طرح الٹا لٹکا دیا

۲ بُود ہاروت از ملائک بیگماں — از عتابے شُد معلّق ہمچناں

ہاروت یقیناً فرشتوں میں سے تھا — وہ عتاب کی وجہ سے اسی طرح لٹکا دیا گیا

سرنگوں زاں شُد کہ از سَر دُور ماند — خویش را سَر ساخت تنہا پیش راند

وہ اوندھا اس لئے ہوا کیونکہ وہ اصل سے دور ہو گیا — اس نے اپنے آپ کو سر بنایا، تنہا آگے چل دیا

آں سبد خود را چو پُر از آب دید — کرد استغنا و از دریا بُرید

ٹوکری نے جب اپنے آپ کو پانی سے بھرا دیکھا — اس نے بے نیازی برتی اور دریا سے جدا ہو گئی

دَر جگر چوں قطرۂ آبش نماند — بحرِ رحمت کرد او را باز خواند

جب اس کے جگر میں پانی کا ایک قطرہ نہ رہا — سمندر نے رحم کیا، اس کو واپس بلا لیا

رحمتِ بے عِلّتے بے خدمتے — آید از دریا مبارک ساعتے

بغیر سبب، بغیر تکلیف کے رحمت — دریا سے مبارک وقت میں آتی ہے

۳ اللہ اللہ گِردِ دریا باز گرد — گرچہ باشند اہلِ دریا بار زرد

خدا کے لئے، دریا کی جانب واپس ہو — اگرچہ دریا والے زرد ہوں

تا کہ آید لطفِ بخشایش گری — سُرخ گردد رُوی زرد از گوہری

حتیٰ کہ بخشش کی مہربانی آ پہنچے — جوہر بَن کر زرد چہرہ سُرخ ہو جائے

زردیِ رُو بہترین رنگہاست — زانکہ اندر انتظارِ آں لِقاست

چہرے کی زردی رنگوں میں سب سے بہتر ہے — کیونکہ وہ اس ملاقات کے انتظار میں ہے

لیک سُرخی بر رُخے کاں لامعست — بہرِ آں آمد کہ جانش قانع ست

لیکن اس چہرے پر سُرخی جو چمکدار ہے — اس لئے آئی ہے کہ اس کی جان قانع ہے

جو غم واندوہ سے زرد ہے اس میں جوہر پیدا ہو جائے گا اور وہ سُرخرو ہو جائے گا۔ زردی۔ اہل اللہ کا چہرہ زرد، اللہ کی ملاقات کے انتظار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن سُرخی۔ جو ایک مقام پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اس کا چہرہ سُرخ رہتا ہے۔

(حضرت حق تعالےٰ نے اپنے اوصاف کا جامہ اس کو پہنا دیا۔ اب وہ خدائی اخلاق والا ہے۔ خلیفے۔ اب چونکہ وہ اوصاف خداوندی سے متصف ہے

۱ دَر بُن۔ طشت کی تَہ میں اس وقت تک ہے جب تک کہ اس میں خاک کی آمیزش ہے۔ روح جب جسمانی عوارض سے پاک ہو جاتی ہے عالمِ بالا میں پہنچ جاتی ہے۔ یارِ ناخوش۔ جسمانی علائق نے اس روح کو روک رکھا تھا ورنہ وہ پرواز میں چالاک ہے۔ چوں عتاب۔ حضرت آدم کو نیچے اترنے کا حکم گندم کھا لینے کی وجہ سے ملا اسی لئے روح کو جسم کے کنوئیں میں آویزاں کر دیا گیا۔

۲ بُود ہاروت۔ ہاروت ملائکہ میں سے تھا اللہ تعالےٰ کی ناراضی کی وجہ سے وہ کنوئیں میں لٹکا دیا گیا۔ سرنگوں۔ وہ اس لئے سرنگوں ہوا کہ اس نے سرکشی کی اور اصل سے دور ہوا۔ آں سبد۔ ٹوکری جو دریا میں ہے اپنے پانی پر گھمنڈ کرکے دریا سے دور ہوئی تو پانی سے خالی ہو گئی اس پر سمندر نے رحم کیا اور اس کو دوبارہ بلا لیا۔ روح کو جب ذلّتِ افتقار جد جتام محسوس ہوئی اور شائبۂ کبر ختم ہوا تو بغیر سبب اور بغیر محنت کے دریائے وحدت کی رحمت آ پہنچی اور اس کو واپس بلا لیا

۳ اللہ اللہ۔ انسان کو قربِ الٰہی کی جستجو کرنی چاہیئے اہلِ دریا یعنی اہل اللہ۔ بار۔ کثرت کے لئے ہے جس طرح زنگبار۔ رود بار۔ سُرخ۔ وہ چہرہ

کہ[1] طمع لاغر کند زرد و ذلیل
کیونکہ لالچ کمزور، زرد اور ذلیل کرتا ہے

نے ز درد و علت آید آں علیل
وہ درد اور بیماری کا مریض نہیں ہوتا ہے

چوں بہ بیند روی زرد بے سقم
جب بغیر بیماری کا، زرد چہرہ دیکھتی ہے

خیرہ گردد عقلِ جالینوس ہم
جالینوس کی عقل بھی حیران ہوجاتی ہے

چوں طمع بستی تو در انوارِ ہُو
جب تونے اللہ تعالٰے کے انوار سے طمع وابستہ کردی

مُصطفٰےؐ گوید کہ ذَلَّتْ نفسُہٗ
مصطفٰےؐ فرماتے ہیں کہ اُس کا نفس ذلیل ہوگیا

نُورِ بے سایہ لطیف و عالیست
بے سایہ نور، پاکیزہ اور بلند ہے

آں مُشبّک سایۂ غربالیست
جالیدار سایہ، چھلنی والا ہے

عاشقاں[2] عُریاں ہمی خواہند تن
عاشق ننگے بدن کے خواہاں ہیں

پیشِ عِنّیناں چہ جامہ چہ بدن
نامردوں کے لئے کیا کپڑا، کیا بدن؟

روزہ داراں را بود آں نان و خوان
وہ روٹی اور خوان، روزہ دار کے لئے ہے

خرمگس را چہ ابا چہ دیگ داں
بڑی مکھی کے لئے کیا شوربا، کیا چولھا؟

[1] کہ طمع۔ جو مزید درجات کے لالچ میں رہتے ہیں وہ لاغر اور زرد رُو رہتے ہیں۔ نے ز درد۔ اہل اللہ کے چہرے کی زردی، درد اور بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے چوں بہ بیند۔ اہل اللہ کے چہروں کی زردی جبکہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے تو اطبائے ظاہری اُس سے حیران ہوتے ہیں۔ چوں طمع۔ جب سالک اللہ تعالٰے کے انوار سے اپنی طمع وابستہ کردیتا ہے تو اُسکے نفس کو ذلت حاصل ہوتی ہے۔ نورِ بے سایہ جب بشری صفات بالکل فنا ہوجاتی ہیں تو سالک کو نور بے سایہ حاصل ہوجاتا ہے اور اگر صفاتِ بشری کچھ باقی رہتی ہیں تو نور بے سایہ حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسا نور حاصل ہوتا ہے جیسے کہ چھلنی میں سے گذر کر نور آئے اُس میں کچھ نور ہوگا کچھ سایہ ہوگا۔
[2] عاشقاں۔ جو عاشق ہیں وہ بالکل بشری صفات سے عاری ہونا چاہتے ہیں نامرد کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی روزہ دار جو مجاہدے کرتے ہیں وہ بشری صفات سے خالی ہوجاتے ہیں تو یہ خوانِ نعمت اُن روزہ داروں کیلئے ہے دنیادار جو بڑی مکھی جیسے ہیں اُنکے لئے شوربا اور چولہا یکساں ہے وہ انہی کو چاٹتے ہیں۔ یہ تاویل بمصداق۔ ایں سخن۔ یعنی محبوب کی باتیں۔

شرح

یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر کا عذر بھی ایک حد تک صحیح ہے کیونکہ جو شراب کی خوشی کا عادی ہو وہ اس خوشی خوشامد وغیرہ کو کب پسند کرسکتا ہے پس اس سے معلوم ہُوا کہ اعلیٰ خوشی کے مقابلہ میں ادنیٰ خوشی نظر انداز کردی جاتی ہے اور اسی سے انبیاء کی ترکِ تنعم کا راز معلوم ہوگیا یعنی یہ کہ اُنہوں نے خوشی دنیاوی کو اس وجہ سے چھوڑا ہے کہ خوشی وصالِ حق ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور چونکہ انہوں نے اس خوشی کو دیکھا تھا جو کہ تمام خوشیوں سے اعلیٰ ہے اِسلئے یہ خوشیاں ان کی نظر میں کھیل معلوم ہوتی ہیں تم غور تو کرو کہ جس کو نورِ حقیقی دکھائی دیگا وہ کہیں ظلماتِ ناسوتیہ پر قناعت کرسکتا ہے اور جو بھوک میں طعام اللہ اور غذائے روحانی کھائے گا اسکو روٹی اور شوربے کی حسرت ہوسکتی ہے؟ اور جو باغ میں سو رہا ہے کیا وہ احمقوں

کی طرح کوڑی کی طرف مائل ہوگا؟ بھلا مستسقی پانی سے کیسے پرہیز کر سکتا ہے اور شرابی شراب سے کیونکہ دور رہ سکتا ہے اور کوئی عاشق اپنے معشوق سے سیر نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بیمار طبیب کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اور جب کوئی کسی زندہ معشوق کا ندیم ہو جائے تو پھر وہ مردہ کو بغل میں کیسے لے سکتا ہے۔ مُردہ کو تو وہ ہی بغل میں لے گا جس کو عالم میں دل کی خبر نہ ہو۔ پس انبیاء جو کہ بھوک میں طعام اللہ کھاتے تھے اور نور حقیقی کو دیکھتے تھے اور گلزار روحانی میں آرام کر رہے تھے اور عشق الٰہی سے انکو وہی نسبت تھی جو مستسقی کو پانی سے۔ اور شراب عشق اُن کے لیے ایسے تھی جیسے مستوں کے لیے شراب معروف اور حق سبحانہ سے انکو وہ تعلق تھا جو کہ عاشق کو معشوق سے اور بیمار کو طبیب سے اور وہ حق سبحانہ کے ندیم تھے۔ ایسی حالت میں وہ اشیائے ماسویٰ کی طرف کیسے مائل ہو سکتے تھے۔ اور لذاتِ روحانیہ کو کیسے چھوڑ سکتے تھے چونکہ عقبیٰ زندہ ہے اور اسکی ہر چیز میں حیات ہے اور وہ نکتہ داں اور سخن گو ہے اسلیے ان کو اسی سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس مُردار دنیا میں اسلئے ان کو آرام نہ ملتا تھا کہ اس کی اشیاء تو جانوروں کا چارہ ہیں اور آدمیوں کی غذا نہیں ہیں۔

پس انکو اس میں کیسے آرام حاصل ہو سکتا تھا پس وہ دنیا میں مصروف تنعم اسلئے نہ ہوتے تھے کہ عقبیٰ جو کہ اپنی خوبی میں بمنزلہ باغ کے ہے اور جس کے مقابلہ میں دنیا بمنزلہ کوڑی کے ہے۔ ان کا وطن اور ان کی محفل تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ جس کا وطن اور جس کی بزم باغ ہو وہ کوڑی پر مصروف تنعم نہیں ہو سکتا لہٰذا ضروری تھا کہ وہ بھی دنیا میں مصروف تنعم نہ ہوں۔ اس میں مصروفِ تنعم ہونا اہلِ دنیا کا کام ہے نہ کہ اہل اللہ کا۔ کیونکہ ان کا وطن عقبیٰ ہے اور ان کا وطن دنیا۔ اور ہر کوئی اپنے وطن میں مصروف تنعم ہوتا ہے اور اسکو ایسے تنعم میں مزہ آتا ہے جو اس وطن میں ہو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کا وطن عقبیٰ ہے اور اہلِ دنیا کا وطن دنیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کا وطن اسکے مناسب ہوتا ہے مثلاً ارواح پاک کا وطن علیین ہے اور ارواح خبیثہ کا وطن سجین۔ اور بلبل کا وطن گل اور نسرین وغیرہ ہیں۔ اور جعل کا وطن سرگین۔ اور چونکہ

اہل اللہ مستی عشق الٰہی میں چُور ہیں اسلئے ان کے حصہ میں شراب طہور عقبیٰ ہے اور اہل دنیا مثل اندھے جانوروں کے ہیں اسلئے ان کے حصہ میں آب شور دنیا ہے مگر وہ اس لئے خوش ہیں کہ انہوں نے اس شراب طہور کو نہیں پیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی اعلیٰ شئے سے ناواقف ہوتا ہے تو وہ ادنیٰ ہی کو اعلیٰ سمجھتا ہے۔

چنانچہ جس نے عدل عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا وہ حجاج خونیں ہی کو عادل سمجھے گا۔ اور لڑکیوں کو بے جان گڑیا اسلیے دیتے ہیں کہ وہ زندوں کے کھیل سے ناواقف ہوتی ہیں نیز چونکہ بچوں میں مردانگی کا زور بازو نہیں ہوتا اسلئے اُن کے لیے لکڑی کی تلوار ہی اچھی ہوتی ہے۔ نیز کفار چونکہ عقبیٰ سے ناواقف ہوتے ہیں اسلیئے وہ انبیاء کی صرف ان تصاویر پر قناعت کرتے ہیں جو کہ ان کے معبدوں میں منقوش ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہم کو عقبیٰ کا علم ہے اور پھر عقبیٰ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اسلئے ہم ان نقوش کی پرواہ نہیں رکھتے۔

پس ان واقعات کی بنا پر ضروری ہے کہ وہ آپ شور دنیا ہی کو نعمت عظمیٰ سمجھیں اگر کوئی کہے کہ اہل دنیا ہی کی کیا تخصیص ہے اہل اللہ بھی تو لذاتِ دُنیا سے متمتع ہوتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ صحیح ہے لیکن دونوں کے تمتع میں فرق ہے اہل دنیا نے ان کو مقصود سمجھ رکھا ہے اور وہ عقبیٰ سے غافل ہیں مگر اہل اللہ نے ان کو مقصود نہیں سمجھا اور نہ وہ عقبیٰ سے غافل ہیں۔ بلکہ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی ایک تصویر (جسم) دنیا میں ہے اور دوسری تصویر (روح) چاند کی طرح آسمان پر ہے۔ اور ان کا جسمانی ذہن اپنے ہم نشین سے نکات بیان کر رہا ہے اور روحانی و قلبی منہ حق تعالےٰ سے ہم کلام اور اس کا انیس ہے اور ان کا جسمانی کان عام گفت گوئیں سُن رہا ہے۔ اور گوش قلب اسرار خداوندی کھینچ رہا ہے اور ان کی ظاہری آنکھ آدمیوں کی صورتیں دیکھ رہی ہے اور چشم باطن مشاہدہ حق میں مصروف ہے وہ تنگ ہے اور اس سے ہٹتی نہیں ہے اور ان کا ظاہری ہاتھ لین دین کرتا ہے لیکن ان کا باطنی ہاتھ خدا کے سامنے پھیلا ہوا ہے اور ان کے ظاہری پاؤں مسجد میں صف بستہ ہیں مگر ان کے باطنی پاؤں عالم بالا کا چکر لگا رہے ہیں

غرضکہ تم ان کے ایک ایک جزو کو یوں ہی گن جاؤ۔ اور سمجھو کہ ان کا ایک جزو زمانہ میں محبوس ہے، اور دوسرا زمانہ سے خارج لیکن جو جزو ان کا زمانہ میں محبوس ہے وہ ان کا اصلی جزو نہیں ہے بلکہ وہ تو اس کے ساتھ صرف موت تک ہے۔ رہا دوسرا جزو جو زمانہ سے خارج ہے وہ ان کا اصلی جزو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے ساتھ رہنے والا ہے۔ اب سمجھو! کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہے ان کا نام ولی اللہ دولتین اور امام القبلتین ہے۔ کیونکہ وہ دولت دینی و دنیوی دونوں سے بہرہ مند ہیں اور دین و دنیا دونوں کے بادشاہ ہیں اور جب آدمی اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس پر خلوت اور چلہ لازم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خلوت اور چلہ کی غرض یہ ہے کہ ان امور سے انقطاع ہو جو کہ توجہ الی الحق سے مانع ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے لیے کوئی چیز مانع نہیں رہتی اور کوئی امیر دنیاوی آفتاب حقیقی کو ان کی نظر سے مخفی نہیں کر سکتا اور قرص خورشید (روز روشن) ان کا خلوت خانہ ہے۔ یعنی ان کو دن کے وقت جلوت میں بھی وہی بات حاصل ہے جو کہ رات کے وقت خلوت میں اور اغیار جو کہ ستر آفتاب حقیقی میں بمنزلہ شب کے ہیں۔ آفتاب حقیقی کو ان کی نظر سے مخفی نہیں کر سکتے بس انکو خلوت اور چلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مرض اور پرہیز کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور بحران یعنی روح اور نفس و شیطان کی جنگ کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اس میں روح کو کامل فتح حاصل ہو چکی ہے۔ اور ان کا کفر مبدل بہ ایمان حقیقی ہو گیا ہے اور کفر ان کا نام تک باقی نہیں رہا ہے اور خلوت و چلہ کی ضرورت مرض اور پرہیز اور تحصیل ایمان کے لیے تھی تو جب مرض جاتا رہا اور پرہیز کا زمانہ ختم ہو گیا اور ایمان حقیقی حاصل ہو گیا تو اب ان کی ضرورت نہ رہی۔

(فائدہ: واضح ہو کہ مولانا نے یہ فرمایا ہے کہ اشخاص مذکورہ پر خلوت اور چلہ لازم نہیں رہتا۔ اور ان کا تکلیف احکام شرعیہ کے احاطہ سے خارج ہو جانا اور غیر مکلف بن جانا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ خلوت اور چلہ کا لزوم عارضی تھا نہ کہ اصلی۔ پس وہ تو زوال عارض سے ساقط ہو سکتے ہیں لیکن عبادات اصلیہ چونکہ کسی

عارضی پر مبنی نہ تھیں اسلئے وہ کسی وقت میں ساقط نہیں ہوسکتیں اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

بعض لوگ ایسے مضامین یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ کاملین پر نہ کوئی طاعت لازم ہے اور نہ انکو کوئی معصیت مضر ہے۔ یہ خیال بالکل اسلام کے خلاف اور سراسر الحاد ہے اعاذنا اللہ منہ،)

(فائدہ ۲ کفر او ایمان شد الخ میں کفر سے مراد عدم ایمان کامل ہے جو شامل ہے۔ کفر محض اور نقص ایمان دونوں کو۔ اور معنی یہ ہیں کہ پہلے جو اسکو کمال ایمان حاصل نہ تھا۔ اب وہ بات نہ رہی۔ بلکہ اب وہ مومن کامل ہوگیا۔ اور اب نہ اس میں کفر حقیقی رہا اور نہ کفر مجازی یعنی نقص ایمان واللہ اعلم)

وہ درست اور سیدھا ہوکر الف خالی کی طرح حق سبحانہٗ کے سامنے گیا ہے اور اپنے اوصاف میں سے کچھ بھی اپنے اندر نہیں رکھتا یعنی وہ خودی کو بالکل ہٹا چکا ہے اور اپنے خصائل کا لباس بالکل اتار چکا ہے اور اپنے جان افزا محبوب کے پاس اس لباس سے بالکل ننگا ہوکر گیا ہے پس جبکہ وہ اپنے لباس سے ننگا ہوکر حق سبحانہٗ کے سامنے گیا ہے۔ تو حق سبحانہٗ نے اُسکو اپنے اوصاف قدسیہ کا لباس پہنایا ہے اور اسکی اوصافِ خداوندی کی خلعت زیب تن کرلی ہے۔ یعنی وہ متخلق باخلاق اللہ ہوگیا ہے۔ اور اس طرح وہ چاہ ناسوت سے نکل کر دیوان تقرب من اللہ تک پہنچ گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ تلچھٹ کے اجزاءِ لطیفہ جس وقت اجزاءِ ارضیہ سے جدا ہوجائیں تو پھر وہ طشت کی تہہ میں نہیں رہتے بلکہ اوپر آجاتے ہیں۔

اچھا اب اسکی وجہ سمجھو کہ وہ دردی کی طرح غیر مصفا شخص طشت ناسوت کی تہہ میں کیوں تھا۔ اسکی وجہ اجزائے ارضیہ یعنی جسم ناسوتی کی نحوست تھی اور ناپسندیدہ ساتھی نے اسکی پر و بال باندھ رکھے تھے یعنی ناسوتی جسم نے اُس کے قوای عروجِ روحانی کو معطل کر رکھا تھا۔ اور اس کو عروج روحانی نہ کرنے دیتے تھے

ورنہ وہ اپنی ذات سے نہایت ترقی کرنے والا - اور بلند پرواز تھا - تفصیل اس کی یہ ہے
کہ جس وقت قضا و قدر نے معاتبانہ حکم اھبطو کیا - یعنی اسکو تسفل ... کا حکم دیا۔
تو وہ جاہ ناسوت میں ہاروت کی طرح سے الٹا لٹکا .... دیا گیا یعنی اس کا رُخ تعلی
سے تسفل کی طرف کر دیا گیا - ہاروت کی طرح ہم نے اسلئے کہا کہ وہ بھی اصل میں فرشتہ
اور تعلی طلب تھا - مگر عتاب خداوندی سے یوں ہی لٹکا دیا گیا - جیساکہ شخص
مذکور لٹکا دیا گیا - اچھا اب یہ سُنو! اس پر عتاب کیوں ہُوا - اور وہ الٹا کیوں ہُوا - اس
کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے سردار (حق سبحانہ) سے دُور رہ گیا - اور اسنے خود اپنے کو
سردار بنا لیا اور تنہا روئی اختیار کی - اور جب اس ٹوکری کی طرح مُشبک اور سوراخ
دار یعنی فی نفسہٖ معرا عن الکمال شخص نے اپنے آپ کو آب کمال مثل قدرت و احیاء و علم و سمع و بصر وغیرھا
سے پُر دیکھا - تو اسنے اپنے کو دریائے حقیقی (حق سبحانہ) سے مستغنی سمجھا اور اس
قطع تعلق کر دیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا کمال روحانی سب جاتا رہا اور وہ خالی
رہ گیا لیکن جبکہ پھر اُسے ہوش آیا اور وہ منفعل ہُوا - اور روتے روتے اس کے
جگر میں قطرۂ اشک باقی نہ رہا تو پھر دریائے حقیقی نے رحم کیا اور اسکو واپس بلا لیا -
اسکے تم یہ نہ سمجھنا کہ اس کی رحمت پابند ہے رونے دھونے کے - نہیں - بلکہ ایسا ہی
ہوتا ہے کہ کسی نیک ساعت میں اس کی رحمت بلا کسی سبب اور بلا کسی خدمت کے
متوجہ ہو جاتی ہے - عبد کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اسے کھینچ لیتی ہے -
(خلاصہ اس کا یہ ہے) کہ روح اپنی ذات سے متوجہ الی الحق تھی - مگر جبکہ اس کا تعلق
جسم سے ہو گیا تو وہ حق سبحانہ سے غافل ہو کر لذات جسمانیہ میں مصروف ہو گئی -
گویا کہ اسنے اپنے کمال کو ذاتی سمجھا - اسلئے اپنے کو مستقل خیال کیا -
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معتوب ہوئی - اور معتوب ہو کر سرنگوں ہو گئی اور بجائے
اوپر کی طرف جانے کے نیچے کی طرف چلے گئے اور روز بروز اس کی حالت رّدی
ہوتی گئی اور اس کا تسفل بڑھتا گیا لیکن جبکہ اس کو ندامت ہوئی اور وہ خوب
روئے دھوئے اور اشتغال بالجسم کو چھوڑا اور خصائل ذمیمہ جو اسکے اندر اشتغال

بالجسم سے پیدا ہو گئی تھی ان کو دور کیا۔ تو حق سبحانہٗ نے اس پر پھر رحم کیا اور اسکو اپنے قرب سے سرفراز فرمایا۔ پس اسکو عروج سے روکنے والے اور ناسوت کی تہہ میں مقید کرنے والے اجزاءِ عروضیہ تھے)۔

ہاں اے مخاطب! اگو یہ ضرور ہے کہ ساحل کے رہنے والوں کا رنگ زرد ہوتا ہے اسلئے اگر تو دریائے حقیقی سے قرب حاصل کریگا تو ریاضات و مجاہدات کے سبب تیری رنگت بھی زرد ہو جائے گی۔ مگر تو اس کی پرواہ نہ کر۔ اور قرب دریائے حقیقی ضرور حاصل کر۔ تاکہ ایسا کرنے سے کسی نہ کسی وقت اس جواد و کریم کی تجھ پر نظر عنایت ہو جائے اور تجھے دولت وصال میسّر ہو جائے جس کی خوشی سے تیری زردئی رنگ سرخی سے بدل جائے۔ اور اگر بالفرض اگر یہ رنگ نہ بھی بدلے تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ خود یہ زردئی رنگ بھی تمام رنگوں سے بہتر ہے کیونکہ اس کا سبب دیدار حق سبحانہٗ کا انتظار ہے رہی سُرخی جو کہ کسی تمتماتے ہوئے چہرہ پر ہے۔ سو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی جان کے اندر طلب حق سبحانہٗ نہیں ہے اور وہ اس کے فراق پر قناعت کئے ہوئے ہے کیونکہ اسکو طلب ہوتی تو سرخی رنگ ناممکن تھی اسلئے کہ طلب کا خاصہ ہے کہ وہ دُبلا اور زرد اور سکین طبیعت بنادیتی ہے اور وہ کسی بیماری اور تکلیف سے بیمار نہیں ہوتا کہ زردئی رنگ اس بیماری اور تکلیف کے سبب ہو۔ بلکہ یہ صرف اس طلب اور انتظار کا اثر ہوتا ہے اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر جالینوس بھی اس کا بدن کسی عرض کے زرد چہرہ دیکھ لے تو اس کی عقل بھی دنگ ہو جائے اور کہے کہ یہ شخص بیمار تو ہے نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اس کا چہرہ زرد ہے۔

القصہ! تم کو زردی رنگ سے خوف نہ کرنا چاہیئے (کیونکہ اوّل تو وہ عارضی ہے اور وصال کے بعد سرخی سے بدل جائے پھر اگر نہ بھی بدلے تو وہ زردی جو انتظار دیدارِ حق سبحانہٗ میں ہو۔ اس سرخی سے بہتر ہے جو استغناء

عن الحق کے سبب ہو) اور طلب حق سبحانہٗ میں مصروف ہونا چاہیئے۔

دیکھو! جب تم انوار حق سبحانہٗ کے طالب ہو گئے تو تمہاری سرکشی فانی رہے گی۔کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دل میں طمع اور جس قدر تمہاری طلب بڑھے گی اسی قدر تمہاری سرکشی فنا ہو گی اور جس قدر تمہاری.. سرکشی فنا ہو گی اُسی قدر صفائی باطن حاصل ہو گی۔ پس تم کو طلب کامل حاصل کرنی چاہیئے۔تاکہ تم کو صفائی کامل حاصل ہو۔ اور حجابات تمام مرتفع ہو جائیں اور نور بے سایہ تم کو حاصل ہو۔ اور تم بلاحجاب دیدار حق سبحانہٗ سے مشرف ہو۔کیونکہ جس نور میں سایہ کی آمیزش نہ ہو وہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ رہا شبک یعنی نور و تاریکی آمیختہ۔سو وہ چھلنی کا سایہ ہوتا ہے سو وہ ایسا اچھا نہیں ہے جیساکہ وہ نور جس میں سایہ کی بالکل آمیزش نہ ہو پس تم طلب ناقص اور تصفیہ ناقص پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ اسکو کامل کرو۔ نور بے سایہ اور مشاہدہ بلاحجاب کی قدر اہل اللہ جانتے ہیں عوام اسکی قدر نہیں جان سکتے کیونکہ عشاق چاہتے ہیں کہ اُن کا اور ان کے محبوب کا جسم بالکل ننگا ہو اور ان کے اور ان کے محبوب کے درمیان کپڑا بھی حائل نہ ہو۔تاکہ انہیں وصل عُریان حاصل ہو جائے۔

رہے نامرد۔ سو ان کے نزدیک کپڑا اور بدن دونوں برابر ہیں علیٰ ہٰذا۔ روٹی اور خوان روزہ داروں کے لیے ہوتے ہیں۔ رہے زخموں پر بیٹھ کر ان میں کیڑے ڈالنے والی مکھی ـــ سو اُسے نہ شوربے سے واسطہ ہے اور نہ چولہے سے (فائدہ: واضح ہو کہ حجابات کا بالکلیہ مرتفع ہو جانا اور فنا کے تمام مدارج کا طے ہو جانا ناممکن ہے پس اس مقام پر تمام حجابات کے مرتفع ہونے اور حصول فنائے تام سے مراد استغراق حقیقی نہیں ہے بلکہ مقصود محض کثرت ہے۔ واللہ اعلم۔

دیگر بار استدعای شاه از ایاز کہ تاویلِ کارِ خود بگو و مشکلِ منکران

شاہ کا ایاز سے دوبارہ کہنا کہ اپنے کام کا مطلب بتا اور منکروں اور

و طاعنان را حل کن کہ ایشاں را در التباس رہا کردن مروت نیست

معترضوں کی مشکل کو حل کر دے، کیونکہ ان کو شبہ میں مبتلا چھوڑ دینا مروت نہیں ہے

این سخن از حد و اندازہ ست بیش — ای ایاز اکنون بگو احوالِ خویش

یہ بات حد اور اندازہ سے زیادہ ہے — اے ایاز! اب تو اپنے احوال بتا

ہیں بگو احوالِ خود را اے ایاز — گرچہ تصویرِ حکایت شد دراز

ہاں اے ایاز! اپنے احوال بتا — اگرچہ حکایت کا نقشہ دراز ہو گیا ہے

ہست احوالِ تو از کانِ نوی[۱] — تو بدیں احوال کے راضی شوی

تیرے احوال، نئی کان کے ہیں — تو ان احوال پر کب راضی ہوتا ہے؟

ہیں حکایت کن از آں احوالِ خوش — خاک بر احوالِ درسِ پنج و شش

ہاں اپنے اچھے احوال بیان کر — پانچ چھ کے سبق کے احوال پر خاک پڑے

حالِ باطن[۲] گر نمی آید بگفت — حالِ ظاہر گویمت در طاق و جفت

باطن کا حال اگر کہنے میں نہیں آ سکتا — میں تجھ سے طاق اور جفت میں ظاہر کا حال بیان کرتا ہوں

کہ ز لطفِ یار تلخیہای مات — گشت بر جاں خوشتر از قند و نبات

کیونکہ شکست کی تلخیاں یار کی مہربانی سے — جان کیلئے قند و شکر سے زیادہ اچھی ہو گئی ہیں

زاں نبات ار گرد در دریا رود — تلخیِ دریا ہمہ شیریں شود

اگر اُس شکر کی گرد بھی سمندر میں پہنچ جائے — سمندر کا کھاراپن سب میٹھا ہو جائے

صد ہزار احوالِ عالم ایں چنیں — باز سوی غیب رفتند اے امیں

اسی طرح، عالم کے لاکھوں احوال — اے امانتدار! پھر غیب کی جانب چلے گئے

حالِ[۳] ہر روزے بہ دی مانند نے — ہمچو جو اندر روش کش بند نے

ہر روز کا حال کل کی مانند نہیں ہے — جیسے کہ جاری ہونے میں وہ نہر جس پر کوئی بند نہیں ہے

شادیِ ہر روز از نوعِ دگر — فکرتِ ہر روز را دیگر اثر

ہر روز کی خوشی ایک دوسری قسم کی ہے — ہر روز کے فکر کا اثر دوسرا ہے

[۲] حالِ باطن۔ ایاز نے کہا اگر باطنی احوال نا قابل بیان ہیں تو ظاہری احوال خاص اور تشبیہات کیساتھ سنائے دیتا ہوں۔ طاق۔ یعنی خاص حال۔ جفت۔ یعنی تشبیہات کے ساتھ حال سنانا۔ کز لطف۔ اگر یار کی مہربانی ہو تو امتحان کی تلخیاں خوشگوار ہو جاتی ہیں۔ زاں۔ اُن تلخیوں میں اسقدر شیرینی ہوتی ہے کہ اگر اُسکا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سمندر کا کھاراپن ختم ہو جائے۔ صد ہزاراں۔ احوال کا بقا نہیں ہے وہ طاری ہوتے ہیں اور پھر عالم غیب کیطرف چلے جاتے ہیں۔

[۳] حال۔ ہر روز کا حال کل کو معدوم ہو جاتا ہے اور دوسرا حال آ جاتا ہے جسطرح نہر کا پانی گذرتا رہتا ہے اور اُس کی جگہ نیا پانی لیتا رہتا ہے۔ شادی۔ ہر روز ایک نئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور ہر روز کے فکر کا نیا اثر ہوتا ہے۔

---

[۱] احوال۔ وہ کیفیات جو سالک پر طاری ہوتی ہیں۔ کانِ نوی۔ تیرے اوپر نئے نئے احوال طاری ہوتے ہیں۔ بدیں احوال۔ یعنی جو کیفیات سے حاصل ہو چکی ہیں۔ ہیں۔ اپنی اچھی کیفیات کی بات سنا، شش جہات اور پنج حواس کی باتوں پر خاک ڈال۔

شرح

اچھا مذکورہ بالا گفت گو تو ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ حد اور اندازہ سے خارج ہے اسلئے اسے چھوڑ دو اور سنو کہ محمود نے ایاز سے کیا کہا۔ اس نے کہا کہ اے ایاز! تو اپنے احوال بیان کر۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ہاں اے ایاز! گو قصہ کو طول ہو گیا ہے مگر اسکی کچھ پرواہ نہیں تم اپنی حالت ضرور بیان کرو۔ بھائی! تمہارے احوال تو نہایت تر و تازہ اور پسندیدہ اور گویا کہ جدت کی کان سے نکلے ہیں۔ پس تم ان احوال کو کیوں پسند کرو گے جو میں تمہارے بیان کرتا ہوں لہٰذا تم خود اپنے ان پاکیزہ اور نفیس حالات کو بیان کرو۔ اور ان احوال پر خاک ڈالو۔ جو اس بیان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا علاقہ عالم ناسوت سے ہے لیکن تم تو بیان نہیں کرتے اسلئے مجبوراً میں ہی بیان کرتا ہوں اور اگر تمہارے باطنی احوال بعینہا بیان میں نہیں آسکتے کیونکہ وہ وجدانی ہیں — جس کا ادراک وجدان سے ہو سکتا ہے۔ تو تمہارے ظاہری اور سرسری احوال ہی خلا و بلا میں بیان کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تمہاری یہ حالت ہے کہ تمہارے یار کی خوبی اور پاکیزگی نے تمہارے ناگاہوں کی تلخیوں اور ناگواریوں کو اس قدر گوارا اور شیریں بنا دیا ہے کہ وہ قند اور نبات سے بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر شیریں ہو گئی ہیں۔ کہ اگر ان کی گرد بھی سمندر میں پڑ جائے تو سمندر کی تمام تلخی شیرینی سے بدل جائے یعنی تم اپنے محبوب سے اس قدر محبت کرتے ہو۔ اور وہ تمہاری نظر میں اس درجہ محبوب اور مرغوب ہے کہ اس کے عشق میں جو مصیبت بھی تم پر پڑتی ہے اور جو ناکامی بھی تم کو پیش آتی ہے تم اپنے محبوب کی خاطر اسکو نہایت فراخ حوصلگی اور گشادہ روئی کے ساتھ قبول کرتے ہو (فائدہ: ہم نے بیں بگو احوال خود را اے ایاز! کو مولانا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شعر مذکور کا مصرع ثانی اور اشعار آئندہ باواز بلند اس امر کو ظاہر کرتے ہیں۔ شراح نے اس مقام پر بہت خبط کیا ہے۔ تنبہ لہ)

یہاں تک اس مضمون کو بیان فرما کر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اوپر تلخی دریا کے فنا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ سنو بھائی! ایک تلخی دریا کیا چیز ہے عالم

میں لاکھوں احوال آئے اور پھر غیب کو سدھار گئے چنانچہ ہر روز کی حالت اس سے پہلے دن کی حالت کے مشابہہ نہیں ہوتی۔ جیسے ندی کا بہتا ہوا پانی۔ جس کے لیے کوئی روک نہیں ہے کہ وہ ہر دم نیا ہوتا ہے اور جو ایک دفعہ آچکا وہ پھر نہیں آتا۔ اور ہر روز کی خوشی پہلے دن کی خوشی سے مختلف ہوتی ہے اور ہر روز کے خیال کا اثر پہلے دن کے خیال کے اثر سے جُدا ہوتا ہے۔ اِس بیان سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

تمثیلِ تنِ آدمی بمہمانخانہ و اندیشہائے مختلف بمہماں

آدمی کے جسم کی مثال مہمان خانے ہے اور مختلف فکریں مہمانوں کی طرح

مہماناں و عارفِ صابر دراں اندیشہا چوں مردِ مہمان

ہیں اور عارف، صابر اُن فکروں کے معاملہ میں مہمان

دوست غریب نوازی از خلیل وار

دوست غریب نواز ابراہیم خلیل اللہ کیطرح ہے

هست مہمان خانہ ایں تن اے جواں
اے جوان! یہ جسم مہمان خانہ ہے
ہر صباحے ضیفِ نو آید دواں
ہر صبح کو نیا مہمان دوڑتا آتا ہے

نے غلط گفتم کہ آید دمبدم
نہیں میں نے غلط کہا، لمحہ بہ لمحہ آتا ہے
ضیف تازہ فکرتِ شادی و غم
خوشی اور رنج کے فکر کا نیا مہمان

میزبانِ تازہ رُو شو اے خلیل
اے خلیل! خندہ پیشانی والا میزبان بن
در مبند و منتظر شو در سبیل
دروازہ بند نہ کر اور راستہ میں منتظر رہ

ہر چہ آید از جہانِ غیب وش
غیب جیسے جہان سے جو آئے
در دلت ضیفست او را دار خوش
وہ تیرے دل میں مہمان ہے اسکو خوش رکھ

ہیں مگو کیں ماند اندر گردنم
خبردار! نہ کہہ کہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا
کو ہم اکنوں باز پرد در عدم
کیونکہ وہ ابھی اب عدم کیجانب پرواز کرجائیگا

تمثیل۔ جو عارف صابر ہیں وہ اپنے احوال کو اسی طرح نوازتے ہیں جس طرح کوئی معزز میزبان مہمان کو نوازتا ہے۔
۴۳ ہر صباحے جب انسان صبح کو سو کر اٹھتا ہے تو اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال آتا ہے نے غلط میں نے یہ غلط کہا کہ صبح کو خیال مہمان بنکر آتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ صبح ہی کو نہیں بلکہ ہر وقت خوشی اور غم کا خیال انسان کے ذہن میں آتا رہتا ہے۔
اے خلیل۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مہمان نوازی مشہور ہے۔

حکایتِ آں مہمان وزنِ خداوند خانہ کہ آہ باراں گرفت
مہمان اور گھر کے مالک کی بیوی کی حکایت، کہ ہائے بارش جم گئی

و مہمان در گردنِ ما ماند
اور مہمان ہماری گردن میں پڑ گیا

آں یکے را بیگہاں آمد قنق[1] — ساخت اُو را ہمچو طوق اندر عُنق
ایک (میزبان) کے یہاں بے وقت مہمان آگیا — اُس نے اسکو گلے کے طوق کی طرح بنالیا

خواں کشید اُو را کرامتہا نمود — آں شب اندر کوئے ایشاں سُور بُود
اسکے لیے دسترخوان بچھایا، تواضع کی — اُس رات میں اُن کی گلی میں شادی تھی

مرد[2] زن را گفت پنہانی سخن — کامشب اے خاتون دو جامہ خواب کن
شوہر نے بیوی سے آہستہ سے کہا — اے خاتون! آج رات کو دو بسترے بچھانا

بسترِ ما را بگستر سوئے در — بہرِ مہماں گستراں سوئے دگر
ہمارا بستر، دروازے کی جانب بچھا — مہمان کے لئے دوسری جانب بچھا

گفت زن خدمت کنم شادی کنم — سمع و طاعت اے دو چشمِ روشنم
بیوی نے کہا خدمت بجالاؤں گی، خوش ہونگی — اے میری دو روشن آنکھیں! سنا اور مانا

ہر دو بستر گسترید و رفت زن — سوئے خانہ سور[3] کرد آنجا وطن
بیوی نے دونوں بستر بچھائے اور چلی گئی — شادی کے گھر کی جانب، وہاں ٹھہر گئی

ماند مہمانِ عزیز و شوہرش — نقل بنہادند از خشک و ترش
مہمان عزیز اور اس کا شوہر رہ گئے — خشک اور کھٹا چبینا اُنہوں نے (سامنے) رکھا

در سمر گفتند ہر دو منتخب — سرگذشت نیک و بد تا نیم شب
دونوں شریفوں نے کہانی میں ذکر کیا — آدھی رات تک، نیک اور بد کا قصہ

بعد ازاں مہماں ز خواب و از سمر — شد دراں بستر کہ بُد آں سوئے در
اسکے بعد نیند اور کہانی کی وجہ سے مہمان — اُس بستر میں چلا گیا جو دروازے کی جانب تھا

شوہر از خجلت بدو چیزے نگفت — کہ ترا ایں سوست اے جان جائے خفت
شوہر نے شرمندگی کی وجہ سے اُس سے کچھ نہ کہا — کہ اے جان! تیرے سونے کی جگہ اِس جانب ہے

کہ برای خواب تو اے بوالکرم[4] — بستر آں سوئے دگر افگندہ ام
کہ اے بزرگ! تیرے سونے کے لئے — میں نے بستر دوسری طرف بچھوایا ہے

آں قرارے کہ بزن اُو دادہ بُود — گشت مُبدل واں طرف مہماں غنود
وہ بات جو اُس نے بیوی سے طے کی تھی — بدل گئی، اور اُس جانب مہمان سو گیا

---

[1] قنق۔ کسی مہمان خیال کو یہ نہ کہہ کہ یہ میری گردن کا ہار بن گیا۔ حکایت۔ بیوی نے مہمان کو گلے کا ہار بنا خداوندِ خانہ۔ گھر والا۔ بیگہاں۔ بے وقت۔ قنق۔ مہمان۔ عنق۔ گردن۔ سُور۔ شادی بیاہ۔

[2] مرد۔ شوہر نے بیوی سے کہا کہ آج چونکہ مہمان بھی ہے دو بستر بچھانا۔ جامہ خواب۔ سونے کا بستر۔ بستر ما را۔ میرا بستر دروازہ کے قریب بچھانا اور مہمان کا بستر اندر کو بچھانا۔ سمع و طاعت۔ سُننا اور کرنا۔

[3] خانہ سُور۔ شادی والا گھر۔ نُقل۔ چبینا۔ سمر۔ رات کی کہانی۔ منتخب۔ میزبان اور مہمان دونوں برگزیدہ شخص تھے۔ بعد ازاں۔ کھانے اور کہانیوں کے بعد مہمان میزبان کے بستر پر لیٹ گیا۔ شوہر نے مہمان سے یہ نہ کہا کہ آپ کے سونے کے لئے دوسرا بستر ہے۔

[4] بوالکرم۔ مہربان۔ آں قرارے۔ جو بات بیوی کو طے ہوئی تھی وہ الٹی ہو گئی۔

آنشب آنجا سخت بارانی گرفت — کز شکوہِ ابر شاں آمد شگفت

اس رات کو وہاں سخت بارش ہونے لگی — کہ ابر کی ہیبت سے وہ حیران ہو گئے

زن بیامد بر گمانِ آنکہ شو — سوی در خفتہ است و آں سو آں عمو

بیوی آئی، اس گمان سے کہ شوہر — دروازے کی جانب سویا ہوا ہے اور اس جانب وہ چچا

رفت عریاں در لحاف آں دم عروس — داد مہماں را برغبت چند بوس

دلہن ننگی ہوکر فوراً لحاف میں گھس گئی — اور رغبت سے مہمان کے چند بوسے لئے

گفت می ترسیدم اے مردِ کلاں — خود ہماں آمد ہماں آمد ہماں

اس نے کہا اے بزرگ میاں! میں ڈرتی ہوں — وہی ہوا، وہی ہوا، وہی

مردِ[۲] مہماں را گل و باراں نشاند — بر تو چوں صابونِ سلطانی بماند

مہمان شخص کو کیچڑ اور بارش نے بٹھا دیا — آپ پر شاہی ٹیکس کی طرح ہو گیا

اندریں باران و گل او کے رود — بر سر و جانِ تو او تاواں شود

اس بارش اور کیچڑ میں وہ کب جائے گا — آپ کے سر اور جاں پر وہ تاوان بنے گا

زود مہماں جست و گفت اے زن بہل — موزہ دارم من ندارم غم ز گل

جلدی سے مہمان اٹھا اور بولا اے عورت! جانے دے — میرے پاس موزہ ہے مجھے کیچڑ کا فکر نہیں ہے

من[۳] رواں گشتم شما را خیر باد — در سفر یکدم مبادا روح شاد

میں چل دیا، تم سلامت رہو — خدا کرے سفر میں تھوڑی دیر کیلئے بھی روح خوش نہ ہو

تا کہ زوتر جانبِ معدن رود — کایں خوشی اندر سفر رہزن شود

تاکہ بہت جلد کان کی جانب چلی جائے — کیونکہ یہ خوشی سفر میں رہزن بنجاتی ہے

زن پشیماں شد ازاں گفتارِ سرد — چوں رمید و رفت آں مہمان فرد

عورت اس سرد (بھری) بات سے شرمندہ ہوگئی — جبکہ وہ یکتا مہمان بھڑک گیا اور چلا گیا

زن بسے گفتش کہ آخر اے امیر — گر مزاحے کردم از طیبت مگیر

عورت نے اس سے بہت کہا کہ اے سردار! آخر — میں نے مذاق کیا ہے، مذاق سے رنجیدہ نہ ہو

سجدہ و زاری زن سودے نداشت — رفت و ایشاں را دراں حسرت گذاشت

عورت کے سجدے اور عاجزی نے فائدہ نہ دیا — وہ چلا گیا ان کو اس حسرت میں چھوڑ گیا

جامہ[۱] ازرق کرد زاں پس مرد و زن — صورتش دیدند شمع بے لگن

میاں بیوی نے اس کے بعد کپڑے نیلے کرلئے — انھوں نے اس کی صورت بے شمعدان کی شمع دیکھی

میشد و صحرا ز نورِ شمع مرد — چوں بہشت از ظلمتِ شب گشت فرد

وہ جارہا تھا اور جنگل، مرد کی شمع کے نور سے — بہشت کی طرح رات کی تاریکی سے جدا ہوگیا

کرد مہمانخانہ خانہ خویش را — از غم و از خجلت ایں ماجرا

اس نے اپنے گھر کو مہمان خانہ بنا دیا — اس قصہ کے رنج اور شرمندگی کی وجہ سے

آنشب۔ اس رات ایسی بارش ہوئی کہ اسکے ابر کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ عریاں۔ ننگا۔ مہماں۔ مہمان کو شوہر سمجھکر اسکے بوسے لینے لگی۔ گفت۔ پھر مہمان کو شوہر سمجھکر کہنے لگی کہ جس چیز کا مجھے ڈر تھا وہی ہوئی۔

۲ مردِ مہماں۔ اب کیچڑ اور بارش کیوجہ سے مہمان روانہ نہ ہوگا۔ صابونِ سلطانی۔ کسی شخص کے لئے ایک مجمع پر کوئی چیز بادشاہ کیجانب سے مقرر ہونا۔ گل۔ کیچڑ۔ موزہ دارم۔ میرے پاس چمڑے کے موزے ہیں مجھے کیچڑ کی فکر نہیں ہے۔

۳ من رواں گشتم۔ چلتے وقت مہمان نے میزبانوں کو دعا دی۔ در سفر۔ دنیا کی زندگی سفر کی حالت ہے اور منزل آخرت ہے سفر میں خوشی اور آرام رہزن بنتا ہے

۱ جامہ ازرق۔ رنج میں نیلے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ صورت۔ اس مہمان سے جنگل روشن ہو رہا تھا اور جنت کا نمونہ بن گیا۔ کرد۔ اس میزبان نے اس شرمندگی میں اپنے گھر کو مہمان خانہ بنا دیا۔

در درونِ ہر دو از راہِ نہاں — ہر زماں گفتے خیالِ میہماں
مخفی راہ سے، دونوں کے باطن میں — ہر وقت مہمان کا خیال کہتا

کر بدم[۲] یارِ خضر صد گنجِ جود — می فشاندم لیک روزی تاں نبود
کہ میں خضر یار تھا، بخشش کے سیکڑوں خزانے — میں نے بکھیرے لیکن تمہارا حصّہ نہ تھے

تمثیلِ فکرِ ہر روزینہ کہ اندر دل آید بمہمانِ نو کہ از اوّلِ روز
ہر روز جو خیال دل میں آتا ہے اُس کی مثال دینا اُس نئے مہمان کیساتھ جو پہلے ہی دن

در خانہ فرود آید و تحکّم و بدخوی کند و فضیلتِ مہمانداری
گھر میں آتا ہے اور حکم چلاتا ہے اور بدمزاجی کرتا ہے اور مہمانداری کی فضیلت

و نازِ مہمان کشیدن
اور مہمان کی نازبرداری کرنا

ہر دمے فکرے چو مہمانِ عزیز — آید اندر سینہ ہر روز نیز
ہر وقت، عزیز مہمان کی طرح ایک فکر — ہر روز، سینہ میں بھی آتا ہے

فکر را اے جاں بجائیِ شخص داں — زانکہ[۳] شخص از فکر دارد قدرِ جاں
اے جان! فکر کو انسان کی طرح سمجھ — کیونکہ انسان فکر ہی سے جان کی قدر کرتا ہے

فکرِ غم گر راہِ شادی میزند — کارسازیہائے شادی میکند
غم کا فکر، اگر خوشی کی رہزنی کرتا ہے — وہ خوشی کے سامان مہیّا کرتا ہے

خانہ می روبد بہ تندی اُو ز غیر — تا در آید شادیِ نو ز اصلِ خیر
وہ سختی سے غیر سے گھر کو صاف کر دیتا ہے — تاکہ اصلی خیر سے، نئی خوشی آئے

میفشاند[۱] برگِ زرد از شاخِ دل — تا بروید برگِ سبزِ متصل
دل کی شاخ سے زرد پتّے جھاڑ دیتا ہے — تاکہ مسلسل سبز پتّے اُگ آئیں

می کَنَد اُو بیخِ سَرْوِ کہنہ را — تا خرامد سَرْوِ نو از ما وَرا
وہ پُرانے سرو کی جڑ اُکھاڑ دیتا ہے — تاکہ عالَمِ غیب سے نیا سرو جھومے

غم کَنَد بیخِ کژِ پوسیدہ را — تا نماید بیخِ رُوپوشیدہ را
غم، ٹیڑھی سڑی ہوئی جڑ کو اُکھاڑتا ہے — تاکہ جڑ چھپے رُخ کو رونما کر دے

غم ز دل ہر چہ بریزد یا برد — در عوض حقّا کہ بہتر آورد
غم، دل سے نکالتا یا لاتا ہے — یقیناً بدلے میں بہتر لاتا ہے

خاصہ آں را کہ یقینش باشد ایں — کہ بُوَد غم بندۂ اہلِ یقیں
خصوصاً اُس کے لئے جس کو یہ یقین ہو — کہ غم اہلِ یقین کا غلام ہوتا ہے

گر ترش[۲] رُوئی نیارد ابر و برق — رز بسوزد از تبسّمہایِ شرق
اگر ابر اور بجلی بدمزاجی نہ کرے — مشرق کی مسکراہٹوں سے انگور کی بیل جل جائے

۲ کر بدم۔ دونوں میاں بیوی کے دل میں مہمان کا تصوّر یہ کہتا تھا کہ میں تمہیں فائدہ پہنچانے آیا تھا لیکن تمہارے مقدّر میں نہ تھا۔ یارِ خضر۔ ہم نے ترجمہ خضر یار کیا ہے یعنی وہ خیال کہتا تھا کہ میں تمہارا دوست خضر تھا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میں خضر کا ایک دوست تھا اور اگر خضر خاء کے زیر اور ضاد کے زبر سے پڑھا جائے تو سبزی و شادابی کے معنی میں ہے۔ تحقیق۔ فکر خواہ ناخوشگوار ہو اس کو بہ مزاج مہمان سمجھ جس کی بحالہ خدمت کرنی ہے۔ تحکّم۔ حکم چلانا۔

۳ زانکہ۔ جان کی قدر اسی لئے ہے کہ اس میں قوّتِ فکریہ ہے۔ فکرِ غم۔ غم کا فکر سیکڑوں خوشیوں کا پیش خیمہ ہے۔ خانہ۔ غمگین فکر میں انسان دوسرے افکار بھول جاتا ہے۔ اصلِ خیر۔ اللہ تعالےٰ۔

۱ می فشاند۔ غم انگیز فکر تمام افکار کو ختم کر دیتا ہے تاکہ دل میں خوشی اُگے۔ ما ورا۔ عالَمِ غیب۔ غم۔ غم بُرائے افکار کی بوسیدہ جڑیں اکھاڑ پھینکتا ہے تاکہ چھپی ہوئی نئی جڑ برگ و بار لائے۔ بہتر آورد۔ یعنی روح کی صفائی۔ یقین کا خیال۔ اہلِ یقین۔ غم ان کی رضامندی سے ان کے پاس آتا ہے۔

۲ گر ترش روئی۔ بجلی اور ابر کی ترش روئی انگور کی بیل کی حیات ہے محض سورج کی مسکراہٹیں اس کو جلا ڈالتی ہیں۔ شرق۔ مشرق۔

سعد و نحس اندر دلت مہماں شود — چوں ستارہ خانہ خانہ میرود

تیرے دل میں اچھا اور برا مہمان ہوتا ہے — ستارے کی طرح خانہ بخانہ چلتا ہے

آں زماں کہ او مقیمِ برجِ تست — باش ہمچوں طالعش شیرین و چست

جس زمانے میں وہ تیرے برج میں مقیم ہے — تو اس کے عروج کی طرح شیریں اور چست بن

تاکہ بامہ چوں شود او متصل — شکر گوید از تو با سلطانِ دل

تاکہ جب وہ سورج سے ملے — دل کے شاہ (خدا) سے تیرا شکریہ ادا کرے

ہفت سال ایوبؑ[۱] با صبر و رضا — در بلا خوش بود با ضیفِ خدا

(حضرت) ایوبؑ صبر اور خوشی کیساتھ سات سال — خدا کے مہمان کے ساتھ مصیبت میں خوش تھے

تا چو وا گردد بلای سخت رو — پیشِ حق گوید بصد گوں شکرِ او

تاکہ جب سخت مصیبت واپس ہو — اللہ (تعالیٰ) کے سامنے سیکڑوں طرح اس کا شکریہ ادا کرے

کز محبت با منِ محبوب کش — رو نکرد ایوبؑ یک لحظہ ترش

کہ مجھ دوست کش کے ساتھ محبت سے — (حضرت) ایوبؑ نے ایک لمحہ کیلئے بھی منہ نہ بنایا

از وفا و خجلتِ حکمِ خدا — بود چوں شیر و عسل او با بلا

وفاداری اور اللہ (تعالیٰ) کے حکم کے لحاظ سے — وہ مصیبت میں دودھ اور شہد کی طرح تھے

فکر[۱] در سینہ در آید نو بنو — خند خنداں پیشِ او تو باز رو

فکر سینہ میں تازہ بتازہ آتا ہے — تو ہنستا ہنستا پھر اس کے سامنے جا

کہ اعذنی خالقی من شرہ — لا تحرمنی انل من برہ

کہ اے میرے پیدا کرنے والے مجھے اس کے شر سے پناہ (دے) — مجھے محروم نہ کر، مجھے اس کی بھلائی عطا کر

ربِ اوزعنی ان اشکر ما اری — لا تعقب حسرۃ لی ان مضی

اے رب! میرے دل میں ڈال کہ میں جو دیکھتا ہوں اس کا شکر ادا کروں — اگر وہ چلا جائے، اس کے بعد تو حسرت پیدا نہ فرما

آں ضمیرِ رو ترش را پاسدار — آں ترش را چوں شکر شیریں شمار

ترشرو خیال کا تو لحاظ کر — تو اس ترش کو شکر شمار کر

ابر را گر ہست ظاہر رو ترش — گلشن آرندہ ست ابر و شورہ کش

ابر اگرچہ بظاہر ترش رو ہے — وہ چمن پیدا کرنے والا ہے اور شور کو مٹانے والا ہے

فکرت[۲] غم را مثالِ ابر داں — با ترش تو رو ترش کم کن چناں

تو غم کے فکر کو ابر کی طرح سمجھ — اس طرح تو ترشرو کے ساتھ ترشروئی نہ کر

بو کہ آں گوہر بدستِ او بود — جہد کن تا از تو او راضی رود

ہوسکتا ہے کہ کوئی گوہر اس کے ہاتھ میں ہو — کوشش کر تاکہ وہ تجھ سے خوش جائے

ور نباشد گوہر و نبود غنی — عادتِ شیریں خود افزوں کنی

اگر گوہر (بھی) نہ ہو اور وہ مال دار بھی نہ ہو — تو اپنی شیریں عادت بڑھائے گا

سعد و نحس۔ رنج و خوشی اسی طرح دل کے خانوں کو طے کرتے ہیں جس طرح سعد و نحس ستارے آسمان میں اپنے منازل کو طے کرتے ہیں۔ او۔ یعنی خیال۔ برج یعنی دل۔ تاکہ۔ وہ فکر بارگاہِ خداوندی میں تمہاری شکر گزاری کا ذکر کرے۔

۵ ایوبؑ۔ حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے۔ ضیفِ خدا۔ خدائی مہمان یعنی مصیبت۔ محبوب کش۔ فکر و غم جس سے تعلق پیدا کرتے ہیں اس کو مار ڈالتے ہیں۔ خجلت۔ یعنی حضرت ایوبؑ اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ یہ مصیبت اللہ کے حکم سے آئی ہے۔

۱ فکر۔ جو نئے افکار دل میں آئیں انکو ہنسی خوشی قبول کر۔ کہ۔ خوشی سے قبول کرنا یہ ہے کہ تو یہ دعا کر کہ اللہ تعالیٰ اس فکر کے شر سے مجھے محفوظ رکھ اور مجھے اس کی بھلائی سے محروم نہ کر، جو میں تیری جانب سے دیکھوں اس پر شکر کروں اور اسکے چلے جانے کے بعد مجھے یہ حسرت نہ ہو کہ میں نے اس پر صبر کیوں نہ کیا۔ ابر۔ زمین کے لئے ابر ترشرو ہے لیکن وہی چمن پیدا کردیتا ہے اور اس کے شورپن کو زائل کر دیتا ہے۔

۲ فکرت۔ اپنے غم کو ابر کی طرح سمجھ اور اسکے فوائد پر غور کر۔ بو۔ ہوسکتا ہے کہ اس فکر میں تیری خیر مضمر ہو۔ ور نباشد۔ اگر خیر بھی مضمر نہیں ہے تو تیرے صبر میں اضافہ کا سبب ہے۔ جا ہی گرے۔ یہ صبر کی عادت دوسری جگہ بھی

جایِ دیگر سُود دارد عادتت
تیری عادت، دوسری جگہ مفید ہوگی

ناگہاں روزے بر آید حاجتت
اچانک، کسی روز تیری مُراد بر آئے گی

فکرت[۳] کز شادیت مانع شود
وہ فکر جو تیرے لئے خوشی سے مانع ہو

آں بامرِ و حکمتِ صانع شود
وہ خدا کے حکم اور حکمت کی بنا پر ہوتا ہے

تو مخواں دو چار دانگش اے جواں
اے جوان! تو اُس کو حقیر نہ سمجھ

بُو کہ نجمے باشد و صاحبقراں
ہو سکتا ہے، کہ وہ ستارہ اور سعادت مند ہو

تو مگو فرع ست اُو را اصل گیر
تو (اُس کو) شاخ نہ کہہ اُس کو جڑ سمجھ

تا شوی پیوستہ بر مقصود چیر
تاکہ ہمیشہ مقصود پر غالب رہے

ور تو آں را فرع گیری و مُضِر
اگر تو اُس کو شاخ اور مُضر سمجھے گا

چشمِ تو در اصل باشد مُنتظِر
تیری آنکھ جڑ کے لئے مُنتظر رہے گی

زہر آمد[ه] انتظار اندر چشش
انتظار، ذائقہ میں زہر ہے

دائما در مرگ باشی زاں رَوِش
اِس رَوِش سے تو ہمیشہ موت میں رہیگا

اصل داں آں را بگیرش در کنار
اُس کو جڑ سمجھ، اُس کو بغل میں لے لے

باز رہ دائم ز مرگِ انتظار
موت کے انتظار سے، ہمیشہ نجات حاصل کر

[۳] فکرتے - جو غم شادی سے مانع ہوتا ہے وہ بھی لطف کے حکم سے ہو سکتا ہے - اور اس میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے - دو چار دانگ - دو چار رتی یعنی حقیر - صاحبقران - وہ خوش نصیب ہے جس کی ولادت یا نطفہ کے استقرار کے وقت زُحل اور مشتری ایک برج میں ہوں - تو مگو - اس فکر کو اصل سمجھ اور اسی کو مقصود بنا تاکہ مقصود رسی ہو ورنہ تو مقصود سے محروم اور اسکا منتظر رہیگا۔

[ه] زہر آمد - صوفی ابن الوقت ہوتا ہے جو کچھ وقت سے آتا ہے اس کو خدا کے اسماء میں سے کسی اسم کا مظہر سمجھتا ہے یعنی اسماء وصفات کے عشق کا اثر ہے

شرح

یعنی تمہارا دل ایک مہمان خانہ ہے جس میں ہر روز ایک نیا مہمان آتا ہے - نہیں - میں نے غلط کہا - بلکہ ہر دم آتا ہے اس نئے مہمان سے مراد ہماری کیا ہے؟ خوش کن یا رنجدہ خیال - پس تم کو چاہیئے کہ تم کُشادہ رُو میزبان بنو - اور نہایت خوشی کے ساتھ اسکو اپنے یہاں ٹھہراؤ - اور اسکے لئے دروازہ بند نہ کرو - بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح راہ میں اسکے منتظر رہو -

حاصل یہ ہے کہ عالم علوی سے (جو کہ عوام سے غائب اور خواص کے سامنے حاضر ہے جس کو غیب وش اور مثل غیب کہا جا سکتا ہے) تمہارے دل میں خیالات، مہمانانِ خداوندی ہو کر آتے ہیں پس تم کو چاہیئے کہ ان کو راضی رکھو - دیکھنا تم یہ نہ کہنا کہ یہ میرے گلے کا ہار اور وبالِ جان ہو گئے ہیں کیونکہ وہ رہنے والے نہیں ہیں - بلکہ جہاں سے آئے تھے وہیں پھر لوٹ جائیں گے یعنی عدم سے آئے تھے اور عدم کو واپس ہو جائیں

گے اور ان کے چلے جانے کے بعد ممکن ہے کہ تمہیں افسوس ہو! جیساکہ ان خاوند اور بیوی کو ہُوا تھا۔ جن کا قصہ یہ ہے۔

ایک صاحب ایک شخص کے یہاں بے وقت مہمان ہوئے اسنے انکو یوں عزیز رکھا جیساکہ گلے میں طوق ہوتا ہے اور اسنے اُن کے سامنے کھانا رکھا۔ اور بھی اُن کی بہت کچھ خاطر کی۔ اتفاق سے اس روز ان کے محلہ میں کوئی محفل شادی تھی اور عورت کو وہاں جانا تھا اسلیے اس مرد نے اپنی عورت سے چپکے سے کہا کہ آج دو بستر بچھا دینا اور ہمارا بسترہ دروازہ کی طرف کرنا اور مہمان کا بستر دوسری طرف رکھنا۔ عورت نے کہا بہت اچھا! میں ایسا ہی کرونگی۔ بنابریں اسنے دو بستر بچھا دیئے اور عورت تقریب میں چلی گئی ـــ اب وہ شوہر اور مہمان رہ گئے انہوں نے اپنے سامنے کچھ کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیں اور کھاتے رہے اور آدھی رات تک اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہے۔ اس حالت میں مہمان کو نیند آگئی اور وہ گفتگو کو ختم کر کے اس بستر پر آلیٹا جوکہ دروازہ کی طرف تھا۔ میزبان کو یہ کہتے ہوئے شرم آئی کہ یہ بستر میرا ہے آپ دوسرے بستر پر تشریف رکھئے اسلئے وہ خاموش ہو رہا۔ اب وہ قرارداد جو عورت اور مرد کے درمیان ہو چکی تھی بدل گئی اور جو جانب شوہر کے لیے تجویز ہوئی تھی اس طرف مہمان سو رہا۔ اتفاق سے اس رات کو بارش بکثرت ہوئی اور یہ حالت تھی کہ ابر کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ خیر عورت بدیں خیال کہ شوہر دروازہ کی طرف سو رہا ہے اور مہمان دوسری جانب۔ ننگی ہو کر لحاف میں آداخل ہوئی اور مہمان کے چٹاچٹ بوسے لینے لگی اور یہ کہا کہ دیکھو جس بات کا مجھے کھٹکا تھا وہ ہو کر رہا یعنی ابر اور بارش نے مہمان کو روک لیا اور وہ شاہی ٹیکس کی طرح تم پر وبال ہو گیا۔ بھلا اس گارے پانی میں وہ کیونکر جاوے گا اسلئے تجھ ہی پر ڈنڈ ہوگا یہ سنتے ہی مہمان اُٹھ بیٹھا اور کہا کہ بی بی مجھے چھوڑ! میرے پاس جوتا ہے۔ مجھے گارے کی پرواہ نہیں ہے۔ اچھا لو! میں جاتا ہوں اور تم کو خیرباد کہتا ہوں اور یہ ناگواری جو سفر میں مجھے پیش آئی ہے میں اسکو غنیمت سمجھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ خدا کرے سفر میں

آدمی کو راحت نہ ملے ۔ تاکہ وہ جلد اپنے وطن کی طرف لوٹ جائے کیونکہ سفر میں خوشی رہزن ہو جاتی ہے اور وطن کا خیال بھلا دیتی ہے۔

(فائدہ: اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ طالب آخرت کے لیے تنعم دنیاوی سخت خطرہ کی خبر ہے کیونکہ اس میں اندیشہ ہے اس کا کہ وہ دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہو جائے) اور اگر در سفر یکدم مباد اوح شاد کو مولانا کا مضمون ارشادی کہا جائے تو پھر یہ اس مدعا میں نص ہو گا ۔ واللہ اعلم)

خیر جبکہ وہ چلنے لگا تو عورت کو اپنی بے مروتی کی گفتگو پر سخت ندامت ہوئی اور اسکی بہت کہا کہ میں نے تو محض خوش طبعی سے مذاق میں یہ بات کہی تھی آپ اس پر گرفت نہ کیجئے مگر اسکی منت و خوشامد نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور وہ مہمان... رخصت ہو گیا اور ان کو حسرت میں چھوڑ گیا اس پر انہوں نے اسی غم میں ماتمی لباس پہن لیا کیونکہ انہوں نے اس کی صورت ایک شمع کی صورت میں دیکھی ۔ اور دیکھا کہ وہ جا رہا ہے اور اسکی نور سے تمام جنگل بہشت کی طرح جگمگا رہا ہے اور تاریکی کا اس میں نام نہیں ہے ۔ اب انہوں نے اس واقعہ سے مغموم اور شرمندہ ہو کر اپنے گھر کو مہمان خانہ بنا لیا ۔ اور جو مسافر آتا اسکو اپنے یہاں ٹھہراتے اور اس کی خوب خاطر کرتے ان کے دل میں اس مہمان کا خیال خفیہ خفیہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں خضر تھا اور چاہتا تھا کہ تم کو بہت کچھ دولت دوں گا لیکن کیا کیجئے کہ تمہاری قسمت میں نہ تھا ۔ پس تم اس واقعہ سے عبرت پکڑو اور سمجھو کہ ہر وقت خیال ایک گرامی قدر مہمان کی طرح تمہارے دل میں بھی ہر روز آتا ہے۔

تم کو چاہیئے کہ اس خیال کو بمنزلہ آدمی کے سمجھو اور اس کی قدر کرو ۔ کیونکہ آدمی کی وقعت خیال ہی کی بنا پر ہوتی ہے پس جبکہ خیال کے سبب آدمی قابل رفعت ہے تو خود خیال بالاولیٰ قابل وقعت ہو گا۔

یہ ضرور ہے کہ رنجیدہ خیال تمہاری خوشی کو کھوتا ہے لیکن وہ تمہارے لیے خوشی کا

انتظام بھی کرتا ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کو تمہارے دل سے نکالتا اور فانیات کو تمہاری نظر میں محقر کرکے اور ان سے تمہاری توجہ کو ہٹا کر حق سبحانہٗ کی طرف پھیرتا ہے تاکہ حق سبحانہٗ کی جانب سے تم کو ایک نئی خوشی حاصل ہو جو اب تک کبھی نہ حاصل ہوئی تھی اور وہ شاخ دل سے خزاں رسیدہ تھی (خیالات بیہودہ) کو دور کرتا ہے تاکہ اس کی بجائے سبز پتے (اعلیٰ خیالات) پیدا ہوں اور وہ پرانی سرو (دنیاوی خوشی) کی جڑ اکھاڑتا ہے تاکہ اس کی جگہ ماورائے ناسوت سے ایک نیا سرو (خوشی دینی) اگ کر قائم ہو۔ اور وہ بری اور بوسیدہ جڑ کو اکھیڑتا ہے تاکہ وہ ایک ایسی جڑ کو ظاہر کرے جو ہنوز مخفی تھی۔ یعنی فساد عارضی کو دور کرکے صلاحیت اصلیہ کو ظاہر کرتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ غم دل سے جو چیز بھی کھوتا ہے اسکے عوض میں اس سے بہتر عطا کرتا ہے بالخصوص اس شخص کو جس کو امر مذکور متیقن ہو کیونکہ غم اہل یقین کا خادم ہوتا ہے اور ان کے لیے سامان راحت مہیا کیا کرتا ہے۔

شاید غم کی ترشروئی سے کسی کو خیال ہو کہ وہ سامان راحت و خوشی کیونکر مہیا مہیا کرتا ہے۔

اسلئے ہم اس مضمون کو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ابر اور برق ترشروئی نہ دکھلائیں تو آفتاب کی چمک کی تبسم سے انگور جل کر بھسم ہو جائے پس انگور کی سرسبزی اور شادابی کا مدار ابر و برق ترشرو ہوئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ ہر ترش رو مضر نہیں ہے اور وہ استبعاد جاتا رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اچھے اور برے ہر طرح کے خیالات تمہارے دل میں آتے ہیں اور ستاروں کی طرح گھر گھر پھرتے ہیں۔ پس جس وقت وہ تمہارے برج قلب میں آئیں تو تم ان کے لیے طالع کی طرح شیریں اور چست ہونا چاہیئے تاکہ وہ جب ماہِ حقیقی یعنی حق سبحانہٗ سے ملاقی ہوں تو وہ اس مالک اور بادشاہ دل سے تمہاری تعریف کریں۔ [فائدہ : باش ہمچوں طالعش شیریں وچست کی۔ تفصیل یہ ہے کہ اہل نجوم نے بارہ برجوں کو کواکب سبعہ پر یوں تقسیم کیا ہے کہ چاند

اور سورج کو ایک ایک بُرج دیا ہے اور باقی پانچ کو دو دو۔ اور کہا ہے کہ ہر ستارہ کو اپنے گھر میں قوت حاصل ہوتی ہے اسلئے اس کا گھر اسکے موافق ہو گا۔

پس تم کو چاہیئے کہ تم بھی خیالات کے موافق رہو۔ واللہ اعلم دیکھو! ایوب علیہ السلام ساٹھ برس تک صبر اور رضا کے ساتھ مصیبت کی حالت میں مہمان خداوندی یعنی رنج و غم سے خوش رہے تاکہ جب وہ شدید مصیبت واپس ہو۔ تو حق سبحانہ، سے ان کی بہت کچھ تعریف کرے اور کہے کہ اپنی محبت کے سبب انہوں نے مجھ محبوب کش سے ایک دم کے لیے بھی منہ نہیں چڑھایا مئیں وہ اپنی وفاداری اور ناخوشی حکم خدا سے شرمندگی کے سبب ساٹھ برس تک مصیبت کے ساتھ یوں ملے جُلے رہے جیسے دودھ اور شہد۔ پس تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خیالات دل میں نئے نئے آتے رہتے ہیں۔ پس تم کو ان کے ساتھ ہنسی خوشی جانا چاہیئے اور یہ دعا کرنی چاہیئے کہ الٰہی جو کچھ اس کی آمد میں میرے لیے برائی ہو تو مجھے اس سے بچانا اور جو کچھ اس میں بھلائی ہو اس میں مجھے کامیاب کرنا اور اے اللہ تو مجھے توفیق عطا کرنا کہ میری اس نعمت کا شکر ادا کروں جس کو میں دیکھ رہا ہوں یعنی عطائے غم کا۔ اور اگر یہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے تو اسکے پیچھے تو میرے لیے حسرت نہ چھوڑنا۔ یعنی تو صبر اور شکر عطا کرنا۔ تاکہ اسکے زوال کے بعد مجھے افسوس نہ ہو کہ میں نے اس وقت صبر اور شکر کیوں نہ کیا اور تم کو چاہیئے کہ اس ترش رو خیال کا لحاظ کرو۔ اور اس ترش رُو کو شیریں... سمجھو اور اس کے ترش روئی سے متوحش نہ ہو۔ کیونکہ اُسکی مثال ابر کی سی ہے اور ابر اگر بظاہر ترش رُو ہوتا ہے تو اس میں ایک بڑی خوبی تھی وہ یہ کہ وہ گلشن پیدا کرنے والا اور شورہ کو فنا کرنے والا ہے پس تم غم کو ابر کی مانند سمجھو اور اس ترش رُو کے ساتھ ترش روئی نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اسکے اندر کوئی مخفی دولت ہو جس کا ملنا موقوف ہو صبر اور شکر پر۔ اور شکر و صبر کرنے

سے تم اس سے محروم ہو جاؤ لہٰذا کوشش کرو کہ وہ تم سے راضی جائے اور وہ دولت تمہیں دیا جائے اور اگر اس میں کوئی دولت مخفی نہ ہو تب بھی شکر مفید ہے کیونکہ اس سے تمہاری عادت درست ہوگی اور یہ تمہاری اچھی عادت تم کو اور جگہ.. فائدہ دیگی اور ایک نہ ایک دن تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ تمام غم خالی نہیں ہو سکتے لہٰذا کوئی غم ایسا بھی ہوگا جو دولت لئے ہوئے ہوگا اور تم حسبِ عادت اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو وہ تمہیں دولت دے جائے گا۔

نیز خیال غم سے ناخوش ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ جو تمہاری خوشی کو روکتا ہے تو از خود نہیں روکتا۔ بلکہ بحکم اور باقتضائے حکمتِ الٰہی روکتا ہے ایسی حالت میں اس سے ناخوش ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

الحاصل تم غم کو حقیر نہ سمجھو! کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کوئی نہایت باسعادت ستارہ ہو اور بہت بڑی دولت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور تم اس سے ناخوشی کے سبب اس سے محروم ہو جاؤ۔ یہ گفتگو تو تمہاری تسلی کے لیے ہے ورنہ ہم کو چاہیئے کہ اسکو مقصود اور وسیلۂ دولت نہ سمجھو۔ بلکہ خود اسی کو مقصود سمجھو۔ تاکہ تم ہمیشہ کامیاب ہو۔ کیونکہ جب خود غم ہی مقصود ہوگا اور وہ حاصل ہوگا تو کامیابی ظاہر ہے۔

اور اگر تم اسکو غیر مقصود اور مضر لذاتہٖ یا مفید لغیرہ سمجھو گے تو اس وقت تمکو اصل مقصود کا انتظار رہے گا۔ اور انتظار کا مزہ نہایت تلخ ہے اسلئے تم اپنی اس طرزِ عمل سے ہمیشہ موت کی مصیبت میں مبتلا رہو گے۔ پس تم کو چاہیئے کہ خود اسی کو اصل مقصود سمجھ کر بغل میں لو۔ اور اس طرح انتظار کی موت کی مانند تکلیف سے بچ جاؤ۔ ایسا کرنے سے تم کو تکلیف بھی نہ ہوگی اور منافع غم بھی حاصل ہو جائیں گے۔

نواختنِ سُلطان محمُود ایاز را

سلطان محمود کا ایاز کو نوازنا

اے ایازِ پُر نیازِ صدق کیش
اے نیاز مند، سچائی کے طریقہ والے ایاز!

صدقِ تو از بحر و ز کوہ ست بیش
تیری سچائی سمندر اور پہاڑ سے زیادہ ہے

نے بوقتِ شہوتت باشد عِثار
نہ شہوت کے وقت تیرے لئے لغزش ہے

کہ رَوَد عقلِ چو کوہت کاہ وار
کہ تیری پہاڑ جیسی عقل تنکے کی طرح ہو جائے

نے بوقتِ خشم و کینہ صبر ہات[2]
نہ غصہ اور کینے کے وقت، تیرے صبر

سُست گردد در قرار و در ثبات
ٹکاؤ اور جماؤ میں سُست ہوتے ہیں

ہست مردی ایں نہ آں ریش و ذکر
مردانگی یہی ہے، نہ وہ داڑھی اور شرمگاہ

ورنہ بودے میرِ میراں کیرِ خر
ورنہ گدھے کی شرمگاہ سرداروں کی سردار ہوتی

حق کرا خواندست در قرآں رجال
جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مرد کہا ہے

کے بود ایں جسم را آں جا مجال
وہاں اس جسم کی کہاں گنجائش ہے؟

رُوحِ حیواں را چہ قدر ست اے پسر
اے بیٹا! حیوانی روح کی کیا قدر ہے؟

آخر از بازارِ قصاباں گذر
آخر قصائیوں کے بازار سے گذر

صد ہزاراں[3] سر نہادہ بر شکم
لاکھوں سریاں، پیٹ پر رکھی ہوئی ہیں

ارزِ شاں از دُنبہ و از دُم کم
جن کی قیمت چکتی اور دُمچی سے سستی ہے

تا توانی بندۂ شہوت مشو
جب تک تجھ سے ہو سکے شہوت کا غلام نہ بن

در پے شہوت مکُن دل را گرو
شہوت کے پیچھے دل کو گروی نہ کر

ورنہ شہوت خان و مانت بر کند
ورنہ شہوت تیرا گھر بار اُکھاڑ دے گی

زندہ ات در گورِ تاریک افگند
تجھے زندہ، اندھیری قبر میں پھینک دے گی

روسپی باشد کہ از جولانِ کیر
رنڈی ہوگی کہ (مردکی) شرمگاہ کی حرکت سے

عقلِ او موشے شود شہوت چو شیر
اُسکی عقل چوہے جیسی (اور) شہوت شیر جیسی ہوجاتی ہے

وصیتِ[1] پدر دختر را کہ خود را نگاہ دار تا حاملہ نشوی ازیں شوہر

باپ کی بیٹی کو نصیحت کہ اپنی حفاظت کر، تاکہ تو اِس شوہر سے حاملہ نہ ہو جائے

خواجہ بود ست او را دخترے
ایک صاحب کے ایک لڑکی تھی

زہرہ خدّے مہ رُخے سیمیں برے
زہرہ جیسے رخسار والی، چاند جیسے چہرے والی، چاندی کے جسم والی

گشت بالغ داد دختر را بشو
وہ بالغ ہوگئی اُس نے وہ شوہر کو دے دی

شو نبود اندر کفایت کفوِ او
شوہر حیثیت میں اُس کا ہمسر نہ تھا

صدق کیش۔ وہ جس نے سچائی کو مذہب بنایا ہو۔ عِثار۔ لغزش۔ کہ رود۔ یعنی پہاڑ جیسی عقل تنکے کی طرح ہو جائے۔

[2] کے۔ عام طور پر انسان غصہ میں صبر و ثبات کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہست۔ اصل مردانگی یہی ہے کہ غصہ کے وقت انسان اپنے آپ پر قابو رکھے۔ داڑھی اور آلۂ تناسل پر مردانگی کا اطلاق نہیں ہے ورنہ گدھا سب سے بڑا مرد ہوتا۔ حق۔ اللہ تعالیٰ نے رِجال ان لوگوں کو کہا ہے جن کی روح متقی ہو چکی ہے اور روح سے مُراد روحِ حیوانی نہیں ہے۔

[3] صد ہزاراں۔ روحِ حیوانی کی ذلت کا منظر دیکھنا ہو تو قصائیوں کے بازار میں جا کر دیکھ لے۔ ارز۔ قیمت شہوت۔ شہوت پرستی انسان کی بربادی کا باعث ہے اور انسان کو زندہ در گور کر دیتی ہے۔ روسپی۔ فاحشہ عورت شہوت میں اندھی ہو جاتی ہے۔

[1] وصیت پدر۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی شہوت سے مغلوب ہو گئی تھی حتیٰ کہ بر۔ چاندی جیسے جسم والی۔ کفو۔ ہمسر، ہم بناک۔ باب ۱۰۔ تحریف فساد یعنی جوانی لڑکی سے کوئی خرابی نہ کر بیٹھے۔

خربزہ چوں دررسد شد آبناک
خربوزہ جب پک جاتا ہے رسیلا ہو جاتا ہے

گر نہ بشگافی تبہ گشت وہلاک
اگر تو اس کو نہ چیرے گا، تباہ اور برباد ہو جائیگا

چوں ضرورت بود دختر را بداد
چونکہ مجبوری تھی، لڑکی دے دی

او بنا کفوے زتخویف فساد
اُس نے فساد کے ڈر سے غیر ہمسر کو

گفت[۲] دختر را کزیں داماد تو
اُس نے لڑکی سے کہا کہ تو اس داماد سے

خویشتن پرہیز کن حاملہ شو
اپنے آپ کو بچا، حاملہ نہ ہو

کز ضرورت بود عقدِ ایں گدا
اس لئے کہ اِس فقیر سے شادی مجبوری سے تھی

ایں غریبِ خوار را نبود وفا
اِس ذلیل، فقیر میں وفاداری نہ ہوگی

ناگہاں بجہد کند ترکِ ہمہ
اچانک بھاگ جائیگا، سب کو چھوڑ دے گا

بر تو طفلِ او بماند مظلمہ
اُس کا بچہ تیرے ذمہ پاداش بن جائے گا

گفت دختر اے پدر خدمت کنم
لڑکی نے کہا اے ابا! تعمیل کروں گی

ہست پندت دلپذیر و مغتنم
آپ کی نصیحت دل کو لگنے والی اور غنیمت ہے

ہر دو روزے ہر سہ روزے آں پدر
ہر دوسرے اور تیسرے دن، وہ باپ

دخترِ خود را بفرمودے حذر
لڑکی کو بچنے کا حکم دیتا

ایں[۳] چنیں قومے بعالم ہم بدند
دنیا میں ایسے لوگ بھی تھے

کز چنیں نوعے نصیحت گر شدند
کہ اِس طرح کی نصیحت کرنیوالے ہوئے ہیں

حاملہ شد ناگہاں دختر ازو
اچانک لڑکی اُس سے حاملہ ہو گئی

چونکہ بد ہر دو جواں خاتون و شو
چونکہ شوہر اور بیوی دونوں جوان تھے

از پدر آں را نہاں میداشتش
اُس نے اُس کو باپ سے چھپائے رکھا

پنج ماہہ گشت کودک یا کہ شش
بچہ پانچ یا چھ مہینے کا ہو گیا

گشت پیدا گفت بابا چیست ایں
وہ ظاہر ہو گیا، بابا نے کہا یہ کیا ہے؟

من نہ گفتم کہ ازو دوری گزیں
میں نے تجھے نہیں کہا تھا اُس سے دوری اختیار کر

آں وصیتہائے من خود باد[۴] بود
وہ میری نصیحتیں خود باد ہوائی ہوئیں

کہ نکردت پند و وعظم ہیچ سود
کیونکہ میرے وعظ اور نصیحت نے کوئی فائدہ نہ دیا

گفت بابا چوں کنم پرہیز من
اُس نے کہا ابا! میں کیسے بچتی؟

آتش و پنبہ است بیشک مرد و زن
مرد و عورت آگ اور روئی ہیں

پنبہ را پرہیز از آتش کجاست
روئی کا آگ سے کہاں بچاؤ ہے؟

یا در آتش کے حفاظت و تقاست
یا آگ میں نگہداشت اور بچاؤ کہاں ہے؟

[۲] گفت. باپ نے اس لڑکی کو حاملہ نہ بننے کی ہدایت کی. عقد یعنی نکاح. بجہد یعنی چھوڑ کر بھاگ جائیگا. مظلمہ ظلم کی پاداشت. حذر. بچاؤ.

[۳] ایں چنیں. ہوا، کہتے ہیں کہ ایسے بیوقوف بھی دنیا میں ہیں جو اس طرح کی بکو نصیحتیں کرتے ہیں. کودک. یعنی بیٹا، بچہ.

[۴] باد. یعنی میری نصیحت ہوا میں جا اڑ گئی. گفت. لڑکی نے باپ سے کہا. پنبہ. اگر آگ اور روئی ایک جگہ ہو تو روئی کب بچاؤ کر سکتی ہے. حفاظ. نگہداشت. تقا. بچاؤ.

گفت کے گفتم کہ سوی اُو مرو — تو پذیرای منیِّ اُو مشو
اُس نے کہا میں نے کب کہا تھا کہ تو اُسکے پاس جا؟ (یہ کہا تھا)، تو اُسکی منی کو قبول کرنے والی نہ بن

در زمانِ حال و انزال و خوشی — خویشتن باید کہ از وے درکشی
کیفیت اور انزال اور لذّت کے وقت چاہیئے (تھا)، کہ اُس سے اپنے آپ کو کھینچتی

گفت[۲] کے دانم کہ انزالش کیست — این نہانست و بغایت دوردست
اُسنے کہا مجھے کب معلوم تھا، کہ اُسکو انزال کب ہوگا؟ یہ پوشیدہ اور انتہائی بعید ہے

گفت چوں چشمش کلاپیسہ شود — فہم کن کاں وقتِ انزالش بُوَد
اُس نے کہا، جب اُس کی آنکھیں چڑھیں سمجھ لیتی کہ اُس کے انزال کا وقت ہے

گفت تا چشمش کلاپیسہ شدن — کور میگردد ز شہوت چشم من
اُس نے کہا، اُس کی آنکھیں چڑھنے تک شہوت سے میری آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں

نیست ہر عقلِ حقیرے پایدار — وقتِ حرص و وقتِ جنگ و کارزار
ہر حقیر عقل، مضبوط نہیں ہے حرص کے وقت اور جنگ و کارزار کے وقت

گفت۔ مادہ نے کہا کہ میں نے شوہر کے پاس جانے کو منع نہیں کیا تھا۔ منی یعنی انزال کے وقت اپنے آپ کو علیحدہ کر لینے کو کہا تھا۔
۲ گفت۔ لڑکی نے کہا مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُس کو انزال کس وقت ہو رہا ہے۔ دور دست۔ وہ مقام جہاں پہنچنا مشکل ہے۔ کلاپیسہ۔ آنکھوں کو چڑھ جانا کہ پتلی نظر نہ آئے۔ گفت۔ لڑکی نے کہا اُس وقت تو میں خود شہوت سے اندھی ہوتی تھی۔ وقتِ حرص۔ لالچ اور جنگ میں بہت کم عقلیں قائم رہتی ہیں۔

شرح

اب ہم پھر قصہ ایاز کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمود نے کہا کہ اے منکسر المزاج اور مخلص ایاز تیرا صدق نہ سمندر میں سما سکتا ہے اور نہ لوٹے میں اور نہ تجھے شہوت کے وقت لغزش ہوتی ہے جیسے کہ تیرے کوہ کی مانند غیر متزلزل عقل کاہ کی طرح اڑ جائے اور نہ غصہ اور کینہ کے وقت۔ تیرے صبر دن کے ثبات اور قرار میں خلل آتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! مردانگی اس کا نام ہے کہ آدمی نہ شہوت سے مغلوب ہو اور نہ غصہ اور عداوت سے اور مردی اس کا نام نہیں ہے۔ کہ کسی کے عُضوِ تناسل ہو یا ڈاڑھی ہو کیونکہ اگر عضوِ تناسل پر مردی کا مدار ہوتا تو گدھے کا عُضوِ تناسل کو امیر الامراء ہونا چاہیئے تھا۔ اسلیئے کہ جب عُضوِ تناسل میں یہ... خاصیت ہے کہ وہ دوسروں کو عزت اور شرف بخشتا ہے تو خود اسکو بالا و بالے معظم اور مکرم ہونا چاہیئے اور جبکہ عضوِ تناسل خود مکرم اور معظم ہُوا۔ تو لازم ہے کہ ان

لوگوں سے زیادہ معظم ہو جن کو اسکی جہت سے شرف حاصل ہوا ہے اور جبکہ وہ اوروں سے زیادہ معظم ہوا تو اسکے افراد میں جو سب سے بڑا ہو گا وہ اپنے سے چھوٹوں سے ضرور معظم تر ہوگا۔ وہو ذکر الحمار فثبت انہ امیر الامراء واعظم الاعاظم اللازم باطل۔ فالملزوم مثلہ۔ تم غور تو کرو کہ حق سبحانہ نے قرآن میں رجال کن کو کہا ہے۔ کیا اہلِ ذکر کو ہر گز نہیں۔ بلکہ جن کو ۔۔۔۔ رجال کہا ہے ان کو تو جسمیت سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ بلکہ وہ تو غلبہ روحانیت سے سراسر روح ہیں۔ چنانچہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے۔

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یُسبح لہ فیہا بالغدوّ والأصال ٥ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ط یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار۔

پس مرد وہ ہیں جن کو خدا مرد کہتا ہے کہ جن کے یہ صفات بیان کرتے ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع وغیرہ ذکر اللہ اور اقامت صلوٰۃ و اعطاء زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی۔ اور وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔ اور جس کیلیے مالک شہوت و غضب ہونا لازم ہے نہ کہ اہلِ ریش و ذکر (یہ استدلال شعری ہے) تم غور تو کرو کہ روح حیوانی کی قدر و قیمت ہی کیا ہے جو مناط مردے ہو سکے اسکی حیثیت تو وہ ہے جو تم کو قصائیوں کے بازار میں معلوم ہو گی تم جاؤ اور دیکھو۔ کہ ہزاروں سر جانور مذبوح پڑے ہوں گے اور ان کے سر ان کے پیٹ پر رکھے ہوئے ہوں گے اور ان کی قدر و قیمت دنبہ اور دم سے بھی کم ہو گی۔ یہ حیثیت ہے روح حیوانی کی تو وہ کیا خاک مناط مردی و عظمت و جلالت قدر ہو سکتی ہے پس تم کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے شہوت کے غلام نہ بنو اور شہوت میں دل کو نہ ۔۔۔ پھنساؤ۔ ورنہ یہ شہوت تمہارا خانہ خراب کر دے گی۔ اور تم کو زندہ در گور کر دیں گے کیونکہ اسکے سے تمہاری حیات روحانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اس طرح گویا کہ تم زندہ

درگور ہو جاؤ گے مردوں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ مغلوب شہوت ہو جائیں وہ تو رنڈی ہوتی ہے جو مغلوب شہوت ہوتی ہے اور ذکر کی آمد و شُد سے اسکی عقل مغلوب اور شہوت غالب ہو جاتی ہے مردوں کا یہ کام نہیں ہے کہ شہوت سے مغلوب ہو جائیں۔

اچھا اب ہم تمہیں ایک واقعہ سُناتے ہیں رجس سے تم کو شہوت کی قوت کی حالت معلوم ہو۔ اور تم اس سے عبرت حاصل کر سکو سُنو!

ایک شخص تھے جس کی ایک نہایت حسین لڑکی تھی وہ بالغ ہو گئی اور انہوں نے اس کی شادی کر دی لیکن اتفاق سے اس کا خاوند دولت مند نہ تھا۔ بلکہ ایک غریب آدمی تھا۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ ایسے سے شادی کیوں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تربوز پک جاتا ہے اور پانی سے بھر جاتا ہے تو اگر اسے چیرا نہ جائے تو خراب ہو جاتا ہے یہی حالت لڑکی کی ہے کہ اگر وہ بالغ ہو جائے اور اسکی شادی نہ کی جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں بگڑ نہ جائے اسلئے شادی کی ضرورت تھی اور چونکہ ضرورت تھی اور کوئی مناسب لڑکا ملا نہیں اسلیے مجبوراً اسکو غریب ہی کے پلہ باندھنا پڑا۔ تاکہ کوئی خرابی نہ ہو جائے لیکن اس نے لڑکی کو وصیت کر دی کہ تو اس شوہر سے الگ رہنا اور حاملہ نہ ہونا کیونکہ اس مفلس سے یہ شادی بضرورت کر دی گئی ہے۔

یہ بے چارہ ذلیل آدمی نباہ نہ سکے گا۔ بلکہ دفعتہً سب کو چھوڑ بیٹھے گا اور اس کا بچہ تیرے گلے پڑے گا۔ لڑکی نے کہا بہت خوب! میں ایسا ہی کروں گی کیونکہ آپ کی نصیحت جی لگتی اور قابلِ قدر ہے خیر لڑکی رخصت ہو گئی اور شوہر کے ساتھ رہنے سہنے لگی۔ باپ کا یہ معمول تھا کہ ہر دوسرے تیسرے دن لڑکی کو احتراز کی ہدایت کر دیتا تھا۔

اب مولانا تعجب سے فرماتے ہیں کہ اے اللہ! کہ دنیا میں ایسے احمق لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس قسم کے ناممکن العمل نصیحت کیا کرتے تھے رخیر اتفاقاً اس کو اس شخص کا

حمل رہ گیا۔ کیونکہ دونوں جوان تھے۔ خاوند بھی اور بیوی بھی۔ ایسی حالت میں حمل رہ جانا کونسی بڑی بات ہے لیکن وہ لڑکی اسکو باپ سے چھپاتی تھی۔ اسی عرصہ میں وہ حمل پانچ چھ مہینہ کا ہو گیا اور معاملہ کھل گیا۔ اس پر باپ نے کہا کہ بیٹی یہ کیا بات ہے کیا میں نے تجھے نہ روکا تھا۔ کہ تو اس سے الگ رہنا۔ میری وصیتیں تمام بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ انہوں نے تجھ پر کچھ اثر نہ کیا۔ اب لڑکی نے کہا کہ ابا جان۔ آخر میں بچ کیونکر سکتی ہوں۔ عورت اور مرد کا تو آگ اور روئی کا میل ہے بھلا روئی آگ سے کہیں بچ سکتی ہے یا وہ آگ میں پڑ کر جلنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ باپ نے کہا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ تو اس کے پاس نہ جانا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ اس کی منی کو قبول نہ کرنا اور تجھے چاہیئے کہ جب اسے انزال ہونے لگے تو تو الگ ہو جائے اس پر اس نے کہا کہ میں یہ کیسے سمجھ سکتی ہوں کہ اسے کب انزال ہوگا۔ یہ تو ایک مخفی امر اور میری آنکھوں سے نہایت دور ہے اسنے کہا کہ جب اس کی آنکھوں میں تغیر آجائے اور آنکھیں چڑھ جائیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اسے انزال ہوگا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ جب تک اسکی یہ حالت ہو۔ میری آنکھیں پہلے شہوت سے اندھی ہو جاتی ہیں۔ پھر میں کیسے معلوم کر سکتی ہوں

یہ واقعہ تھا اس سے تم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہر معمولی عقل کا کام نہیں ہے کہ وہ جنگ اور شہوت کے وقت قائم رہ سکے۔ اس سے تم کو شہوت کی برائی معلوم ہو گئی ہوگی پس تم کو اس سے نہایت احتراز چاہیئے۔ شہوت کے وقت عقل کے قائم نہ رہنے کا بیان تو سن چکے۔ اب جنگ کے وقت اس کے قائم نہ رہنے کا بیان سنو۔

وصفِ ضعفِ دلی و سستیِ صوفیِ سایہ پروردہ، مجاہدہ

اُس صوفی کے دل کی کمزوری اور سستی کا بیان جو سائے میں پلا تھا، مجاہدہ نہ کئے

ناکردہ، درد و داغِ عشق ناچشیدہ، بسجدہ و دست بوسِ

ہوئے تھا، عشق کا درد اور داغ نہ چکھے ہوئے تھا، سجدے اور عوام کی دست بوسی

عام و بحرمتِ نظر کردن و بانگشت نمودنِ ایشاں کہ

اور احترام سے دیکھنے، اور اُن کی اُنگلی اُٹھانے سے

امروز در زمانہ صوفی اُوست، غرہ شدہ و بوہم بیمار شد چون

کہ آجکل دنیا میں وہی صوفی ہے، وہ دھوکے میں آگیا تھا اور وہم کی بیماری میں مبتلا ہوگیا تھا

آں معلمِ کہ کودکاں گفتند کہ رنجوری، و بایں وہم کہ من مجاہدم

اُس اُستاد کی طرح جس کو بچوں نے کہا تھا کہ آپ بیمار ہیں اور اس وہم سے کہ میں مجاہد ہوں

مرا دریں راہ پہلوان میدانند با غازیاں بغزا رفتہ کہ بظاہر

لوگ مجھے اس راہ کا پہلوان سمجھتے ہیں، غازیوں کے ساتھ جہاد میں چلا گیا، کہ میں ظاہری

نیز بنمایم جہاد، کہ در جہادِ اکبر مستثنیٰ اَم جہادِ اصغر خود پیشِ

جہاد بھی کروں گا، کیونکہ میں بڑے جہاد میں ممتاز ہوں، چھوٹا جہاد میرے سامنے کیا

من چہ محل دارد، و خیالِ شیر در دیدہ و دلیریہا کردہ و مست

وقعت رکھتا ہے؟ اور شیر ہونے اور بہادریوں کا نقشہ آنکھ میں جما کر اور ان

ایں دلیریہا شدہ و روی بہ بیشہ نہادہ بقصدِ شیر و

بہادریوں میں مست ہو کر اور شیر کے ارادے سے جنگل کا رُخ کیا اور

شیر بزبانِ حال گفتہ کہ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ

شیر نے زبانِ حال سے کہا کہ ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے، پھر

کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے

رفت یک صوفی بہ لشکر در غزا
ایک صوفی جہاد میں لشکر کے ساتھ چلا گیا

ناگہاں آمد قطاریق و وغا
اچانک جنگ کا شور و غوغا اٹھا اور جنگ شروع ہوگئی

ماند صوفی با بنہ و خیمہ و ضعاف
صوفی سامان اور خیمہ اور کمزوروں کے ساتھ رہ گیا

فارساں راندند تا صفِ مصاف
شہسوار دوڑ کے میدانِ جنگ کی صف کی طرف گھوڑے دوڑا دیئے

مثقلانِ خاک برجا ماندند
مٹی کے بوجھل، (اپنی) جگہ پر رہ گئے

سابقون السابقون در راندند
سبقت کرنیوالے پیش قدم آگے دوڑ گئے

ع۱ وصف۔ ان صوفی صاحب کے قصہ سے یہ بتایا ہے کہ جنگ کے وقت اُن کی عقل بیکار ہوگئی تھی یہ صوفی صاحب خانقاہ کے سایہ میں پلے تھے مجاہدے کی مشقتیں نہ اٹھائی تھیں عوام کی دست بوسی سے اپنے آپ کو کامل انسان سمجھ بیٹھے تھے۔ انگشت۔ مشہور آدمی کی طرف لوگ انگلیوں سے اشارے کرتے

ع۱ چون معلم۔ پہلے مولانا نے قصہ سنایا تھا کہ مکتب کے بچوں نے اُستاد کو بلاوجہ بیمار بنا دیا تھا۔ جہادِ اکبر یعنی نفس کے ساتھ جہاد۔ مستثنیٰ۔ ممتاز۔ جہادِ اصغر کافروں سے جہاد کرنا۔

ع۲ کلا سوف۔ قرآن نے کافروں کے غلط خیالات کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ عنقریب حقیقت حال سامنے آجائے گی۔ غزا۔ جہاد۔ قطاریق۔ جنگ کا شور و غل۔ وغا۔ جنگ۔ بنہ۔ سامان۔ مصاف۔ صفوں کی جگہ میدانِ جنگ۔ مثقل۔ بوجھل۔

جنگہا[۵۲] کردہ مظفر آمدند — بازگشتہ با غنائم سودمند

جنگ کر کے کامیاب واپس آ گئے — مالدار ہو کر غنیمتوں کے ساتھ لوٹ آئے

ارمغاں دادند کاے صوفی تو نیز — اُو بروں انداخت نستد ہیچ چیز

اُنھوں نے تحفہ دیا کہ اے صوفی (تو بھی لے) — اُس نے باہر پھینک دیا، کوئی چیز نہ لی

پس بگفتندش کہ خشمینی[۱] چرا — گفت من محروم ماندم اَز غزا

پھر اُنھوں نے کہا کہ تو غصہ میں کیوں ہے؟ — اُس نے کہا، میں جہاد سے محروم رہ گیا

زاں تلطف ہیچ صوفی خوش نشد — کو میانِ غزو خنجر کش نشد

اِس مہربانی سے صوفی کچھ بھی خوش نہ ہوا — کیونکہ وہ جہاد میں خنجر چلانے والا نہ بنا

پس بگفتندش کہ آوردیم اسیر — آں یکے را بہرِ کشتن تو بگیر

تو اُنھوں نے اُس سے کہا، ہم قیدی لائے ہیں — اُس ایک کو تو قتل کرنے کے لئے لے لے

سر ببرش تا تو ہم غازی شوی — اندکے خوش گشت صوفی دل قوی

اُس کا سر قلم کر دے تاکہ تو بھی غازی بن جائے — صوفی تھوڑا خوش ہوا اور مضبوط دل بن گیا

کاب را گر در وضو صد روشنی ست — چونکہ آں نبود تیمم کردنی ست

کہ اگرچہ وضو میں پانی کے سیکڑوں نور ہیں — جب وہ نہ ہو تو تیمم کرنا ہی ہے

بُرد صوفی آں اسیرِ بستہ را — در پسِ خرگہ کہ آرد اُو غزا

اُس بندھے ہوئے قیدی کو صوفی لے گیا — خیمہ کے پیچھے، کہ وہ جہاد کرے

دیر ماند[۵۳] آں صوفی آنجا با اسیر — قوم گفتند اے عجب چوں مُند فقیر

صوفی قیدی کے ساتھ وہاں بہت دیر رہا — لوگوں نے کہا تعجب ہے، صوفی کو کیا ہوا؟

کافرِ بستہ دو دست اُو کشتنی ست — بسملش را موجبِ تاخیر چیست

دونوں ہاتھ بندھا کافر، قتل ہو جانے والا ہے — اُس کے ذبح کرنے میں تاخیر کا کیا سبب ہے

رفت آں یک در تفحص در پیش — دید کافر را ببالای ویش

جستجو میں، ایک اُس کے پیچھے چلا — اُس نے کافر کو اُس کے اوپر دیکھا

ہمچو نر بالای مادہ آں اسیر — ہمچو شیرے خفتہ بالای فقیر

وہ قیدی، مادہ پر نر کی طرح تھا — وہ فقیر پر شیر کی طرح پڑا تھا

دستہا[۵۴] بستہ ہمی خائید اُو — از سرِ استیزہ صوفی را گلو

ہاتھ بندھے ہوئے، وہ چبا رہا تھا — صوفی کا گلا، کینہ وری کی وجہ سے

گبر میخائید بادنداں گلوش — صوفی اُفتادہ بزیر و رفتہ ہوش

کافر دانتوں سے اُس کا گلا چبا رہا تھا — صوفی نیچے پڑا تھا اور ہوش اُڑ گئے تھے

دست بستہ گبر ہمچوں گربہ — خستہ کردہ حلقِ اُو بے حربہ

ہاتھ بندھے ہوئے کافر نے، بلی کی طرح — بغیر نیزے کے اُس کے گلے کو زخمی کر دیا

---

۵۲ جنگہا۔ جا بجا جہاد میں کامیاب ہو کر مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ ارمغان۔ یعنی مالِ غنیمت میں سے تحفہ۔

۱ خشمینی۔ تو غصہ میں کیوں ہے۔ تلطف۔ مہربانی۔ اسیر۔ قیدی۔ غازی۔ یعنی اس قیدی کا سر قلم کر کے غازی بن جا۔ کاب۔ صوفی نے کہا وضو ممکن نہ ہو تو تیمم سے کام چل جاتا ہے، اصل جہاد تو میدانِ جنگ میں تھا یہ بھی مجبوری کا جہاد ہے۔ خرگہ۔ خیمہ۔

۵۳ دیر ماند۔ صوفی کی واپسی میں دیر ہوئی تو لوگ حیران ہوئے۔ کافر۔ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کو قتل کرنے میں اس قدر دیر کا کیا کام ہے۔ تفحص۔ جستجو۔

۵۴ دستہابستہ۔ وہ دونوں ہاتھ بندھا ہوا کافر صوفی کے گلے کو دانتوں سے چبا رہا ہے۔ گبر۔ اس کافر نے اس صوفی کا گلا اس قدر چبایا کہ صوفی بیہوش ہو گیا۔ حربہ۔ نیزہ۔

[۱] نیم کشتش کرد با دنداں اسیر
قیدی نے دانتوں سے اس کو ادھ موا کر دیا

ریشِ او پُر خوں زحلقِ آں فقیر
اس فقیر کے حلق کے خون سے اُس کی داڑھی بھری ہوئی تھی

ہمچو تو کز دستِ نفسِ بستہ دست
تیری طرح، کہ ہاتھ بندھے نفس سے

ہمچو آں صوفی فتادستی بہ پست
اس صوفی کی طرح نیچے گرا پڑا ہے

اے شدہ عاجز ز تلِ کیشِ تو
اے وہ کہ تو اپنے مذہب کے ٹیلے سے عاجز ہے

صد ہزاراں کوہہا در پیشِ تو
تیرے سامنے لاکھوں پہاڑ ہیں

زیں قدر خر پشتہ مُردی از شکوہ
تو ڈر سے، اس قدر ڈھلوان ٹیلے سے مر گیا

چوں روی بر عقبہائے ہمچو کوہ
تو پہاڑ جیسی گھاٹیوں پر کیسے گذرے گا؟

غازیاں کشتند کافر را بہ تیغ
غازیوں نے کافر کو تلوار سے مار ڈالا

ہم دراں ساعت ز جمیت بیدریغ
بے دریغ اسی وقت غصہ سے

بر رخِ صوفی زدند آب و گلاب
صوفی کے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکا

تا بہوش آید ز بیہوشی و خواب
تاکہ وہ بیہوشی، اور غفلت سے ہوش میں آ جائے

[۲] چوں بخویش آمد بدید آں قوم را
وہ جب ہوش میں آیا اس نے قوم کو دیکھا

پس بپرسیدند چوں بُد ماجرا
تو انہوں نے پوچھا کیا قصہ ہوا؟

اللہ اللہ اینچہ حالست اے عزیز
اللہ اللہ اے پیارے! یہ کیا حال ہے؟

اینچنیں بیہوش گشتی از چہ چیز
تو کس چیز سے ایسا بے ہوش ہو گیا؟

از اسیرِ نیم کشتہ بستہ دست
ادھ موئے، ہاتھ بندھے، قیدی سے

اینچنیں بیہوش افتادی و پست
اس طرح بے ہوشی در پست ہو کر گر پڑا

گفت چوں قصدِ سرش کردم بخشم
اس نے کہا جب میں نے غصہ سے اس کے سر کا ارادہ کیا

طرفہ در من بنگریداں شوخ چشم
اس بے حیا نے مجھے عجیب طرح پر گھورا

چشم را وا کرد پہن او سوئے من
اس نے میری جانب آنکھیں پھاڑیں

چشم گردانید و شد ہوشم ز تن
آنکھوں کو گھمایا اور میرے ہوش بدن سے اڑ گئے

[۳] گردشِ چشمش مرا لشکر نمود
اس کی آنکھوں کا گھومنا، مجھے لشکر نظر آیا

می ندانم گفت چوں پُر ہول بود
میں بتا نہیں سکتا کہ کس قدر خوفناک تھیں

قصہ کوتہ کن کزاں چشم اینچنیں
قصہ مختصر کر، کہ ان آنکھوں سے میں ایسا

رفتم از خود اوفتادم بر زمیں
بے ہوش ہوا، زمین پر گر پڑا

فتنہ کوتہ کن کزاں غمزہ گراں
فتنہ کو مختصر کر، کہ اس کی تیکھی نظروں سے

رفتم از خود اوفتادم من دراں
میں بے ہوش ہو گیا، میں اس میں گر پڑا

---

۱ نیم کشتش۔ اس کافر نے صوفی کو نیم مردہ بنا دیا اور اس کی داڑھی اس صوفی کے خون میں لتھڑ گئی۔ ہمچو تو۔ اس صوفی کا ہاتھ بندھے کافر سے جو حال ہوا، ہمارے نفس کے ہاتھوں تیرا حال ہے۔ تل۔ خر پشتہ۔ وہ ٹیلہ جس کے کنارے ڈھلواں ہوں۔ عقبہ۔ پہاڑ کی گھاٹی۔ جمیت۔ عار کی وجہ سے غصہ کرنا۔

۲ چوں۔ جب صوفی کو ہوش آیا تو اس سے بیہوش ہونے کا قصہ پوچھا کہ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے نیچے پڑے ہوئے بے ہوش کیوں ہوئے۔ طرفہ۔ اس کافر نے عجب طرح پر گھور کر دیکھا بڑی بڑی آنکھیں نکالیں اور ان کو گھمایا تو میں بے ہوش ہو گیا۔

۳ گردش۔ اس کے آنکھیں چمکانے سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی لشکر آ گیا ہے میں اس کی خوفناکی کا بیان بھی نہیں کر سکتا ہوں۔

نصیحت کردنِ مبارزان اُورا کہ باایں دل و زہرہ کر تو داری

اُس کو جنگ جوؤں کا نصیحت کرنا کہ اس دل اور پتّے کے ساتھ جو کہ تو رکھتا ہے

از کلاپیسہ شدنِ چشمِ کافرِ اسیرِ دست بستہ بیہوش و دشنہ

ہاتھ بندھے ہوئے قیدی، کافر کی پُتلیاں چڑھنے سے بے ہوش ہو گیا اور تیشہ

از دست بیفگندی زینہار ہزار زینہار کہ ملازمِ مطبخ خانقاہ

ہاتھ سے گرا دیا، خبردار، خبردار! کہ خانقاہ کے مطبخ میں بیٹھا رہ

باش و سوئی پیکار مرو تا رُسوا نشوی

اور جنگ کی طرف نہ جا تاکہ رُسوا نہ ہو

قوم گفتندش بہ پیکار و نبرد — با چنیں زہرہ کہ تو داری مگرد
لوگوں نے اُس سے کہا لڑائی اور جنگ میں — اس پتّے سے جو تو رکھتا ہے، نہ جا

گردِ مطبخ گرد و اندر خانقاہ — تا دگر رُسوا نگردی در سپاہ
مطبخ اور خانقاہ کے اندر چکر کاٹ — تاکہ لشکر میں دوبارہ رُسوا نہ ہو

چوں ز چشمِ آں اسیرِ بستہ دست — غرقہ گشتی کشتیِ تو در شکست
جب اُس ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کی آنکھوں سے — تو ڈوب گیا، تیری کشتی ٹوٹ گئی

پس میانِ حملۂ شیرانِ نر — کہ بود با تیغِ شاں چوں گوی سر
تو نر شیروں کے حملہ کے دوران — جن کی تلواروں کے سامنے سر گیند کی طرح ہیں

کہ ز طاقا طاقِ گردن ہا زدن — طاق طاقِ جامہ کوباں ممتہن
کہ اُن کے گردن کاٹنے کی تراخ پڑاخ سے — دھوبیوں کی چھوا چھو کمتر ہے

کہ ز فشا فاشِ تیرِ جاں ستاں — ابرِ آذاری خجِل در امتحاں
کہ مار ڈالنے والے تیروں کے زنّاٹے سے — موسمِ بہار کا ابر آزمائش میں شرمندہ ہے

کے توانی کرد در خوں آشنا — چوں نہ با جنگِ مرداں آشنا
تو خون میں کیسے تیراکی کر سکے گا؟ — جبکہ تو بہادروں کی جنگ سے آشنا نہیں ہے

بس تنِ بے سر کہ دارد اضطراب — بس سرِ بے تن بخوں بر چوں حباب
بہت سے بے سر کے دھڑ تڑپتے ہیں — بہت سے بے دھڑ کے سر خون پر بلبلوں کی طرح ہیں

زیرِ دست و پایِ اسپاں در غزا — صد فنا کُن غرقہ گشتہ در فنا
جہاد میں گھوڑوں کے ہاتھ پاؤں کے نیچے — سینکڑوں قاتل فنا میں غرق ہیں

ایں چنیں ہوشے کہ از موشے پرید — اندراں صف تیغ چوں خواہد کشید
ایسا ہوش، جو چوہے سے اُڑا — اُس صف میں تو تلوار کیسے سونت سکے گا؟

چالش ست ایں خمر خوردن نیست ایں — تا تو بر مالی بخوردن آستیں
یہ جنگ تگ و دو ہے، یہ شراب نوشی نہیں ہے — تاکہ تو پینے کے لئے آستین چڑھائے

ا؎ طرہ۔ آنکھ کا اشارہ۔ زہرہ۔ پتّہ۔ کلاپیسہ شدن چشم۔ آنکھوں کی پتلیاں چڑھنا۔ گرد مطبخ۔ خانقاہ کے مطبخ کے چکر لگایا کر تاکہ پھر شرمندہ نہ ہو۔ کہ بود۔ جو ایسے بہادر ہیں۔ ان کی تلوار کے سامنے دشمن کے سر بچے کی گیند کی طرح ہیں۔

۲؎ طاقا طاق۔ تلواروں کی آواز۔ طاق طاق۔ دھوبی کے کپڑوں کو پٹرے پر پٹخنے کی آواز۔ فشا فاش۔ تیروں کے چلنے کی آواز۔ خجل۔ شرمندہ۔

۳؎ آشنا۔ پہلے مصرع کے آخر میں بمعنی تیرنا اور دوسرے مصرع میں بمعنی واقف ہے۔ بس۔ بہت سے دھڑ بغیر جسم کے ہیں اور کچھ سر بغیر دھڑ کے ہیں۔ حباب۔ بلبلہ۔

نیست حمزہ خوردن اینجا تیغ بیں
یہ جگہ تر و زیرک کھانا نہیں ہے، تلوار دیکھ

حمزۂ باید دریں صف آہنیں
اس صف میں لوہے جیسا (حضرت) حمزہ درکار ہے

نیست لوت چرب تیغ و خنجر ست
لذیذ کھانا نہیں ہے، تلوار اور خنجر ہے

جاں بباید باختن پیش جای سر ست
سر کا کیا ہے؟ جان کی بازی لگانی چاہیئے

کار ہر نازک دلے نبود قتال
ہر نازک دل کا کام جنگ کرنا نہیں ہے

کو گریزد از خیالے چوں خیال
جو ایک وہم سے خیال کی طرح بھاگ جائے

کار ترکان ست نے ترکاں برو
بہادروں کا کام ہے، بزدلوں کا نہیں ہے، جا

جای ترکاں ہست خانہ خانہ شو
بزدل کی جگہ گھر ہے، گھر میں جا بیٹھ

قصہ کوتہ کن کزاں چشم اینچنیں
قصہ مختصر کر، کہ اُن آنکھوں ... سے اس طرح

رفتی از دست و فتادی بر زمیں
تو بے قابو ہوگیا، اور زمین پر گر پڑا

لت غزا۔ جہاد۔ فنا کن۔ فنا کردینے والا۔ جاش۔ رفتار یعنی جنگی رفتار۔ برنائی آستین۔ توآستین چڑھائے حمزہ۔ مصرع اوّل بمعنی تارا میرا کا بیٹہ دوسری مصرع میں آنحضور کے چچا کا نام ہے جن کی بہادری مشہور ہے۔

شرح

ایک صوفی لشکر کے ہمراہ جہاد میں گئے وہاں دفعتہً شور جنگ برپا ہوگیا اور لڑائی ٹھن گئی۔ بس یہ صوفی تو اسباب اور خیموں اور عورتوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے رہ گئے اور شہسوار صف جنگ میں شریک ہوگئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت جہاد باطنی کی ہے کہ اس میں بھی جو لوگ غلبہ خاک سے گراں بار تھے پیچھے رہ گئے اور آگے بڑھنے والے تیز دوڑ گئے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب تم اصل قصہ سنو!

لوگ جہاد کر کے فتح حاصل کئے ہوئے اور اموالِ غنیمت لئے ہوئے سود مند لوٹ آئے اور اس میں سے صوفی کو بھی تحفہ دیا اور کہا کہ آپ بھی لیجیئے! اس نے اسے پھینک دیا اور کچھ نہ لیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آپ ناخوش کیوں ہیں اس نے کہا کہ میں ناخوش نہ ہوں کہ جہاد سے محروم رہ گیا۔ تم کو واضح ہو کہ کوئی صوفی جو کہ جہاد میں خنجر کش نہ ہوا ہو۔ ایسی عنایت سے خوش نہیں ہوسکتا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ ناخوش نہ ہوں ہم ایک قیدی لائے ہیں آپ اس قیدی کو مارنے کے لیے لے لیجیے اور اس کا سر کاٹیے۔ تاکہ آپ بھی غازی ہو جائیں یہ سُنکر صوفی کسی قدر خوش ہوا اور اس کی دل شکنی کم ہوئی کیونکہ اُس نے اپنے دل میں

کہا کہ گو وضو کے باب میں پانی نہایت خوب ہے لیکن جب پانی نہ ہو تو ناچار تیمم کرنا ہوگا۔ اسی طرح گو صفِ جنگ میں شرکت نہایت اعلیٰ تھی مگر جبکہ وہ ناممکن ہے تو اب مجبوراً قتلِ اسیر ہی پر قناعت کرنی پڑے گی۔

یہ خیال کر کے وہ اپنی مشکیں کسی ہوئے قیدی کو خیمہ کے پیچھے اسلئے لے گیا کہ وہاں اس پر جہاد کرے۔ وہ لے تو گیا۔ مگر واپس نہ آیا اور بہت دیر ہوگئی لوگوں نے کہا کہ ارے صوفی کیا ہوا۔ کافر مشکیں کسا ہوا اور واجب القتل تھا پھر اب تک اسنے اسے قتل کیوں نہیں کیا ــــــ القصہ! جب یہ تحیّر بڑھا تو ایک شخص تفتیش حال کے لیے گیا اُسنے وہاں جا کر دیکھا کہ کافر صوفی کے اوپر سوار ہے اور جس طرح کہ نر مادہ پر سوار ہوتا ہے یوں وہ قیدی شیر کی طرح صوفی پر پڑا ہے اور مشکیں کسی ہوئی ہونے کی حالت میں مخالفت سے صوفی کا گلہ چبا رہا ہے وہ کافر تو اس کا گلہ چبا رہا ہے اور صوفی بے ہوش نیچے پڑا ہوا ہے اور مشکیں کسی ہوئی کافر نے بلی کی طرح بدوں کسی ہتھیار کے صوفی کو زخمی کر رکھا ہے اور اس قیدی نے دانتوں سے اسکو ادھ مُوا بنا دیا ہے اور صوفی کے حلق کے خون سے اسکی ڈاڑھی رنگی ہوئی ہے۔

اب مولانا مضمونِ ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اُس صوفی کی ایسی ہی حالت تھی جیسے تیری کہ تو بھی مشکیں کسے ہوئے نفس کے ہاتھ سے اُس صوفی کی طرح مغلوب ہو کر نیچے پڑا ہوا ہے۔

ارے تو ایک ٹیلے یعنی اپنے ظاہر مذہب سے عاجز ہوگیا ہے اور اسکی پابندی نہیں کر سکتا۔ ابھی تو تیرے سامنے لاکھوں پہاڑ یعنی دقائق مذہب ہیں پس جبکہ تو اتنے بڑے ٹیلے کے خوف سے مرگیا ہے۔ تو تو ان پہاڑ کی طرح دشوار گذار گھاٹیوں سے کیونکر عبور کریگا۔ مرد خدا اتنا کمزور نہ بن اور ہمت سے کام لے کر نفس کو مغلوب کر۔ اس کا مغلوب کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ

بہت کمزور ہے۔ مگر ہمت کی ضرورت ہے

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو کہ جب غازیوں نے صوفی کی یہ حالت دیکھی تو جوشِ غیرت سے فوراً اس کافر کو تہ تیغ کر دیا۔ اور صوفی کے منہ پر پانی اور گلاب کے چھینٹے دیئے تاکہ وہ بے ہوشی اور بے خودی سے ہوش میں آئے۔ پس جبکہ وہ اس تدبیر سے ہوش میں آگیا۔ تو اس نے آنکھ کھولی اور لوگوں کو اپنے پاس جمع دیکھا۔ اس پر لوگوں نے اس سے واقعہ پوچھا اور کہا کہ میاں تمہاری کیا حالت ہو گئی۔ اور تم اس طرح کیوں بے ہوش ہو گئے۔ تعجب ہے کہ تم اس ادھ موئے اور مُشکیں کسی ہوئی قیدی سے یوں بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مغلوب ہو گئے اس نے جواب دیا کہ صاحبو! بات یہ ہے کہ جب میں نے غصہ سے اسکی گردن مارنے کا ارادہ کیا تو اس دیدہ دلیر نے میری طرف عجیب طرح سے دیکھا یعنی اس نے مجھ پر آنکھیں نکالیں اور مجھے گھُورا۔ یہ دیکھ کر میرے حواس غائب ہو گئے۔ اسکی گردشِ چشمہ مجھے ایک لشکر معلوم ہوتی تھی اور میں نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس قدر ہولناک تھی۔

قصہ مختصر اسکی اس خوفناک آنکھ سے میں بے ہوش ہوا اور زمین پر گرا ہوں اور اسکے سخت اشارہ چشم سے میں آپ میں نہیں رہا اور زمین پر گر پڑا یہ سُنکر اس سے لوگوں نے کہا کہ میاں! ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ اس کمزور ہمت کے ساتھ جو کہ تم کو حاصل ہے لڑائی کے پاس بھی نہ بھٹکنا۔ بلکہ باورچی خانہ اور خانقاہ ہی میں رہنا۔ تاکہ پھر اہل لشکر کے سامنے تمہیں ذلّت نہ اٹھانی پڑے کیونکہ جب کہ ایک مشکیں کسی ہوئے قیدی کی آنکھ سے تم ڈوب گئے اور تمہاری کشتی ٹوٹ گئی۔ تو شیرانِ نر کے حملہ میں۔ جہاں کہ تلواروں سے سروں کی وہ حالت ہوتی ہے جو کہ گیند کی۔ اور جہاں کہ گردن زنی کی آوازیں کے مقابلہ میں دھوبیوں کے کپڑے پیٹنے کی آوازیں محض ہوتی ہیں اور جہاں کہ جان لیوا تیروں کی شائیں شائیں سے ابر آذری کی شائیں شائیں شرمندہ ہوتی ہے تم کب خون میں تیر سکتے

ہو۔ جبکہ تم مردوں کی جنگ سے بالکل ہی نا آشنا ہو۔ وہاں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ بہت سے بے سر لاشے تڑپتے ہوتے ہیں۔ اور بہت سے سر خون پر بلبلوں کی طرح تیرتے ہوتے ہیں اور گھوڑوں کے سُموں کے نیچے سینکڑوں بہادر فنا ہو جاتے ہیں۔ ایسی صف میں ایسا ہوش جو کہ چہرے سے رخصت ہوگیا کیسے تلوار کھینچ سکتا ہے۔ جناب یہ تو معرکہ ہے۔ شراب خواری نہیں ہے کہ تم بھی آستین چڑھا کر پینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور یہ کوئی تیرہ تبرک کا کھانا نہیں کہ خود سے پہلے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں تلوار کا سامنا ہے اور اس صف میں حمزہ سے بہادر اور لوہے کے کلیجے والے کی ضرورت ہے یہ کوئی مرغن کھانا نہیں ہے کہ جھٹ سے کھالیا جائے۔ یہاں تلوار اور خنجر کا مقابلہ ہے۔ سر کیا چیز ہے۔ یہاں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لیے جنگ میں ان نازک دلوں کا کام نہیں ہے جو کہ ایک خیال سے خیال کی طرح رفو چکر ہو جائیں۔ بس جائیے۔ آپ کیا جہاد کریں گے۔ جہاد کام بہادروں کا ہے نہ کہ عورتوں کا۔ عورتوں کی جگہ تو گھر ہے۔ گھر میں جا کر بیٹھئے۔ قصہ مختصر! تم اس کافر کی آنکھ سے یوں بے خود ہو گئے اور زمین پر گر گئے پس تم جنگ کے قابل نہیں ہو —— یہ تو ایک نام کے صوفی کی حالت تھی۔ اب ہم اصلی صوفیوں کی حالت دکھلاتے ہیں۔ تاکہ کسی کو صوفیوں کی بزدلی کا شبہ نہ ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھے کہ بس تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں اچھا سنو!

حکایت عیاضی[۵۳] رحمۃ اللہ علیہ کہ نود بار بغزوہ رفتہ بود سینہ

حضرت عیاضی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کردہ نوّے بار جہاد میں گئے تھے کھلے

برہنہ و غزا ہا کردہ، بامید شہید شدن، و چوں نومید شد از

سینے، اور شہید ہوجانے کی امید پر جہاد میں گئے اور جب جہادِ اصغر

جہادِ اصغر رُوی بجہادِ اکبر آورد و خلوت گزید ناگہاں آوازِ

سے مایوس ہوگئے، تو جہادِ اکبر کا رُخ کیا اور خلوت اختیار کرلی، اُنھوں نے

طبلِ غازیاں شنید نفس از اندروں رنجہ می داشت سوی غزا

اچانک غازیوں کے نقارے کی آواز سنی نفس اندر سے جہاد کی جانب مجبور کرنے لگا

و متہم داشتن او نفسِ خود را دریں رغبت کہ کرد

اور اُن کا نفس کو اس رغبت کے بارے میں متہم بنانا جو اُس نے کی

گفت عیاضی نود بار آمدم ... تن برہنہ بو کہ زخمے آیدم

(حضرت) عیاضی نے فرمایا کہ میں نوّے بار پہنچا ... ننگے بدن، شاید میرے جسم پر کوئی زخم لگے

تن برہنہ می شدم در پیشِ تیر ... تا یکے تیرے خورم من جائی گیر[۱]

میں تیر کے سامنے ننگے بدن گیا ... تاکہ کوئی گھس جانے والا تیر کھاؤں

تیر خوردن بر گلو یا مقتلے ... در نیابد جز شہیدے مُقبلے

گلے یا مقتل پر تیر کھانا ... سوائے نصیبہ ور شہید کے کوئی نہیں پاتا ہے

بر تنم یک جائگہ بے زخم نیست ... ایں تنم از تیر چوں پرویز نیست

میرے جسم پر کوئی جگہ بغیر زخم کے نہیں ہے ... میرا یہ جسم تیروں کی وجہ سے چھلنی کی طرح ہے

لیک بر مقتل نیامد تیرہا ... کارِ بخت است ایں نہ چلدی و دہا

لیکن تیر، مقتل پر نہ پہونچے ... مقدر کی بات ہے نہ کہ بہادری اور ہوشیاری کی

چوں[۲] شہیدی روزیِ جانم نبود ... رفتم اندر خلوت و در چِلّہ زود

چونکہ شہادت، میری جان کی روزی نہ تھی ... میں جلد خلوت اور چلّہ میں چلا گیا

در جہادِ اکبر افگندم بدن ... در ریاضت کردن و لاغر شدن

میں نے جہادِ اکبر میں جسم ڈال دیا ... محنت کرنے اور لاغر ہونے میں

بانگِ طبلِ غازیاں آمد بگوش ... کہ خرامید ند جیشِ غزو کوش

غازیوں کے نقارے کی آواز کان میں آئی ... کہ جہاد کا کوشاں لشکر روانہ ہوگیا

نفسم از باطن مرا آواز داد ... کہ بگوشِ حس شنیدم بامداد

میرے نفس نے مجھے اندر سے آواز دی ... حس کے کان سے صبح کو سُنی

---

[۵۳] عیاضی - مشہور بزرگ صوفی ہیں اُن کا نام ابوبکر محمد بن احمد ہے اپنے کسی دادا عیاض کی طرف منسوب ہیں۔ مولانا نے اُن کو قصہ سنا کر سمجھایا ہے کہ ہر صوفی کو اُن صوفی صاحب کی طرح نہ سمجھنا جو ہاتھ بندھے قیدی کی آنکھیں دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ جہادِ اصغر - کافر سے جہاد جہادِ اکبر - نفس سے جہاد۔

[۱] جائی گیر - گھس جانے والا۔ مقتل - بدن کا وہ عضو جس پر چوٹ لگنے سے انسان مرجائے۔ مقبلے - بانصیب۔ پرویزن - چھلنی۔ چلدی - بہادری۔ دہا - تدبیر۔

[۲] چوں شہیدی - حضرت عیاضی فرماتے ہیں جب مجھے یقین ہوگیا کہ شہادت میرے مقدر میں نہیں ہے تو میں نے خلوت میں چلّہ کشی شروع کردی۔ جیش - لشکر۔ گرو - گروہ۔

خیز ہنگامِ غزا آمد برو
اُٹھ جہاد کا وقت آگیا، جا
خویش را در غزا و گردان کُن گرو
اپنے آپ کو جہاد میں معروف کردے

گفتم[۳۵] اے نفسِ خبیثِ بے وفا
میں نے کہا، اے بے وفا خبیث نفس!
از کجا میلِ غزا تو از کجا
تجھے جہاد کی خواہش کہاں سے، کہاں سے

راست گو اے نفس کایں حیلت گریست
اے نفس! سچ بتا یہ تیری حیلہ بازی ہے
ورنہ نفسِ شہوت از طاعت بر ہست
ورنہ شہوانی نفس عبادت سے بیگانہ ہے

گر نگوئی راست حملہ آرمت
اگر تو سچ نہ کہے گا، میں تجھ پر حملہ کردوں گا
در ریاضت سخت تر افشارمت
میں تجھے ریاضت میں سخت دباؤں گا

نفس[۱۱] بانگ آورد آندم از دروں
نفس نے اندر سے آواز دی
با فصاحت بے دہاں اندر فسوں
بغیر منہ کے، فصاحت کے ساتھ، جادوگری میں

کہ مرا ہر روز ایں جا می کشی
کہ تو مجھے ہر روز اس جگہ کھینچ لاتا ہے
جانِ من چوں جانِ گبراں میکشی
میری جان کو، کافروں کی جان کی طرح قتل کرتا ہے

ہیچ کس را نیست از حالم خبر
کسی کو میری حالت کی خبر نہیں
کہ مرا تو میکشی بے خواب و خور
کہ تو مجھے بغیر سوئے اور کھائے قتل کر رہا ہے

در غزا بجہم بیک زخم از بدن
میں جہاد میں ایک زخم سے بدن سے بھاگ نکلونگا
خلق بیند مردی و ایثارِ من
لوگ میری بہادری اور قربانی دیکھیں گے

گفتم[۴۲] اے نفسک منافق زیستی
میں نے کہا، اے ذلیل نفس! تو منافق جیا
ہم منافق میمری تو چیستی
منافق ہی مر رہا ہے تو کیا ہے؟

خوار و خود رای و مُرائی بودہ
تو ذلیل، خود سر اور ریاکار رہا ہے
در دو عالم تو چنیں بیہودہ
دونوں جہاں میں تو اس قدر بیہودہ ہے

نذر کردم کہ ز خلوت ہیچ من
میں نے منت مان لی ہے کہ میں خلوت سے کبھی
سر بروں نارم چو زندہ است ایں بدن
باہر نہیں نکلونگا، جب تک یہ بدن زندہ ہے

زانکہ در خلوت ہر آنچہ تن کند
اسلئے کہ خلوت میں بدن جو کچھ کرتا ہے
نز برای روی مرد و زن کند
وہ مرد و عورت کے دکھاوے کیلئے نہیں کرتا ہے

جنبش و آرامش اندر خلوتش
خلوت میں اس کی حرکت اور سکون
جز برای حق نباشد نیتش
اللہ (تعالیٰ) کے سوا کیلئے اسکی نیت نہیں ہوتی ہے

ایں جہادِ اکبر ست آں اصغر ست
یہ بڑا جہاد ہے، وہ چھوٹا جہاد ہے
ہر دو کارِ رستم ست و حیدر ست
دونوں کام، رستم اور حیدرؓ کے ہیں

کارِ آنکس نیست کو را عقل و ہوش
اُس شخص کا کام نہیں ہے کہ جسکی عقل اور ہوش
پرد از تن چوں بجنبد دمِ موش
بدن سے پرواز کر جائے جب چوہے کی دم ہلے

[۳۵] گفتم۔ میں نے نفس سے کہا، خبیث تجھے جہاد کی رغبت کیوں پیدا ہوئی ہے؟ سچ بتادے ورنہ تجھے بہت کچلوں گا۔

[۱۱] نفس۔ نفس نے جواب دیا تو مجھے یہاں چلہ کشی میں روز کافروں کی طرح قتل کرتا ہے۔ ہیچ کس۔ یہاں تنہائی میں میرے قتل سے کوئی واقف نہیں ہوتا ہے۔ در غزا۔ جہاد میں مروں گا تو یکبارگی مر جاؤنگا اور لوگ بھی میری جان نثاری کو دیکھ لیں گے۔

[۴۲] گفتم۔ میں نے نفس سے کہا تو نفاق کے ساتھ جیا اور اب لوگوں کے دکھاوے کے لئے جہاد کر کے منافق کی موت مرنا چاہتا ہے۔ خوار۔ تو دونوں جہانوں میں ذلیل ہوگا، مرائی۔ ریاکار۔ خلوت۔ تنہائی کی جگہ ریاکاری سے خالی ہوتی ہے۔ ایں جہادِ اکبر۔ خلوت میں چلہ کشی جہادِ اکبر ہے جو حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کام ہے۔
[۴۳] جہادِ اصغر۔ دشمن سے لڑنا یہ بہادر اور رستم کا کام ہے

کارِ آنکس نیست ایں سودا و جوش
یہ جنون اور جوش اُس کا کام نہیں ہے

کو ز مُوش و جُنبشش گم کرد ہوش
جو چوہے اور اُسکے ہلنے سے ہوش گنوادے

آنچناں کس را بباید چوں زناں
ایسے شخص کو عورتوں کی طرح چاہئے

دُور بودن از مصاف و از سِناں
میدانِ جنگ اور نیزے سے دور رہنا

صوفئے آں[۱] صوفیِ ایں اینت حیف
ایک صوفی وہ ہے ایک صوفی یہ ہے، عجب افسوس ہے

آں ز سوزن کشتہ ایں اطعمہ سیف
وہ سُوئی کا مقتول، اِس کی خوراک تلوار ہے

نقشِ صوفی باشد اُو را نیست جاں
وہ صوفی کی تصویر ہے، اُسمیں جان نہیں ہے

صُوفیاں بدنام ہم زیں صُوفیاں
اِن صوفیوں سے، صوفی بھی بدنام ہیں

بَر در و دیوارِ جسمِ گِل سرشت
مٹی کے بنے ہوئے جسم کے در و دیوار پر

حق ز غیرت نقشِ صد صُوفی نوشت
اللہ تعالیٰ نے غیرت سے سیکڑوں صوفیوں کی تصویریں بنادیں

تا[۲] ز سحر آں نقشہا جُنباں شود
تاکہ وہ تصویریں جادو سے متحرک رہیں

تا عصائے موسوی پنہاں شود
جب تک موسوی عصا مخفی رہے

نقشہا را می خورد صدقِ عصا
ان تصویروں کو لاٹھی کی سچائی نگل جاتی ہے

چشمِ فرعونی ست پُر گرد و حصا
فرعونی آنکھ ہے جو گرد اور کنکریوں سے پُر ہے

حکایتِ مجاہدِ دیگر و جانبازیٔ اُو در غزا

دوسرے مجاہد، اور جہاد میں اُس کی جان بازی کی حکایت

صُوفیِ دیگر میانِ صفِ حرب
جنگ کی صف میں ایک دوسرا صوفی

اندر آمد بست بار از بہرِ ضرب
تلوار بازی کے لئے بیس بار آیا

[۳] با مسلماناں بکافر وقتِ کرّ
مسلمانوں کیساتھ (ہوتا تھا) کافر پر حملہ کیوقت

وانگشت اُو با مسلماناں بفرّ
فرار کے وقت وہ مسلمانوں کیساتھ نہ پلٹتا تھا

زخم خورد و بست زخمے را کہ خورد
زخم کھاتا اور جو زخم کھاتا اُس کی بندش کرتا

بارِ دیگر حملہ آورد و نبرد
دوسری بار حملہ اور جنگ شروع کرتا

تا نمیرد تن بیک زخم از گزاف
تاکہ جسم ایک زخم سے خواہ مخواہ نہ مرجائے

تا خورد اُو بیست زخم اندر مصاف
یہانتک کہ وہ جنگ میں بیس زخم کھائے

حیفش آمد کہ بزخمے جاں دہد
اُسکو افسوس ہوتا کہ وہ ایک زخم سے جان دیدے

جاں ز دستِ صدقِ اُو آساں رہد
جان اُسکی سچائی کے ہاتھ سے آسانی سے چھوٹ جائے

- کارِ آنکس: جہادِ اکبر بود جہادِ اصغر اُس بزدل کا کام نہیں ہے جو چوہے کی دُم سے ڈرے۔ آنچناں۔ اُس شخص کو عورتوں کی طرح خانہ نشین ہو جانا چاہیے۔

[۱] آں۔ یعنی وہ صوفی جو دست بستہ کافر سے مغلوب ہوگیا۔ ایں۔ یعنی حضرت عیاضی۔ نقش۔ وہ بزدل صوفی صوفیوں کو بدنام کرنے والا ہے۔ بر در۔ انسانی جسم کی دیوار پر اللہ تعالیٰ نے غیرت کیوجہ سے بہت سے صوفیوں کی تصویریں بنادی ہیں تاکہ اسکے محبوب صوفی اِن تصویروں میں مخفی رہیں۔

[۲] تا ز سحر۔ یہ تصویریں محض جادوگری سے متحرک ہیں اور صوفیانہ حرکات کر رہی ہیں یہ اسی وقت تک ہے جب تک حقیقی صوفی جلوہ گر نہیں ہوتا ہے اُس کی جلوہ گری اِن سب کو ہضم کر جائے گی۔ حکایت۔ اِس میں بھی ایک صوفی کی بہادری کے کارنامے ذکر کئے ہیں۔ کرّ۔ تلوار بازی کر۔ اقدامی حملہ۔ فرّ۔ پسپائی۔

[۳] زخم۔ اِس کے ایک زخم لگتا تو فوراً مرہم پٹی کر کے حملہ آور ہو جاتا تاکہ ایک ہی زخم سے موت نہ آجائے۔

حکایتِ آں مجاہد کہ از ہمیانِ سیم ہر روز یک درم در خندق

اُس مجاہد کی حکایت جو چاندی کی تھیلی سے ہر روز ایک درہم خرچ بنا کر خندق میں

انداختے بتفاریق از بہرِ ستیزۂ حرص و آرزوی نفس

پھینک دیتا نفس کی آرزو اور لالچ سے جنگ کے لئے

وسوسۂ نفس کہ چوں می اندازی بخندق بارے یک بار

اور نفس کی تمنا یہ کہ تو جب کہ خندق میں پھینکتا ہے، اب ایک بار

بینداز تا خلاص یابم کہ اَلْیَاسُ[1] اِحْدَی الرَّاحَتَیْن واو

پھینک دے تاکہ میں چھٹکارا پا جاؤں، کیونکہ مایوسی بھی دو راحتوں میں سے ایک راحت ہے اور وہ

میگفت مر نفس را کہ ترا ایں راحت ہم ندہم

نفس سے کہتا تھا، کہ میں تجھے یہ راحت بھی نہ دوں گا

آں یکے بودش بکف چل درم
ایک (صوفی) کے ہاتھ میں چالیس درہم تھے

ہر شب افگندے یکے در آبِ یم
وہ ہر رات کو ایک دریا کے پانی میں پھینک دیتا

تا کہ گردد سخت بر نفسِ مجاز
تاکہ جھوٹے نفس پر سخت بن جائے

در تانّی دردِ جاں کندن دراز
جان کنی کا دراز درد، سست روی میں

نفسِ او فریاد کردے ہر شبے
اُس کا نفس ہر رات کو فریاد کرتا

در فتادے زار در تاب و تبے
تکلیف اور مصیبت میں لاغر ہوتا

کیس[2] چرا می نفگنی یک بارگی
کہ تو ایک بار کیوں نہیں پھینک دیتا ہے؟

کشتیم در غصّہ و بیچارگی
تو نے مجھے رنج اور مجبوری میں مار ڈالا

بہرِ حق یکبارگی بگذار دین
خدا کے لئے ایک مرتبہ میں قرض ادا کر دے

نفس را اَلْیَاسُ اِحْدَی الرَّاحَتَیْن
نفس کا، کیونکہ مایوسی دو راحتوں میں سے ایک ہے

او نگشتے ملتفت مر نفس را
وہ نفس کی جانب متوجہ نہ ہوتا

ہمچنیں کشتے مر او را در عنا
اُس کو اسی طرح مصیبت میں مارتا

ہمچنیں آں صوفی اندر صفِ جنگ
اسی طرح اُس صوفی نے جنگ کی صف میں

بہرِ حق بگرفتہ بد بر نفس تنگ
اللہ (تعالیٰ) کیلئے نفس پر سخت گرفت کر رکھی تھی

با مسلماناں[3] بکر او پیش رفت
حملہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ وہ آگے بڑھتا

وقتِ فر او وا نگشت از خصم تفت
پسپائی کے وقت دشمن سے جلد پیچھے نہ ہٹتا

زخمِ دیگر خورد آں را ہم بہ بست
دوسرا زخم کھایا اُس کو بھی باندھا

بیست کرت رمح و تیر از وے شکست
بیس مرتبہ نیزے اور تیر اُس پر ٹوٹے

بعد ازاں قوت نماند افتاد پیش
اُسکے بعد طاقت نہ رہی، سامنے گر گیا

مقعدِ صدقِ او ز صدقِ عشقِ خویش
اپنی سچائی کی جگہ میں، اپنے عشق کی سچائی کی وجہ سے

حکایت۔ جس طرح پہلے مجاہد یکبارگی مرنا نہ چاہتے تھے بلکہ بار بار زخم کھا کر جان دینا چاہتے تھے اسی طرح یہ مجاہد یکبارگی سرمایہ تلف نہ کرتے تھے بلکہ نفس کو بار بار تکلیف پہنچانے کے لئے روزمرہ ایک درہم تلف کرتے تھے۔

[1] الیاس۔ مقصد پورا ہونے سے بھی راحت ملتی ہے اور مقصد سے بالکل مایوس ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے۔ یم۔ دریا۔ مجاز۔ یعنی حقیقت سے غافل۔ تانّی۔ آہستہ روی۔ نفس۔ اس صوفی کا نفس درہم کو دریا میں پھینکنے کی وجہ سے ہر شب فریاد کرتا۔

[2] کیس۔ اور یہ کہتا کہ درہموں کو پھینکنا ہے تو ایک دفعہ پھینک دے۔ کشتیم۔ تو مرا کشتی۔ بکار الیاس۔ اگر یکبارگی مایوسی ہو جائے تو سکون مل جاتا ہے۔ ملتفت۔ متوجہ۔ عنا۔ مشقت۔ ہمچنیں۔ اسی طرح اُس صوفی نے نفس کی گرفت کر رکھی تھی ایک زخم کھا کر شہید نہ ہونا چاہتا تھا۔

[3] با مسلماناں۔ مسلمانوں کے حملہ کے وقت آگے بڑھتا لیکن پسپائی کے وقت جلد پسپا نہ ہوتا دشمن کے مقابلے میں جما رہتا۔ کرت۔ مرتبہ۔ رمح۔ نیزہ۔ مقعدِ صدق۔ قرآن پاک میں نیکوں کی روحوں کے بارے میں ہے وہ سچائی کی جگہ ہوں گی صاحبِ قدرت خدا کے پاس۔

صدق[۱] جان دادن بود ہیں سابقوا
سچائی، جان دے دینا ہوتی ہے، خبردار! آگے بڑھو
از نبی برخواں رجالٌ صدقوا
قرآن میں سے رجالٌ صدقوا پڑھ لے

ایں ہمہ مُردن نہ مرگِ صورت است
یہ کامل موت نہ صرف جسم کی موت ہے
ایں بدن مر روح را چوں آلت است
یہ بدن، روح کے لئے آلہ کی طرح ہے

اے بسا خامے کہ ظاہر خویش ریخت
بہت سے ناقص ہیں کہ انھوں نے اپنا ظاہر (جسم) بہا دیا
لیک نفسِ زندہ آں جانب گریخت
لیکن زندہ نفس اس جانب بھاگ گیا

آلتش[۲] بشکست رہزن زندہ ماند
اُس کا آلہ ٹوٹا اور ڈاکو زندہ رہا
نفس زندہ است ار چہ مرکب خوں فشاند
نفس زندہ ہے اگرچہ سواری نے خون چھڑک دیا

اسپ کُشت و رہ نرفت آں خیرہ سر
گھوڑا مار ڈالا اور اس بیوقوف نے راستہ نہ کیا
ماند خام و زشت از حق بے خبر
اللہ تعالیٰ سے بے خبر کچا اور بھدا رہ گیا

گر بہر خونریزیٔ گشتے شہید
اگر ہر خون بہانے سے شہید بنا کرتا
کافرِ کُشتہ بُدے ہم بوسعید
مقتول کافر بھی بوسعید ہوتا

اے[۳] بسا نفسِ شہیدِ معتمد
بہت سے بھروسے کے شہید نفس ہیں
مُردہ در دنیا چو زندہ میرود
مرے ہوئے، دنیا میں زندہ کیطرح چلتے پھرتے ہیں

رُوحِ رہزن مُرد و تن کہ تیغ اوست
ڈاکو نفس مر گیا اور جسم جو کہ اس کی تلوار ہے
ہست باقی در کفِ آں غزو دوست
جہاد کے شائق کے ہاتھ میں باقی ہے

تیغ آں تیغ است مرد آں مرد نیست
تلوار وہی تلوار ہے، مرد وہ مرد نہیں ہے
لیک ایں صورت ترا حیران کنیست
لیکن یہ صورت تجھے حیران کرنیوالی ہے

نفس چوں مبدل شود ایں تیغِ تن
نفس جب بدل جاتا ہے، یہ جسم کی تلوار
باشد اندر دستِ صُنعِ ذوالمنن
اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے ہاتھ میں ہوتی ہے

آں یکے مردیست قُوتش جملہ درد
ایک وہ مرد ہے جسکی ساری خوراک درد ہے
ویں دگر مردے میاں تی ہمچو گرد
اور یہ دوسرا مرد ہے جسکی کمر گرد کیطرح خالی ہے

۱ صدق۔ پہلی آیت میں جو صدق آیا ہے اُسکا مطلب اللہ کے راستہ میں جان دیدینا ہے۔ صَدَقُوا قرآن پاک میں ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ یعنی بعض مومن وہ ہیں جنھوں نے اس معاہدہ کو سچ کر دکھایا جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا یعنی راہِ خدا میں شہید ہو گئے۔ ایں ہمہ۔ راہِ خدا میں مرنا، جسم کا مرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو روح کا ایک آلہ ہے بلکہ اوصاف رذیلہ کا ازالہ اور نفس کو مٹانا ہے۔ اے بسا۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو جہاد میں مرتے ہیں لیکن اُن کا نفس زندہ رہتا ہے تو وہ راہِ خدا میں نہیں مرے۔

۲ آلتش۔ نفس کا زندہ رہنا اور جسم کا مر جانا تو ایسا ہی ہے جیسے ڈاکو زندہ رہے اور اُس کا ہتھیار یا گھوڑا فنا ہو جائے۔ اسپ۔ اس شخص کی مثال تو اُس شخص کی سی ہے جو منزل پر پہنچنے سے پہلے گھوڑے کو مار ڈالے۔ گر بہر خونریزی۔ اگر محض خون بہا دینا شہادت ہو تو ہر کافر جو جنگ میں مرے اسکو شہید کہو۔ بوسعید نیک بخت یا حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ۔

۳ اے بسا۔ جن لوگوں نے نفس کشی کر لی ہے اُنکا نفس مُردہ ہو چکا ہے لیکن وہ دنیا میں زندہ چلتے پھرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جو کسی مُردہ کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے۔ روح۔ جو نفس راہزن تھا وہ مر گیا ہے اُسکی جو تلوار تھی یعنی جسم وہ اس مجاہد کے ہاتھ میں باقی ہے۔ تیغ۔ یعنی جسم تو وہی ہے لیکن اب وہ شخص نہیں ہے وہ اپنے آپکو فنا کر کے بقا باللہ حاصل کر چکا ہے۔ نفس۔ اگرچہ وہ شخص نہیں رہا لیکن اب یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کا کام کرتی ہے۔

شرح ابوبکر محمد بن احمد عیاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نوّے مرتبہ جہاد میں تن برہنہ شریک ہوا۔ تاکہ شاید میرے کوئی زخم کاری لگ جائے اور میں شہید ہو جاؤں اور میں بالکل ننگا تیر کے سامنے چلا جاتا تھا تاکہ کوئی تیر میرے کاری لگ جائے لیکن یہ امر مقدر نہ تھا کہ میرے گلے پر کسی ایسی جگہ تیر لگے جس سے میں مر جاؤں اسلئے کسی ایسی جگہ نہ لگا ——— بات یہ ہے کہ شہادت کسی صاحب اقبال شخص کو ہی ملتی ہے ہر ایک کو نہیں ملتی۔ چنانچہ میرے جسم میں ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں تیر نہ لگا ہو اور یہ میرا جسم تیروں سے چھلنی ہو رہا ہے لیکن کسی ایسی جگہ تیر نہیں لگا جہاں لگنے سے میں مر جاتا۔

پس معلوم ہوا کہ شہادت قسمت سے ملتی ہے اور شجاعت دلیری سے نہیں ملتی (فائدہ: جلدی جلادت سے ماخوذ ہے نہ کہ بمعنی عجلت واللہ اعلم) پس جبکہ شہادت مجھے میسّر نہ ہوئی تو اس وقت میں نے یہ کیا کہ خلوت اور چلّہ کشی اختیار کی اور میں نے جہاد اکبر میں مشغول ہو کر جسم کو مشقت ریاضت میں ڈال دیا اور اسے گھلانا شروع کیا اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز غازیوں کے نقارہ کی آواز میرے کان میں آئی جس سے میں سمجھا کہ لشکر مجاہدین جہاد کے لیے جا رہے ہیں اس وقت نفس نے میرے اندر سے مجھے آواز دی جس کو میں نے بوقت صبح اپنے گوش حِس سے سُنا (فائدہ: واضح ہو کہ نفس کی آواز گوش حس سے محسوس نہیں ہوتی اسلئے بگوش حِس شنیدم محمول بر مجاز ہو گا۔ یعنی وہ آواز اتنی صاف تھی کہ اگر میں اسکی نسبت یہ دعوٰی کروں کہ میں نے اسکو گوش حِس سے سُنا تو کر سکتا ہوں) اور یہ کہا کہ جہاد کا وقت آگیا ہے اُٹھ اور چل اور اپنے کو جہاد میں محبوس کر۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ او بے وفا اور خبیث نفس کہاں تو اور کہاں رغبت جہاد۔ سچ بتا کہ اس میں تیری کیا شرارت ہے کیونکہ یقیناً اس میں تیری کوئی چال ہے۔

ورنہ نفس شہوت پرست کو اطاعت حق سے کیا علاقہ۔ دیکھ اگر تو سچ سچ نہ کہے گا تو میں تجھ پر حملہ کروں گا۔ اور ریاضت میں تجھے خوب دباؤں گا۔

یہ سُنکر نفس کمبخت اندر سے بدوں منہ کے صاف الفاظ میں یہ جادو بھری بات کہی کہ تو مجھے ہر روز یہاں مارتا ہے اور میری جان کو کافروں کی طرح ہلاک کرتا ہے اور عالم میں میری حالت کی کسی کو خبر نہیں کہ تو مجھے بے خواب و خور کے مارتا ہے پس میں نے سوچا کہ جہاد میں میرے لیے دو فائدہ ہیں اوّل یہ کہ میں ہر روز کی مصیبت سے چھوٹ جاؤں گا اور صرف ایک زخم سے جسم سے الگ ہو جاؤں گا۔ اور دوسرے یہ کہ ایسا کرنے سے لوگ میری مردانگی اور میرا موت کو حیات پر ترجیح دینا دیکھیں گے جس سے میرا نام ہو گا۔

اس پر میں نے کہا کہ او پاجی نفس! تو زندہ بھی رہا تو نفاق کی حالت میں اور مرتا بھی ہے تو نفاق میں۔ کم بخت تو کون بلا ہے۔ تو سراسر ذلیل اور خود رائے اور ریاکار ہے اور حالت حیات و حالتِ موت دونوں حالتوں میں تو اس قدر بیہودہ ہے۔ اچھا اب میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک حیات جسمانی باقی ہے میں بلا ضرورت شرعیہ خلوت سے نہ نکلوں گا کیونکہ خلوت میں جو کچھ آدمی کرتا ہے وہ لوگوں کے دکھاوے کی وجہ سے نہیں کرتا۔ اور حرکت یا سکون خلوت میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں اس کی نیت بجز رضائے حق کے اور کچھ نہیں ہوتی اسلیے یہ جہاد اکبر ہے اور جہاد معروف جہاد اصغر۔ لیکن یہ دونوں کام ارباب ہمت عالیہ مثل رستم و حیدر سے تعلق رکھتے ہیں اور جہاد اصغر کا اصغر ہونا بہ نسبت جہادِ اکبر کے ہے نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ کوئی معمولی چیز ہے) اور ان لوگوں کا کام نہیں ہے جن کی عقل اور ہوش چوہے کی دم کی حرکت سے رفوچکر ہو جائے۔ اور یہ خیال و جوش ان لوگوں کا کام نہیں ہے جو چوہے کی حرکت سے حواس کھو بیٹھیں۔ اسلیے ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معرکہ اور سنان و خنجر وغیرہ سے الگ رہیں۔

اس واقعہ سے تم سمجھو کہ ایک تو وہ نامرد صوفی تھا اور ایک یہ صوفی ہیں اور یہ تفاوت نہایت قابل افسوس ہے وہ تو سوئی سے مرگیا اور یہ تلواریں کھاتے ہیں۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جسم صوفی تھا اور جان صوفی

اس میں نہ تھی۔ ایسے ہی صوفیوں نے صوفیوں کو بدنام کیا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے سبب صوفی لوگ بدنام نہیں۔ تم کو واضح ہو کہ حق سبحانہٗ نے جسم خاکی کی دیواروں پر باقتضائے غیرت صوفیوں کے سینکڑوں تصویریں بنا دی ہیں۔ تاکہ وہ تصویریں جادو سے حرکت کریں اور عصائے موسوی مخفی ہو جائے (یعنی غیرت خداوندی نے نہ چاہا کہ حقیقی صوفیوں کو بالکل ممتاز کر دیا جائے اسلئے اس نے بہت سے مصنوعی صوفی بنائے اور اصلی صوفیوں کو ان میں چھپا دیا۔ تاکہ ہر شخص بدوں طلب کے ان کو نہ پا سکے اور طالبین اور غیر طالبین میں امتیاز ہو جائے) یہ ضروری بات ہے کہ عصائے موسوی (حقیقی صوفی) ان جادو کے پتلوں (مصنوعی صوفیوں) میں مخفی ہے لیکن اس کا خفا تلبیس کی حد تک نہیں پہنچا۔ بلکہ اسکی اصلیت ظاہر ہے کیونکہ اس عصا کا صدق ان جادوں کے پتلوں کو کھا رہا ہے یعنی اہل اللہ کی حقانیت دھوکہ بازوں کے فریب کو ظاہر کر رہی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ پھر لوگوں کو ان کا صدق کیوں نہیں دکھلائی دیتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چشمِ فرعونی یعنی غیر طالب حق آنکھ رکھتے ہیں جو کہ تعصب و عناد و تقلید آبائی وغیرہ کی گرد اور کنکریوں سے پر ہے اسلئے وہ آنکھ کھول کر دیکھتے ہی نہیں تاکہ انہیں ان کا صدق دکھلائی دے۔

اچھا اب اصلی صوفیوں کی ایک اور حکایت سنو۔ ایک اور صوفی بیس دفعہ صف جنگ میں بوقت حملہ ضرب کفار کے لیے مسلمانوں کے ساتھ گیا مگر واپسی کے وقت وہ ان کے ساتھ نہیں لوٹا بلکہ برابر لڑتا رہا اور جب کوئی زخم اس کے لگتا تھا تو وہ اسے باندھ کر پھر حملہ کرتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ وہ جنگ میں اپنے بچاؤ کے پہلو کو مدنظر نہ رکھتا تھا بلکہ خوب دل کھول کر لڑتا تھا اور مقصود اس کا یہ تھا کہ میں ایک زخم سے نہ مروں بلکہ مجھ پر بہت سے زخم لگیں اور اس وقت مروں کیونکہ اسنے اس امر کو قابل افسوس سمجھا کہ ایک زخم سے جان دیدے اور جان اسکی ہاتھ سے یوں آسان

نکل جائے۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس کے پاس چالیس روپیہ تھے اور وہ رات کو ایک روپیہ کنوئیں میں ڈال دیتا تھا تاکہ نفس گرفتار مجاز پر اس توقف میں خوب سختی ہو اور اسکو جانکنی کی مصیبت خوب جھیلنی پڑے اس سے اسکا نفس فریاد کرتا تھا۔ اور ہر رات پیچ و تاب میں گرفتار ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ ارے تو سب کو ایک مرتبہ ہی کیوں نہیں ڈال دیتا تو نے مجھے رنج اور سُبکی سے مار ڈالا۔ خدا کے لیے تو ایک مرتبہ یہ ہی قرض اتار دے اور سب کو ایک دفعہ ہی کنوئیں میں ڈالدے کیونکہ میرے لیے ناامیدی بھی ایک راحت ہے پس ایسا کرنے سے مجھے روپیوں سے ناامیدی ہو جائے گی اور راحت حاصل ہو جائے گی مگر وہ نفس کی بات نہ سُنتا تھا اور یوں ہی اسے تکلیف سے مارتا تھا پس یونہی وہ صوفی جنگ میں خدا کے لیے نفس پر سختی کر رہا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ حملہ کے لئے آگے بڑھتا تھا لیکن واپسی کے وقت دشمن کی فوج سے جلدی نہ لوٹتا تھا اور جب کوئی اور زخم اس کے لگتا تھا تو اسکو بھی باندھ لیتا تھا۔

قصہ مختصر اس کے بائیس مرتبہ نیزہ اور تبر ٹوٹے اس کے بعد اس میں قوت نہ رہی اور آگے کی جانب گر گیا اور اپنے عشق صادق کی بدولت مقعد صدق میں یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو صدق کے لیے مخصوص ہے۔۔۔۔۔ تم سمجھتے ہو کہ صدق کیا چیز ہے۔ اچھا لو ہم بتلاتے ہیں صدق کی حقیقت ہے جان نثاری اور جانبازی۔ اگر اسکی تصدیق چاہتے ہو تو قرآن میں من المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عٰھدوا اللہ علیہ ط فمنھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر پڑھو، جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے اس عہد میں سچے اُترے۔ جو انہوں نے خدا سے کیا تھا یعنی خوب داد جانبازی دی۔

اب وہ دو قسم کے ہیں کچھ لوگ تو شہید ہو گئے اور کچھ منتظر شہادت ہیں

پس اس آیت میں حق سبحانہ نے جان بازی کو صدق اور وفا سے تعبیر فرمایا ہے اس سے صدق کی حقیقت معلوم ہوگئی پس لوگو تم جان بازی کی طرف سبقت کرو اور خدا کی راہ میں جان دیدو لیکن یہ یاد رہے کہ خدا کی راہ میں جان دینا اس کا نام نہیں ہے کہ اس کا جسم فنا ہو جائے جس کو مرگ صوری اور ظاہری کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل چیز تو روح ہے۔ رہا بدن سو وہ تو اس کا آلہ ہے پس بدن کا فنا ہونا مرنا نہیں ہو سکتا مرنا تو روح کا ہے جب روح مر جائے یعنی خودی کو چھوڑ دے اس وقت کہا جائے گا کہ یہ شخص مر گیا۔ پس بہت سے احمق تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے جسم کو فنا کر دیتے ہیں مگر ان کا نفس زندہ ہوتا ہے اور بچ کر نکل جاتا ہے اور راہزن کا آلہ ٹوٹ جاتا ہے مگر اصل راہزن زندہ ہوتا ہے اور نفس زندہ ہوتا ہے مگر اس کی سواری یعنی جسم اپنا خون بہا دیتی ہے اور وہ اپنا گھوڑا تو مار دیتا ہے مگر منزل طے نہیں کرتا۔

یعنی وہ ناقص اور بُرا اور خدا سے بے خبر ہوتا ہے اور وہ آلہ جس سے وہ اپنی اصلاح کر سکتا تھا۔ کھو بیٹھتا ہے سو اس سے زیادہ کیا حماقت ہوگی اور ایسے مرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگر ہر قتل ہونے میں آدمی شہید ہوا کرتا تو کافر مقتول بھی سعید ہوتا۔ اور شقی نہ ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ صرف جسم کا فنا کرنا شہادت نہیں ہے اور بہت سے شہید لوگ دنیا میں مر چکتے ہیں مگر زندوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں یعنی ان کی روح راہزن مر جاتی ہے اور جسم جو کہ اسکی تلوار ہے وہ ایک غازی کے ہاتھ میں ہوتی ہے پس تلوار تو وہی ہوتی ہے لیکن آدمی وہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی اور اسکو سن کر تمہیں حیرت ہوگی۔ اسلئے ہم اس کی توضیح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آدمی کی صفات ذمیمہ فنا ہو جاتی ہے اور وہ متخلق با خلاق اللہ ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ شخص وہ نہیں رہتا

جو پہلے تھا بلکہ اسکی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور اسوقت اس کا ہاتھ گویا کہ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ اور وہ تلوار (جسم) جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ گویا کہ خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس سے تم کو سمجھنا چاہیئے کہ اصل شہادت ترک خودی اور فنا فی اللہ ہے اور اسکو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم قصہ ہائے سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صوفیوں کے قصوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ مرد تو ایسے ہوتے ہیں جس کی غذا راہ خدا میں تکلیف اٹھانا ہوتا ہے جیسے عیاضی وغیرہ اور کچھ مرد ایسے ہوتے ہیں دیکھنے میں مرد معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اندر سے خالی اور مثل گرد بے حقیقت ہوتے ہیں جیسے کہ وہ صوفی غازی جو بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا اس پر ہم کو قصہ یاد آگیا، سنو!

صفت کردنِ مردِ غمّاز و نمودنِ صورتِ کنیزک مصوّر

ایک چغلخور کا خوبی بیان کرنا اور کاغذ پر بنی ہوئی ایک لونڈی کی تصویر دکھانا

در کاغذ و عاشق شدنِ خلیفۂ مصر بر نقشِ آں کاغذ و فرستادنِ

تصویر دکھانا اور اس کاغذ کی تصویر پر مصر کے خلیفہ کا عاشق ہو جانا اور خلیفہ کا ایک

خلیفہ امیرے با سپاہِ گراں بدرِ موصل و قتل و ویرانی

سردار کو بھاری لشکر کے ساتھ موصل کے دروازے پر بھیجدینا اور اس مقصد کیلئے بہت

بسیار کردن بہرِ ایں غرض

قتل اور تباہی کرنا

مر خلیفۂ مصر را غمّاز[1] گفت
چغلخور نے مصر کے خلیفہ سے کہا

کہ شہِ موصل بحورے گشت جفت
کہ موصل کے بادشاہ کو ایک حور مل گئی ہے

یک کنیزک دارد او اندر کنار
وہ آغوش میں ایک کنیز رکھتا ہے

کہ بعالم نیست مانندش نگار
اس جیسی حسینہ دنیا میں نہیں ہے

در بیاں ناید کہ حسنش بیحد ست
بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا حسن بیحد ہے

نقشِ او اینست کاندر کاغذ ست
اس کی تصویر یہ ہے جو کاغذ پر ہے

[1] غمّاز: چغلخور۔ بحور سے یعنی موصل کے بادشاہ کے پاس ایک حور صفت لونڈی ہے۔ کنار: پہلو۔ نگار: حسین۔ کیقباد: کے معنی مالک قباد بمعنی برحق۔ شاہِ ایران کا نام ہے جو بڑا عیاش تھا اور ستو سال اس نے حکومت کی اب مطلقاً منصف بادشاہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

[2] پہلوانے۔ شاہ معنے بہادر سردار کو بھاری لشکر دے کر موصل روانہ کر دیا مع تل عماد کے زیر کے ساتھ۔ عراق اور جزیرہ کے درمیان ایک شہر ہے۔ آن ماہ: حسین لونڈی

نقش در کاغذ چو دید آں کیقباد
اُس بادشاہ نے کاغذ پر اُسکی تصویر دیکھی
پہلوانے را فرستاد آں زماں
فوراً ایک بہادر کو بھیج دیا
گفت اگر ندہد بتو آں ماہ را
کہا اگر وہ اُس چاند کو تیرے حوالے نہ کرے
ور دہد ترکش کُن و مہ را بیار
اور اگر دیدے اُس کو چھوڑ اور چاند کو لے آ
پہلواں شُد سُوی موصل با حشم
بہادر خادموں کے ساتھ موصل کیجانب روانہ ہوا
چوں مُلخہاے عدد بر گرد گشت
کھیتی کے چاروں طرف کی اَن گنت ٹڈیوں کی طرح
ہر نواحے منجنیقے از نبرد
جنگ کے لئے ہر جانب ایک گوپھن
زخمِ تیر و سنگہای منجنیق
تیروں کے زخم اور گوپھن کے پتھر
ہفتۂ کرد ایں چنیں خونریز گرم
ایک ہفتہ اُس نے اِسی طرح خونریزی گرم رکھی
شاہِ موصل دید پیکارِ مہول
موصل کے بادشاہ نے خوفناک جنگ دیکھی
کہ چہ[۲] میخواہی زخونِ مومناں
کہ مومنوں کی خونریزی سے تو کیا چاہتا ہے؟
گر مرادت مُلک و شہرِ موصل ست
اگر تیرا مقصود، مُلک اور موصل شہر ہے
من روم بیرونِ شہر اینک درآ
میں شہر سے باہر چلا جاتا ہوں، لے تو اندر آجا
ور مرادت مال و زر و گوہر ست
اگر تیرا مقصد مال اور سونا اور جواہر ہیں
ہر چہ می باید ترا از سیم و زر
تجھے جو چاندی اور سونا چاہیئے

خیرہ گشت و جام از دستش فتاد
حیران ہوگیا اور اُسکے ہاتھ سے جام گر گیا
سُوی موصل با سپاہِ بس گراں
بہت بھاری لشکر کے ساتھ موصل کی جانب
بر کُن از بُن آں در و درگاہ را
اُس در اور درگاہ کو جڑ سے اُکھاڑ ڈال
تا کشتم[۳] من بر زمیں مہ در کنار
تا کہ میں چاند کو زمین پر بغل میں لوں
با ہزاراں رستم و طبل و علم
ہزاروں بہادروں اور نقارے اور جھنڈے کیساتھ
قاصدِ اہلاکِ اہلِ شہر گشت
شہریوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کر کے روانہ ہوگیا
ہمچو کوہِ قاف اُو بر کار کرد
کوہ قاف جیسی اُس نے کام پر لگا دی
تیغہا در گرد چوں برق از بریق[۱]
غبار میں تلواریں چمک رہی تھیں بجلی کی طرح
بُرجِ سنگیں سُست شد چوں مومِ نرم
پتھر کا برج، نرم موم کی طرح کمزور پڑ گیا
پس فرستاد از دروں پیشش رسول
تو اندر سے اُس کے پاس قاصد بھیجا
کُشتہ میگردند زیں حربِ گراں
جو اِس بھاری جنگ سے مر رہے ہیں
بے چنیں خونریز اینت حاصل ست
بغیر خونریزی کے یہ تجھے حاصل ہے
تا نگیرد خونِ مظلوماں ترا
تاکہ مظلوموں کا خون تجھے نہ پکڑے
ایں ز مُلک و شہر خود آساں تر ست
یہ سلطنت اور شہر سے خود آسان ہیں
میفرستم چیست ایں آشوب[۳] و شر
میں بھیجتا ہوں یہ فتنہ اور شر کیا ہے؟

۳ہ تا کشتم۔ وہ آسمان کا چاند ہے لیکن میں اُس سے زمین پر بغلگیر ہوں گا۔ رستم مطلقاً پہلوان۔ ہر نواحے۔ اُس سردار نے موصل کے چاروں طرف گوپھنیں قائم کردیں جو کوہ قاف کی طرح بلند تھیں۔

۱ہ بریق۔ چمک۔ برج سنگیں۔ یعنی اُس موصل کے بادشاہ کا قلعہ موم کی طرح بن گیا۔ مہول۔ خوفناک۔ رسول۔ قاصد

۲ہ کہ چہ۔ موصل کے بادشاہ نے قاصد کے ذریعہ پہلوان سے کہلایا کہ حملے سے تیرا کیا مقصد ہے۔ اینت۔ اِس ترا۔ ایں زملک۔ جب میں سلطنت چھوڑنے کو تیار ہوں تو روپیہ پیسہ دینا تو بہت آسان ہے۔

۳ہ آشوب۔ فتنہ۔ ملک۔ یعنی موصل کا بادشاہ۔ گفت۔ پہلوان نے کہا۔ صاحب جمال۔ یعنی لونڈی۔

ایثار کردنِ صاحبِ موصل آں کنیزک خود را بخلیفۂ مصر

موصل کے حاکم کا اپنی لونڈی کو خلیفۂ مصر کو دے دینا تاکہ مسلمانوں

تا خوں ریزیِ مسلماناں زیادہ نہ شود

کی خونریزی زیادہ نہ ہو

چوں رسول آمد بہ پیشِ پہلواں
جب قاصد، پہلوان کے سامنے آیا
گفت پیغامِ ملک اندر زماں
اُس نے فوراً بادشاہ کا پیغام پہنچا دیا

گفت من نے ملک میخواہم نہ مال
اُس نے کہا: نہ میں ملک چاہتا ہوں، نہ مال
لیک میجویم یکے صاحب جمال
لیکن ایک حسین کا جویاں ہوں

داد کاغذ اندرو نقش و نشاں
اُس نے کاغذ دیا جس میں تصویر اور علامت تھی
گفت پیشش بر بگو او را عیاں
کہا اسکے سامنے اسکو صاف بتا دے

کاندریں[1] کاغذ نگر چہ صورت ست
کہ اِس کاغذ میں دیکھ کیا تصویر ہے
زود بفرستش کہ ملک و جانت رست
اسکو جلد بھیجدے تاکہ تیری سلطنت اور جان بچ جائے

بنگر اندر کاغذ ایں را طالبم
کاغذ میں دیکھ لے، میں اِس کا طلبگار ہوں
ہیں بدہ ور نہ کنوں من غالبم
خبردار! دیدے ورنہ اب میں غالب ہوں

چوں رسولش باز گشت و گفت حال
جب اُس کا قاصد واپس ہوا اور حالت بتائی
داد کاغذ را و بنمود آں مثال
اُس نے کاغذ دیا اور وہ تصویر دکھائی

گشت معلومش چہ گفت آں شاہِ نر
اُس کو معلوم ہو گیا کہ اس بہادر شاہ نے کیا کہا؟
صورتے کم گیر و زود ایں را ببر
مان لے ایک حسین، صورت نہ رہی اور جلد اسکو لیجا

من[2] نیم در عہدِ ایماں بت پرست
میں ایمان کے عہد میں، بت پرست نہیں ہوں
بت برِ آں بت پرست اولیٰ ترست
بُت اُس بت پرست کی بغل میں زیادہ بہتر ہے

با تبرک داد دختر را و برد
اُس نے لونڈی مع تحفہ کے دی، اور وہ لے گیا
سوئے لشکر گاہ و در ساعت سپرد
لشکر گاہ کی جانب، اور فوراً سپرد کر دی

چونکہ آوردش رسول آں پہلواں
جب قاصد اُس کو لایا، وہ سردار
گشت عاشق بر جمالش آں زماں
فوراً اُس کے حسن پر عاشق ہو گیا

عشق بحرے آسماں بر وے کفے
عشق ایک سمندر ہے آسمان اُس پر ایک جھاگ ہے
چوں زلیخا در ہوائے یوسفے
جیسے کہ زلیخا، یوسفؑ کے عشق میں تھی

دورِ گردونہا ز موجِ عشق داں
آسمانوں کی گردش عشق کی موج سے سمجھ
گر نبودے عشق بفسردے جہاں
اگر عشق نہ ہوتا تو جہان ٹھٹھر جاتا

کے جمادے[3] محو گشتے در نبات
جماد، نباتات میں کب فنا ہوتا؟
کے فدائے روح گشتے نامیات
نمو پانے والیاں، روح پر کب فدا ہوتیں؟

[1] کاغذ ریں: یعنی اپنے بادشاہ سے کہہ دے کہ اُس کاغذ پر جس کی تصویر ہے اُس کو ہمیں دیدے تب تیری نجات ہوگی۔ آں نشاں: یعنی لونڈی کی تصویر۔ گشت معلومش: جب شاہ موصل کو بہادر کی خواہش کا علم ہوگیا تو اُس نے کہا۔ شاہِ نر: یعنی شاہ موصل۔ صورتے: یعنی اگر ایک لونڈی نہ رہی تو کیا ہوا۔

[2] من نیم: شاہِ موصل نے کہا میں بُت پرست نہیں ہوں لہٰذا یہ بُت لونڈی شاہِ مصر بُت پرست کے لئے مناسب ہے۔ چونکہ: جب قاصد لونڈی لے کر آیا تو یہ پہلوان اُس پر عاشق ہوگیا۔ عشق: عشقِ الٰہی، صوفیاء ذاتِ الٰہی مراد لیتے ہیں۔ زلیخا: آسمان کی تشبیہ ہے۔ یوسفؑ: حضرتِ حق کی تشبیہ ہے۔ دورِ گردوں: تمام کائنات کی حرکت کا سبب عشق ہے جو اُس میں پنہاں ہے، ورنہ کائنات درجۂ کمال کو نہ پہنچتی۔

[3] جمادے: جماد اپنے آپ کو نباتات میں فنا کرلیتے ہیں۔ یعنی پانی سے نباتات غذا حاصل کرکے بڑھتی ہیں۔

روح کے گشتے فدای آں دمے | کز نسیمش حاملہ شد مریمے

روح اس دم پر کب فدا ہوتی! | جس کی نسیم سے مریم حاملہ ہوئیں

ہر یکے بر جا ترنجیدے چو یخ | کے بدے پرّاں و جویاں چوں ملخ

ہر ایک اپنی جگہ برف کی طرح سکڑ جاتا | ٹڈی کی طرح کب پرواز اور جستجو میں ہوتا!

ذرہ ذرہ عاشقانِ آں جمال | می شتابد در علو ہمچوں نہال

ذرہ ذرہ، اس حسن کا عاشق ہے | پودے کی طرح بلندی کی جانب دوڑتا ہے

سَبِّحِ اللہ ہست اشتابِ شاں | تنقیہ تن می کنند از بہرِ جاں

ان (ذروں) کی تیزروی اللہ کی تسبیح ہے | جو جان کے لئے جسم کو صاف کرتے ہیں

پہلواں چہ را چو رہ پنداشتہ | شورہ اش خوش آمد و حب کاشتہ

سردار نے جب کنویں کو راستہ سمجھ لیا | شوریلی زمین اس کو بھلی معلوم ہوئی اور دانہ بو دیا

چوں خیالے دید آں خفتہ بخواب | جمع شد با آں و از وے رفت آب

جیسا کہ سونے والے نے نیند میں ایک خیال دیکھا | اس کے ساتھ جماع کیا اور اس کی منی بہہ نکلی

چوں بجست از خواب و شد بیدار زود | دید کاں لعبت بہ بیداری نبود

وہ جب نیند سے اٹھا اور جلد بیدار ہو گیا | دیکھا کہ وہ گڑیا بیداری میں (موجود) نہ تھی

گفت بر ہیچ آب خود بردم دریغ | عشوۂ آں عشوہ دہ خوردم دریغ

اس نے کہا افسوس ہے میں نے معدوم پر اپنی منی بہائی | افسوس ہے اس فریب دینے والے کا میں نے فریب کھایا

پہلوانِ تن بد آں مردی نداشت | تخمِ مردی در چناں ریگے بکاشت

جسم کا پہلوان تھا، انسانیت نہ رکھتا تھا | اس نے انسانیت کا بیج ایسے ریت میں بو دیا

مرکبِ عشقش دریدہ صد لگام | نعرہ میزد لا اُبالے کالحِمام

اس کے عشق کی سواری نے سو لگام توڑ دیئے | وہ نعرہ مارتا تھا، میں موت کی پرواہ نہیں کرتا ہوں

اَیش اُبالی بالخلیفۃ فی الھویٰ | اِستویٰ عندی وجودی والتّویٰ

میں محبت کے معاملہ میں خلیفہ کی کیا پرواہ کرتا ہوں | میرے نزدیک میرا وجود اور ہلاکت یکساں ہے

ایں چنیں سوزان و گرم آخر مکار | مشورت کن با یکے دانستہ کار

ایسی سوزش اور گرمی سے بیج نہ بو | کسی جانکار سے مشورہ کرے

مشورت کو عقل کو سیلابِ آز | در خرابی کرد ناخنہا دراز

مشورہ کہاں، عقل کہاں، حرص کے سیلاب نے | تباہی کے لئے ناخن دراز کئے ہیں

بینَ اَیدی سد و سوئے خلف سد | پیش و پس کے بیند آں مفتونِ خد

سامنے دیوار ہے اور پیچھے کی جانب دیوار ہے | وہ رخسار کا عاشق آگے پیچھے کب دیکھتا ہے؟

آمدہ در قصدِ جاں سیلِ سیاہ | تا کہ روبہ افگند شیرے بچاہ

کالا سیلاب، جان کے ارادہ سے آچکا ہے | تاکہ لومڑی شیر کو کنویں میں گرا دے

روح۔ اس لفظ پر قربان ہوتی جس سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہوئی۔ ہر یکے۔ اگر عشق کی تحریک نہ ہو تو ہر چیز ٹھٹھر کے رہ جائے۔ ذرہ ذرہ۔ کہ ہر ذرہ کمال کا خواہاں ہے۔

۱ سبح اللہ۔ قرآن پاک میں ہے یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین کا ذرہ ذرہ اللہ کا تسبیح خواں ہے یہ اس کی تسبیح ان کے عشق کی دلیل ہے اور اس کے ذریعہ وہ جان کے لئے جسم کو فنا کرتے ہیں۔ پہلوان۔ پہلوان حقیقی عشق کو نہ سمجھا اور لونڈی پر عاشق ہو گیا اس نے کنویں کو صاف راستہ سمجھ لیا۔

۲ چوں خیالے۔ وہ پہلوان غیر حقیقت کو حقیقت سمجھ بیٹھا جس طرح انسان خواب میں بے حقیقت حسین سے جماع کر ڈالتا ہے اور اپنا مادہ ضائع کرتا ہے اور بیدار ہو کر پھر افسوس کرتا ہے۔ تخم مردی یعنی عشق۔ ریگے۔ یعنی لونڈی۔ نعرہ۔ یعنی اگرچہ لونڈی سے عشق کرنے میں اندیشہ ہے کہ شاہِ مصر قتل کرا دیگا لیکن مجھے موت کی پرواہ نہیں ہے۔

۳ اَیش۔ اَیُّ شَیءٍ کیا چیز۔ الھویٰ عشق۔ التّویٰ ہلاکت۔ مشورت کو۔ کشت کاری نہ کر۔ مشورت کو۔ پہلوان پر تو وہ سوار تھا وہ کہاں مشورہ کر سکتا تھا۔ مفتونِ خد۔ رخسار کے عاشق کو کچھ نظر نہیں آتا۔ آمدہ۔ جب تباہی آتی ہے تو لومڑی شیر کو کنویں میں گرا دیتی ہے جیسا کہ پہلے دفتر میں بیان ہو چکا ہے۔ آدم پہلے دفتر میں لومڑی اور شیر کے قصہ میں گذرا ہے کہ

از چَہے بنمود معدومے خیال
ایک معدوم خیال کنوئیں سے نمودار ہوا
تا دراندازد اسُود کالجبال
تاکہ پہاڑ جیسے شیروں کو اندر گرا دے

ہیچ کس را بازناں محرم مدار [1]
کسی کو عورتوں کا محرم نہ بنا
کہ مثالِ ایں دو پنبہ است و شرار
کہ اِن دونوں کی مثال رُوئی اور چنگاری کی ہے

آتشے باید نشستہ زابِ حق
خدا کے پانی سے آگ بجھی ہوئی ہونی چاہئے
ہمچو یوسفؑ معتصم اندر رہق
جیسے کہ معصوم یوسفؑ جوانی میں

کز زلیخائے لطیفِ سرو قد
کہ حسین سرو قد زلیخا سے
ہمچو شیراں خویشتن را وا کشد
شیروں کی طرح اپنے آپ کو کھینچ لیا

نفسِ خود را کے تواں کردن زبوں [2]
اپنے نفس کو مغلوب کب کیا جا سکتا ہے
جُز بامدادِ عقولِ ذوفنوں
اہلِ کمال کی عقلوں کی امداد کے بغیر

جانبِ اتمامِ قصہ باز راں
قصہ کو پورا کرنے کی جانب چل
کایں سخن پایاں ندارد پہلواں
اے پہلوان اِس بات کا خاتمہ نہیں ہے

مُراجعت کردنِ پہلوان از موصل بجانبِ مصر و
پہلوان کا موصل سے، مصر کی جانب واپس ہونا اور راستہ

صحبتِ اُو در راہ باکنیزک
میں اُس کا لونڈی سے ہمبستر ہونا

بازگشت از موصل و میشد براہ
وہ موصل سے لوٹا اور راستہ پر روانہ ہوا
تا فرود آمد بہ بیشہ و مرجگاہ
یہاں تک کہ اُس نے جنگل اور چراگاہ میں پڑاؤ کیا

آتشِ عشقش فروزاں آں چناں
اُس کے عشق کی آگ اِس طرح بھڑک رہی تھی
کہ نداند اُو زمیں از آسماں
کہ وہ زمین اور آسمان میں فرق نہ کر سکتا تھا

قصدِ آں مہ کرد اندر خیمہ اُو
اُس نے خیمہ میں چاند کا قصد کیا
عقل کُو و از خلیفہ خوف کُو
عقل کہاں تھی (اور) خلیفہ کا ڈر کہاں؟

چوں زند شہوت دریں وادی شرار [3]
جب شہوت اِس میدان میں آگ لگا دیتی ہے
عقل را سوزد دراں شعلہ چو خار
عقل کو کانٹے کی طرح اِس شعلے میں جلا دیتی ہے

چوں زند شہوت دریں وادی دہل
جب شہوت اس میدان میں ڈھول بجا دیتی ہے
چیست عقلِ تو فجل ابن الفجل
تو اے ذلیل، ذلیل کے بیٹے! تیری عقل کیا ہے؟

صد خلیفہ گشتہ کمتر از مگس
سیکڑوں خلیفہ، مکھی سے کم بن گئے
پیشِ چشمِ آتشینش آں نفس
اُس وقت اُس کی شعلہ بار آنکھوں کے سامنے

خیمہ کو اپنا عکس کنوئیں میں نظر آیا اور وہ اس سے لڑنے کیلئے کنوئیں میں کود گیا۔

[1] ہیچ کس۔ یہ خرابی اس لئے آئی کہ شاہ مصر نے پہلوان کو لونڈی کا محرم بنایا۔ آتشے۔ یہ آگ صرف اللہ تعالیٰ کا آبِ رحمت بجھا سکتا ہے۔ یوسفؑ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو بچایا۔ معتصم۔ معصوم۔ رہق۔ بلوغ کا زمانہ۔ شیراں۔ حضرت یوسفؑ شیر مردوں کی طرح زلیخا سے بچ نکلے۔

[2] نفس۔ نفس کو کسی شیخ کے مشورے سے مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ بازگشت۔ پہلوان لونڈی کو لے کر موصل سے چلا تو ایک جنگل اور چراگاہ میں اُس کا پڑاؤ ہوا۔ آتش۔ اُس کے عشق کی آگ اِس قدر بھڑکی ہوئی تھی کہ وہ اندھا ہو رہا تھا۔ قصدِ آں۔ وہ عشق سے مجبور ہو کر لونڈی کے خیمہ میں گھس گیا۔ اب نہ اُس میں عقل تھی نہ خلیفہ کا ڈر۔

[3] چوں زند۔ جب شہوت آگ لگاتی ہے تو عقل خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہے۔ فجل۔ ذلیل۔ صد خلیفہ۔ خلیفۂ مصر کیا سیکڑوں شاہ اُس کی نظر میں مکھی سے کم تھے۔

چوں بروں انداخت شلوار و نشست
جب پاجامہ اتار دیا اور بیٹھ گیا

چوں ذکر سوئے مقر میرفت راست
جب ذکر سیدھا ٹھکانے کی طرف گیا

بر جہید او کون برہنہ سوئے صف
وہ صف کی جانب دوڑا

دید شیر نر سیہ از نیستاں
اس نے دیکھا کالے نر شیر نے جنگل سے

تازیاں چوں دیو در جوش آمدہ
عربی گھوڑے دیو کی طرح جوش میں آگئے ہیں

شیر نر گنبد ہمی کرد از لغز
نر شیر گھسنے کے لئے جست لگا رہا تھا

پہلواں مردانہ بود و بے حذر
پہلوان بہادر تھا اور بغیر خوف

زد بشمشیر و سرش را بر شگافت
تلوار ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا

چونکہ خود را او بداں حور انمود
جب اس نے اپنے آپ کو اس حور کو دکھایا

باچناں شیرے بچالش گشتہ جفت
ایسے شیر کے ساتھ مقابلہ میں شریک ہوا

آں بت شیریں لقائے ماہرو
وہ بتِ شیریں دیدار چاند سے مکھڑے والی

جفت شد با او بشہوت آں زماں
وہ فوراً شہوت سے اس سے جڑ گیا

ز اتصالِ ایں دو جاں با ہمدگر
ان دونوں جانوں کے باہم پیوست ہونے سے

رو نماید از طریق زادنے
جننے کے طریق پر رونما ہوتی ہے

ہر کجا دو کس بمہرے یا بکیں
جب دو انسان محبت یا کینہ سے

درمیانِ پائے زانِ آں زن پرست
وہ عورت پرست، عورت کی ٹانگوں کے درمیان

رستخیز و غلغل از لشکر بخاست
قیامت اور شور وغل لشکر سے اٹھا

ذوالفقارے ہمچو آتش او بکف
آگ جیسی تلوار ہاتھ میں لئے

بر زدہ بر قلبِ لشکر ناگہاں
اچانک وسط لشکر پر حملہ کر دیا ہے

صد طویلہ و خیمہ اندر ہم زدہ
سیکڑوں پچھاڑیاں اور خیمے درہم برہم کر دیئے

در ہوا چوں موجِ دریا بیست گز
فضا میں بیس گز دریا کی موج کی طرح

پیشِ شیر آمد چو شیرِ مست نر
مست نر شیر کی طرح، شیر کے سامنے آگیا

زود سوئے خیمۂ مہرو شتافت
حسینہ کے خیمہ کی طرف جلد دوڑ گیا

مردیِ او ہمچناں برپائے بود
اس کی مردی اسی طرح قائم تھی

مردیِ او ماند برپا و نخفت
اس کی مردی قائم رہی اور نہ سوئی

در عجب در ماند از مردیِ او
اس کی مردی سے تعجب میں پڑ گئی

متحد گشتند حالی آں دو جاں
فوراً وہ دو جانیں ایک ہو گئیں

میرسد از غیب شاں جانِ دگر
غیب سے ایک دوسری جان پہنچ جاتی ہے

گر نباشد از علوقش رہزنے
اگر حمل کے لئے کوئی رہزن نہ ہو

جمع آیند ثالثے زاید یقیں
جماع کرتے ہیں، یقیناً تیسرا پیدا ہوتا ہے

۱؎ زن پرست - یعنی پہلوان۔ حقہ - یعنی لونڈی کی شرمگاہ۔ کون برہنہ - یعنی اسی حالت میں جس میں وہ لونڈی سے مصروف تھا۔ ذوالفقار - وہ تلوار۔ دید - اس پہلوان نے دیکھا کہ ایک کالا نر شیر لشکر کے درمیانی حصہ پر حملہ آور ہے۔ تازیاں - عربی گھوڑے۔ طویلہ - پچھاڑی، اصطبل۔ گنبد ہمی کرد - چھلانگ لگا رہا تھا۔ لغز - لغزیدن بمعنی خزیدن۔

۲؎ زد - پہلوان نے شیر پر تلوار کا وار کیا اور اس کا سر پھاڑ دیا اور بہت جلد اس لونڈی کے خیمہ میں چلا گیا چونکہ جب اس لونڈی کے پاس پہنچا تو اس کی شہوت میں کمی نہ آئی تھی۔

۳؎ چالش - جنگی رفتار۔ مردی - اس کی شہوت سرد نہ پڑی تھی وہ لونڈی اس کی مردانگی کی اس حالت سے حیرت میں پڑ گئی۔ جفت شد - ہم نے اس کا فاعل پہلوان کو قرار دیکر ترجمہ کیا ہے اگر فاعل لونڈی کو قرار دیا جائے تو ترجمہ دوسرا ہوگا۔ جانِ دگر - یعنی ہونے والا بچہ۔

۵؎ گر نباشد - اگر نطفہ کے استقرار سے کوئی مرض وغیرہ مانع نہ ہو۔ ہر کجا - جب مرد و عورت جفتی کرتے ہیں خواہ محبت سے خواہ کینے سے تو حمل ٹھہر جاتا ہے اسی طرح دو شخص کوئی اور معاملہ کرتے ہیں یا کوئی شخص کسی عمل کے ساتھ جفت بنتا ہے تو اس کے نتائج صورِ معنویہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

لیک اندر غیب نایدآں صُوَر — چوں رَوی آں سُو بہ بینی در نظر
لیکن (عالمِ) غیب میں وہ صورتیں جنتی ہیں — جب تو اُس جانب جائیگا، آنکھ سے دیکھ لیگا

آں نتائج کز قرانات تو زاد — ہیں مگرد از ہر قرینے زود شاد
اُن نتیجوں کو جو تیرے ملاپ سے پیدا ہوگئے ہیں — خبردار! ہر ساتھی سے جلد خوش نہ ہو

مُنتظر میباش آں میقات[۱۰۲] را — صدق داں الحاق ذُرّیات را
تو اُس وعدہ گاہ کا منتظر رہ — ذُرّیات کے ملادینے کو سچا سمجھ

کز عمل زائیدہ اند واز عِلل — ہر یکے را صورتِ نُطق وکَلَل
کہ وہ عمل اور علتوں سے پیدا ہوئے ہیں — ہر ایک کو گویائی اور گونگے پن کی صورت ہوگی

بانگِ شاں آمیرسد زاں خوشجمال — کاے زما غافل ہلا زُوتر تعال
اُن حسینوں سے انھیں آواز آرہی ہے — کہ اے ہم سے غافل! خبردار، جلد آجا

مُنتظر[۱۰۳] در غیب جانِ مَرد وزن — مُول مُولت چیست زُوتر گام زن
مرد و عورت کی جان (عالمِ) غیب میں منتظر ہے — تیرا آہستہ آہستہ چلنا کیوں ہے، جلد قدم اُٹھا

راہ گم کرد اُو ازاں صبحِ دروغ — چوں مگس افتاد اندر دیگِ دوغ
اُس نے صبحِ کاذب کی وجہ سے راستہ گم کردیا — مکھی کی طرح چھاچھ کی دیگ میں گرگیا

پشیماں شُدنِ آں سَرِ لشکر از خیانتے کہ کردہ بُود و سوگند دادنِ اُو آں کنیزک را کہ بخلیفہ باز نگوید آنچہ رفت

اُس لشکر کے سردار کا اُس خیانت سے شرمندہ ہونا جو اُس نے کی تھی اور اُس کا اُس لونڈی کو قسم دینا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خلیفہ سے نہ کہے

چند روزے ہم براں بُد بعد ازاں — شد پشیماں اُو ازاں جُرمِ گراں
وہ چند روز اُسی (حالت) پر رہا اسکے بعد — وہ اُس بھاری جُرم سے شرمندہ ہوا

داد سوگندش کہ اے بدرِ منیر — کُن حذر تا شہ نگردد زیں خبیر
اُس نے اُس کو قسم دی کہ اے روشن چودھویں — احتیاط برت تاکہ بادشاہ اِس سے خبردار نہ ہو

داد سوگندش کہ اے خورشید رُو — باخلیفہ زانچہ شُد رمزے[۱۰۴] مگو
اُس نے اُس کو قسم دی کہ اے سورج جیسے چہرہ والی — جو کچھ ہوا خلیفہ سے اُس کا اشارہ نہ کرنا

مختصر گویم ببرد آں پہلواں — مر کنیزک را سُوئے شاہِ جہاں
میں مختصر بتاتا ہوں، وہ پہلوان لے گیا — شاہِ جہاں کی جانب لونڈی کو

چوں بدید اُو را خلیفہ مست گشت — پس زبام افتاد اُو را نیز طشت
جب خلیفہ نے اُس کو دیکھا مست ہوگیا — تو اُس کا طشت بھی بالاخانے سے گرگیا

دید صد چنداں کہ وصفش شنیدہ بُود — کے بُود خود دیدہ مانندِ شنود
جو تعریف اس نے سنی تھی اس کو سو گنا دیکھا — دیکھا ہوا، سُنے ہوئے کی برابر کب ہوتا ہے

... صورتیں تو نظر آجاتے ہیں لیکن یہ نتائج معنوی عالمِ آخرت میں نظر آئیں گے۔ ہیں۔ تو اب انسان کا فرض ہے کہ اپنے اُس قرین کو خوب دیکھ لے جس کے ملاپ سے نتیجہ برآمد ہوگا کہ وہ کس قسم کا ہے۔

۱۰۲ میقات۔ عالمِ آخرت۔ الحاقِ ذُریات۔ قرآن پاک میں ہے ہم قیامت میں مومنین کی نسل ذریت یعنی اولاد کو اُس کے ساتھ کردینگے مولانا نے یہاں ذریت سے اعمال کے نتائج مراد لئے ہیں۔ نطق یعنی نیک عمل۔ کلل۔ یعنی بُرے کاموں کے اسباب ہونگے۔ آخرت میں ہر عمل گویا بنے گا۔ شاں۔ یعنی عمل کے نتائج۔ خوش جمال۔ یعنی اعمال کے نتائج۔

۱۰۳ منتظر۔ عالمِ غیب میں ہر شخص کے اعمال اُس کے منتظر ہیں۔ جاں یعنی نتیجہ عمل۔ راہ گم کرد۔ یہ شعر پہلوان سے متعلق ہے کہ اُس نے غلطی کی اور نقصان اُٹھایا۔ صبحِ دروغ۔ صبح کاذب جس سے دھوکہ کھا کر مسافر چل پڑتا ہے اور لٹ جاتا ہے۔

۱۰۴ رمزے۔ کوئی اشارہ۔ پس زبام۔ یعنی لڑکی کے عشق میں بدنام ہوگیا۔ کے بود خود دیدہ مانند دیدہ۔ وصف۔ کسی چیز کے اوصاف سننے سے اُس کی تصویر ذہن میں پیدا ہوتی ہے اور اُس کی صورت آنکھ سے نظر آتی ہے۔

وصفِ تصویر است بہرِ چشمِ ہوش / صورتِ آں چشم داں نے آں گوش

تعریف، ہوش کی آنکھ کے لئے تصویر کھینچنا ہے / صورت آنکھ کی ملکیت سمجھ، نہ کہ کان کی

یک[۲] مثالے گویم اکنوں گوش دار / فہم کن امثالِ معنیٰ ہوش دار

میں ایک مثال کہتا ہوں، اب سُن / مثالوں کا مطلب سمجھ، ہوش کر

حکایت

حکایت

کرد مردے از سخندانے سوال / حق و باطل چیست اے نیکو مقال

ایک شخص نے ایک سخندان سے دریافت کیا / اے خوش بیان! حق اور باطل کیا ہے؟

گوش را بگرفت و گفت ایں باطل ست / چشم حق ست و یقینش حاصل ست

اُس نے (اپنا) کان پکڑا اور کہا یہ باطل ہے / آنکھ حق ہے اور اُس کو یقین حاصل ہے

آں[۳] بہ نسبت باطل آمد پیشِ ایں / نسبت ست اَغلب سخنہا اے امیں

وہ (کان) اِس (آنکھ) کے مقابلہ میں نسبت کے اعتبار سے باطل ہے / اے امین! اکثر باتوں میں نسبت ہے

ز آفتاب ار کرد خفاش احتجاب / نیست محجوب از خیالے آفتاب

اگر چمگادڑ نے سورج سے پردہ کر لیا ہے / سورج خیال سے پردے میں نہیں ہے

خوف اُو را خود خیالش میدہد / آں خیالش سوئے ظُلمت میکشد

(روشنی کا) ڈر اُس کو خود اِس (سورج) کا خیال دے رہا ہے / وہ خیال اُس کو تاریکی کی جانب کھینچ رہا ہے

آں خیالِ نور می ترساندش / بر شبِ ظلمات می چفساندش

روشنی کا خیال اس کو ڈرا رہا ہے / تاریکیوں کی رات سے اُس کو چمٹا رہا ہے

از[۵] خیالِ دشمن و تصویرِ اُوست / کہ تو بر چفسیدۂ بر یار و دوست

دشمن کے خیال اور اُس کی تصویر کی وجہ سے ہے / کہ تو یار اور دوست سے چمٹا ہوا ہے

موسیا کشفِ لمع بر کہ فراشت / آں مُخیل تابِ تحقیق نداشت

اے موسیٰ! تجلی کا کشف پہاڑ پر پڑا / وہ خیال کرنے والا آپکی تحقیق کی طاقت نہیں رکھتا تھا

ہیں مشو غرہ بداں کہ قابلی / مر خیالش را و زیں رہ واصلی

خبردار! تو اِس میں دھوکا نہ کھا کہ تو قبول کرنے والا ہے / اُس کے خیال کو، اور تو اس راہ سے واصل (الی الحق) ہے

از[۶] خیالِ حرب نہراسید کس / لا شجاعۃ قبلَ حربٍ ایں داں بس

جنگ کے خیال سے کوئی خوفزدہ نہیں ہوتا / جنگ سے پہلے شجاعت نہیں ہے، اسکو سمجھنے اور بس

بر خیالِ حرب، حیز اندر فکر / میکنند چوں رستماں صد کر و فر

نامرد، لڑائی کے خیال سے فکر میں / رستموں کی طرح سیکڑوں کر و فر کرتا ہے

نقشِ رستم کاں بحمامے بُود / قرنِ حملۂ فکرِ ہر خامے بُود

رستم کی تصویر جو کسی حمام میں ہوتی ہے / ہر ناقص کے فکر کے حملہ کی حریف ہو سکتی ہے

---

۲ یک مثالے۔ اس مثال اور حکایت سے یہی سمجھانا ہے کہ اہلِ شنید کا رتبہ اہلِ دید سے کمتر ہے۔ کرد۔ ایک شخص نے ایک صاحب سے حق اور باطل کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ گوش۔ اس نے اپنا کان پکڑ کر بتایا کہ اس کے ذریعہ جو علم حاصل ہو وہ باطل ہے آنکھ کے ذریعہ جو علم ہوتا ہے وہ صحیح اور یقینی ہوتا ہے۔

۳ آں بہ نسبت۔ ہم نے سنی ہوئی بات کو دیکھی ہوئی کے مقابلہ میں جو باطل کہا ہے وہ کثرت کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر یہی صورت ہوتی ہے۔ ز آفتاب۔ ورنہ چمگادڑ کو سورج کا علم مشاہدہ سے اگرچہ حاصل نہیں ہے لیکن وہ پھر بھی درست اور صحیح ہے۔ خوف۔ روشنی کا خوف اس کو سورج کا خیال دلاتا ہے اور وہ خیال اس کو تاریکی میں لے جاتا ہے۔

۵ از خیال۔ دشمن کا خیال اور تصور انسان کو دوست پیدا کرنے اور ان سے ملنے پر مجبور کرتا ہے۔ تو یا حضرت موسیٰ کو مشاہدہ کے درجہ کا علم تھا کوہ طور کو اس درجہ کا علم نہ تھا لیکن پھر بھی وہ پہاڑ پر متاثر ہوا۔ لمع۔ چمک، تجلی۔ کہ۔ کوہ۔ مخیل یعنی پہاڑ جس کو مشاہدہ حاصل نہ تھا صرف خیال حاصل تھا۔ ہیں۔ لیکن انسان کو حق تعالیٰ کے خیال پر اکتفا نہ کرنا چاہیے وہ محض خیال سے واصل بحق نہ ہوگا۔

۶ از خیال۔ لڑائی محض خیال اور تصور کوئی چیز نہیں

این خیالِ سمع چوں مُبصر شود — تیز چہ بُود دُرستے مُضطر شود

جب کان کا یہ خیال دیکھنے ہوئے کی طرح ہو جائے — نامرد کیا ہوتا ہے، ایک رستم بھی مجبور ہو جاتا ہے

جہد کُن[۳] کز گوش در چشمت رود — آنچہ آں باطل بُدست آں حق شود

تو کوشش کر کہ وہ کان تیری آنکھ میں آ جائے — جو باطل (نظر آتا) تھا وہ حق ہو جائے

زاں سپس گوشت شود ہم طبعِ چشم — گوہرے گردد دو گوشت ہمچو پشم

اسکے بعد تیرا کان بھی آنکھ کا ہم مزاج بن جائیگا — تیرے پشم جیسے دونوں کان گوہر بن جائیں گے

بلکہ جملہ تن چو آئینہ شود — جملہ چشم و گوہرِ سینہ شود

بلکہ پورا جسم آئینہ کی طرح ہو جائے گا — سب آنکھ اور سینہ کا جوہر ہو جائے گا

گوش انگیزد خیال و آں خیال — ہست دلّالہ وصالِ آں جمال

کان ایک خیال پیدا کرتا ہے اور وہ خیال — اُس حُسن کے وصال کی مشاطہ بن جاتا ہے

جہد کُن تا ایں خیال افزوں شود — تا دلالہ رہبرِ مجنوں شود

کوشش کر تاکہ یہ خیال بڑھے — تاکہ مجنوں کے لئے مشاطہ رہبر بن جائے

آں خلیفہ[۱] گول ہم یک چند نیز — ریش گاوی کرد خوش با آں کنیز

اُس احمق خلیفہ نے بھی کچھ دن — اُس لڑکی کے ساتھ حماقت برتی

مُلک را تو مُلکِ غرب و شرق گیر — چوں نمی ماند تو آں را برق گیر

تو سلطنت کو مغرب اور مشرق کی سلطنت فرض کر لے — جبکہ وہ باقی نہیں رہتی تو اُسکو بجلی (کی کوند) سمجھ

مملکت کاں می نماند جاوداں — اے دلت خُفتہ تو آں را خواب داں

وہ سلطنت جو ہمیشہ نہ رہے — اے کہ تیرا دل سویا ہوا ہے تو اُسکو خواب سمجھ

تا چہ خواہی کرد آں بادِ بروت — کہ بگیرد ہم چو جلادے گلوت

تو اُس غرور کا کیا کرے گا؟ — جو جلاد کی طرح تیرا گلا پکڑ لے

ہم[۲] دریں عالم بداں کہ مامنے ست — از منافق کم شنو کہ گفت نیست

اسی دنیا میں جان لے کہ امن کی جگہ ہے — منافق سے نہ سُن جس نے کہا کہ نہیں ہے

حُجّتِ منکرانِ آخرت و بیانِ ضُعفِ آں حُجّت

آخرت کے منکروں کی دلیل اور اُس دلیل کی کمزوری کا بیان

حُجّتش این ست گوید ہر دمے — گر بُدے چیزے دگر من دیدمے

اُس کی یہ دلیل ہے اور ہر وقت کہتا ہے — اگر کوئی اور چیز ہوتی تو مجھے نظر آتی

گر نہ بیند کودکے احوالِ عقل — عاقلے ہرگز کُند از عقل نقل

اگر کوئی بچہ عقل کے احوال نہیں دیکھتا ہے — (تو) عقلمند کبھی عقل کو ترک کرے گا

ہے بلکہ مشاہدہ اصل ہے۔ تیز۔ مخنث اور بزدل بھی خیالی لڑائی میں بہت کروفر دکھاتا ہے۔ نقش۔ رستم کی خیالی تصویر سے تو ہیجڑا حریف بنتا ہے۔ ایں خیال۔ خیال بیکار ہے لیکن اگر خیال، مشاہدہ کے درجے میں آ جائے تو پھر مفید ہو جاتا ہے۔

۳ جہد کن۔ انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ جس کا مسموع مشہود بن جائے اور اس میں کسی باطل کا احتمال نہ رہے۔ زاں سپس۔ اس کے بعد کان آنکھ کا رتبہ حاصل کریگا۔ پشم۔ معمولی بے قدر ہے یعنی کان جو کم قیمت چیز ہے اب وہ گوہر بیش قیمت بن جائیگا۔ بلکہ۔ کوشش سے

۱ آں خلیفہ۔ شاہِ مصر بھی اس لڑکی سے احمقانہ عشق کرنے لگا۔ ملک۔ یہ اس کی خرمستی سلطنت کی وجہ سے تھی سلطنت خواہ مشرق و مغرب کی ہو وہ بجلی کی کوند سے زیادہ نہیں ہے۔ مملکت۔ انسان جس کو سلطنت سمجھتا ہے اس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ تا چہ۔ یہ سلطنت کا گھمنڈ انسان کے لئے جلاد کا کام کرتا ہے۔

۲ ہم دریں عالم۔ اس دنیا کو اور اس کی سلطنت کو امن کی جگہ نہ سمجھ امن کی جگہ عالم آخرت ہے۔ حجتش۔ عالم آخرت کے منکر کی دلیل یہ ہے کہ اگر عالم آخرت ہوتا تو میں اس کو دیکھ سکتا۔ گر نہ بیند۔ لیکن کسی کے نہ دیکھ سکنے سے اس چیز کا انکار کیسے ہو سکتا

• صرف کان ہی نہیں تمام جسم آنکھ کا رتبہ حاصل کرے گا۔ گوہر سینہ یعنی دل۔ گوش۔ حسن کی بات سُن کر انسان وصالِ محبوب تک پہنچ جاتا ہے۔ آں خیال۔ سننے سے جو خیال پیدا ہوا ہے اُس کو وصال کا راہبر بنا لے۔

ورنہ بیند عاقلے احوالِ عشق ۳	کم نگردد ماہِ نیکو فالِ عشق
اگر کوئی عقلمند عشق کے احوال نہیں دیکھتا ہو	(تو) عشق کا نیک فال چاند نہیں گھٹتا ہے
حسنِ یوسفؑ دیدۂ اخواں ندید	از دلِ یعقوبؑ کے شد ناپدید
یوسفؑ کے حسن کو بھائیوں کی آنکھ نے نہ دیکھا	(حضرت) یعقوبؑ کے دل سے کب چھپا؟
مر عصا را چشمِ موسیٰؑ چوب دید	چشمِ قبطی افعیٔ و آشوب دید
(حضرت) موسیٰؑ کی آنکھ نے عصا کو لکڑی دیکھا	قبطی کی آنکھ نے (اسکو) اژدھا اور مصیبت دیکھا
چشمِ سر با چشمِ سر در جنگ بود	غالب آمد چشمِ سر حجت نمود
باطن کی آنکھ سر کی آنکھ سے جنگ میں تھی	باطن کی آنکھ غالب ہوگئی، ثبوت پیش کر دیا
۴ چشمِ موسیٰؑ دستِ خود را دست دید	پیشِ چشمِ غیب نورے بگر پدید
(حضرت) موسیٰؑ کی آنکھ نے اپنے ہاتھ کو ہاتھ دیکھا	غیب کی آنکھ کے سامنے ایک نور ظاہر تھا
ایں سخن پایاں ندارد ہر کمال	پیشِ ہر محروم باشد چوں خیال
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے، ہر کمال	ہر محروم کے سامنے خیال کی طرح ہوتا ہے
چوں حقیقت پیشِ او فرج و گلوست	کم بیاں کن پیشِ او اسرارِ دوست
جبکہ اس کے سامنے حقیقت شرمگاہ اور حلق ہے	دوست کے راز اس کے سامنے بیان نہ کر
پیشِ ما فرج و گلو باشد خیال	لاجرم ہر دم نماید جاں جمال
ہمارے سامنے شرمگاہ اور حلق خیال ہے	لامحالہ جان ہر وقت جمال دکھاتی ہے
ہر کرا فرج و گلو آئین و خوست	آں لکم دینکم ولی دین بہرِ اوست ۵
جس شخص کا طریقہ اور عادت شرمگاہ اور حلق ہے	تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین اسکے لئے ہے
با چناں انکار کوتہ کن سخن	احمدا کم گوئے با گبرِ کہن
ایسے انکار کے ہوتے ہوئے بات مختصر کر	اے احمدؐ! پرانے کافر سے بات نہ کر

نوٹ: [illegible]

ہے بجز عقل کے احوال کو نہیں دیکھ سکتا لیکن عقلمند تو اس کا انکار نہ کرے گا۔

۳ ورنہ بیند۔ اگر کوئی صاحبِ عقل عشق کے احوال نہیں دیکھ سکتا ہے تو اس کے نہ دیکھنے سے عشق میں کوئی زوال نہیں آتا ہے جیسے یوسفؑ کا حسن بھائیوں کو نظر نہ آیا تو اس سے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ ابتداءً عصا کی حقیقت نہ دیکھ سکے لیکن اس کا وجود تھا تب ہی قبطی نے اس کو دیکھ لیا۔

۴ چشمِ موسیٰ۔ ایک ہی چیز ایک کے لئے خیالی ہے دوسرے کے لئے یقینی۔ ایں سخن۔ ایک ہی چیز کی مختلف نگاہوں میں مختلف حیثیت کا بیان۔ فرج و گلو۔ جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو ہی حقیقت سمجھے اس کو اسرار کی باتیں سنانا بیکار ہے۔ پیشِ ما۔ جو لوگ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے بری ہیں ان کو نورِ باطن حاصل ہوتا ہے۔

۵ لکم دینکم۔ سورۂ الکافرون میں آنحضورؐ کو خطاب ہے کہ ان کافروں سے کہہ دیجئے تمہارے

شرح

خلیفۂ مصر سے ایک غماز نے کہا کہ بادشاہ موصل ایک حور سے ہم آغوش ہے یعنی اسکے پہلو میں ایک کنیزک ہے جس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی اور چونکہ وہ بیحد حسین ہے اسلئے اس کا حسن بیان سے باہر ہے اگر آپ کو میرے بیان میں کچھ مبالغہ معلوم ہو۔ تو لیجئے یہ اسکی تصویر ہے جو اس کاغذ میں موجود ہے آپ اسکے میرے بیان کی تصدیق فرمائیں۔ جب ——— خلیفہ نے کاغذ میں اسکی تصویر کا مطالعہ کیا تو مبہوت ہوگیا اور

جام شراب اس کے ہاتھ سے گر گیا جب حواس درست ہوئے تو اس نے ایک نہایت بہادر افسر کو بہت بڑی فوج کے ساتھ شاہ موصل کی طرف روانہ کیا اور اسکو ہدایت کر دی کہ اگر وہ اس کنیزک کو دینے سے انکار کرے تو موصل کو تہس نہس کر دو اور اگر وہ اس کو تمہارے حوالہ کر دے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرو اور صرف اس چاند کو لے آؤ۔ تاکہ میں زمین پر ہی چاند کو بغل میں لینے کا فخر حاصل کروں۔

یہ ہدایت سُنکر وہ پہلوان لاؤ لشکر اور ہزاروں شجاعان جنگی اور طبل و علم کے ساتھ موصل کو روانہ ہو گیا۔ اور جس طرح بہت بڑا ٹڈی دل ..... کھیت کے گرد جمع ہو کر اسکو تباہ کرنا چاہتا ہے یوں ہی یہ ٹڈی دل سپاہ اہلِ موصل کے تباہ کرنے پر آمادہ ہو گئی اور ہر طرف کوہ قاف کی مانند بڑے بڑے منجنیق قائم کر کے ان سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور یہ حالت تھی کہ تیر اور منجنیقوں سے پتھر برس رہے تھے اور لوگوں کو زخمی کر رہے تھے اور تلواریں اپنی چمک کے سبب گرد میں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ابر میں بجلیاں کوندرہی ہوں۔

القصہ ایک ہفتہ تک انہوں نے یوں ہی خون ریزی کا بازار گرم رکھا اور قلعہ سنگین موم کی طرح نرم یعنی قابل تسخیر ہو گیا۔ پس جبکہ شاہ نے اس خوف ناک جنگ کا مشاہدہ کیا تو اس نے اپنے یہاں سے ایک قاصد روانہ کیا اور پوچھا کہ ان مسلمانوں کے خون سے ... جو کہ اس شدید جنگ کے سبب شہید ہو رہے ہیں۔ تمہارا کیا مقصد ہے اگر تمہارا مقصود ملک اور شہر پر قبضہ کرنا ہے تو میں یہ تم کو بدوں اس خونریزی کے دے سکتا ہوں۔ لو میں جاتا ہوں تم آجاؤ اور جنگ کو چھوڑ دو۔ تاکہ مظلوموں کا خون تمہارا دامن گیر نہ ہو۔ اور اگر مال اور دولت حاصل کرنا مقصود ہے تو یہ تو ملک اور شہر سے بھی زیادہ معمولی ہے جو کچھ اور جس قدر مال تمکو مطلوب ہو میں تمہارے پاس بھیجدوں۔ پھر یہ شور و شر کیوں ہے یہ پیغام لے کر قاصد روانہ ہو گیا اور جبکہ وہ اس افسر کے حضور میں حاضر ہوا تو اس نے پیغام شاہی اس سے

بیان کردیا اسنے اس کے جواب میں کہا کہ نہ مجھے ملک مطلوب ہے اور نہ مال۔ میں تو ایک حسین کا طالب ہوں یہ کہہ کر رقعہ اسکے حوالہ کردیا جس میں اسکی تصویر تھی اور یہ کہہ دیا کہ اپنے بادشاہ سے میرا یہ پیغام صاف صاف کہہ دینا کہ غور سے دیکھ لو کہ کس کی صورت ہے اور جس کی یہ صورت ہے اسکو ہمارے حضور میں روانہ کردو ہم نہ تمہیں کچھ کہیں گے نہ تمہارے ملک کو۔ میں مکرر کہتا ہوں کہ اس مرقع کو دیکھ لو۔ میں اس کا طالب ہوں اور اسے میرے حوالہ کردو۔ ورنہ میں ملک پر قبضہ کرتا ہوں۔ جب قاصد شاہی یہ پیغام لیکر لوٹا۔۔ تو اس نے اس کو بادشاہ کے حضور میں عرض کردیا اور مرقع ان کے حوالہ کردیا اور تصویر دکھلادی اور بادشاہ نے پیغام کا مدعا سمجھ لیا۔ اب سُنو! کہ اس مرد بادشاہ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اسنے نہایت بے پرواہی کے ساتھ کہا کہ اچھا! ایک تصویر نہ سہی اسے تم لے جاؤ۔ میں اپنے زمانہ ظہور اسلام میں بُت پرست نہیں ہوں کہ بُت پرستی کروں وہ بُت پرست ہے۔ اسلئے بُت کا اسی کے پاس ہونا زیادہ مناسب ہے یہ کہہ کر اسنے لڑکی کو بڑے ساز و سامان کے ساتھ قاصد کے حوالہ کیا۔ اور قاصد اسکو لیکر لشکر گاہ کو روانہ ہوگیا اور افسر کے حوالہ کردیا جب وہ قاصد کنیزک کو افسر کے پاس لے گیا تو وہ اسے دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوگیا۔ یہاں تک اس واقعہ کو پہنچا کر آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق ایک سمندر ہے اور آسمان اس پر مثل خس و خاشاک کے ہے۔ یعنی گردش فلک کا منشا عشق ہے جس طرح کہ گردش خس و خاشاک کا سبب تلاطم سمندر ہے اور وہ زلیخا کی طرح ایک ایک یوسف کی محبت میں سرگرداں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم گردش کا سبب۔ موجِ عشق کو سمجھو

اور ایک آسمان ہی کی ... کیا تخصیص ہے ہم تو کہتے ہیں کہ نظام عالم ہی عشق پر مبنی ہے کیونکہ اگر عشق نہ ہوتا تو اجزائے عالم ایک دوسرے سے کشیدہ رہتے اور جماد۔ نبات میں فنا نہ ہوسکتا۔ اور مٹی اور پانی نبات نہ بن سکتی۔ اور نباتات حیوان پر قربان نہ ہوسکتی اور اغذیہ جزو حیوان ہوکر اس کی تربیت

نہ کر سکتیں - اور روح اس صاحب نفخ (حق سبحانہٗ) پر قربان نہ ہوتی جس کی نسیم فیض سے مریم بے شوہر کے حاملہ ہوگئیں تھیں - بلکہ ہر چیز اپنی جگہ پر برف کی طرح اکڑ کی رہ جاتی۔

اور ملخ کی طرح دوسری چیز کی طالب اور جویاں نہ ہوتی - پس جو انساق و انتظام ان کی آپس کے تعلق سے مشابہ ہے وہ انساق و انتظام ناممکن ہو جاتا - شاید کسی کو ہمارے بیان سے شبہ ہو کہ حق سبحانہٗ پر صرف روح ہی عاشق ہے اسلئے اس کا دفع کرنا... مناسب معلوم ہوتا ہے سُنو -! یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر ذرہ اصالۃً حق سبحانہٗ کے جمال پر عاشق ہے اور اس بنا پر وہ پودے کی طرح علو معنوی حاصل کر رہا ہے اس ترقی سے ہماری مراد وہ ترقی ہے جو ان کو تسبیح حق سُبحانہٗ سے حاصل ہے (جس کو حق سبحانہٗ نے سبح للہ مافی السمٰوٰت ومافی الارض سے بیان فرمایا ہے) اور اس طرح وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنے جسم کا تنقیہ کرتے ہیں۔

(فائدہ: تفصیل اس کی یہ ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں حق سبحانہٗ کی شوائب نقص سے پاک ہونے کا اظہار - اور یہ اظہار دو طرح کا ہوتا ہے اوّل تکوینی اور دوسرے تشریعی پس چونکہ ہر چیز سے حق سبحانہٗ کا کمال علم و قدرت و حکمت وغیرہ ظاہر ہوتا ہے اور ہر چیز مسخر امر الٰہی ہے اسلئے تسبیح تکوینی تو ----- ہر چیز کے لئے ثابت ہو گی - اور تسبیح تشریعی سو اس کا تعلق صرف مکلّفین سے ہو گا - اور وہ دو قسم کی ہو گی --- اوّل وہ جو موافق امرِ الٰہی ہو جیسے تسبیح طائعین - دوسری وہ جو خلافِ امر الٰہی ہو جیسے تسبیح عاصین مثل کُفّار کہ ان کی تسبیح غیر اللہ بھی مآلاً تسبیح حق سبحانہٗ ہے کیونکہ وہ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں تو یا ان کمالات کی بنا پر کرتے ہیں جو کہ ان کے لیے ثابت نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہٗ کے لیے ثابت ہیں جیسے ان کا بالذات نافع یا ضار ہونا یا ان کمالات کی بناء پر کرتے ہیں جو کہ ان کے لیے بعطاءِ حق ثابت ہیں جیسے آگ یا ستاروں کا روشن ہونا وغیرہ اور ہر صورت میں یہ تسبیح راجع بحق سبحانہٗ ہے گو مسبّحین کا مقصود نہیں - تسبیح اوّل مقبول ہے اور تسبیح ثانی مردود - اس سے ثابت ہوا کہ عالم میں ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے خواہ وہ تسبیح تکوینی ہو یا تشریعی اور مقبول حق سبحانہٗ ہو

یا مردود حق سبحانہ، - اسلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر چیز عاشق حق سبحانہ، ہے کیونکہ اس مقام پر عشق سے مراد مطلق منشأ و مبدأر تسبیح ہے - خواہ وہ عشق متعارف ہو یا غیر متعارف -

جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ مولانا نے تسبیح کی علّتِ غائی تنقیہ تن فرمایا ہے

پس چونکہ تسبیح دو قسم کی تھی اسلئے تنقیہ بھی دو قسم کا ہو گا ایک عام جس کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ ہر چیز تکوینی طور پر مسخّر امر الٰہی ہے اور اطاعت حق کے لیے اس نے اپنے جسم کو مشقّت طاعت میں ڈال رکھا ہے - اسلئے کہ گویا کہ وہ اس طرح اپنے جسم کا تنقیہ کر رہے ہیں تاکہ مادۂ عصیان اس کی جان کو ہلاک نہ کر دے - یہ تنقیہ تو تکوینی ہو گا جو کہ تسبیح تکوینی سے متعلق ہو گا - اور دوسرا تنقیہ خاص - یہ تنقیہ تسبیح تشریعی کی طرح صرف مکلّفین کے ساتھ مخصوص ہو گا - اور تسبیح تشریعی کی طرح وہ بھی دو قسم کا ہو گا - ایک واقعی اور دوسرا خیالی - تنقیہ واقعی طائعین کا ہے - اور تنقیہ خیالی عاصین کا -

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر چیز خدا پر عاشق ہے خواہ بعشق تکوینی ہو یا بعشق تشریعی - اور ہر چیز کے لیے ہر قسم کے عشق سے اس عشق کے مناسب ایک تسبیح ثابت ہوتی ہے اور ہر تسبیح پر اس کے مناسب ایک تسبیح ثابت ہوتی ہے اور ہر تسبیح پر اس کے مناسب تنقیہ تن مرتب ہوتا ہے - واللہ اعلم)

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا - اب سنو کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ وہ افسر اس کنیزک پر عاشق ہو گیا - اب ہم کہتے ہیں کہ اسکو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا - بلکہ اسکو دیکھنا چاہیئے تھا کہ یہ کمال اس میں کہاں سے آیا ہے اور اسکے مبدأ پر عاشق ہونا چاہیئے تھا - لیکن اس نے ایسا نہیں دیکھا - اس نے کنوئیں کو رستہ اور ایک مُضر شے کو اپنے لیئے مفید سمجھا - اسلئے وہ اس پر عاشق ہو گیا - اور ایک زمین شور اور بے نتیجہ اُسے پسند آگئی - اور اسی میں اپنا تخم عشق بو دیا - اسلئے اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک شخص سو رہا ہو اور اسکو خواب میں ایک خیالی صورت دکھلائی دے

اور وہ اس سے ہمبستر ہو اور اپنی منی گرا دے۔ اور جب ایسا شخص جب خواب سے بیدار ہو گا تو دیکھے گا کہ وہ معیت چین بیداری کے وقت نہیں ہے اس پر وہ افسوس کریگا اور کہے گا۔ کہ افسوس! میں نے اپنی منی کو ایک بے حقیقت چیز پر ضائع کر دیا۔ اور اس دھوکہ باز کا دھوکہ کیا گیا ــــ پس یہی حالت اس افسر کی ہے اور اس کو بھی اپنے اس فعل پر ایک وقت میں ندامت ہوگی۔ اچھا اب سُنو! کہ اس بیہودگی کا منشا کیا تھا جو اس افسر نے کی۔ سو بات یہ ہے کہ بس وہ جسم ہی کا پہلوان تھا۔ اور حقیقت مرد سے (یعنی قوتِ کمال ایمانی) اسے حاصل نہ تھی اسلئے اس نے مرانگی کا بیج (یعنی عشق جو کہ جڑ ہے قوت و کمال ایمانی کی) ریت میں بو دیا۔ یعنی ایک فانی پر عاشق ہو کر یہ اپنے عشق کو بے نتیجہ بنا دیا۔ خیر اس کا تو عشق... سرکش اور بے قابو ہو گیا تھا۔ اور وہ جوشِ عشق سے فاختہ کی طرح نعرہ لگا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ مجھے خلیفہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے میں عشق میں بادشاہ کی کیا پرواہ کروں گا۔ میرے نزدیک تو زندگی اور موت دونوں برابر ہیں پس مجھے خلیفہ سے کس بات کا خوف ہو سکتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس بے باک افسر سے کوئی کہے کہ میاں! تخم... عشق کے بونے میں اس قدر جانفشانی نہ کرو۔ ذرا اس معاملہ میں کسی جاننے والے سے بھی مشورہ کر لو۔ تاکہ وہ اسکے نشیب و فراز سے تمہیں واقف کرے اور تمہارے فعل کی خرابی تم کو سمجھاوے مگر کجا اصلاح و مشورہ اور کجا عقل۔ اسکے سیلابِ حرص نے تو عقل کے پرخچے اُدھیڑ دیئے ہیں پھر وہ صلاح و مشورہ کیونکر کرے گا اور اسکے تو آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار ہے پھر وہ مفتونِ رخسار آگا پیچھا کیسے دیکھے گا اور اسکی قصر جان میں تو عشق کا سیلاب عظیم آچکا ہے۔ اب وہ کیونکر بچے گا۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہو گا۔ کہ ایک لومڑی (کمزور عورت) ایک شیر (اتنے بڑے بہادر) کو تباہی کے کنوئیں میں گرا دیگی۔ اور اب تو کنوئیں سے ایک معدوم شے محسوس نظر آنے لگی ہے لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ خیالی شے پہاڑوں کی طرح غیر متزلزل شیروں

کو اس میں گرا دیگی۔ پھر وہ افسر کیسے بچ سکے گا۔

الحاصل وہ حسنِ فانی سے دھوکا کھا کر عشق کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا ہے اب اسکی نجات کی کوئی سبیل نہیں نظر آتی۔ خیر! اس واقعہ کو تو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! تم اس واقعہ سے عبرت پکڑو۔ اور کسی شخص کو عورتوں کا محرم نہ بناؤ۔ کیونکہ عورت اور مرد کی مثال روئی اور آگ کی سی ہے پس جبکہ ان میں اتصال اور اختلاط ہوگا تو نتیجۂ بد کا پیدا ہونا ضروری ہے — مرد کا عورت کے ساتھ اختلاط ہو اور معصیت سے ملوث نہ ہو اسکی لیے ضرورت ہے کہ آب رحمت حق سے آتشِ شہوت دبی ہوئی ہو۔ جیسے کہ حرام کاری کے مقابلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام معصوم تھے کہ وہ زلیخا سے خوب صورت اور سرو قد عورت سے اپنے کو شیروں کی طرح الگ کھینچتے ہیں اور باوجود اسکے خواہش اور اصرار شدید کے معصیت میں ملوث نہیں ہوتے۔

اچھا اب سمجھو! کہ وہ آگ کیونکر دب سکتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کو کچل دیا جائے اور نفس کو بدوں امداد عقول کاملہ (اہل اللہ) کے نہیں کچلا جا سکتا اسلیئے اس آگ کو دبانے کے لیے ضرورت ہے امداد و تربیت اہل اللہ کاملین کی۔ پس اگر تم اس آگ کو دبانا چاہتے ہو۔ تو ان سے مدد لو۔ اور اپنے کو ان کے سپرد کر کے ان سے تربیت حاصل کرو۔

(فائدہ: واضح ہو کہ مولانا کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نفس کشی اور تہذیب اخلاق کے بعد آدمی کو اختلاط بازناں کی اجازت ہو جاتی ہے اور ایسا کرنا اس کے لیے مباح ہو جاتا ہے۔ بلکہ مولانا کا مقصود صرف اس قدر ہے کہ اگر شخص مذکور کو کسی مجبوری سے عورتوں کے ساتھ اختلاط ہو جائے تو وہ خود اسکے ضرر سے محفوظ رہ سکتا ہے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے ساتھ غیر اختیاری اختلاط ہوگیا تھا۔ تو وہ بچ گئے تھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکو باختیار خود ایسا کرنا جائز ہو جائے راز اس کا یہ ہے کہ گو کسی کا نفس کتنا ہی مردہ ہو جائے مگر وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا

کہ اسکے اندر تقاضائے معصیت بالکل نہ رہے بلکہ فی الجملہ تقاضائے نفس سب میں ہوتا ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء ——— جیساکہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں در یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس شد فراق صدر جنت طوق نفس (اسکی شرح شروع دفتر دوم میں گذر چکی ہے اسکو دیکھ لو) مگر انبیاء اور غیر انبیاء میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ انبیاء کو تقاضائے نفس کو مغلوب کرنے کی پوری قوت حاصل ہوتی ہے اور حق سبحانہ کی جانب سے ان کی حفاظت کا وعدہ بھی ہوتا ہے اسلئے وہ تقاضائے نفس پر اسکو خلاف مرضی الٰہی سمجھ کر عمل نہیں کرتے اور صدور گناہ ان سے ناممکن ہوتا ہے۔

اور غیر انبیاء کو نہ تقاضائے نفس کے مغلوب کرنے پر وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور نہ حق سبحانہ کی طرف سے ان کی حفاظت کا وعدہ ہوتا ہے اسلئے وہ نفس کو مخالف مرضی حق جان کر اس پر عمل کر سکتے ہیں یعنی ایسا کرنا ان کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ اب غیر انبیاء کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو مغلوب نفس اور اسکے ہاتھ میں کھلونا ہوتے ہیں کہ وہ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے پس یہ لوگ تو اہل ہوٰی کہلاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس مغلوب ہوتا ہے اور وہ اس پر غالب ہوتے ہیں ایسے لوگ اہل اللہ کہلاتے ہیں اور چونکہ غلبہ قابل شدت وضعف ہے اسلئے اسکی درجات متفاوت ہوتے ہیں اور اسکے ان کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے اور بعض دوسرے بعض سے اکمل ہوتے ہیں۔ پس چونکہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہیں اسلئے انکو ہر وقت خطرہ ہے معصیت میں مبتلا ہو جانے کا۔ لہٰذا انکو قصداً اختلاط بازناں کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی اپنے کو اپنے نفس پر بالکل قابو یافتہ یا اسکو بالکل مُردہ سمجھ کر عورتوں کے ساتھ اختلاط کو اپنے لیے مُضر نہ سمجھے تو یہ اسکی غلطی ہے۔ اور خود اس کا ایسا سمجھنا ہی دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا نفس زندہ ہے جو کہ اسکو اس دھوکہ میں ڈال کر اس سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔

اور مولانا کے الفاظ آتشی باید نشستہ زاب حق - اور نفس خود را گے تواں کرد ل

زبوں میں ہمارے مضمون بالا کی صریح تائید ہے کیونکہ انہوں نے آتش کو نشستہ

اور نفس کو زبوں کہا ہے اور مُردہ نہیں کہا جس میں اشارہ ہے اسکے زندہ اور منکسر

السورۃ ہونے اور معدوم محض نہ ہونے کی طرف ـــــ اور جہاں کہیں الفاظ مُردہ وغیرہ

لقا معشوق اسکی رجولیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئی - اب وہ شہوت سے اسکے ساتھ

ہمبستر ہُوا وہ دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو کر ایک جان ہو گئے اور ان دونوں

کے اتصال سے ان کو غیب سے ایک اور جان عطا ہو رہی تھی ان دونوں کو ایک بنا رہی

تھی - اگر وہاں مانع حمل نہ موجود ہوتا تو طریق ولادت سے اس کا ظہور ہوتا -

اب سمجھو کہ یہ کچھ انہیں کے اتصال کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ جب کبھی ۲ دو شخصوں کا محبت یا عداوت

سے اجتماع ہوتا ہے تو یقیناً وہاں ایک تیسری شی پیدا ہوتی ہے لیکن وہ صورتیں عام طور پر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ وہ

عالم غیب میں پیدا ہوتی ہیں - جب تم وہاں جاؤ گے اُس وقت وہ تمہیں دکھلائی دیگی -

ہماری مراد ان صورتوں سے وہ نتائج ہیں جو کہ تمہارے اقترانات و اتصالات

یا افعال و غیر افعال سے پیدا ہوتے ہیں - پس تم کو چاہیئے کہ ہر مقارن کے قران

سے تم کو فوراً خوش نہ ہو جانا چاہیئے کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ اسکے اقتران سے یہ کیسی

صورت پیدا ہوگی - بلکہ خوب سوچ سمجھ کر کسی فعل یا غیر فعل کی مقارنت پیدا کرنی چاہیئے

تاکہ اس اقتران سے بُرے نتائج پیدا نہ ہوں -

(مطلب یہ ہے کہ جو کام بھی تم کرو اور جس شخص کے ساتھ اختلاط کرو اس کے

متعلق یہ سوچ لو - کہ اس سے کوئی بُرا نتیجہ تو نہ پیدا ہوگا - اگر بُرا نتیجہ پیدا ہو تو اُس کو

چھوڑ دو - اور اگر اچھا نتیجہ پیدا ہو تو اُس کو اختیار کرو)

تم اس وقت کے منتظر رہو جبکہ وہ تم کو دکھلائی دیں گے اور ان ذریات کو

کے الحاق کو حق سمجھو - جو کہ ہر ایک کے لیے اسکی اعمال سے جو کہ ان کے لیے علتیں ہیں

یوں ہی پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ اپنی علتوں سے گویائی اور گونگا پن پیدا ہوتی ہیں - یا

جیسے کہ گویائی اور گونگے پن سے ان کے آثار پیدا ہوتے ہیں - ان خوش جمال نتائج

اعمال) کی طرف سے لوگوں کو ہر دم یہ آواز پہنچ رہی ہے کہ ارے غافلو! ہم سے جلدی آکر ہم سے ملو۔ ہم کہ مردوں اور عورتوں کی جان اور ان کے بچے ہیں تمہارے منتظر ہیں پس تم کو توقف کیوں ہے جلدی آؤ اور ہم سے ملو۔

[فائدہ: نتائج اعمال کو باوجودیکہ ان میں اچھے اور بُرے دونوں ہیں استعمال کیے ہیں وہاں مردہ سے یہی معنی مراد ہیں۔ پس اس مضمون کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اور دھوکا نہ کھانا چاہیئے واللہ اعلم)

اچھا اب اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے اتمام قصہ کی طرف لوٹنا چاہیئے کیونکہ یہ گفت گو تمام نہیں ہو سکتی۔ اچھا سُنو! افسر مذکور موصل سے روانہ ہوگیا اور چلتے چلتے وہ ایک بن میں پہنچا۔ جہاں اُسنے پڑاؤ ڈال دیا چونکہ اس کی آتش عشق اس قدر بھڑک رہی تھی اور وہ اسسے اس قدر بے خود ہوگیا تھا کہ زمین اور آسمان میں اسکو امتیاز نہ رہا تھا۔ اسلئے اسنے خیمہ کے اندر اس کنیزک سے ہمبستری کا قصد کیا عقل کہاں اور خلیفہ کا خوف کہاں۔ جو اسکو ایسا کرنے سے باز رکھے کیونکہ جب شہوت آدمی کے اندر شعلہ زن ہوتی ہے تو عقل کو یونہی بھسم کردیتی ہے جیسے شعلہ آتش کانٹوں کو۔ اور جبکہ وہ آدمی پر اپنا تسلّط کرتی ہے تو پھر بے چارے عقل کی کیا حقیقت ہوتی ہے کہ اسکی مزاحم ہو۔ اس وقت اس کی دہکتی ہوئی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں خلیفہ مکھی سے زیادہ بے وقعت ہوتے ہیں اسلئے وہ اس فعل پر آمادہ ہوگیا اور جبکہ وہ زن پرست پاجامہ اُتار کر کنیزک کے پاؤں کے درمیان بیٹھا ہے اور جبکہ عضو تناسل اپنے مقام کی طرف سیدھا جارہا تھا اس وقت لشکر میں ایک شور قیامت برپا ہُوا اس شور کو سُنکر وہ ننگا ہی صف لشکر کی طرف یوں دوڑا کہ شعلہ آتش کی طرح چمکتی ہوئی تلوار اسکے ہاتھ میں تھی اور اس طرح وہ وہاں پہنچا اور جاکر دیکھا کہ ایک کالا شیر بن سے نکل کر دفعتہً قلب لشکر پر آپڑا ہے اور گھوڑے جو شان وخروشاں ہیں اور اُنہوں نے طویلوں اور خیموں کو تہس نہس کردیا ہے اور شیر ہوا میں موج دریا کی طرح بیس بیس گز اونچی اُچھل رہا ہے۔ یہ افسر چونکہ نہایت بہادر اور نڈر تھا اسلئے وہ شیر مست

اور نر کی طرح اُس کے سامنے آیا اور اس پر تلوار کا وار کیا اور سر کے دو ٹکڑے کر دیئے اس کا کام تمام کر کے فوراً خیمہ کی طرف چل دیا۔ جبکہ وہ اس حوروش کے سامنے گیا ہے تو اس کا عضوِ تناسل اسی طرح کھڑا تھا۔ اور باوجودیکہ اسنے ایسے خطرناک شیر سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کا عضو تناسل اسی طرح قائم رہا اور بیٹھا نہیں اور وہ شیریں مطلقاً خوش جمال کہنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی بُرائی ذاتی نہیں ہے بلکہ ان میں جو کچھ بُرائی ہے وہ عکس ہے زشتی افعال اختیاریہ مکلفین کا۔ پس ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے آئینہ جو کہ اپنی ذات سے بُرا نہیں ہے بلکہ عکس روئے زشت سے بُرا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم)

ہاں تو وہ افسر صبح کاذب کو دیکھ کر مغالطہ میں پڑ گیا اور مکھی کی طرح میٹھے کی ہانڈی میں گر گیا (یعنی وہ کنیزک کے حسنِ فانی کو حسن باقی اور اسکے حسنِ مستعار کو حسنِ ذاتی سمجھ کر اسکے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اسلئے اسکی ایسی مثال ہوئی۔ جیسے کوئی صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ کر مغالطہ میں پڑ جائے یا مکھی لسّی کو دودھ سمجھ کر اس میں... گر جائے)

چند روز تک وہ افسر اسی تعیش و کامرانی پر قائم رہا لیکن اسکے بعد جبکہ نشۂ شہوت اُترا تو اُسے اس بھاری جرم پر ندامت ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ میں نے بڑی غلطی کی کہ بادشاہ کی محبوبہ پر دست اندازی کی۔ اس لیے اسنے یہ تدبیر کی کہ کنیزک کو قسم دیکر کہا کہ دیکھو! ان واقعات کی بادشاہ کو اطلاع نہ ہو اور اسنے اسے قسم دیدی کہ دیکھو جو معاملہ ہوا ہے بادشاہ کو اسکی ہوا بھی نہ دینا۔ خیر اُمیں اس قصہ کو مختصر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ افسر اس کنیزک کو بادشاہ کی حضوری میں لے گیا جب بادشاہ نے اسکو دیکھا تو مست ہو گیا اور اس طرح وہ بھی مبتلائے ذلت ہو گیا کیونکہ جس قدر اسنے اس کی تعریف سُنی تھی اسکو اس سے سو گُنا پایا پھر خود سُننے اور دیکھنے میں بھی فرق ہے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ معلوم ہے۔ کیونکہ تعریف تو صرف چشم خیال کے لیے ایک نقشہ کھینچتی ہے اور آنکھ اس کا ادراک

نہیں کر سکتی اور صورت حسیّہ مبصرہ آنکھ کا حصّہ ہے کان سے اسے علاقہ نہیں پس جبکہ یہ امر معلوم ہو گیا تو مشاہدہ کا سماع پر تفوق ظاہر ہو گیا کیونکہ مشاہدہ عین شے مدرک ہوتی ہے اور وصف میں اسکی تصویر۔ اور ایک شے کا بلا واسطہ ادراک لامحالہ اسکے ادراک بواسطہ تصویر سے بڑھا ہوا ہوگا۔

اب ہم تم سے اس مضمون کی تائید کے لیے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اسکو غور سے سنو۔ اور اس کا ہمیشہ لحاظ رکھو کہ جب کسی مقصود کو مثالوں کے ذریعے سے بیان کیا جائے ______ تو ان مثالوں کو خوب سمجھو! تاکہ مقصود خوب ذہن نشین ہو جائے اور اسکے سمجھنے میں غلطی نہ ہو۔

ایک شخص نے کسی سخن دان سے سوال کیا کہ جناب حق کیا ہے اور باطل کیا اسکے جواب میں اسنے کان پکڑے اور کہا کہ یہ تو باطل ہے اور آنکھ کی نسبت کہا کہ یہ حق ہے اور اسکو یقین حاصل ہے یعنی سنی سنائی بات کا کچھ اعتبار نہیں ٹھیک اور سچی بات وہ ہے جو آنکھ سے دیکھ لی جائے اس سے معلوم ہو گیا کہ سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی شے کے برابر نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک تو مضمون بالا کی تائید تھی۔

اب ہم ایک غلطی کا ازالہ مناسب سمجھتے ہیں جو اس حکایت کے سننے سے پیدا ہو سکتی ہے اور کہتے ہیں کہ سنی ہوئی بات کو باطل کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ وہ واقع میں غلط اور ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ چونکہ سنی ہوئی بات دیکھے ہوئے کے برابر نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ اس کے مقابلہ میں باطل ہے خواہ وہ فی نفسہٖ ٹھیک ہو۔ چنانچہ اکثر باتوں میں نسبت کا لحاظ ہوتا ہے جن میں تم بھی نسبت کا اعتبار کرتے ہو۔ پس تم حق سبحانہٗ کے غیر مبصر ہونے کی بنا پر اس کے علم سماعی کو ... بے حقیقت اور باطل محض نہ سمجھنا۔ کیونکہ حق سبحانہٗ واقع میں موجود ہے اور گو تم ان کا مشاہدہ نہیں کرتے مگر تم کو ان کے وجود کا جو علم ہے وہ واقعیت رکھتا ہے اسلئے حق سبحانہٗ کی اور تمہاری ایسی مثال ہے جیسے آفتاب اور خفاش کی کہ آفتاب واقع میں موجود ہے اور گو خفاش نے اس سے روپوشی اختیار کی ہے۔ اور اسلئے وہ اسکو دکھلائی نہیں

دیتا مگر جو اس کا علم ہے وہ واقعی ہے اور وہ اس کے خیال صحیح اور علم واقعی سے بے بہرہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا یہ خیال واقعی ہی اسے ڈراتا ہے اور وہ خیال واقعی ہے اسکو ظلمات کی طرف لے جاتا ہے اور اسکی نور کا خیال واقعی ہی اسکو خوف زدہ کرتا اور اسکو شب تاریک سے وابستہ کرتا ہے نیز دوست اور دشمن کا جو علم خیالی تم کو حاصل ہے ـــ وہ بھی غیر واقعی نہیں ہے بلکہ ان کا وہ خیال واقعی اور علم صحیح ہی ہے جس کی بنا پر تم دوستوں سے تعلق دوستی اور دشمنوں سے علاقہ دشمنی رکھتے ہو پس ایسا ہی تم حق سبحانہٗ کو سمجھ لو۔ اور جان لو۔ کہ گو وہ ہمیں دکھلائی نہیں دیتا مگر ہے ضرور۔ اور ہم کو جو اس کا علم ہے وہ ٹھیک ہے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر آگے تحصیل مشاہدہ حق کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور اسکے لیے اول مشاہدہ حق اور اس کے علم خیالی کا فرق بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے موسےٰ گو کوہ طور پر حق سبحانہٗ کے نور کی ایک جھلک پڑی تھی۔ مگر اس سے جو کوہ طور کو حق سبحانہٗ کا علم ہو سکا وہ تو اس قدر کمزور تھا جس کو آپکے مشاہدۂ قلبی کے مقابلہ میں مثل خیال کے کہا جائے اسلئے اس کا وہ علم تخییلی آپکے علم تحقیقی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تخییل اور تحقیق میں جو تفاوت ہے وہ ظاہر ہے اس فرق کو بیان کر کے اب ترغیب تحصیل مشاہدہ شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو تم کو حق سبحانہٗ کا علم خیالی واقعی حاصل ہے مگر تم اسکے دھوکا نہ کھانا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ ہم صرف اس خیال کی بنا پر وصال حق سبحانہٗ کے قابل ہیں۔ کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو کوئی کسی شے کے علم خیالی کے قابل ہو وہ اس تک وصول کے بھی قابل ہو۔

چنانچہ خیال جنگ سے کسی کو خوف نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے اس کا قابل جنگ ہونا بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ جنگ سے پہلے کی شجاعت اور فوں فاں ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ جنگ سے پیشتر اور عالم خیال کے اندر نامرد بھی رستموں کی طرح فوں فاں کیا کرتے ہیں اور رستم کی تصویر جو حمام میں منقوش ہو اسکے مقابلہ کا خیال ہر نابکار بکا سکتا ہے لیکن جب یہ خیال مسموع مبصر ہوتا ہے اور جنگ یا

رستم کا سامنا ہوتا ہے تو پھر کسی نامردگی۔ تو کیا مجال ہے۔ بڑے بڑے بہادر حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ پس تم حق سبحانہٗ کے علم خیالی پر قناعت نہ کرو۔ بلکہ کوشش کرو کہ جس کو تم اب تک کان سے سنتے ہو اس کو اپنی آنکھ (چشم قلب) سے دیکھ لو اور جو چیز کہ اب تک مشاہدہ کے اعتبار سے بے حقیقت ہے گو فی نفسہٖ بے حقیقت نہیں ہے۔ اب مشاہدہ قلبی کے سبب اسکی واقعیت یقینی طور پر حاصل ہو جائے جس وقت یہ بات تم کو حاصل ہو جائیگی اس وقت تمہارے کان ہی ہم طبع چشم ہو جائیں گے اور تم کو اس کی خبر سے بھی وہی اطمینان حاصل ہو گا۔ جو دیکھنے سے ہوتا ہے اور اس وقت تمہارے کان یشب کی طرح بیش قیمت اور قابل قدر ہو جائیں گے اور صرف کانوں کی تخصیص نہیں۔ بلکہ حصول مشاہدہ کے بعد تمہارا سارا جسم مثل آئینہ کے ہو جائے گا۔ اور سب کا سب وہی کام دے گا جو آنکھ اور گوہر سینہ یعنی قلب دیتا ہے یعنی تم اپنے تمام جسم سے حق سبحانہٗ کے جمال کا یوں ہی مشاہدہ کرو گے۔ جیسا کہ آنکھ یا دل سے کرتے ہو جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا۔

تو اب سمجھو کہ گو تمہارا علم سماعی۔ بے کار ہے مگر بالکل بے کار نہیں۔ کیونکہ سننے سے خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ خیال مشاہدہ جمال حق کا ذریعہ بنتا ہے پس تم اس کو بالکل بے حقیقت نہ سمجھو۔ بلکہ اسسے کام لو اور کوشش کرو۔ تاکہ تمہارا یہ خیال ترقی کرے اور پختہ ہو کر تم کو تمہارے مطلوب تک پہنچا دے۔

خیر: یہ مضمون تو استطرادی تو ختم ہوا۔ اب سنو کہ اس افسر کی طرح بادشاہ نے بھی ایک عرصہ تک اس کنیز کے ساتھ احمقانہ برتاؤ یعنی تعیش و تلذذ کیا۔ لیکن جس طرح اس افسر کے لیے اس کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ تھا۔ یوں ہی اسکو بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ خیر! وہ تو ایک کنیز تھی ہم تو کہتے ہیں اگر کتے کو مملکت شرق و غرب بھی حاصل ہو جائے اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں کیونکہ جب وہ باقی بھی نہیں ہے تو پھر اس میں اور برق خاطف میں کوئی معتد بہ فرق نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ برق دل لگانے کی چیز نہیں ہے پس یوں ہی ملک شرق و غرب بھی دل لگانے کی شے نہ ہو گی۔ پس جو سلطنت

کہ ہمیشہ نہ رہے تم اسکو بمنزلہ خواب کے سمجھو اور اسسے دل نہ لگاؤ۔

بھلا! تم اس جاہ کو کیا کرو گے جو آخرت میں جلاد کی طرح تمہاری گردن پکڑیگی پس تم تلذذات دنیا کو چھوڑ دو اور اسے عالم میں اس بات کو یقین کامل کے ساتھ جان لو کہ کوئی جائے امن ہے اور اپنے کو اس جائے امن کے قابل بناؤ۔ اور دھری کی یہ بات نہ سُنو کہ دُنیا کے علاوہ کوئی جائے امن نہیں ہے کیونکہ اسکے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اسکی دلیل اور جو وہ کہتا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اگر اور کوئی مامن ہوتا تو میں ضرور اسے دیکھتا لیکن یہ اسکی غلطی ہے کسی کی ایک شئے کو نہ دیکھنے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا پس تم اسکی تلبیس سے دھوکہ میں نہ پڑو اور مامن غیبی کا انکار نہ کرو کیونکہ اگر بیچارہ احوال عقل سے ناواقف ہو اور اسلئے وہ عقل کا انکار کرے تو عاقل آدمی اس کی بات پر اعتماد کر کے عقل سے دست بردار نہیں ہو جاتا اور اگر کوئی عاقل احوال عشق سے ناواقف ہو تو اسکی ماہ نیک فال عشق معدوم نہیں ہو جاتا۔ اور اگر حُسن یوسف کو بھائیوں کی آنکھوں نے نہ دیکھا تو وہ اسکی یعقوب علیہ السلام کے دل سے نہیں مٹ گیا۔ غرض کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شے ایک شخص کو دکھلائی نہیں دیتی اور دوسرے کو دکھلائی دیتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک شئے کو کچھ دیکھتا ہے اور دوسرا کچھ اور چنانچہ موسٰی علیہ السلام کو عصا ایک لکڑی معلوم ہوتی تھی یعنی وہ اسسے کچھ خوف نہ کرتے تھے لیکن فرعونیوں کو وُہ ہی لاٹھی اژدھا اور ان کی پریشانی کا سبب دکھلائی دیتی ہے۔ اور اسلئے اسسے ان کا وم فنا ہوتا تھا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ایک ہی شخص کے چشم قلب اور چشم ظاہر میں مخالفت ہوتی ہے۔ مگر آخر کار چشم باطن کو غلبہ ہوتا ہے اور وہ چشم ظاہر کو مغلوب کر دیتی ہے چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی ظاہر آنکھ ان کے ہاتھ کو عام ہاتھوں کی طرح ایک ہاتھ دیکھتی تھی مگر انکی غیب بین آنکھ کے سامنے وہ کھلا ہوا نور تھا چنانچہ جب حضرت موسٰی علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ فَاسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ تو اسوقت اس کا نور ہونا ظاہر ہو گیا جس کو چشم ظاہری نے بھی دیکھ لیا اور اس طرح اسکو چشم باطن کے مقابلہ

میں مغلوب ہونا پڑا۔

خیر! یہ گفت گو تو ختم نہ ہوگی اس کو چھوڑ دو اور حاصل اتنا سمجھ لو کہ جو شخص جس کمال سے محروم ہوتا ہے وہ اس کی نظر میں معدوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ خطاب ایک محجوب کو تھا جو کہ اہلِ اسرار نہ تھا۔ اسلئے مولانا فرماتے ہیں کہ اجی اس کے نزدیک تو واقعی چیزیں کھانا پینا۔۔۔۔ اور جماع وغیرہ تلذذات دنیویہ ہیں اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے سب بے حقیقت اور باطل و معدوم ہیں پس تم اس کے اسرار خداوندی نہ بیان کرو کیونکہ وہ ان کا اہل نہیں اور ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝ پر عمل کرو۔ اس کے نزدیک تلذذات نفسانیہ امور واقعیہ ہیں اور نعمائے روحانیہ بے حقیقت۔ اسلئے وہ لذاتِ نفسانیہ سے متمتع اور لذاتِ روحانیہ سے بے بہرہ ہیں۔

اور ہمارے نزدیک لذّات دنیویہ بے حقیقت ہیں اسلئے ہم ان کی طرف التفات نہیں کرتے اور حق سبحانہٗ ہم کو اپنے جمال کے دیدار سے شرف فرماتے ہیں پس جس کا دین وایمان لذات نفسانیہ ہوں اس کو اس کا دین مبارک رہے اور ہم کو ہمارا دین مبارک رہے اور ہم یوں ہی اس کے لکم دینکم ولی دین کہتے ہیں جیساکہ حق سُبحانہٗ نے اپنے رسول کو کفار سے کہنے کی ہدایت فرمائی تھی اور کہا تھا کہ جب یہ معاندین مانتے ہی نہیں تو ان سے کچھ نہ کہئیے اور فرما دیجئے۔

يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

آمدنِ آں خلیفہ نزدِ آں خوبرُو از برائے جماع
ہمبستری کے لئے خلیفہ کا اُس حسینہ کے پاس آنا

آں خلیفہ کرد رائِ اجتماع — سُوئِ آں زن رفت از بہرِ جماع
خلیفہ نے اکٹھا ہونے کی سوچی — ہمبستری کے لئے اُس لونڈی کے پاس گیا

ذکرِ اُو کرد و ذکر برپائِ کرد — قصدِ خُفت و خیز مہر افزائِ کرد
اُس کی یاد کی اور عضو تناسل کو کھڑا کیا — اُس محبت بڑھانے والی کیساتھ سونے اور جاگنے کا ارادہ کیا

چونکہ میانِ پائِ آں خاتون نشست — پس قضا آمد رہِ عیشش بہ بست
جب اُس خاتون کے دونوں پیروں کے بیچ میں بیٹھا — تو تقدیر آ پہنچی، اُس کے عیش کا دروازہ بند کر دیا

خشت خشتِ مُوش در گوشش رسید — خُفت کیرش شہوتش کُلّی رمید
اُس کے کان میں چوہے کی کھٹ کھٹ آئی — اُسکا آلہ تناسل سوگیا اُسکی شہوت بالکل بھاگ گئی

وہم آں کز مار باشد ایں صریر — کہ ہمی جُنبد بہ تندی از حصیر
یہ وہم ہوا کہ یہ آواز سانپ کی ہوگی — جو تیزی سے بچھائی میں سے حرکت کر رہا ہے

خندہ گرفتنِ آں کنیزک را از ضعفِ شہوتِ خلیفہ و قوتِ
اُس سردار کی شہوت کی طاقت اور خلیفہ کی شہوت کی کمزوری پر لونڈی کا ہنس پڑنا

شہوتِ آں امیر و فہم کردنِ آں خلیفہ خندۂ کنیزک را
اور لونڈی کے ہنسنے کو خلیفہ کا سمجھ جانا

زن بدید آں سستیِ اُو از شگفت — آمد اندر قہقہہ خندش گرفت
عورت نے حیرانی سے اُس کی سستی کو دیکھا — وہ قہقہہ مارنے لگی، اُس پر ہنسی طاری ہوگئی

یادش آمد مردیِ آں پہلواں — کہ بکُشت اُو شیر و اندامش چُناں
اُس کو اُس پہلوان کی مردانگی یاد آگئی — کہ اُس نے شیر کو مار ڈالا اور اُس کا عضو ایسا تھا

غالب آمد خندۂ زن شُد دراز — جہد میکرد و نمی شُد لب فراز
عورت کی ہنسی غالب آگئی، لمبی ہوگئی — وہ کوشش کرتی تھی اور ہونٹ بند نہ ہوتا تھا

سخت[۱] می خندید ہمچوں بنگیاں — غالب آمد خندہ بر سُود و زیاں
وہ بھنگڑوں کی طرح بہت ہنسی — نفع اور نقصان پر ہنسی غالب آگئی

ہر چہ اندیشید خندہ می فزود — ہمچو بندِ سیل ناگاہاں کشود
جتنا بھی سوچتی، ہنسی بڑھتی تھی — بہاؤ کے بند کی طرح جو اچانک کھل گیا ہو

گریہ و خندہ غم و شادیِ دل — ہر یکے را معدنے داں مستقل
رونا اور ہنسنا، دل کی خوشی اور غم — ہر ایک کو مستقل کان سمجھ

لله جزن۔ جب بالکل تیار ہو گیا تو قضا نے راہ روک دی اور ایک چوہے کی کھٹ کھٹ کی آواز آئی جس سے وہ خوفزدہ ہوگیا اور اُس کی شہوت ختم ہوگئی۔ وہم۔ اُس چوہے کی کھٹ کھٹ کے بارے میں اُس کو یہ خیال آیا کہ یہ سانپ کے چلنے کی آواز ہے جو بستر کے نیچے ہے۔ خندہ۔ خلیفہ کی نامردی اور پہلوان کی مردانگی کو یاد کر کے لونڈی ہنسنے لگی۔

[۱] سخت۔ اُس کو ایسی ہنسی چھوٹی جیسی بھنگڑوں کو چھوٹتی ہے اور اُس ہنسی میں اُس کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ بادشاہ کی ناگواری اُس کو نقصان پہنچائیگی۔ گریہ و خندہ۔ ہنسی اور رونے کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی ہنساتا ہے وہی رُلاتا ہے۔

هر یکے را مخزن و مفتاحِ آں
ہر ایک کا خزانہ ہے اور اس کی کنجی
اے برادر در کفِ فتّاح داں
اے بھائی! کھولنے والے (خدا) کے ہاتھ میں سمجھ

ہیچ ساکن می نشد آں خندہ زو
اُس کی ہنسی کسی طرح نہ تھمتی تھی
پس خلیفہ تیرہ گشت و تُند خُو
تو خلیفہ ناراض اور غضبناک ہو گیا

زود شمشیر از غلافش بر کشید
اُس نے فوراً غلاف میں سے تلوار سونت لی
گفت سِرِّ خندہ وا گو اے پلید
کہنے لگا اے ناپاک! ہنسی کا راز بتا

در دلم زیں خندہ ظنّی اوفتاد
اِس ہنسی سے میرے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی ہے
راستی گو عشوہ نتوانیم داد
سچ بتا دے، تو مجھے فریب نہیں دے سکتی ہے

وَر خلافِ راستی بفریبیم
اگر تو سچائی کے خلاف مجھے فریب دے گی
یا بہانہ چرب آری تو برم
یا میرے سامنے چکنا چپڑا بہانہ لائیگی

من بدانم در دلِ من روشنی ست
میں سمجھ جاؤں گا میرے دل میں روشنی ہے
بایدت گفتن ہر آنچہ گفتنی ست
تجھے کہنے کے لائق، بات کہہ دینی چاہئے

در دلِ شاہاں تو ماہے داں سطبر
تو بادشاہوں کے دل میں ایک بڑا چاند سمجھ
گرچہ گہ گہ شُد ز غفلت زیرِ ابر
اگرچہ وہ کبھی کبھی غفلت کی وجہ سے ابر کے نیچے آجاتا ہے

یک چراغے ہست در دل وقتِ گشت
چلنے پھرنے کے وقت دل میں ایک چراغ ہے
وقتِ خشم و حرص آید زیرِ طشت
جو غصہ اور حرص کے وقت طشت کے نیچے ہوجاتا ہے

آں فراست ایں زماں یارِ من ست
اس وقت وہ شناخت میری دوست ہے
گر نگوئی آنچہ حقِ گفتن ست
اگر تو وہ نہ کہے گی جو بتانے کا حق ہے

من بدیں شمشیر بُبرم گردنت
میں اِس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا
سُود نبُود خود بہانہ کردنت
تیرا بہانہ کرنا کچھ مفید نہ ہوگا

ایں زماں بکُشم ترا بے ہیچ شک
اب میں تجھے یقیناً قتل کر دوں گا
تیغ را کرد اُو حوالہ گفت بِک
اس نے تلوار اس کے سامنے کی کہا یہ ہے

وَر بگوئی راست آزادت کُنم
اگر تو سچ کہدے گی میں تجھے آزاد کر دوں گا
حقِ یزداں نشکنم شادت کُنم
خدا کی قسم نہ توڑوں گا، تجھے خوش کر دوں گا

ہفت مُصحف آں زماں بر ہم نہاد
اُس نے سات قرآن اوپر نیچے رکھے
خورد سوگند و چنیں تقریر داد
قسم کھائی اور یوں عہد کیا

فاش کردنِ آں کنیزک آں راز را با خلیفہ از بیمِ زخمِ شمشیر و
تلوار کے زخم سے ڈر کر اُس لونڈی کا خلیفہ سے راز فاش کر دینا

اِکراہِ خلیفہ کہ راست بگو سببِ ایں خندہ را وگرنہ بکُشمت
اور خلیفہ کا مجبور کرنا کہ اس ہنسی کا سبب سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا

ــه زود۔ لونڈی کی بے تحاشا ہنسی پر بادشاہ کو غصہ آگیا اور تلوار سونت لی اور کہنے لگا ہنسی کا راز صحیح بتا دے غلط بات سے تو مجھے مطمئن نہ کر سکیگی میرے دل میں عقل کی روشنی ہے

له آں فراست۔ وہ نور اور روشنی اِس وقت میرے ساتھ ہے اگر تو صحیح بات نہ کہے گی میں فوراً سمجھ جاؤں گا اور تجھے مار ڈالوں گا اور یہ کہہ کر تلوار اُس کے سامنے کر دی اور سات قرآن اوپر نیچے رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تو سچ بتا دیگی تو تجھے آزاد کر دوں گا۔

زنؔ[٢] چو عاجز شد بگفت احوال را
عورت جب عاجز آگئی اس نے حالات بتا دیئے
مردیِ آں رستمِ صد زال را
سیکڑوں زال والے رستم کی مردانگی کے

شرحِ آں گرد ک کہ اندر راہ بود
اس خیمہ کی تفصیل جو راستہ میں تھا
یک بیک با آں خلیفہ وانمود
وہ اس نے ایک ایک کر کے خلیفہ پر کھولدی

شیر کشتن سوئے خیمہ آمدن
شیر کا قتل کرنا خیمہ میں آنا
واں ذکر قائم چو شاخِ کرگدن
اور اسکے ذکر کا گینڈے کے سینگ کیطرح کھڑا رہنا

او بداں قوت کہ از شیر شکار
وہ اس طاقت کے ساتھ کہ شکاری شیر سے
ہیچ تغییرش نشد بد برقرار
اس میں کوئی تغیر نہ ہوا برقرار تھا

[١]توبدیں سستی کہ چوں کردی بگوش
تو اس سستی میں کہ جب تو نے سنی
خشت خشتِ موشکے رفتی ز ہوش
چوہیا کی کھٹ کھٹ بے ہوش ہوگیا

من چو دیدم از تو ایں و از وے آں
میں نے جب تجھے یہ دیکھا اور اس سے وہ
زاں سبب خندیدم اے شاہِ جہاں
اے شاہجہاں! میں اس سبب سے ہنسی

رازہا را میکند حق آشکار
اللہ (تعالیٰ) بھیدوں کو ظاہر کر دیتا ہے
چوں بخواہد رست تخمِ بد مکار
جبکہ اُگ کر رہے گا، برا بیج نہ بو

آب و ابر و آتش و ایں آفتاب
پانی اور ابر اور گرمی اور یہ سورج
رازہا را می برارند از تراب
مٹی سے بھیدوں کو برآمد کر دیتے ہیں

ایں بہارِ نو ز بعدِ برگ ریز
یہ نئی بہار، پت جھڑ کے بعد
ہست برہانِ وجودِ رستخیز
قیامت کے وجود پر دلیل ہے

در[٢] بہاراں سرہا پیدا شود
بہاروں میں راز ظاہر ہوجاتے ہیں
ہر چہ خوردست ایں زمیں رسوا شود
اس زمین نے جو کھایا ہے، ظاہر ہوجاتا ہے

بر دمد آں از دہان و از لبش
اس کے ہونٹ اور منہ سے وہ اگ پڑتا ہے
تا پدید آید ضمیر و مذہبش
یہاں تک کہ اس کا مذہب اور ضمیر کھل جاتا ہے

سرِ بیخِ ہر درختے و خورش
ہر درخت کی جڑ کا راز اور اس کی خوراک
جملگی پیدا شود آں بر سرش
سب اس کے سر پر پیدا ہو جاتا ہے

ہر غمے کز وے تو دل آزردہ
ہر وہ غم جس سے تو دل آزردہ ہے
از خمارِ مے بود کاں خوردہ
اس شراب کا خمار ہوتا ہے جو تو نے پی ہے

لیک[٣] کے دانی کہ آں رنجِ خمار
لیکن تو کب جان سکتا ہے کہ خمار کی تکلیف
از کدامیں مے برآمد آشکار
کونسی شراب سے ظاہر ہوئی ہے

ایں خمار اشگوفۂ آں دانہ ست
یہ خمار اس دانہ کا شگوفہ ہے
آں شناسد کاگہ و فرزانہ است
وہ جانتا ہے جو آگاہ اور ذہین ہے

---

[٢] زن۔ لونڈی جب عاجز آگئی تو اس نے پہلوان کا سارا قصہ سنا دیا اور کہا کہ اس نے شیر کو بھی قتل کیا اور پھر خیمہ میں واپس آیا اور اس کی شہوت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

[١] توبدیں سستی۔ لونڈی نے کہا لیکن تیری یہ حالت ہے کہ چوہے کی کھٹ کھٹ سے شہوت کافور ہوگئی میرے ہنسنے کا یہ سبب ہے۔ رازہا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر راز ظاہر ہو کر رہتا ہے لہٰذا برے کام کا بیج نہ بونا چاہیئے اس لئے کہ وہ اُگے گا۔ آب۔ پانی، گرمی اور سورج زمین میں چھپے راز ظاہر کر دیتے ہیں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز اُگ آتی ہے۔ ایں بہار۔ موسم بہار میں اُجڑے ہوئے چمن پھر زندگی حاصل کر لیتے ہیں جو حشر و نشر کے لئے ایک دلیل ہے۔

[٢] دربہاراں۔ موسم بہار میں زمین سے ہر وہ بیج اُگ پڑتا ہے جو زمین میں چھپا ہوا تھا اور اس سے اس بیج کی حقیقت کھل جاتی ہے۔۔۔۔ برسرش۔ یعنی پھلوں کی صورت میں۔ ہر غمے۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اس کے کسی عمل کا ثمرہ ہوتی ہے۔

[٣] لیک۔ لیکن انسان یہ نہیں سمجھ سکتا ہے کہ یہ تکلیف اور رنج کس گناہ کا نتیجہ ہے۔ ایں خمار۔ اہلِ باطن یہ سمجھتے ہیں۔ شاخ۔ گناہ اور اس کے ثمرہ میں کوئی ظاہری مشابہت نہیں ہوتی ہے جس طرح بیج اور پھل میں۔ نطفہ۔ منی سے

شاخ و اشگوفہ نماند دانہ را — نطفہ کے ماند تنِ مردانہ را

شاخ اور شگوفہ دانہ کے مشابہ نہیں ہوتے — نطفۂ انسانی جسم کے مشابہ کب ہے؟

نیست مانندِ ہیولا با اثر — دانہ کے مانند آید با شجر

مادّہ، نتیجہ کے مشابہ نہیں ہے — دانہ، درخت کے مشابہ کب ہوا ہے؟

نطفہ[1] از نانست کے ماند بناں — مردم از نطفہ است کے باشد چناں

نطفہ، روٹی سے (بنا) ہے روٹی کے مشابہ کب ہے؟ — انسان، نطفہ سے ہے ویسا کب ہوتا ہے؟

جنی از نارست کے ماند بنار — از بخارست ابر و نبود چوں بخار

جن آگ سے ہے، آگ سے مشابہ کب ہے — ابر، بخار سے ہے اور بخار جیسا نہیں ہوتا ہے

از دمِ جبریل عیسیٰ شد پدید — کے بصورت ہمچو او بد ناپدید

(حضرت) عیسیٰ جبرئیل کی پھونک سے پیدا ہوئے — صورت کے اعتبار سے انکی طرح مخفی کب ہوئے؟

آدم[2] از خاکست کے ماند بخاک — ہیچ انگورے نمی ماند بتاک

(حضرت) آدم مٹی سے ہیں، مٹی کے مشابہ کب ہیں؟ — کوئی انگور، انگور کے درخت کے مشابہ نہیں ہے

کے بود طاعت چو خلدِ پائیدار — کے بود دزدی بشکلِ پائیدار

عبادت، مستقل جنت کی طرح کب ہے؟ — چوری، سولی کے ستون کی شکل کی کب ہے؟

ہیچ اصلے نیست مانندِ اثر — پس ندانی اصلِ رنج و دردِ سر

کوئی اصل نتیجہ کے مشابہ نہیں ہے — تو تو رنج اور دردِ سر کی اصل نہیں جان سکتا

لیک بے اصلے نباشد ایں جزا — بیگناہے کے برنجاند خدا

لیکن یہ جزا بغیر اصل کے نہیں ہوتی ہے — خدا بے گناہ کو کب رنج دیتا ہے؟

آنچہ اصلست و کشندہ آں شیٔ ست — گرنمی ماند بوے ہم از وے ست

وہ جو اصل ہے اور اس چیز کا سبب ہے — اگرچہ وہ اس کے مشابہ نہیں ہے تاہم وہ اسی کے سبب سے ہے

پس بداں رنجت نتیجہ زلتے ست — آفتِ ایں ضربتت از شہوتے ست

پس سمجھ لے کہ تیری تکلیف کسی لغزش کا نتیجہ ہے — تیری اس چوٹ کی آفت، کسی شہوت کی وجہ سے ہے

گر[3] ندانی آں گنہ را ز اعتبار — زود زاری کن طلب کن اغتفار

اگر عبرت کے لئے تو اس گناہ کو نہ پہچان سکے — بہت جلد عاجزی کر اور معافی چاہ

سجدہ کن صد بار میگو اے خدا — نیست ایں غم غیر درخوردِ سزا

سو بار سجدہ کر اور کہہ اے خدا! — یہ غم، سزا کی پاداش کے سوا نہیں ہے

اے تو سبحاں پاک از ظلم و ستم — کے دہی بے جرم جانرا دردِ غم

اے سبحان تو ظلم و ستم سے پاک ہے — تو جان کو درد و غم بغیر جرم کے کب دیتا ہے؟

من معین می ندانم جرم را — لیک ہم جرمے بباید کرم را

میں جرم کو معین کر کے نہیں جانتا ہوں — لیکن بخشش کے لئے جرم بھی چاہیے

بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بچہ اور منی میں مشابہت نہیں ہے۔ ہیولا۔ مادہ۔ اثر۔ جو چیز مادہ سے بنی ہے۔

[1] نطفہ۔ منی روٹی سے بنی لیکن آپس میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ جنی۔ جن آگ سے پیدا ہوا ابر بخارات سے پیدا ہوا لیکن آپس میں مشابہت نہیں ہے۔ دمِ جبریلؑ۔ حضرت مسیحؑ حضرت جبرئیلؑ کے دم سے پیدا ہوئے لیکن ان میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔

[2] آدمؑ۔ آدم مٹی سے پیدا ہوئے، انگور بیل سے پیدا ہوا، ان میں بھی کوئی مشابہت نہیں ہے۔ خلد۔ جنت، عبادت کا ثمرہ ہے، چوری کا نتیجہ سولی ہے لیکن باہمی مشابہت نہیں ہے۔ آنچہ۔ اصل اور نتیجہ میں اگرچہ کوئی مشابہت نہیں ہوتی لیکن نتیجہ کو اصل سے ہی سمجھو۔ پس بداں۔ لہٰذا مصیبت کو گناہ کا ثمرہ سمجھنا چاہیے۔

[3] گر ندانی۔ خواہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے اس گناہ کو نہ سمجھ سکے جس کے نتیجہ میں مصیبت میں گرفتار ہوا ہے لیکن اس کو گناہ کی معافی کی درخواست کرنی چاہیے۔ سجدہ کن۔ سجدہ کرکے کہنا چاہیے کہ یہ میرے گناہ کی سزا ہے۔ اے سبحان۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرنا چاہیے کہ تیری ذات ظلم و ستم سے پاک ہے بغیر خطا کے سزا نہیں دیتا ہے۔ کرم۔ بخشش، گناہ کی متقاضی ہے۔

چوں بپوشیدی سبب را زاعتبار
جبکہ تو نے سبب کو عبرت حاصل کرنے سے چھپا دیا؟

دائما آں جرم را پوشیدہ دار
اس خطا کو بھی ہمیشہ پوشیدہ رکھ

کہ جزا اظہارِ جرمِ من بود
کیونکہ بدلہ میری خطا کا اظہار بن جائے گا

کز سیاست دزدیم ظاہر شود
کیونکہ سزا سے میری چوری کھل جائے گی

باز گردم سوئے توبہ شاہ باز
میں بادشاہ کی توبہ کی طرف پھر لوٹتا ہوں

تا شود معلوم اسرارِ نیاز
تاکہ عاجزی کے اسرار معلوم ہو جائیں

عزم کردنِ شاہ چوں واقف شد براں خیانت کہ بپوشاند و عفو کند و او را باو دہد و دانست کاں فتنہ جزائے قصدِ او بود و ظلمِ او بر صاحبِ موصل کہ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا وَاِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَاد و ترسید کہ اگر ایں انتقام کشد آں انتقام باز ہم بر سرِ او آید چنانکہ ایں ظلم و طمع بر سرش آمد

جب بادشاہ اس خیانت سے واقف ہوا تو اس کا ارادہ کرنا کہ وہ چشم پوشی کرے اور معاف کر دے اور اس کو اس ہی کو دیدے اور سمجھ گیا کہ یہ فتنہ موصل کے بادشاہ پر اس کے ظلم اور ارادہ کی سزا ہے کیونکہ جس شخص نے برائی کی تو وہ اس پر ہے اور بیشک تیرا رب گھات کی جگہ میں ہے اور وہ ڈرا کہ اگر یہ بدلہ لے گا تو یہ بدلہ بھی اسی کے سر پر آئے گا جیسا کہ یہ ظلم اور حرص اس کے سر پر آیا

شاہ با خود آمد استغفار کرد
شاہ ہوش میں آیا، اس نے توبہ کی

یادِ جرم و زلت و اصرار کرد
جرم اور لغزش اور اصرار کی یاد کی

گفت با خود آنچہ کردم با کساں
اپنے آپ سے بولا میں نے جو کچھ لوگوں کے ساتھ کیا

شد جزائے آں بجائے من رساں
اس کی سزا مجھ پر پہنچنے والی بن گئی

قصدِ جفتِ دیگراں کردم زجاہ
میں نے مرتبہ کی وجہ سے دوسروں کی بیویوں کا قصد کیا

بر من آمد آں و افتادم بچاہ
وہی مجھے پیش آیا اور میں کنوئیں میں گر گیا

من درِ خانہ کسِ دیگر زدم
میں نے کسی دوسرے کے گھر کا دروازہ پیٹا

او درِ خانہ مرا زد لاجرم
اس نے لامحالہ میرا دروازہ پیٹا

ہر کہ با اہلِ کساں شد فسق جو
جو شخص لوگوں کے اہل کے ساتھ فسق کا طلبگار رہا

اہلِ خود را داں کہ قوادست او
سمجھ لے کہ وہ اپنے اہل کا دیوث ہے

زانکہ مثلِ آں جزای آں شود
کیونکہ اس کی جزا اس کی مثل ہوتی ہے

چوں جزای سیئہ مثلش بود
جبکہ برائی کا بدلہ اس جیسا ہوتا ہے

---

۱ چوں۔ اے خدا جب تو نے میری خطا کو اس بارے میں پوشیدہ کر دیا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مصیبت کس خطا کی وجہ سے آئی ہے تو اب ہمیشہ کے لئے میری اس خطا کو چھپا دے۔ کہ جزا۔ سزا جرم کے اظہار کا سبب بن جاتی ہے جب چور کی پٹائی ہوتی ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔ تا شود۔ عاجزی اور نیاز مندی بہت سے اسرار پر مشتمل ہے۔

۲ عزم کردن۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ پہلوان کی خیانت میرے ظلم کی سزا ہے لہٰذا اس نے طے کیا کہ اب پہلوان پر ظلم نہ کرے ورنہ اور سزا ملے گی بلکہ یہ لونڈی اسی کو دیدے۔ زلت۔ لغزش۔ اصرار یعنی گناہ پر جماؤ۔

۳ گفت۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ سب کچھ میرے ظلم کی سزا ہے۔ قصد جفت۔ میں نے شاہ موصل کی لونڈی پر نظر بد ڈالی تو اس کے بدلے میں میری لونڈی پر نظر بد پڑی۔ من در خانہ۔ میں نے دوسرے کی پردہ دری کی تو میری پردہ دری ہوئی۔

۱ ہر کہ۔ جو شخص دوسروں کی بیویوں سے فسق کرتا ہے وہ دیوث ہے درحقیقت وہ اپنی بیوی کے بارے میں چاہتا ہے کہ لوگ اس سے فسق و فجور کریں۔ زانکہ۔ جیسے کہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہوتی ہے۔

چوں سبب گردی کشیدی سوی خویش — مثل آں را پس تو دیوثی زپیش

جب تو سبب بنا، تو نے اپنی جانب کھینچا — اس جیسا پس تو پہلے سے دیوث ہے

غصب کردم از شہِ موصل کنیز — غصب کردند از من او را زود نیز

میں نے شاہِ موصل کی لونڈی غصب کی — انھوں نے اس کو میرے پاس سے بھی فوراً غصب کر لیا

او امینِ من بُد و لالائے من — خائنش کرد آں خیانتہائے من

وہ میرا امین تھا اور میرا غلام — اس کو میری خیانتوں نے خیانت کرنے والا بنا دیا

نیست وقتِ کیں گذاری و انتقام — من بدستِ خویش کردم کارِ خام

کینہ وری اور بدلہ کا وقت نہیں ہے — میں نے بُرا کام اپنے ہاتھ سے کیا

گر کشم کینہ ازاں میر و حرم — آں تعدّی ہم بیاید بر سرم

اگر میں اُس لونڈی اور سردار سے بدلہ لوں — وہ ظلم بھی میرے سر پر آئے گا

ہمچناں کیں یک بیامد در جزا — آزمودم باز نزمایم ورا

جیساکہ یہ ایک، بدلے میں آیا — میں نے آزما لیا پھر میں اس کو نہ آزماؤں گا

دردِ صاحب موصلم گردن شکست — من نیارم ایں دگر را نیز خست

موصل کے بادشاہ کے درد نے میری گردن توڑ دی — میں اِس کو دوبارہ نہیں توڑ سکتا ہوں

داد حق ماں از مکافات آگہی — گفت اِن عُدتُّم بہ عُدنا بہ

بدلے سے خدا نے ہمیں خبردار کردیا — فرمایا اگر تم دوبارہ ایسا عمل کروگے ہم دوبارہ (یہ سزا دیں گے)

چوں فزونی کردن اینجا سود نیست — غیر صبر و مرحمت محمود نیست

چونکہ اِس جگہ زیادتی کرنا مفید نہیں ہے — سوائے صبر اور رحم کے کچھ اچھا نہیں ہے

ربّنا انّا ظلمنا سہو رفت — رحمتے کن اے رحیمیہات زفت

اے ہمارے رب بیشک ہم نے ظلم کیا بھول ہوئی — رحمت کر اے وہ کہ تیری رحمتیں بڑی ہیں!

عفو کردم تو ہم از من عفو کن — از گناہانِ نو و جرمِ کہن

میں نے معاف کیا تو بھی مجھے معاف کردے — نئے گناہوں اور پرانی خطاؤں کو

گفت اکنوں اے کنیزک وامگو — ایں سخن را کہ شنیدم من زتو

کہا اے لونڈی! اب نہ کہنا — یہ بات جو میں نے تجھ سے سُنی

پس دار و باکسے عرضہ مکن — آنچہ گفتی اے کنیزک زیں سخن

محفوظ رکھو اور کسی سے نہ کہہ — اے لونڈی: تو نے جو یہ بات کہی

با امیرت جفت خواہم کرد من — اللہ اللہ زیں حکایت دم مزن

میں امیر سے تیرا نکاح کردوں گا — خدا کے لئے اِس قصہ کو نہ کہہ

تا نگردد او زروئم شرمسار — کو یکے بد کرد و نیکی صد ہزار

تاکہ وہ میرے سامنے شرمندہ نہ ہو — کیونکہ اس نے ایک بُرائی اور لاکھوں بھلائیاں

چوں سبب۔ جب تیرا فسق و فجور یانی بیوی کے فسق و فجور کا سبب بنا تو معلوم ہوا کہ تو دیوث تھا۔ غصب۔ میں نے شاہِ موصل کی لونڈی غصب کی میرے سردار نے میری لونڈی غصب کرلی۔ لالا۔ غلام۔

۵۲ نیست۔ تو میں دوسرے سے کیا بدلہ لوں یہ تو میرا خود کردہ ہے۔ گر کشم۔ اب اگر میں پہلوان کو سزا دوں گا تو اس کا خمیازہ بھی مجھے بھگتنا پڑے گا۔ ہمچناں۔ ایک دفعہ میں آزما چکا کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے ملا ہے اب میں ایسا نہ کروں گا۔ اِن عُدتُّم۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم پھر وہی شرارتیں کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

۵۳ چوں۔ اب اس پہلوان پر کوئی ظلم و زیادتی مناسب نہیں ہے صبر اور رحم سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ ربّنا۔ اب تو بارگاہِ خداوندی میں یہی دعا کرنی چاہیے کہ ہم سے ظلم ہوا غلطی ہوئی تو معاف کردے۔ عفو کردم۔ شاہ نے دعا میں کہا اے خدا میں نے

۵۱ گفت۔ شاہِ مصر نے لونڈی کو ہدایت دی کہ پہلوان کا قصہ اب کسی سے نہ کہنا۔ با امیرت۔ میں نے طے کرلیا ہے کہ پہلوان سے تیری شادی کردوں گا تو اب پہلوان کا رات کا قصہ کسی سے نہ کہنا۔ تا نگردد۔ اس لئے اگر ایک بُرائی کی ہے تو سینکڑوں بھلائیاں بھی کی ہیں میں اسکو شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔

بارہا من امتحانش کردہ ام
میں نے اُس کو بارہا آزمایا ہے
خوب ۵۲تر از تو بدو بسپردہ ام
تجھ سے زیادہ حسین اُس کے سپرد کئے ہیں

در امانت یافتم اُو را تمام
میں نے اُس کو امانت میں مکمل پایا ہے
ایں قضائے بُود ہم از کردہ ام
یہ بھی میرے کاموں کی سزا تھی

کنیزک بخشیدن شاہ بحیلت بہ پہلوان

بادشاہ کا پہلوان کو ایک تدبیر سے لونڈی بخش دینا

پس بخود خواند آں امیرِ خویش را
پھر اس نے اس اپنے امیر کو بلایا
کُشت در خود خشمِ قہر اندیش را
قہر ڈھانے والے غصہ کو اپنے اندر دبادیا

کرد با اُو یک بہانہ دلپذیر
اُس نے دل کو لگنے والا ایک بہانہ کیا
کہ شُدستم زیں کنیزک بس نفیر
کہ میں اِس لونڈی سے بہت متنفر ہوگیا ہوں

زاں ۵۳سبب کز غیرت و رشکِ کنیز
اس لئے کہ لونڈی کی غیرت اور رشک سے
مادرِ فرزند دارد صد أزیز
لڑکے کی ماں بہت فریاد کررہی ہے

زاں سبب کز غیرتِ اُو دائما
اِس لئے کہ اُس کی غیرت سے مستقلاً
مادرِ فرزند ہست اندر عنا
لڑکے کی ماں مصیبت میں ہے

مادرِ فرزند را بس حقہاست
لڑکے کی ماں کے بہت حقوق ہیں
اُو نہ در خورد چنیں جور و جفاست
وہ اِس طرح کی ظلم و زیادتی کے لائق نہیں ہے

رشک و غیرت میبرد خوں میخورد
رشک اور غیرت کرتی ہے خون پیتی ہے
زیں کنیزک سخت تلخی می برد
اِس لونڈی سے سخت کڑواہٹ محسوس کرتی

چوں ۵۴کسے را داد خواہم ایں کنیز
چونکہ یہ لونڈی میں کسی کو دوں گا
پس ترا اولیٰ تر ست ایں اے عزیز
اے پیارے! تجھے دینا زیادہ بہتر ہے

کہ تو جانبازی نمودی بہرِ اُو
کیونکہ تونے اُس کے لئے جانبازی دکھائی ہو
خوش نباشد دادنِ آں جز بتو
تیرے سوا کسی کو اُسکا دینا اچھا نہ ہوگا

عقد کردش با امیر اُو را وَداد
اُس کا نکاح امیر سے کردیا اور اُسکو دیدی
خشم را و حرص را یکسو نہاد
غصہ اور لالچ کو ایکطرف رکھ دیا

عقد کردش با امیر اُو را سپُرد
اُس کا نکاح امیر سے کردیا، اُسکو سپرد کردی
کرد خشم و حرص را او خورد مُرد
اُس نے غصہ اور لالچ کو ریزہ ریزہ کردیا

بیان آنکہ نحن قسمنا کہ یکے را قوت و شہوتِ خراں دہد

اِس کا بیان کہ ہم نے تقسیم کیا ہے کردہ ہم: کسی کو گدھوں کی سی قوت اور شہوت
دیتا ہے اور کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی سی قوت اور ذہانت دیتا ہے
ویکے را کیاست و قوتِ انبیا و فرشتگاں دہد ۵۵

۵۲ خوب تر - میں نے تجھ سے بھی زیادہ حسین لونڈیاں اُس کے سپرد کی ہیں لیکن اُس نے خیانت نہیں کی۔ ایں قضائے۔ یہ میری برائیوں کی سزا مجھے ملی ہے۔ پس۔ اِس کے بعد شاہ نے اُس امیر پہلوان کو بلایا اور اُس سے یہ بہانہ کیا کہ میں اِس لونڈی سے متنفر ہوں۔

۵۳ زاں۔ اور میری نفرت کا سبب یہ ہے کہ میری بیوی بہت نالاں ہے۔ آزیز۔ ہانڈی کے پکنے کی آواز۔ زاں سبب۔ میرا لونڈی سے متنفر ہونے کا سبب یہ ہے کہ میرے بچہ کی ماں کو اِس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ عنا۔ مشقت۔ در خورد۔ لائق۔

۵۴ چوں کسے۔ اب جبکہ یہ لونڈی مجھے کسی کو دینی ہے تو تو زیادہ مستحق ہے۔ کہ تو۔ کیونکہ تو نے اُس کے لانے میں جانبازی کی ہے۔ عقد۔ شاہِ مصر نے اُس لونڈی کا اُس پہلوان سے نکاح کردیا اور اپنے غصہ کو ختم کردیا۔ بیان۔ حضرت حق تعالیٰ نے جسمانی طاقتوں کی تقسیم ہر ایک کے مناسب حال کی ہے کسی کو تو گدھوں کی سی قوتِ شہوانی دی ہے کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی ذہانت اور ذکاوت عطا کی ہے۔

سرز ہوا تافتن از سروریست — ترکِ ہوا قوتِ پیغمبریست

خواہشِ نفسانی سے سرتابی کرنا سرداری ہے — خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دینا پیغمبری طاقت ہے

تخمہائے کہ شہوتی نبود — بر او جز قیامتی نبود

وہ بیج جو شہوت والے نہ ہوں — اُن کا پھل قیامت کے سوا (ظاہر) نہ ہوگا

گر بدش سستی ز نرّیِ خراں — بود او را مردیِ پیغمبراں

اگر اُس میں گدھوں کی سی شہوت سے سستی تھی — تو اُس میں پیغمبروں کی سی مردانگی تھی

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری — ہست مردی و رگِ پیغمبری

غصہ اور شہوت اور لالچ کرنے کو چھوڑنا — مردانگی اور پیغمبری رگ ہے

نرّیِ خر گو مباش اندر رگش — حق ہمی خواند الغ بگلربگش

گر اُس کی رگ میں گدھے کا سا نر پنا نہ ہو — اللہ (تعالیٰ) اُسکی امیرالامرائی کو چاہتا ہے

مردہ باشم بمن حق بنگرد — بہ ازاں زندہ کہ باشم دور ورد

(اگر) میں مُردہ ہوں (اور) حق (تعالیٰ) کی نظر ہو — اِس سے بہتر ہے کہ میں زندہ ہوں (اور) دور (دھتکارا ہوا)

مغزِ مردی ایں شناس و پوست آں — آں برد در دوزخ وایں در جناں

اس کو مردانگی کا مغز سمجھ اور وہ چھلکا ہے — وہ دوزخ میں لے جائیگی اور یہ جنتوں میں

حُفَّتِ الجَنَّۃُ مکارہ را رسید — حُفَّتِ النّار از ہوا آمد پدید

"جنت گھیر دی گئی ہے ناپسندیدہ چیزوں کو" لا — "دوزخ گھیر دی گئی ہے" خواہش نفسانی سے ظاہر ہے

۵۲ سر ز ہوا۔ خواہشات پر قابو پالینا سرداری کی دلیل ہے اور یہ پیغمبری صفت ہے یہ شعر مولانا کا نہیں ہے بلکہ حکیم سنائی کا ہے۔ تخمہائے۔ جو شخص شہوت کی تخم ریزی کرے گا وہ قیامت میں اپنی تخم ریزی کا پھل پائیگا یہ شعر بھی مولانا کا نہیں ہے حکیم سنائی کا ہے۔ گر بدش۔ شاہ مصر میں گدھوں کی سی شہوت نہ تھی اس میں معنوی مردی تھی۔

۵۳ ترکِ خشم۔ نفسانی رذائل کو ترک کرنا پیغمبری مردی ہے۔ الغ۔ بزرگ۔ بگلربگ۔۔۔۔ امیرالامراء۔ مردہ باشم۔ وہ مُردگی جو خدا کی منظور نظر ہو اس زندگی سے بہتر ہے جو مردود بارگاہ ہو۔ مغز۔ مردی اصل وہ ہے جو پیغمبروں میں ہے وہی جنت

[illegible]

شرح

خیر! جب وہ کنیز بادشاہ کے پاس پہنچ گئی تو اُسنے اس کے ساتھ ہمبستری کا قصد کیا اور جماع کے لیے اُسکے پاس گیا اُس جماع کا خیال کیا اور عضوِ تناسل کو استادہ کیا اور روح افزا عیش و نشاط کا ارادہ کیا پس جبکہ وہ اُسکی دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تو تقدیر الٰہی نے اُسکے عیش و نشاط کا راستہ بند کر دیا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ چوہے کی حرکت کی آواز اُسکے کانوں میں آئی اور اُس سے اس کے شہوت بالکل منقطع ہو گئی اور اُس کا ذکر استادہ بیٹھ گیا کیونکہ اُسے خیال ہوا کہ یہ آواز سانپ کی ہے جو کہ تیزی کے ساتھ بوری کے نیچے سے گذر رہا ہے۔ جب عورت نے اسکی اس کمزوری کا مشاہدہ کیا تو وہ تعجب سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگی کیونکہ اس

وقت اس کو اس افسر کی مردانگی یاد آگئی۔ جس نے شیر کو مارا تھا اور باوجود اس کے اس کا عضوِ مخصوص اُسی طرح اِستادہ تھا۔ اس خیال سے اس پر ہنسی کا غلبہ ہوا اور دیر تک ہنستی رہی وہ کوشش بھی کرتی تھی کہ ہنسی بند ہو جائے مگر وہ رُکتی تھی اور اس کا منہ بند نہ ہوتا تھا۔ اور بھنگڑوں کی طرح بے خود ہو کر خوب ہنس رہی تھی اور وہ ہنسی نفع و نقصان کے خیال پر غالب آرہی تھی اور جو کچھ بھی سوچتی تھی اُس سے بجائے اس کے کہ ہنسی رُکے اور ہنسی آتی تھی۔

اس کی ہنسی کی یہ حالت تھی جیسے کہ سیلاب کا بند دفعتہً کاٹ دیا جائے اور اس وقت وہ جاری ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اس غیر اختیاری ہنسی کا راز کیا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہنسی اور رونے اور رنج اور خوشی کا ایک مخفی اور مستقل معدن اور گودام ہے اور اس کی کنجی حق سُبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے پس وہ جس وقت چاہتے ہیں اس وقت اس کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور رنج اور خوشی خندہ و گریہ آدمی پر ٹوٹ پڑتی ہیں جس کو وہ دفع نہیں کر سکتا۔

اس بنا پر اس کنیز کی ہنسی نہ رکتی تھی اور وہ برابر ہنس رہی تھی اس سے بادشاہ کی طبیعت مکدر ہو گئی اور اسے غصہ آگیا اور اس نے فوراً میان سے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ او خبیثہ! اس ہنسی کا راز بتلا۔ میرے دل میں تیری ہنسی سے شبہ پیدا ہو گیا ہے دیکھ سچ سچ کہنا اور دھوکا نہ دینا۔ کیونکہ تو مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔ اور اگر تو جھوٹ بول کر مجھے دھوکا دیگی۔ یا کوئی دل خوش کُن بہانہ پیش کریگی تو میں تیرے فریب کو سمجھ لوں گا کیونکہ میرے دل میں روشنی اور نُورِ فراست ہے پس جو کچھ کہنے کے لائق ہو وہ ہی کہنا۔ اور جھوٹ نہ بولنا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے دل میں فی الحقیقت ایک عظیم الشان چاند (نورِ فراست) ہوتا ہے۔ جس سے وہ صحیح اور غلط اور جا اور بے جا میں تمیز کر لیتے ہیں لیکن کبھی وہ اَبرِ حرص و خشم کے نیچے مستور ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دل میں تفریح کے وقت ایک چراغ ہوتا ہے اور غصہ اور حرص کے وقت وہ طشت کے نیچے مخفی

ہو جاتا ہے اور روشنی نہیں دیتا۔

اب اس جملہ معترضہ کو تمام کر کے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ وہ فراست اس وقت میرے ساتھ ہے اور میں اس سے تیرے صدق اور کذب میں تمیز کر لوں گا۔ اسلئے سچ کہنا اگر تو سچ سچ نہ کہے گی تو میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا اور حیلہ بہانہ کرنے سے تجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور میں تجھے ابھی مار ڈالوں گا تجھے اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر تلوار اس کے حوالہ کر دیگی اور کہا کہ لے دیکھ لے یہ تلوار موجود ہے لیکن اگر تو سچ سچ کہہ دے گی تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔ اور خدا کی قسم میں تجھے نہ مارونگا بلکہ خوش کرونگا۔

اسنے اسے یقین دلانے کے لیے اس وقت سات قرآن اوپر تلے رکھے اور قسم کھائی اور اس طرح اپنے عہد کو پختہ کر دیا۔ خیر جب عورت مجبور ہو گئی اور اُسے کچھ بن نہ آیا تو واقعہ کہہ دیا اور اس بہادر کی مردانگی کو بیان کر دیا۔ اسنے اس واقعہ کی جو کہ رستہ میں واقع ہوا تھا پوری تفصیل بادشاہ سے بیان کر دی کہ یوں اس نے شیر مارا اور یوں واپس آیا اور جب واپس آیا تو اس کا ذکر گینڈے کے سینگ کی طرح کھڑا تھا وغیرہ وغیرہ اور اسنے کہا کہ اُس کی قوت کی تو یہ حالت تھی کہ شیر سے اس میں کچھ تغیر نہ آیا اور اسی طرح قائم رہی اور تمہاری کمزوری کی یہ حالت ہے کہ چوہے کی رفتار کی آواز سے تمہارے حواس جاتے رہے۔ پس جبکہ میں نے اس کی وہ حالت اور تمہاری یہ حالت دیکھی تو مجھے ہنسی آ گئی۔

اس واقعہ سے تم سبق حاصل کرو اور سمجھو کہ حق سُبحانہٗ یوں اسرار کو ظاہر کر دیتے ہیں اور جبکہ تم نے سمجھ لیا کہ جو بیج بویا جائے وہ اُگے گا تو تم کو احتیاط چاہیئے اور بُرا بیج نہ بونا چاہیئے ورنہ اس کے ظہور کے بعد تم کو رُسوائی کا سامنا ہو گا۔ اب ہم تمہیں اس مضمون کو دوسرے نظائر حسیہ سے سمجھاتے ہیں اچھا سنو! پانی اور ابر اور گرمی اور آفتاب سب کے سب مٹی سے امور مخفیہ کو ظاہر کرتے ہیں بس یونہی حق سُبحانہٗ بھی آدمیوں کے اسرار مخفیہ کو ظاہر فرماتے ہیں۔

یہ پت جھڑ کے بعد درختوں کی سرسبزی قیامت کے وجود کی اعلیٰ درجہ کی دلیل یعنی قیامت کے متعلق جو استبعاد ہے جس کی بناء پر اس کا انکار کیا جاتا ہے اس کو بالکل دور کر رہی ہے۔ کیونکہ موسم بہار میں اسرار مخفیہ بداہۃً ظاہر ہوتے ہیں اور جو کچھ زمین نے کھایا ہے وہ ظاہر ہوتا اور اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ تاآنکہ اس کی باطنی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور ہر درخت کی جڑ کی باطنی حالت اور اس کی غذا سب کی سب اس کے سر پر ظاہر ہو جاتی ہے۔

جب یہ واقعات مشاہد اور ناقابل انکار ہیں تو قیامت کا وقوع مستبعد نہیں رہتا کیونکہ وہاں بھی یہی ہوگا کہ ہر شخص کی حالت مخفیہ ظاہر ہوگی۔ اور اس پر اس کے موافق نتیجہ مرتب ہوگا۔ واقعات مذکورہ سے تم کو یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ جو غم تم کو لاحق ہو اور تم اس سے پریشان ہو وہ اس شراب کا خمار ہے جو تم نے پی ہے اور ان افعال بد کا نتیجہ ہے جو تم نے کئے ہیں لیکن تم کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ رنج خمار کس شراب سے پیدا ہوا ہے اور تم کیا جان سکتے ہو کہ یہ خمار فلاں دانہ کا شگوفہ اور یہ رنج فلاں عمل کا اثر ہے۔ ہاں ایک حقائق شناس عارف اس کو سمجھتا ہے تمہارے نہ جاننے کا سبب یہ ہے کہ تم اشیاء اور ان کے نتائج میں۔ مشابہت کو ضروری... سمجھتے ہو اور افعال اور ان کے آثار میں مشابہت نہیں دیکھتے۔ اشیاء اور ان کے نتائج میں کسی ایسے مشابہت کا ہونا خود ضرور نہیں ہے۔ جس کو ہر شخص سمجھ سکے دیکھو! شاخیں اور شگوفے بیج سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان میں ایسی مشابہت نہیں ہوتی۔ جس کو ہر شخص مان لے۔ علیٰ ہٰذا آدمی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر نطفہ کو آدمی سے کون سی واضح مشابہت ہوتی ہے۔

غرض کہ تمام مادہ اپنے آثار کے ساتھ کھلی ہوئی مشابہت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دانہ درختوں کے مشابہہ نہیں ہوتے اور منی روٹی سے پیدا ہوتی ہے مگر اس کو روٹی سے مشابہت نہیں ہوتی۔ آدمی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے مگر نطفہ کے مشابہہ نہیں ہوتا۔ جنات آگ سے پیدا ہوتے ہیں مگر آگ کے مشابہ نہیں ہوتے۔ ابر بخار سے پیدا ہوتا ہے مگر بخار کے مشابہ نہیں ہوتا

عیسیٰ علیہ السلام نفخہٗ جبریلی سے پیدا ہوئے مگر جس طرح نفخہ غیر محسوس تھا یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
غیر محسوس نہ تھے۔ نیز آدم علیہ السلام خاک سے پیدا ہوئے تھے مگر وہ خاک کے مشابہ
نہ تھے۔ انگور اپنی بیل سے پیدا ہوتا ہے مگر وہ بیل سے مشابہ نہیں ہوتا۔ جنت نتیجہٗ
اعمال حسنہ ہے (باایں معنی کہ جنت اعمال صالحہ کے بدلے میں ملیگی نہ باایں معنی کہ جنت اعمال صالحہ سے پیدا ہوئی ہے)
مگر اعمال حسنہ سے اُسے کیا مناسبت اور چوری کا نتیجہ سولی ہے۔ مگر چوری کو اس سے کیا
مشابہت ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ عام طور پر کسی اصل کو اپنے اثر سے مشابہت
نہیں ہوتی۔ اور چونکہ تم سمجھے ہوئے ہو کہ ہر اصل کو اس اثر کے مشابہ ہونا چاہیئے۔ اسلیے
تم ان رنجوں اور تکلیفوں کا منشا نہیں سمجھ سکتے جو تم کو گناہ کے عوض میں دی جاتی ہے۔
واقع میں وہ سزا بلا وجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ حق سُبحانہٗ بدوں گناہ کے تکلیف اور سزا نہیں دیتے
پس جو چیز کسی سزا کی اصل اور اسکو کھینچنے والی ہے۔ گو وہ سزا اپنے اصل کے مشابہ
نہ ہو۔ مگر وہ پیدا اسی سے ہوئی ہے۔ اس سے تم سمجھ لو کہ تمہاری تکلیف ضرور تمہاری غلطی کا
نتیجہ ہے اور اس سزا کا منشا ضرور کوئی خواہش نفسانی ہو۔ اگر تم اس گناہ کو خصوصیت
کے ساتھ نہ جان سکو تو عبرت سے فوراً حق سُبحانہٗ کے سامنے تضرع کرو اور اس سے معافی
چاہو۔ اور سو دفعہ سجدہ کرو اور کہو کہ اے اللہ! یہ غم اور سزا ضرور اسی لیے ہے کہ مَیں
مستحق سزا ہوں کیونکہ اے سبحان! اور اے ظلم و ستم سے پاک تو بے قصور جان کو تکلیف
اور سزا نہیں دیتا۔ اور گو میں خصوصیت کے ساتھ اس جرم کو نہیں جانتا۔ مگر اتنا ضرور...
جانتا ہوں کہ سزا کے لیے کسی جرم کی ضرورت ہے۔ پس ضرور مجھ سے کوئی قصور ہوا ہے
جس کی یہ سزا ہے۔ اب میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔ کہ جب آپنے میرے جرم کو میرے علم سے
مخفی کیا ہے تو اس کو آپ ہمیشہ کے لیئے پوشیدہ رکھیئے یعنی مجھے سزا سے معافی۔۔
دیجیئے اسلئے کہ سزا دینا میرے جرم کا اظہار ہے۔ کیونکہ عقوبت سے میری چوری ظاہر ہوگی

(فائدہ: اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایلام حق سُبحانہٗ کی ضروری تفصیل
کردی جائے۔ تاکہ مضمون مثنوی کی توضیح ہو جائے اور کسی کو مغالطہ نہ ہو۔ سو واضح ہو کہ حق۔۔
سُبحانہٗ کو اپنی مخلوق پر مختلف قسم کے حقوق حاصل ہیں وہ ان کا مالک بھی ہے اور مُربی بھی۔

اور بادشاہ حاکم بھی۔ پس اگر وہ کسی کو بحیثیت مالکانہ تکلیف پہنچادے۔ یا اس میں کوئی اور تصرف کرے تو چونکہ وہ اس حق کی بنا پر ہے جو اس کو حاصل ہے تو یہ تصرف کی حالت میں ظلم نہیں کہلا سکتا لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہیں اسلئے اس تصرف میں کسی حکمت کا ہونا ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس حکمت کا علم مخلوق کو بھی ہو۔ بلکہ اس حکمت کا خدا کو علم ہونا کافی ہے اور اگر وہ کسی کو مربیانہ حیثیت سے تکلیف پہنچادے تو چونکہ وہ بنا بر مصالح مخلوق ہے خواہ بنا بر مصلحت مؤلم ہو۔ یا بنا بر مصالح مخلوق دیگر۔ اسلئے اس کو بھی ظلم نہیں کہا جاسکتا۔

مثلاً ڈاکٹر کسی مریض کی مصلحت کا لحاظ رکھ کر اُس کا کوئی عضو کاٹ ڈالے یا کسی جگہ شگاف دیدے۔ یا کوئی حاکم بنا پر رعایت مصلحت عامہ بشرائط مخصوصہ[ع] کوئی ایسا فعل کرے جو بعض رعایا کے لیے موجب تکلیف ہو تو اس ڈاکٹر یا حاکم کے فعل کو ظلم نہ کہا جائے گا اور اگر وہ کسی کو حاکمانہ حیثیت سے اور بطور سزا کے کوئی تکلیف دے تو اس کے لیے ضرورت ہے کہ مؤلَم کسی جُرم کا مرتکب ہوا ہو۔ کیونکہ سزا بلا جرم ظلم ہے اور حق سُبحانہٗ ظلم سے منزہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ غیر مکلّفین کو جو تکلیفیں ہوتی ہیں ان کا منشا یا حق مالکانہ ہوتا ہے یا حق مربیانہ۔ اور ان کے لیے کسی جُرم کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو تکلیفیں کہ مکلّفین کو ہوتی ہیں ان میں تینوں احتمال ہوتے ہیں یہ بھی کہ بحق مالکانہ ہوں اور یہ بھی کہ بحق مربیانہ ہوں۔ اور یہ بھی کہ بحق حاکمانہ اور بطور سزا ہوں۔ تیسرے صورت میں تقدم جُرم لازمی ہے اور پہلی دو صورتوں میں جُرم کی ضرورت نہیں —— پس خلاصہ یہ نکلا کہ جو تکلیف

ع : شرائط مخصوصہ کی قید ہم نے اسلئے بڑھائی ہے کہ ہر حاکم کو ہر مصلحت عامہ کا لحاظ کر کے ایسا فعل کرنا جو بعض رعایا کے لیے موجب تکلیف ہو جائز نہیں ہے بلکہ خاص شرائط کے ساتھ جائز ہے مثلاً یہ کہ وہ فعل کسی اور اہم مصلحت کے معارض نہ ہو۔ نیز اس میں کسی حاکم بالادست .... کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو وغیرہ وغیرہ ۱۲ منہ۔

سزا کے طور پر ہو فقط۔ اس لیے تقدم جُرم کی ضرورت ہے اور کسی تکلیف کے لیے تقدم جُرم کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ مکلّف یہ نہیں جان سکتا کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے اس کا منشا کیا ہے، اسلئے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو متہم کرے اور سمجھے کہ یہ میرے کسی جُرم کا نتیجہ ہے۔ اور حق سبحانہٗ سے استغفار کرے کیونکہ اگر وہ کسی تکلیف کو اپنے گناہ کا اثر نہ سمجھے گا اور اس لئے استغفار نہ کرے گا۔ اور واقع میں وہ اسکے گناہ کا نتیجہ ہوگی تو اسکو ایسا کرنے میں فرزند خور کا اندیشہ ہے۔

اس تفصیل سے ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم کا مطلب بھی واضح ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں مصیبت سے ہر تکلیف مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہ تکلیف مراد ہے جو سزا کے طور پر ہو۔ اور جس طرح دلائل عقلیہ اس تخصیص پر دلالت کرتے ہیں یوں ہی دلائل نقلیہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً خود حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع الخ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ ہر تکلیف کا منشا جُرم نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں حق سبحانہٗ نے بعض تکالیف کا منشا محض امتحان قرار دیا ہے، اور انکو کسی جُرم کا نتیجہ قرار نہیں دیا نیز دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کُتب علیکم القتالُ وھو کُرہٌ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جنگ ایک مصیبت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس مصیبت میں پھنسانا کسی جُرم کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ اس کا منشا رحمت ہے جس کی طرف ھو خیر لکم میں اشارہ ہے پس ضرور ہوا کہ آیۂ مذکورہ بالا میں مصیبت سے مراد ہر مصیبت نہ ہو۔ بلکہ خاص مصیبت ہو وہو المدعی۔ پس آریوں کا آیۂ مذکورہ میں مصیبت سے ہر تکلیف مراد لینا مقصود متکلم کے خلاف ہے اور اس سے تناسخ پر استدلال صحیح نہیں)

اچھا اب ہم بادشاہ کی توبہ کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ اس سے تم کو اس کی توبہ کے اسرار معلوم ہوں۔ اچھا سنو! کنیزک کے مُنہ سے واقعہ خیانتِ افسر سُنکر اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے فوراً توبہ کی اور اپنے جُرم اور اپنی لغزش اور ضد کو یاد کیا اور اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ میں نے دوسروں کے ساتھ کیا تھا۔ وہ میرے آگے آیا۔ میں نے دوسرں

کے محبوبوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کا وبال مجھ پر پڑا اور جو کنواں میں نے اوروں کے لیے کھودا تھا اُس میں مَیں خود گر گیا۔ میں نے دوسروں کے دروازہ کو کھٹکھٹایا تھا میرے افسر نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! جو کوئی دوسروں کی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کا قصد کرتا ہے وہ گویا کہ اپنی بیوی کی بےحرمتی کرتا ہے کیونکہ جس جرم کا وہ ارتکاب کرتا ہے وہ بدلالت حال اس کی مثل سزا پر رضامند ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جیسا جُرم ہوتا ہے اسی قسم کی اس کی سزا ہوتی ہے پس جبکہ تم نے دوسروں کی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کیا تو حالاً تم نے ویسی ہی سزا کو قبول کر لیا۔ اس سے تمہارا دیّوث ہونا خود ظاہر ہو گیا — خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو کہ بادشاہ نے کہا کہ میں نے شاہ موصل سے کنیز غصب کی تھی اوروں نے مجھ سے چھین لیا۔ وہ افسر میرا معتمد اور غلام خاص تھا۔ وہ ہرگز خیانت نہ کر سکتا تھا اُسکو خائن خود میری خباثتوں نے بنایا ہے۔

اچھا اب اس کا وقت نہیں ہے کہ اس سے دشمنی نکالی جائے اور بدلہ لیا جائے بلکہ خاموشی اور عفو ہی مناسب ہے کیونکہ میں نے اپنا کام خود خراب کیا ہے اس کا کیا قصور ہے۔ ایسی حالت میں اگر میں اس افسر اور کنیز سے انتقام لیتا ہوں تو اس ظلم کا وبال بھی مجھ ہی پر پڑے گا جیسا کہ اُس جُرم کا وبال پڑا ہے پس مجھے انتقام کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ اور جب مجھے ایک بار تجربہ ہو چکا ہے تو پھر دوبارہ اُس قسم کی حرکت کر کے دوسری دفعہ اس کا تجربہ نہ کرنا چاہیئے۔ صاحبِ موصل کی تکلیف نے میری گردن توڑ دی ہے۔ اب مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ دوسرے وبال کا طالب ہوں۔ حق سُبحانہٗ نے ہم کو بدلے کی اطلاع کر دی ہے اور فرما دیا ہے کہ اگر تم پھر ویسی ہی حرکت کرو گے تو ہم پھر اسی قسم کی سزا دیں گے۔ اس بنا پر دوبارہ سزا ضرور ملے گی پس جبکہ اس موقعہ پر زیادتی کرنا بے فائدہ ہے تو اب صبر اور شفقت ہی بہتر ہے۔ اے اللہ! ہم نے ظلم کیا اور ہم سے غلطی ہوئی پس اے بڑی رحمتوں والے

تو ہم پر رحم کر۔ میں نے اپنے مجرموں کو معاف کیا تو مجھے معافی دے اور میرے نئے اور پرانے گناہ بخش دے۔ اسکے بعد اس کنیزک سے خطاب کیا اور کہا کہ اے کنیزک جو بات تو نے مجھ سے کہی ہے اسکو کسی اور سے نہ کہنا۔ دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ اس بات کا خیال رکھنا۔ اور جو کچھ تو نے مجھ سے کہا ہے اس کو کسی اور کے سامنے بیان نہ کرنا۔ میں امیر سے تیری شادی کر دوں گا۔ مگر خدا کے لئے اس واقعہ کو اس سے بھی ذکر نہ کرنا۔ تاکہ وہ مجھ سے شرمندہ نہ ہو۔ کیونکہ اس نے اگر ایک برائی کی ہے تو لاکھوں بھلائیاں کی ہیں ایسی حالت میں اسے شرمندہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں بارہا اس کا امتحان کر چکا ہوں اور تجھ سے بڑھ کر حسین حسین عورتیں اسکے سپرد کر چکا ہوں لیکن اس نے خیانت نہیں کی اور ہمیشہ میں نے اسے انتہائی امین پایا ہے ——— یہ واقعہ محض بتقدیر الٰہی اور میرے افعال کی بدولت پیش آیا۔ بادشاہ نے کنیز کو یہ ہدایت کر کے افسر کو طلب کیا۔ اور غصہ جو کہ قہر کو مقتضی تھا اسکو اس نے دبایا اور اس ایک جی لگتا بہانہ کیا اور یہ کہا کہ مجھے اس لونڈی سے سخت نفرت ہو گئی ہے کیونکہ اسکے رشک سے بچی کی ماں بہت کڑھتی ہے اور اسکے رشک سے وہ ہمیشہ مبتلائے رنج رہتی ہے اور چونکہ وہ قدیم الصحبت ہے اسلئے اس کے حقوق مجھ پر بہت ہیں اور وہ اس قسم کی تکالیف کی مستحق نہیں ہے پس چونکہ وہ نہایت رشک کرتی ہے اور اپنا خون جگر کھاتی ہے اور اس کنیزک سے اسکو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اسکو الگ کر دوں۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ جب الگ کروں گا تو آخر کسی کو دوں گا۔ ایسی حالت میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کو دے دوں کیونکہ تم اسکے زیادہ مستحق ہو۔ اس لیے کہ تم اسکے لئے جان پر کھیل گئے ہو۔ اور اس کو اپنی جان بیچ کر لائے ہو۔ پس مناسب نہیں ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو دی جائے۔

یہ کہہ کر اس کا امیر سے نکاح کر دیا اور اس کو امیر کے حوالہ کر دیا اور غضب اور حرص کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس کا امیر سے نکاح کر کے اسکو امیر کے سپرد کر دیا اور اپنے غضب اور حرص کو چکنا چور کر دیا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو اس بادشاہ میں مستی حیوانی کی تھی مگر اس میں پیغمبروں کی

مردانگی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنے غضب اور شہوت اور حرص کو چھوڑ دیا۔ اور ان کا چھوڑ دینا پیغمبروں کی مردی اور رگِ پیغمبری ہے پس اگر اس میں گدھوں کی مستی نہ ہو۔ نہ سہی خدا اسے عظیم الشان خانِ خاناں کہتا ہے اور یہی درکار بھی ہے کیونکہ اگر ہم عورتوں کی نظر میں بالکل مردہ ہوں مگر ہم پر حق سبحانہٗ کی نظرِ عنایت ہو یہ ہزار درجہ بہتر ہے اسلئے کہ ہم لوگوں کی نظر میں زندہ ہوں۔ مگر حق سبحانہٗ سے دُور اور اسکی درگاہ سے مردود ہوں۔ تم سمجھ لو کہ حقیقت مردی ترک غضب و شہوت و حرص ہے اور غلبۂ شہوت مردی نہیں ہے بلکہ یہ محض بے وقعت چیز ہے۔

کیونکہ غلبۂ شہوت تو دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے اور ترک شہوت وغیرہ جنت میں پہنچانے والا ہے کیونکہ غلبۂ شہوت موجب تلذذ و تنعّم ہے اور ترکِ خشم وغیرہ موجبِ اذیت اور نہایت ناگوار۔ اور جنت ناگواریوں سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشاتِ نفسانیہ سے۔ پس ناگواریوں کے تحمّل سے آدمی جنت میں پہنچتا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے اتباع سے دوزخ میں ــــــ اس قصہ کو ختم کر کے پھر مولانا خطابِ محمود کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

دیگر بار خطابِ پادشاہ با ایاز و امتحان کردنِ ارکانِ دولت را و نمودنِ فرمانبرداریِ ایاز بایشاں

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ خطاب کرنا اور ارکانِ دولت کا امتحان لینا اور ایاز کی فرمانبرداری اُن کو دکھانا

اے ایازِ شیر نرِ دیو کُش — مَردیِ خر کم فزوں مَردیِ ہُش

اے ایاز! نر شیر، دیو کو مار ڈالنے والے — گدھے کی مردانگی کم ہے ہوش کی مردانگی بڑھی ہوئی ہو

آنچہ چندیں صدر را در کش نکرد — لعبِ کودک بُود پیشت اے مرد

جس چیز کو اتنے صدروں نے نہ سمجھا — تیرے سامنے بچوں کا کھیل تھا، زہے مردانگی

اے[2] بدیدہ لذّتِ امرِ مرا — جاں سپردہ بہرِ امرم در وفا

اے وہ! جس نے میرے حکم کا مزا چکھا ہے — وفاداری میں میرے حکم پر جان فدا کر دی

اے کہ از تعظیمِ امرش آگہی — ایں حکایت گوش کن تا وا رہی

اے وہ کہ تو اس (بادشاہ) کے حکم کی تعظیم سے واقف ہے، — یہ حکایت سُن لے تاکہ تو نجات پا جائے

[1] ترجمہ۔ اس کا ترجمہ بعض شارحین نے یہ کیا ہے کہ یہ بات پہنچی ہے کہ جنت مکروہات سے گھیر دی گئی ہے اور دوسرے مصرع کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ آگ خواہش نفس سے گھیر دی گئی ہے ظاہر ہوا ہے۔ یعنی یہ بات حدیث کی ہمیں پہنچی ہے اور یہ بات حدیث سے ظاہر ہوئی ہے دیگر بار۔ سلطان محمود نے ایاز کو دوبارہ خطاب کیا اور ان کو ایاز کی فرمانبرداری دکھائی۔ مردی ہش۔ یعنی پیغمبروں کی مردی۔ آنچہ۔ یہ دوسرے سرداروں نہ سمجھے جو تو نے آسانی سے سمجھ گیا۔

داستانِ ذوقِ امر و چاشنیش — بشنو اکنوں در بیانِ معنویش

حکم کے ذوق اور اس کی چاشنی کی داستان — اب اس (حکایت) معنوی بیان کو سن لے

دادنِ شاہ گوہر را درمیانِ دیوان و مجمع بدستِ وزیر

کچہری اور مجمع میں بادشاہ کا ایک وزیر کو موتی دینا کہ یہ کس

ایں چند ارزد و مبالغہ کردنِ وزیر در قیمتش و فرمودن

قیمت کا ہے؟ اور قیمت میں وزیر کا مبالغہ کرنا اور بادشاہ

شاہ کہ اکنوں ایں را بشکن و گفتنِ وزیر کہ ایں گوہرِ

کا حکم دینا کہ اب اس کو توڑ دے اور وزیر کا کہنا کہ اس عمدہ

نفیس را چگونہ بشکنم

موتی کو کیسے توڑوں؟

گفت، روزے شاہ محمودِ غنی — آں شہِ غزنی و سلطانِ سَنی

کہا ہے کہ ایک بیاز شاہ محمود نے ایک دن — جو غزنی کا بادشاہ اور بزرگ شاہ تھا

شاہ روزے جانبِ دیواں شتافت — جملہ ارکاں اندراں دیواں بیافت

ایک دن، بادشاہ کچہری کی جانب گیا — اس کچہری میں سب ارکان کو (موجود) پایا

گوہرے بیروں کشید اُو مستنیر[۱] — پس نہادش زود در کفِ وزیر

اس نے ایک روشن موتی باہر نکالا — پھر اس کو جلد وزیر کی ہتھیلی پر رکھا

گفت چون ست و چہ ارزد ایں گہر — گفت بیش ارزد ز صد خروارِ زر

کہا کیسا ہے، اور یہ موتی کس قیمت کا ہے؟ — اس نے کہا سونے کے سیکڑوں بوروں سے زیادہ قیمت کا ہے

گفت بشکن گفت چونش بشکنم — نیک خواہِ مخزن و مالت منم

کہا، توڑ دے اس نے کہا اسکو کیسے توڑوں؟ — میں آپ کے مال اور خزانہ کا خیر خواہ ہوں

چوں روا دارم کہ مثلِ ایں گہر — کہ نیاید در بہا گردد ہدر

میں کیسے روا رکھوں کہ اس جیسا موتی — جس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا، رائگاں ہو جائے

گفت شاباش و بدادش خلعتے — گوہر از وے بستد آں شاہِ فتے

کہا شاباش ہے اور خلعت عطا کی — اس جوانمرد شاہ نے موتی اس سے لے لیا

کرد ایثارِ وزیر آں شاہِ جُود — ہر لباس و حُلّہ کو پوشیدہ بود

اس شاہِ سخی نے وزیر کو عطا کر دیا — جو لباس اور جوڑا وہ پہنے ہوئے تھا

ساعتے شاں کرد مشغولِ سخن — از قضیّہ تازہ و رازِ کہن

ان کو تھوڑی دیر باتوں میں لگایا — نئے معاملہ اور پرانے راز میں

ه۲ اے بدیدہ۔ اے ایاز تو بیرے حکم کی لذت سے واقف ہے اسی لئے تو میرے حکم پر جان چھڑکتا ہے۔ اے یہ مولانا کا کلام ہے امرش میں ش کی ضمیر شاہ کی جانب ہے چاشنیش کی ضمیر امر کی جانب اور معنویش کی ضمیر حکایت کی جانب لوٹتی ہے

ه۳ دیوان۔ دفتر، دربار۔ چند ارزد کس قیمت کا ہے۔ گفت یعنی بیان کرنیوالے نے کہا ہے۔ سَنی۔ بلند۔

ه۱ مستنیر۔ روشن۔ خروار۔ گدھے پر لادنے کا بورا۔ مخزن خزانہ۔ نیاید در بہا۔ جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ہدر۔ رائگاں۔ خلعتے۔ شاہی لباس۔ فتے۔ فتی کا املا ہے نوجوان۔

ه۲ حُلّہ۔ کپڑوں کا جوڑا۔ مشغولِ سخن۔ چونکہ بادشاہ کو سب کا امتحان لینا تھا تو بات کاٹ دی تاکہ ادھر نو دوسروں سے سوال و جواب کرے۔ حاجب۔ چوبدار جو پیشی کا وزیر ہوتا تھا۔

بعد ازاں دادش بدستِ حاجبے
اسکے بعد اُس کو حاجب کے ہاتھ میں دیا

گفت ارزد ایں بہ نیمہ مملکت
اُس نے کہا، یہ آدھی سلطنت کی قیمت کا ہے

گفت بشکن گفت اے خورشیدِ تیغ
کہا تو اسکو توڑ دے اُس نے کہا اے سورج کی تلوار والے!

قیمتش بگذار بیں تاب و لمع
اُسکی قیمت کو رہنے دیجئے چمک اور روشنی کو دیکھئے

دست کے جنبد مرا در کسرِ او
اسکے توڑنے میں میرا ہاتھ کب ہلے گا؟

شاہ خلعت داد و ادرارش فزود
شاہ نے اُسکو خلعت دی اُسکی تنخواہ بڑھادی

بعد یک ساعت بدستِ میر داد
تھوڑی دیر کے بعد ایک امیر کے ہاتھ میں دیا

او ہمی گفت و ہمہ میراں ہمیں
اُس نے وہی کہا اور سب امیروں نے وہی

جامگیہا شاں ہمی افزود شاہ
بادشاہ اُنکے کپڑوں کے جوڑے بڑھا رہا تھا

ایں چنیں گفتند پنجہ شصت امیر
پچاس ساٹھ امیروں نے یہی کہا

گرچہ تقلید ست اُستونِ جہاں
اگرچہ تقلید دنیا کا ستون ہے

شاہ چوں کرد امتحانِ جملگاں
شاہ نے جب سب کا امتحان لیا

ہمچنیں دُر دور گرداں شد گہر
موتی اسی طرح گردش کے چکر میں رہا

آخریں بنہاد در کفِ ایاز
بالآخر اُس کو ایاز کی ہتھیلی پر رکھا

یک بیک دیدند ایں گوہر تو ہم
انھوں نے ایک ایک کرکے اس موتی کو دیکھا تو بھی

کرچہ ارزد ایں بہ پیشِ طالبے
کہ خریدار کے لئے یہ کس قیمت کا ہے؟

کش نگہدارد خدا از مہلکت
خدا اُس کو بربادی سے بچائے

بس دریغ ست ایں شکستن بس دریغ
اسکا توڑنا بہت قابلِ افسوس ہے بہت قابلِ افسوس

کہ شدست ایں نورِ روز اُو را تبع
کہ دن کی روشنی اسکے تابع بن گئی ہے

کہ خزینہ شاہ را باشم عدو
کہ بادشاہ کے خزانہ کا دشمن کب ہوں؟

پس دہاں در مدحِ عقلِ اُو کشود
پھر اُس کی عقل کی تعریف میں مُنہ کھولا

دُر را آں امتحاں کُن باز داد
اُس امتحان کرنے والے نے موتی پھر دیا

ہر یکے را خلعتے داد اُو ثمیں
اُس نے ہر ایک کو قیمتی خلعت عطا کی

آں خسیساں را ببُرد از رہ بچاہ
اُن کمینوں کو راستہ سے کنویں میں لے گیا

جملہ یک یک ہم بتقلیدِ وزیر
وزیر کی تقلید میں ایک ایک کرکے سب نے

ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں
آزمائش سے ہر مقلد رسوا ہوتا ہے

مال و خلعت بُرد ہر یک بیکراں
ہر ایک نے لاتعداد مال اور خلعت حاصل کیا

تا بدستِ آں ایازِ دیدہ ور
یہاں تک دیدہ ور ایاز کے ہاتھ میں آگیا

گفت اُو را کائے حریفِ دیدہ باں
اُس سے کہا اے صاحبِ نظر دوست!

در شعاعش در نگر اے محترم
اے محترم! اس کی چمک کو دیکھ لے

---

۲۵ گفت۔ حاجب نے کہا یہ آدھی سلطنت کی قیمت کا ہے۔ خورشیدِ تیغ۔ یعنی وہ جس کی تلوار سورج جیسی چمکدار ہے۔ تیغ۔ چمک۔ کہ شدست۔ دن کی روشنی اس کے سامنے ماند ہے۔

۱۵ ادرار۔ ماہواری تنخواہ۔ کشود۔ اُسکی تعریف اسلئے کی تاکہ دوسروں کا امتحان کرسکے بعد۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہ نے وہ موتی ایک دوسرے امیر کے ہاتھ میں دیا۔ ثمیں۔ قیمتی۔ جامگیہا۔ وہ لباس جو ملازمین کو سالانہ ملتے ہیں۔ آں خسیساں۔ یہ داد و دہش اُن سب کیلئے گمراہی کا سبب تھی چونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاہ کو جواب پسند آرہا ہے اسلئے وہ انعام دے رہا ہے۔ ۲۰ ثمیں۔ جو جواب پہلے امیر نے دیا اُس کی تقلید میں سب امیروں نے وہی جواب دیا۔ گرچہ۔ دنیا کا کام تقلید سے ہی چل رہا ہے۔ در دور۔ وہ موتی یکے بعد دیگرے اسی طرح امیروں کے ہاتھ میں جاتا رہا آخر میں شاہ نے ایاز کے ہاتھ میں دیدیا۔ ۳۰ یک بیک۔ شاہ نے ایاز سے کہا اس موتی کو سب سردار دیکھ چکے اب تو بھی دیکھ لے۔ در شعاعش۔ موتی ایاز کے ہاتھ میں جب پہنچا تو اُس نے پہلے سوالوں کی تقلید میں جواب نہ دیا اور بادشاہ کے انکو خلعت وغیرہ دینے سے دھوکے میں نہ آیا۔

رسیدنِ گوہر از دست بدست آخرِ دور بایاز و کیاستِ

موتی کا دست بدست آخری دور میں ایاز کے ہاتھ میں پہنچنا اور ایاز کی

ایاز و مقلدِ نا شُدنِ اُو ایشاں را و مغرور نا شُدنِ اُو

ذہانت اور اس کا ان کا مقلد نہ ہونا اور اسکا دھوکے میں نہ پڑنا

بمال دادنِ شاہ و خلعتہا و جامگیہا افزوں کردن و

بادشاہ کے مال اور خلعت دینے سے اور کپڑے بڑھانے سے اور

مدحِ عقلِ ایشاں کردن گُکنﷲ کر نشاید مقلد را مسلمان دانستن[۱]

اُن کی عقل کی تعریف کرنے سے، بقدر امکان مقلد کو مسلمان نہ سمجھنا چاہیے

مسلمان باشد اَمّا نادر باشد کہ مقلد ثبات کند بر ایں اعتقاد و

مسلمان ہوتا ہے لیکن بہت کم ہوتا ہے کہ اُس اعتقاد پر وہ جماؤ کرے اور

مقلد ازیں امتحانہا بسلامت بیروں آید کہ ثبات بینایاں ندارد

مقلد ان امتحانات سے سلامتی کیساتھ عہدہ برآ ہو کیونکہ وہ دور اندیشوں کی سی ثابت قدمی نہیں رکھتا ہے

ای ایاز اکنوں بگوئی کایں گہر
اے ایاز! اب تو بتا کہ یہ موتی

چند می ارزد بدیں تاب و ہنر
اس چمک اور خوبی کے ساتھ کس قیمت کا ہے؟

گفت افزوں زانچہ تانم گفت من
اس نے کہا جتنا میں کہہ سکتا ہوں اس سے بڑھا ہوا ہے

گفت اکنوں زود خردش در شکن
اس نے کہا اب اسکو فوراً ریزہ ریزہ کردے

سنگہا در آستیں بودش شتاب
پتھر اس کی آستین میں تھے، جلد

خرد کردش پیشِ اُو آں بد صواب
اس کو توڑ دیا اسکے نزدیک یہ درست تھا

ز اتفاقِ طالعِ با دولتش
اس کے باقبال نصیبہ کے اتفاق سے

دست داد آں لحظہ نادر حکمتش
اس وقت نادر حکمت اسکے ہاتھ آگئی

یا بخواب ایں دیدہ بود آں پر صفا
یا اس روشن دل نے خواب میں یہ دیکھا تھا

کردہ بود اندر بغل دو سنگ را
اس نے دو پتھر بغل میں دبا لئے تھے

ہمچو[۲] یوسفؑ کاندرونِ قعرِ چاہ
یوسفؑ کی طرح کہ کنوئیں کی گہرائی میں

کشف شد پایانِ کارش از الٰہ
انکے لئے انجام کار اللہ تعالیٰ کیجانب سے کھل گیا تھا

ہر کرا فتح و ظفر پیغام داد
جس کو فتح اور کامیابی نے پیغام دیا

پیشِ اُو یک شد مراد و بے مراد
انکے لئے مراد اور نامراد یکساں ہے

ہر کہ پایندانِ[۳] وے شد وصلِ یار
یار کا وصل جس کا ضامن ہو گیا

اُو چہ ترسد از شکستِ کارزار
وہ جنگ کی شکست سے کیا ڈرے گا؟

۱ وہمکن۔ تقلیدی ایمان معتبر نہیں ہے ایمان کا تعلق یقین سے ہے اور مقلد کو عموماً یقین حاصل نہیں ہوتا ہے معمولی شکوک سے اُس کا علم زائل ہو جاتا ہے۔ بینایاں۔ وہ لوگ جن کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اے ایاز۔ بادشاہ نے موتی کی قیمت ایاز سے لگوائی اُس نے جواب دیا کہ یہ اسقدر بیش قیمت ہے کہ اُسکی قیمت کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے، بادشاہ نے کہا اُسکو توڑ ڈال اسکی آستین میں پتھر تھا اُس نے اُس کے ذریعہ فوراً اسکو توڑ ڈالا اسکا نصیبہ تھا کہ دانائی نے اُسکا ساتھ دیا۔ ممکن ہے کہ اُس نے خواب میں یہ قصہ دیکھا ہو اور اسی لئے وہ آستین میں پتھر لیکر مجلس میں آیا ہو۔

۲ ہمچو۔ حضرت یوسفؑ نے قید ہی میں خواب میں آنے والے واقعات دیکھ لئے تھے۔ ہرکرا۔ جس شخص کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری مل چکی ہو اُسکے لئے فتح و شکست کے اسباب یکساں ہو جاتے ہیں۔

۳ پایندان۔ ضامن۔ چون۔ جب بازی کی کامیابی پر یقین ہو جاتا ہے تو اُس کو اپنے اسپ اور فیل کے پٹ جانے کی کوئی پروا نہیں ہوتی گر بجد۔ اُسکا حریف اگر اُسکے اسپ کو مارے تو اسپ کا پٹنا اُسکی کامیابی کا پیش خیمہ ہوگا۔

چوں یقین گشتش کہ خواہد کرد مات — فوتِ اسپ و فیل ہیچ پیشش تُرّہات
جب اسکو یقین ہو گیا کہ وہ مات دے گا — اسپ اور فیل کا مارا جانا اسکے لئے بکواس ہے

گر بُرد اسپش ہر آنکہ اسپ جُوست — اسپِ اُو گوئی کہ پیش آہنگِ اوست
جو شخص اسپ کا طالب ہے اگر اسکا اسپ مارا جائے — تو گویا اسپ اُس کا پیشرو ہے

مَردِ[1] را با اسپ کے خویشی بُوَد — عشقِ اسپش از پئے پیشی بُوَد
انسان کی گھوڑے سے رشتہ داری کب ہوتی ہے؟ — گھوڑے سے اسکا عشق آگے بڑھنے کیلئے ہوتا ہے

بہرِ صُورتہا مکش چندیں زحیر — بے صُداعِ صُورتے معنی بگیر
صورتوں کے لئے اسقدر پیچ و تاب نہ اٹھا — صورت کا دردِ سر اٹھائے بغیر معنی حاصل کر

ہست زاہد را غمِ پایانِ کار — تا چہ باشد حالِ اُو روزِ شمار
زاہد کو انجام کا غم ہے — کہ قیامت کے دن اُسکا کیا حال ہوگا؟

عارفاں ز آغاز گشتہ ہوشمند — از غم و احوالِ آخر فارغ اند
عارف شروع ہی سے ہوشمند ہیں — آخرت کے احوال اور غم سے بے نیاز ہیں

بُود عارف را ہمیں خوف و رجا — سابقہ دانیش خورد آں ہر دو را
عارف کو یہی خوف اور امید تھی — اُسکی پیشگی دانش نے اُن دونوں کو ختم کر دیا ہے

دید[2] کُو سابق زراعت کرد ماش — اُو ہمی داند چہ خواہد بُود چاش
وہ جانتا ہے جس نے پہلے سے ماش کی کاشت کی ہے — وہ جانتا ہے کہ اُس کی پیداوار کیا ہوگی

عارف است اُو باز رَست از خوف و بیم — ہائے وہُو را کرد تیغِ حق دو نیم
وہ عارف ہے وہ خوف اور ڈر سے چھوٹ گیا ہے — اللہ تعالیٰ کی تلوار نے شور و غل کے دو ٹکڑے کر دیے ہیں

بُود اُو را بیم و امید از خدا — خوف فانی شد عیاں گشت آں رجا
اُس کو خدا سے خوف اور امید تھی — خوف فنا ہو گیا وہ امید ظاہر ہو گئی

خوف[3] طے شد جملگی امید شُد — نور گشت و تابعِ خورشید شُد
خوف لپٹ گیا، وہ مجسم امید ہو گیا — نور بن گیا اور سورج کے تابع ہو گیا

ز امتحانِ شاہ بُود آگہ ایاز — وز فریبِ شہ نشُد گمرہ ایاز
ایاز، بادشاہ کے امتحان سے آگاہ تھا — شاہ کے فریب سے ایاز گمراہ نہ ہوا

خلعت و ادرار از راہش نبُرد — کرد اُو گوہر ز امرِ شاہ خُرد
خلعت اور وظیفہ نے اسکو گمراہ نہ کیا — اُس نے بادشاہ کے حکم سے موتی توڑ ڈالا

چوں شکست اُو گوہرِ خاص آں زماں — زاں امیراں خاست صد بانگ و فغاں
جب اُس نے خاص موتی توڑا، اُس وقت — امیروں سے بہت شور اور فریاد بلند ہوئی

کایں چہ بیباکیست واللہ کافر است — ہر کہ ایں پُر نور گوہر را شکست
کہ یہ کیا بے باکی ہے خدا کی قسم کافر ہے — جس نے اِس منوّر موتی کو توڑا

---

[1] مَرد را ۔ شطرنج کو اسپ کوئی محبت نہیں ہوتی وہ تو جیتنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ زحیر، پیش، پیچ و تاب۔ صُداع۔ دردِ سر۔ صورت۔ یعنی اسپ۔ معنی۔ یعنی کامیابی۔ ہست۔ یعنی کے ادراک کے بھی مراتب مختلف ہیں زاہد کو انجام کا غم رہتا ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ عارفاں۔ جو لوگ کمتل ہیں انکو ابتدا ہی سے انجام کا علم ہو جاتا ہے اور انکا علم خوف اور امید کو ختم کر دیتا ہے۔

[2] دید۔ عارف جان لیتا ہے جو بویا ہے اُسکی پیداوار کیا ہوگی چونکہ اُسکو پیشگی ہی علم حاصل ہو گیا ہے لہٰذا انجام کے فکر کا شور و غل ختم ہو گیا ہے۔ بُود۔ اُسکو بھی انجام کے بارے میں خوف اور امید کی کشمکش تھی لیکن اس پر حقیقت واضح ہو جانے کی وجہ سے اب خوف ختم ہو گیا ہے اور امید باقی رہ گئی ہے۔

[3] خوف۔ اُس کے لئے اب خوف ختم ہو گیا اور وہ نور بنکر نورِ مطلق کے تابع ہو گیا۔ ز امتحان۔ ایاز بھی انہی میں سے تھا جن کو انجام کی خبر ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بادشاہ کے انعام وغیرہ سے دھوکے میں نہ پڑا۔ گوہر۔ اُس نے موتی کو شاہ کے حکم کے مطابق فوراً توڑ ڈالا۔ کایں چہ۔ امیروں نے شور کیا اور ایاز سے کہا کہ یہ کیسی بے باکی ہے کہ ایسے عمدہ موتی کو تو نے توڑ ڈالا۔

واں جماعت جملہ از جہل و عمیٰ[1] | در شکستہ دُرِّ امرِ شاہ را

اور اس جماعت نے نادانی اور اندھے پن سے | بادشاہ کے حکم کے موتی کو توڑا تھا

قیمت گوہر نتیجہ مہر و وُدّ | بر چناں خاطر چرا پوشیدہ شُد

دوستی اور محبت کے نتیجے کے موتی کی قیمت | ایسی طبیعت پر کیوں پوشیدہ ہوئی؟

تشنیع زدن امرا بر ایاز کہ چرا شکستی و جواب دادن ایاز ایشاں را

امیروں کا ایاز کو ملامت کرنا کہ تونے کیوں توڑا اور ان کو ایاز کا جواب دینا

گفت ایاز اے مہترانِ نامور | امرِ شہ بہتر بقیمت یا گہر

ایاز نے کہا اے نامور سردارو! | قیمت میں بادشاہ کا حکم بہتر ہے یا موتی

امرِ سلطاں بہ بُود پیشِ شما | یا کہ ایں نیکو گہر بہرِ خدا

تمہارے نزدیک بادشاہ کا حکم بہتر ہے | یا یہ اچھا موتی! خدا کے لئے بتاؤ

اے نظرتاں[2] بر گہر بر شاہ نے | قبلہ تاں غول است جادہ راہ نے

اے تمہاری نظر موتی پر ہے شاہ پر نہیں ہے | تمہارا قبلہ چھلاوا ہے سیدھا راستہ نہیں ہے

من ز شہ بر می نگردانم بصر | من چو مشرک روئے نارم در حجر

میں شاہ سے نظر نہیں پھیرتا ہوں | میں مشرک کی طرح پتھر کی جانب رُخ نہیں کرتا ہوں

بے گہر جانے کہ رنگیں سنگِ راہ | برگزیند پس نہد اُو امرِ شاہ

وہ بے گوہر جان جو راستہ کے رنگین پتھر | پسند کرے، وہ شاہ کا حکم پیچھے ڈال دے گی

پشت[3] سوئے لعبتِ گلرنگ کن | عقل در رنگ آورندہ دنگ کن

پھول جیسے رنگ کی گڑیا کی جانب پُشت کرے | عقل، رنگ دینے والے میں حیران کردے

اندر آ در جو سبو بر سنگ زن | آتش اندر بُو و اندر رنگ زن

نہر میں آجا، ٹھلیا کو پتھر پر ماردے | بُو اور رنگ میں آگ لگادے

گر نہ در راہِ دیں از رہزناں | رنگ و بُو مپرست مانند زناں

اگر تو دین کی راہ میں راہزنوں میں سے نہیں ہے | عورتوں کی طرح رنگ و بُو کی پرستش نہ کر

گوہر امرِ شہ بُود اے ناکساں | جملہ بشکستید گوہر را عیاں

اے نالائقو! موتی بادشاہ کا حکم ہوتا ہے | تم سب نے علانیہ موتی کو توڑا

چوں ایاز ایں راز بر صحرا فگند | جملہ ارکاں خوار گشتند و نژند

جب ایاز نے اِس راز کو میدان میں ڈال دیا | سب ارکان خوار اور ذلیل ہوگئے

سر فرو انداختند آں سروراں | عذر گویاں گشتہ زاں نسیاں بجاں

اُن سرداروں نے سر نیچے جھکائے | (دل و) جان سے اُس بھول پر عذر خواہ بن گئے

از دلِ ہر یک دو صد آہ آں زماں | ہمچو دُودے می شدے تا آسماں

اُس وقت سیکڑوں آہیں ہر ایک کے دل سے | دھوئیں کی طرح آسمان تک جاتی تھیں

[1] واں جماعت: سرداروں کی جماعت اپنے جہل سے یہ نہ سمجھی کہ ایاز نے تو موتی توڑا اور اُن لوگوں نے بادشاہ کا حکم توڑا۔ قیمت۔ محبت اور دوستی کے موتی کو انھوں نے اُس موتی سے زیادہ قیمتی نہ سمجھا۔ امرِ شہ۔ ایاز نے اُن امیروں سے کہا یہ بتاؤ کہ موتی زیادہ قیمتی تھا یا بادشاہ کا حکم!

[2] اے نظر: تم لوگوں کا منظورِ نظر موتی تھا بادشاہ کا حکم نہ تھا۔ تم نے اپنا قبلہ سیدھا راستہ چھوڑ کر چھلاوے کو بنا لیا۔ من ز شہ۔ بادشاہ کو چھوڑ کر موتی کی طرف توجہ کرنا محبت کا شرک ہے۔ بے گہر۔ جو شخص راستہ کے رنگین پتھر کو بہتر سمجھے اور شاہ کے حکم کو پس پشت ڈال دے وہ خود بے جوہر ہے۔

[3] پشت۔ مصنوعات سے روگردانی کرکے صانع کی جانب توجہ کرنی چاہئے۔ اندر ظاہر کی طرف رُخ کر مظاہر پر اکتفا نہ کر۔ رنگ و بو۔ دنیا کی خوشنمائی راہ کی رکاوٹ ہے۔ گوہر۔ اصل موتی شاہ کا حکم تھا نافرمانی کرکے تم نے اُس کو توڑ ڈالا ہے۔ ایاز کی یہ تقریر سن کر سب امیر شرمندہ اور حیران ہوگئے۔

شرح

واضح ہو کہ اس قصہ میں محمود وایاز محض روپوشی کے لیے ہیں اور اصل مقصود اس معاملہ کا بیان کرنا ہے جو اہل اللہ اور حق سبحانہٗ کے درمیان

ہوتا ہے۔ اسلئے اس قصہ میں بعض الفاظ و مضامین تو ایسے واقع ہوئے ہیں جن میں ظاہر قصہ کا لحاظ کیا گیا ہے جیسے "ای تو سلطان و خلاصہ امر کُنی" وغیرہ اور بعض ایسے جن میں مقصود کی رعایت کی گئی ہے۔ جیسے انچہ معلوم تو نبود چیست آں وغیرہ جیساکہ مضامین آئندہ سے آپ کو معلوم ہوگا اور بعض خطابات وعنوانات تو ایسے آئیں گے جن میں صاف طور پر مقصود کی تصریح ہوگا ان سے یہ امر صاف طور پر کھل جاویگا۔ کہ مولانا نے ایاز سے عبدِ حقیقی مراد لیا ہے اور محمودؔ سے شہنشاہِ حقیقی۔ جب یہ امر ذہن نشین ہوگیا تو اب مضمون اول سے آخر تک منسق و منظم ہوگیا اور انتشارِ کلام جو بادی النظر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے دفع ہوگیا اور تکلف انتقالات کی ضرورت نہ رہی۔ محشین چونکہ اس دقیقہ سے غافل تھے اسلئے انکو

شرح کلام و تعیین انتقالات میں سخت دقّت پیش آئی ہے فتنبہ۔ جب یہ مضمون تمہیدی معلوم ہوگیا تو اب حل اشعار سنو مولانا فرماتے ہیں کہ محمود نے ایاز کو پھر خطاب کیا اور کہا کہ اے مُشبہ نزاد شیطان کش ایاز جس میں مردی حیوانی کم اور مردی عقلی زیادہ ہے۔ تیری کمال عقل کی یہ حالت ہے کہ جس امر کو اتنے اُمرا نہ سمجھ سکے وہ تیرے نزدیک ایک بچوں کا کھیل اور نہایت معمولی شے تھا اور اے وہ شخص جو میرے حکم کی لذت سے آشنا ہے اور جس باب وفا میں یہ حالت ہے کہ میرے حکم کے لیے جان دینے میں بھی دریغ نہیں ہے تو نہایت ہی عجیب شخص ہے۔ [فائدہ: اس مضمون کے الفاظ بھی صاف پکار رہے ہیں کہ ایاز سے عبدِ حقیقی مراد ہے] محمود کے خطاب کو ختم کر کے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص! جو کہ محمود کے ایاز کی اتنی تعریف کرے اور اسکی اتنے بڑھانے چڑھانے سے واقف ہے تو یہ حکایت سُن! تاکہ تو شک و شبہ سے چھوٹ جائے اور ایاز کو امر سلطانی میں جو مزہ آتا تھا اُسکا بیان تو ایک پُر معنی بیان کے اندر سُن! تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ تعریف بالکل صحیح اور بلا مبالغہ ہے۔ ایک روز سلطان محمود شاہ غزنی اور عالیجاہ بادشاہ نے کہا۔ کیا کہا اسکو تو ہم آگے بیان کرینگے پہلے یہ سُن لو کہ ایک روز محمود اپنے دربار میں آیا۔ اور ارکین دولت کو اپنے حاضر دربار پایا۔ اس وقت اس نے ایک روشن موتی نکالا اور وزیر کے ہاتھ

پر رکھا جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سُنو کہ اُس نے کیا کہا اُس نے کہا کہ اے وزیر یہ موتی کیسا ہے اور کس قیمت کا ہوگا وزیر نے جواب دیا کہ حضور والا! یہ موتی اشرفیوں کے سو گونوں سے بھی زیادہ قیمت کا ہے جب اس نے یہ کہا کہ تو محمود نے حکم دیا کہ اچھا اسے توڑ دو اس نے کہا کہ حضور بھلا میں کیسے توڑ دوں ۔ میں خزانہ سلطانی اور دولت شاہی کا خیر خواہ ہوں ۔ ایسی حالت میں میں کیسے جائز رکھ سکتا ہوں کہ ایسا انمول موتی ضائع ہو جائے محمود نے اُسے شاباش دی اور خلعت سے سرفراز کیا اور موتی اس کے ہاتھ سے لے لیا اور وہ اُسوقت جو کچھ پہنے ہوئے تھا اس نے وہ سب وزیر کو دیدیا۔

اس کے بعد اس نے لوگوں کو ادھر اُدھر کی باتوں میں لگایا تاکہ یہ واقعہ انکے ذہنوں سے نکل جائے اس کے بعد اُسکو دربان کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا کہ خریدار کی نظر میں یہ کتنے کا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ حضور والا کی سلطنت کا نصف اسکی قیمت ہوگی یہ سُنکر محمود نے کہا کہ اچھا اسے توڑ ڈالو اس نے عرض کیا کہ اے شاہ بادشاہ! جس کی تلوار آفتاب کی طرح چمکدار اور عالمگیر ہے اس کا توڑنا نہایت ہی قابل افسوس ہے، اچھا! آپ اسکی قیمت کو جانے دیجئے اسکی چمک دمک ہی دیکھ لیجئے کہ روز روشن کا نور اس کے تابع ہے ایسی حالت میں میرا ہاتھ اس کے توڑنے کے لیے کیسے ہلے گا اور میں اسے کیسے توڑ دوں گا میں خزانہ شاہی کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا ۔ بادشاہ نے اسکو خلعت دیا اور اس کا وظیفہ بڑھا دیا اور اس کے عقل کی بہت کچھ تعریف کی ۔ تھوڑی دیر کے بعد اسکو داروغہ عدالت کے ہاتھ میں دیا اُس نے بھی یہی جواب دیا جو اوروں نے دیا تھا اور دیگر اُمراء نے بھی ۔ ایسا ہی کیا اس نے سب کو بیش بہا خلعتیں عطا کیں اور تنخواہیں بڑھا دیں اور اس طرح ان ذلیلوں کو راہِ راست سے ہٹا کر کنوئیں میں گرا دیا۔

خیر خلاصہ یہ ہے کہ پچاس ساٹھ اُمراء نے وزیر کی تقلید میں موتی کے توڑنے سے انکار کر دیا ۔ اس موقع پر استطراداً اتنا سمجھ لو کہ گو عالم تقلید سے پُر ہے اور اس سے چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ تحقیق کے لیے بھی اوّل تقلید کی ضرورت ہے ۔ اور اسلئے کہ گویا کہ عالم ستون تقلید ہی پر قائم ہے لیکن ہر مقلّد کو امتحان میں ذلت اٹھانا پڑتی ہے اسلئے تقلید پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے ۔ بلکہ اسکو تحقیق کا ذریعہ بنا کر درجہ تحقیق حاصل کرنا چاہیئے۔

جب یہ مضمون استطرادی ختم ہوا تو اب سمجھو کہ جب بادشاہ نے تمام ارکین دولت کا امتحان کیا تو ہر ایک بہت کچھ مال و دولت اور خلعت لے گیا اور اس طرح وہ موتی

تمام حلقۂ ارکینِ دولت میں گشت کر گیا۔ یہاں تک کہ وہ آخر میں حقیقت شناس ایاز کے ہاتھ میں آیا اور بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے صاحب بصیرت ندیم! اِن سب نے ایک ایک کر کے موتی دیکھ لیا۔ اب تم بھی اس کی شعاع کو دیکھ لو۔ اور یہ بتلاؤ کہ یہ موتی اس چمک اور کمال کے ساتھ کس قیمت کا ہوگا اس پر ایاز نے جواب دیا کہ میں جو کچھ بھی ہوں اس سے اس کی قیمت زائد ہوگی۔ جب اس نے یہ کہا تو بادشاہ نے کہا کہ اچھا اسے توڑ دو۔ اس کی آستین میں پتھر موجود تھے اس نے نکالتے ہی اس موتی کو وہیں چور چور کر دیا۔ اور ایسا کرنا ہی ٹھیک بھی تھا اب یا تو یوں کہا جائے کہ اس کے یا دولت طالع کے موافقت سے اُس کو یہ نادر حکمت سوجھ گئی یا یوں کہا جائے کہ اس نے خواب میں یہ واقعہ دیکھ لیا تھا۔ غرض کچھ بھی ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس نے آستین میں دو پتھر چھپا رکھے تھے۔ اور اس واقعہ میں اسکی حالت یوسف علیہ السلام کے مشابہ تھی جن کو اپنے معاملہ کا نتیجہ خدا کی طرف سے کنوئیں کے اندر ہی معلوم ہو گیا تھا۔ یہاں سے مولانا فضیلت مآل والے کا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حسن مآل کا علم ہو جانا نہایت عجیب چیز ہے کیونکہ جس کسی کو فتح و ظفر

پیغام دیدیتی ہے یعنی اسکو اپنی فتح کا علم ہو جاتا ہے اُس کے نزدیک کامیابیاں اور عارضی ناکامیاں سب برابر ہو جاتی ہیں اور جس کو وصل یار کا اطمینان ہو چکا ہے اور گویا کہ اس طرح وصلِ یار اس کے پاس رہن ہو جاتا ہے اُسکو اپنی عارضی ناکامیوں کا کچھ خوف نہیں ہوتا اور جس کو یہ اطمینان ہو جائے کہ بازی میں ہی جیتوں گا اُس کے نزدیک گھوڑے یا خیل کا مارا جانا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اگر طالبِ اسپ اس کا گھوڑا لے جائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ مقدمہ ہے اسکی فتح کا۔ کیونکہ اس سے اس کے لئے اس بازی کا رستہ کھلتا ہے جس سے وہ اپنے حریف کو شکست دے گا۔ ایسی حالت میں اسکو گھوڑے کے مرنے کا کیا رنج ہو سکتا ہے کیونکہ آدمی کو گھوڑے سے رشتہ داری کا تعلق نہیں ہے بلکہ اسکو جو کچھ تعلق ہے وہ اسلئے ہے کہ وہ اس کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ پس جبکہ ترقی اس کے مرنے کی صورت

میں یہی حاصل ہے تو اس کا مرنا اسکو کچھ صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔

جب یہ مضمون معلوم ہوگیا۔ تو اب تم کو چاہیئے کہ تم صورتوں کے لئے زحمت نہ اٹھاؤ اور صورتوں کے لئے درد سر کیئے بغیر معنی حاصل کرو۔ کیونکہ مقصود صورتیں نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود حقیقت ہے جیسے کہ شطرنج میں اصل مقصود ہاتھی گھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصود مات دینا ہے پس جس طرح شطرنج باز حصول فتح کے لیے ہاتھی گھوڑے کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کو مروا دیتا ہے یونہی تم بھی حقیقت پر صورتوں کو قربان کر دو اور لذات روحانیہ کے لیے لذاتِ جسمانیہ کو چھوڑ دو اور آخرت کے لئے دنیا کو وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو ہمنے اوپر کہا تھا کہ مآل بین اپنی عارضی ناکامیوں کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس مضمون کو ہم نے واقعات سے ثابت کیا تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زاہد خشک چونکہ مآلِ کار سے ناواقف ہوتا ہے اسلئے اُسے نتیجہ کی فکر ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھئے کہ قیامت میں ہمارا انجام کیا ہوتا ہے مگر عارف آغاز سے واقف ہوتے ہیں اسلئے اُنکو نتیجہ کے متعلق کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے اہلِ عرفان بھی امید و بیم کی حالت میں ہوتے ہیں مگر اسکے آغاز دانی اس امید و بیم کو چٹ کر جاتی ہے دیکھ! جو شخص ہوتا ہے وہ مآل کار کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ انبار غلہ کیا ہوگا اسلئے اسکو اس کے متعلق کوئی فکر نہیں ہوتی پس چونکہ عُرفا بھی آغاز دانی کے سبب مآل کار سے واقف ہوتے ہیں اسلئے وہ بھی امید و بیم کے مخمصہ سے نجات پا جاتے ہیں اور تیغ حق اس کے شور و شغب اور ہائے وائے کا خاتمہ کر دیتی ہے اور گو ابتداء میں ان کو بھی خدا سے امید و بیم دونوں ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں خوف فنا ہو جاتا ہے اور صرف امید ظاہر ہو جاتی ہے اور خوف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ بتمامہ اُمید ہو جاتا ہے اور خوف سراپا نور بن کر تابع خورشید امید ہو جاتا ہے۔

(فائدہ: تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جب تک آدمی محجوب ہوتا ہے اُس وقت تک اُسکو نجات و عدم نجات کے بارے میں خلجان رہتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھئے نجات ہوگی یا نہیں لیکن جب وہ عارف ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُسکو نجات کی

طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اور وہ خلجان جو پیشتر تھا دفع ہو جاتا ہے۔ اطمینان سے مراد ہماری یقین نہیں ہے بلکہ محض سکون قلب مراد ہے) اور وجہ اس اطمینان کی یہ ہوتی ہے کہ اس کو حق سبحانہٗ کے وعدہ پر اطمینان ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہٗ بدوں جرم کے سزا نہ دیں گے پس وہ نجات کی طرف سے تو بے فکر ہو جاتا ہے اب جو کچھ فکر ہوتی ہے وہ اس کی ہوتی ہے کہ اعمال میں کوئی خرابی نہ آئے اور وہ اپنے اعمال کو درست رکھتا ہے اور انکی درستی کی خود بھی کوشش کرتا ہے اور حق سبحانہٗ سے اس میں مدد لیتا ہے اور جبکہ وہ حق سبحانہٗ کی عنایات کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی توفیق اور امداد کو اپنے شامل حال پاتا ہے تو اسکو اعمال کی طرف سے بھی اطمینان ہو جاتا ہے اور اب اسکو نجات کے متعلق بالکل خلجان نہیں رہتا لیکن چونکہ عقلاً وہ یہ جانتا ہے کہ نہ فی نفسہٖ مجھ سے صدورِ معصیت کفر وغیرہ ناممکن ہے اور نہ حق سبحانہٗ پر میری حفاظت واجب ہے اور نہ اس نے میری حفاظت کا قطعی طور پر وعدہ کیا ہے اسلئے عقلی خوف اسکو ضرور ہوتا ہے پس اس تقریر پر مولانا کا کلام خلافِ حدیث الایمان بین الخوف والرجاء نہ ہوگا۔ واللہ اعلم)

خیر! ایاز امتحانِ شاہ سے واقف تھا اسلئے اُس نے وہی کیا جو بادشاہ چاہتا تھا اور اسکے دھوکہ سے مغالطہ میں نہیں پڑا۔ اور خلعت اور وظیفہ نے اُسے گمراہ نہ کیا بلکہ اُس نے بحکمِ شاہی موتی کو توڑ دیا۔ جب اُس نے وہ خاص موتی توڑا تو امیروں نے چلانا شروع کیا کہ ارے یہ کیا بے باکی ہے کہ ایسا بیش بہا موتی توڑ دیا گیا۔ واللہ وہ شخص نہایت کافرِ نعمت شاہی ہے جس نے ایسے بیش بہا موتی کو توڑ دیا۔

اس پر مولانا فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایاز کے خلاف شور و شر کرتے ہیں جس نے کہ حکمِ شاہی سے ایک موتی کو توڑ دیا تھا۔ حالانکہ خود انہوں نے اپنی جہالت اور اندھے پن سے امرِ سلطانی کے موتی کو توڑ دیا ہے یہ روش انکی نہایت غلط ہے کیا مہر و محبت اور خلوص وفا کا نتیجہ فی الواقع قیمت گوہر ہے۔ جس کی رعایت کو وہ اپنی محبت و وفا کا۔

اور جس کا خیال نہ کرنے کو ایاز کے نمک حرامی کا شاہد بناتے ہیں ہرگز نہیں پس سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے زیرک طبیعتوں پر اتنی کھلی ہوئی بات کیسے مخفی رہی۔

اسکو ختم کر کے مولانا ایاز کے جواب کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا کہ اے معزز سردارو! تم بتلاؤ کہ کیا امر شاہی زیادہ قیمتی ہے یا موتی اور خدا کے لیے تم مجھے بتلاؤ کہ تمہارے نزدیک امر سلطانی اچھا ہے یا یہ عمدہ موتی۔ صاحبو! تمہاری نظر موتی پر ہے اور بادشاہ پر نہیں ہے اور تمہارا قبلہ توجہ راہِ راست نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو کہ تم کو راہِ راست سے ہٹاتا ہے مگر میں تو بادشاہ ہی پر نظر رکھوں گا اور اس سے اپنی نظر نہ ہٹاؤں گا اور مشرکین کی طرح ایک پتھر کی طرف رُخ نہ کروں گا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے کمال ہے وہ شخص جو کہ رنگین پتھر (حطامِ دنیا) کو قبول کرے۔ اور امر حق سبحانہ کو پسِ پُشت ڈال دے اس کو کوئی کہے کہ ارے بے وقوف تو حسین معشوقوں وغیرہ کی طرف سے منہ موڑ لے اور اپنے عقل کو رنگ پیدا کرنے والے کے مشاہدۂ جمال میں متحیر کر۔ اور گھڑے کو توڑ کر ندی میں گھس جا یعنی مطلوبات خسیسہ کے بُو و رنگ کو آگ لگا۔ اور ان کی معدن کو مطمح نظر بنا۔ اور اگر تو راہِ دین کا ڈاکو نہیں ہے تو مرد بن اور عورتوں کی طرح رنگ و بُو کو مقصود نہ بنا۔

اس مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ ایاز کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا۔ کہ اصل گوہر تو امر شاہ ہے لیکن تم نے کُھلم کُھلا اس موتی کو توڑ دیا اور تمہیں اس کا کچھ بھی خیال نہ ہُوا۔ میں نے ایک پتھر کو توڑا وہ بھی حکم شاہی سے تو تم مجھ پر ملامت کرتے ہو کتنی ناانصافی کی بات ہے پس جبکہ ایاز نے اس راز کو کھولا ہے تو تمام امیر ذلیل اور پریشان ہو گئے اور دل سے اپنی بھول کا عذر کرتے ہوئے سب نے مارے شرم کے سر جھکا لئے۔ اور ہر شخص کے دل سے اس وقت مارے غم کے سینکڑوں آہیں دھوئیں کی طرح آسمان پر جا رہی تھیں۔

قصد کردن شاہ بقتلِ اُمرا و شفاعت کردنِ ایاز پیشِ

بادشاہ کا امیروں کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا اور تخت کے سامنے ایاز کا سفارش

تخت کہ اَلعَفْوُ اَوْلیٰ

کرنا کہ معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے

کرد[2] اشارت شہ بجلّادِ کہن | کہ زصدرم ایں خساں را پاک کن
شاہ نے پرانے جلاد کو اشارہ کیا | کہ ان کمینوں کو میرے دربار سے صاف کر دے

ایں خساں چہ لائقِ صدرِ منند | کز پئے سنگ امرِ ما را بشکنند
یہ کمینے کیا میرے دربار کے لائق ہیں؟ | جو پتھر کی خاطر ہمارے حکم کو توڑتے ہیں

امرِ ما پیشِ چنیں اہلِ فساد | بہرِ رنگیں سنگ شد خوار و کساد
ایسے مفسدوں کے نزدیک ہمارا حکم | رنگین پتھر کی وجہ سے ذلیل اور کھوٹا ہو گیا

پس ایازِ مہر افزا بر جہید | پیشِ تختِ آں اُلُغ سلطاں دوید
پھر محبت بڑھانے والا، ایاز اٹھا | سلطانِ اعظم کے تخت کے سامنے دوڑ کر گیا

سجدہ کرد و گلوئے خود گرفت | کاے قبادے[3] کز تو چرخ آرد شگفت
سجدہ کیا اور اپنا گلا پکڑا | کہ اے شاہ! کہ تجھ سے آسمان تعجب میں ہے

اے[4] ہمائے کہ ہمایاں فرخی | از تو دارند و سخاوت ہر سخی
اے ہما! کہ سب ہما برکت | اور تمام سخی سخاوت، تجھ سے حاصل کرتے ہیں

اے کریمے کہ کرمہائے جہاں | محو گردد پیشِ ایثارِ نہاں
اے وہ کریم! کہ جہان کے کرم | تیرے مخفی ایثار کے آگے محو ہو جاتے ہیں

اے لطیفے کہ گلِ سرخت چو دید | از خجالت پیرہن را بر درید
اے وہ صاحبِ لطف کہ جب گلِ سرخ نے تجھے دیکھا | شرمندگی سے لباس چاک کر ڈالا

از غفوریِ تو غفراں چشم سیر | روبہاں بر شیر از عفوِ تو چیر
تیری مغفرت سے، مغفرت سیر چشم ہے | تیری معافی سے، لومڑیاں شیر پر غالب ہیں

جز[5] کہ عفوِ تو کرا دارد سند | ہر کہ با امرِ تو بیباکی کند
تیری معافی کے سوا کس پر سہارا رکھتا ہے، | جو شخص تیرے حکم پر بیباکی کرے

غفلت و گستاخیِ ایں مجرماں | از وفورِ عفوِ تست اے عفوراں
اِن خطاواروں کی غفلت اور گستاخی | اے معافی دینے والے! تیری معافی کی کثرت کی وجہ سے ہے

۱؎ مُعَنْد۔ منت کرنے لگے کہ ہم سے بھول ہو گئی اور ہر ایک آہیں بھرنے لگا۔

۲؎ کرد۔ شاہ نے ان سرداروں کی نافرمانی پر اُن کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ یہ کمینے میری مجلس کے لائق نہیں ہیں ان سے مجلس کو پاک کرنا چاہیے اُنھوں نے ایک پتھر کی خاطر حکم عدولی کی اس پر ایاز شاہی تخت کی طرف دوڑا اور اُس کے سامنے سجدہ کر کے سفارش کرنے لگا۔

قباد۔ نوشیرواں کے باپ کا نام ہے پھر ہر بڑے بادشاہ کو کہہ دیا جاتا ہے۔

۳؎ اے ہمائی۔ ایاز نے بادشاہ سے کہا آپ ہما ہیں دنیا کے جس قدر ہما ہیں اُن میں آپ کی وجہ سے برکت آئی ہے آپ ایسے کریم ہیں کہ دنیا کے کریموں نے آپ سے کرم حاصل کیا ہے آپ اس قدر حسین ہیں کہ گلاب نے شرمندگی سے اپنا لباس چاک (کیا)۔ آپ کا عفو اس قدر (وسیع) ہے کہ مغفرت آپ سے سیر چشم ہو رہی ہے اور لومڑیاں آپ کے عفو کی بنیاد پر شیروں پر غالب ہیں۔

۵؎ جز۔ جو شخص آپ کی حکم عدولی کرتا ہے وہ آپ کے عفو کو سہارا لے کر کرتا ہے۔

شرح بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ ان نااہلوں کو میرے دربار سے صاف کر دے۔ یہ نااہل میرے دربار کے کیا قابل ہو سکتے ہیں؟ کہ ایک پتھر کے لیے ہمارے حکم کو توڑتے ہیں اور ہمارا حکم ان خراب لوگوں کے نزدیک ایک رنگین پتھر کے لیے بے وقعت اور ناقابل قبول ہو گیا جب بادشاہ نے یہ حکم دیا۔ تو ایاز مشفق اپنی جگہ سے فوراً اٹھا۔ اور دوڑا ہوا اس عظیم الشان بادشاہ کے تخت کے سامنے آیا۔ اور آدابِ شاہی بجالایا اور مطابق رسمِ دربار اپنے گلے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اے وہ کیقباد جس کی رفعت و علو مرتبت سے آسمان بھی متعجب ہے اور اے وہ ہُما جس سے اور ہُما سعادت حاصل کرتے ہیں اور جس سے ہر سخی سخاوت حاصل کرتا ہے اور اے وہ کریم! جس کی بخشش کے سامنے تمام عالم کے کرم محو اور مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور اے وہ پاکیزہ! جس کو گُلِ سُرخ نے دیکھا تو شرمندگی سے اپنا پیراہن سُرخ و لطیف پھاڑ ڈالا۔ آپ کی بخشش سے۔ خود بخشش سیر چشم ہے کہ وہ کسی کے جُرم کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ نظر میں نہیں لاتے

شیر پر غالب ہیں یعنی یہ مجُرم خود حضور والا کے سامنے گستاخی کرتے ہیں آپ ان مجرموں کا قصور معاف فرما دیجئے اور ان کی جان بخشی کیجئے۔ بھلا جو حضور کے حکم ساتھ گستاخانہ برتاؤ کریگا وہ حضور کے عفو کے سوا کس پر بھروسہ کر سکتا ہے کسی پر نہیں پس ان مجرموں کی غفلت اور گستاخی۔ حضور ہی کے عفو سے ناشی ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں صورت قصہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

دائماً غفلت زگستاخی دمد

غفلت ہمیشہ گستاخی سے پیدا ہوتی ہے

کہ بَرَد تعظیم از دیدہ رَمَد

کیونکہ آنکھیں دکھنا آنکھوں سے تعظیم کو ختم کر دیتا ہے

غفلت و لِسیانِ بد آموختہ

سیکھی ہوئی بُری غفلت اور بھول

زآتشِ تعظیم گردد سوختہ

تعظیم کی آگ سے جل جاتی ہے

ہیبتش بیداری و فطنت دہد

اس کی ہیبت بیداری اور سمجھ عطا کرتی ہے

سہو و نسیاں از دلش بیروں جہد

بھول اور نسیان اس کے دل سے نکل جاتا ہے

غفلت۔ آقا کی رحمدلی اور عفو کی صفت غلاموں کو گستاخ اور غافل بنا دیتی ہے، جب انسان کی آنکھیں دُکھ رہی ہوں تو وہ تعظیم سے غافل ہو جاتا ہے۔ ہیبتش۔ آقا کی ہیبت اور خوف غلاموں میں بیداری پیدا کر دیتا ہے

وقتِ[۵۲] غارت خواب ناید خلق را — تا نبر باید کسے زُو دَلق را
لوٹ کے وقت لوگوں کو نیند نہیں آتی ہے — تاکہ کوئی اُس کی گدڑی نہ لے اُڑے

خواب چوں درمی رمد از بیمِ دَلق — خواب و نسیاں کے بود با بیمِ حلق
جب گدڑی کے ڈر سے نیند بھاگ جاتی ہے — گلے کے ڈر سے نیند اور بھول کب ہوتی ہے؟

لَا تُوَاخِذْ اِنْ نَسِیْنَا شُد گواہ — کہ بُود نسیاں بوجہے ہم گناہ
"اگر ہم بھول گئے تو تو پکڑ نہ کر" گواہ ہے — کہ بھول بھی ایک طرح سے گناہ ہے

زانکہ اِستکمالِ تعظیم اُو نہ کرد — وَرنہ نسیاں درنیاوردے نبرد
کیونکہ اس نے تعظیم کی تکمیل نہ کی — ورنہ بھول، مصیبت نہ لاتی

گرچہ نسیاں لابُد و ناچار بُود — در سبب ورزیدن اُو مختار بُود
اگرچہ بھول ضروری اور لاعلاج ہے — (لیکن) سبب اختیار کرنے میں وہ صاحبِ اختیار ہے

چوں[۵۳] تہاون کرد در تعظیمہا — تاکہ نسیاں زاد یا سہو و خطا
جب اُس نے عظمتوں میں سستی برتی — یہانتک کہ سہو اور غلطی سے نسیان پیدا ہوا

ہمچو مستے کو جنایتہا کُند — گوید اُو معذور بُودم من زخود
اُس مست کی طرح جو ظلم کرے — اور کہے، میں اپنے بارے میں معذور تھا

گویدش لیکن سبب اے زشت کار — از تو بُد در رفتنِ آں اختیار
اُس کو (حاکم) کہے گا، اے بدکار، لیکن سبب — تیری جانب سے تھا اُس عذر کے چلے جانے میں

بیخودی نامد بخود تُش خواندی — اختیارت خود نشد تُش راندی
بیخودی خود نہیں آئی تو نے خود اُس کو بلایا — تیرا اختیار خود ختم نہ ہوا تو نے اُس کو بھگایا

گر رسیدے[۵۴] مستیِ بے جہدِ تو — حفظ کردے ساقیِ جاں عہدِ تو
اگر تیری کوشش کے بغیر مستی پیدا ہو جاتی — تو روح کا ساقی تیرے عہد کی حفاظت کرتا

پشت دارت اُو بُدے عذر خواہ — من غلامِ زَلتِ مستِ الٰہ
وہ تیرا عذر خواہ ہوتا اور مددگار ہوتا — میں خدائی مست کی لغزش کا غلام ہوں

اور بھول کو ختم کر دیتا ہے
۵۲ وقتِ غارت۔ جب
غنیم لوٹ رہا ہو تو کوئی نہیں
سو سکتا اس لئے ہر شخص اپنی
گدڑی بچانے کی فکر کرنے
لگتا ہے یہ تو گدڑی کا ڈر تھا
اب اگر جان کا ڈر ہو تو
پھر نیند کیسے آسکتی ہے۔

لاتواخذ۔ قرآن پاک میں ہے
"اللہ ہماری بھول پر ہماری
گرفت نہ کر" اس سے معلوم
ہوا کہ بھول بھی گناہ ہے ورنہ
گرفت نہ کرنے کی دعا کیوں
سکھائی جاتی۔ زانکہ۔ وہ
بھول جو بے پرواہی سے ہو
مواخذہ کے قابل ہے البتہ
اگر یاد رکھنے کی ساری تدبیریں
کرلی ہوں اور پھر بھول ہو جائے
تو اس پر گرفت نہیں ہے
اس لئے کہ پہلی صورت میں
اس نے وہ اسباب نہ اختیار
کئے جو وہ کر سکتا تھا۔
۵۳ چوں تہاون۔ جو یاد
رکھنے کے ذرائع اور اسباب
کو ترک کرتا ہے اور اس سے
بھول سرزد ہوتی ہے تو وہ خطا
۵۴ گر رسیدے۔ اگر تو اپنے
ہوش میں نہ ہوا ہوتا تو اللہ
تعالےٰ تیری پشت پناہی کرتا
اور تیرا عذرخواہ ہوتا ایسے خدا
مست کی لغزش کے تو ہم
غلام ہیں۔

ہوتا ہے ——— ہیچو۔ جو شخص بھول کے اسباب اختیار کرے اور پھر بھول کو عذر بنائے اُس کی مثال تو اُس شخص کی سی ہے جو شراب میں مست ہو کر جرم کرے اور پھر کہے کہ میں بیخود تھا لہٰذا معذور ہوں حاکم اُس سے بھی کہے گا کہ بدبخت بیخودی کا سبب تو نے خود اختیار کیا تھا تو نے خود اپنا اختیار ختم کیا تھا لہٰذا تو معذور نہیں ہے۔

شرح

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیشہ غفلت ترک تعظم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ لحاظ عظمت کا خاصہ ہے کہ وہ آنکھ کی بیماری کو کھو دیتا اور نظر کو تیز کر دیتا ہے اور خوف آدمی کو بیداری اور سمجھ عطا کرتا ہے اور اسکے سبب سہو اور نسیان دل سے بالکل نکل جاتا ہے۔ دیکھو! لوٹ کے وقت لوگوں کو نیند نہیں آتی بدیں خیال کہ کوئی ہماری گدڑی نہ اُتار لے جائے پس جبکہ گدڑی کے خوف سے نیند اُڑ جاتی ہے۔ تو جان کے خوف کے ساتھ نیند یا بھول کیسے ہو سکتی ہے یہ دلیل تو عقلی تھی اب ہم اس کا ثبوت قرآن سے دیتے ہیں اور کہتے ہیں لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا شاہد ہے اس بات کا کہ خطا و نسیان ہی ایک حیثیت سے گناہ ہیں۔ ورنہ.. درخواست معافی کے کیا معنی اور راز اس کا یہ ہے کہ ناسی اور خاطی نے عظمت حق سبحانہٗ کا لحاظ کامل نہیں رکھا۔ ورنہ خطا و نسیان اس پر حملہ نہ کرتے۔

یہ ضرور ہے کہ خطا و نسیان اضطراری ہیں مگر اختیار سبب یعنی ترک تعظیم میں تو وہ مختار تھا پھر اسنے تعظیم میں کیوں کوتاہی کی جس کا اثر یہ ہُوا کہ نسیان یا سہو و خطا پیدا ہوئے ___ اسکی مثال ایسی ہے جیسے وہ مست جو مستی میں جرائم کا ارتکاب کرے اور کہے کہ میں معذور تھا کیونکہ اس کا جواب صاحب حق یہ دے گا کہ ہم نے مانا کہ مستی کی حالت میں تو مجبور تھا لیکن اس اختیار کے زوال کا سبب تیری طرف سے تھا پھر تو نے اس کا ارتکاب کیوں کیا۔ بیخودی خود نہیں آئی تھی۔ بلکہ تو نے خود اسے بلایا تھا اور تیرا اختیار خود نہ زائل ہوا تھا۔ بلکہ تو نے خود اسے زائل کیا تھا لہذا تو معذور نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مستی بِلا تیری کوشش کے طاری ہوتی تو حق سبحانہٗ جو کہ روح کو مست کرنے والے ہیں تیرے عہد کا لحاظ رکھتے۔ اور اسکی تجھ پر عہد شکنی کا الزام نہ لگاتے اور خود تیرے حامی اور تیری طرف سے معذرت کرنے والے ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ اسلئے تو معذور نہیں ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں مست حق کی لغزش کا قائل ہوں کہ اسکی خطا بھی صواب ہے۔

عَفوہائے جملہ عالَم ذرّہٌ — عکسِ عفوت اے زتو ہر بہرہٌ

تمام جہان کی معافیاں ایک ذرہ ہیں — اے وہ ذات! کہ ہر حصہ تیری معافی کا عکس ہے

عَفوہا گفتہ ثنائے عفوِ تو — نیست کفوش اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا

تمام معافیوں نے تیری معافی کی تعریف کی ہے — اُس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ اے لوگو! ڈرو

جانِ شان بخش و زخود شان ہم مران — کامِ شیرینِ تو اند اے کامران

اُنکی جان بخشدے اور اپنے آپ سے اُنکو علیحدہ نہ کر — اے مُرادمند! وہ تیرے شیریں مقاصد ہیں

رحم کُن برو ے کہ روئے تو بدید — فُرقتِ تلخِ تو چوں خواہد چشید

اُس پر رحم کر جس نے تیرا دیدار کرلیا ہے — وہ تیری جدائی کی تلخی کیسے چکھے گا؟

از فراق و ہجر میگوئی سُخن — ہر چہ خواہی کُن ولیکن ایں مکُن

تو فراق اور جدائی کی بات کرتا ہے — جو چاہے کر، لیکن یہ نہ کر

در جہاں نبوُد بتر از ہجرِ یار — ایں سخن از عاشقِ خود گوشدار

دنیا میں دوست کی جدائی سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے — اپنے عاشق کی یہ بات یاد رکھ

صد ہزاراں مرگِ تلخ شصت تو — نیست مانندِ فراقِ شستِ تو

ساٹھ درجے کی لاکھوں کڑوی موتیں — تیرے حلقۂ (زُلف) سے فراق کے مانند نہیں ہیں

تلخیِ ہجر از ذکور و از اناث — دور دار اے مجرماں را مستغاث

مردوں اور عورتوں سے جدائی کی تلخی کو — اے خطاکاروں کے فریادرس! دور رکھ

بر امیدِ وصلِ تو مُردن خوش ست — تلخیِ ہجرِ تو فوقِ آتش ست

تیرے وصل کی اُمید پر مرنا بھلا ہے — تیری جدائی کی تلخی آگ سے زیادہ ہے

عفوہای۔ ایاز نے کہا اے شاہ آپ کے عفو کے مقابلہ میں تمام جہاں کی معافیاں ذرہ ہیں اور دنیا کی سب معافیاں تیرے عفو کی ثنا گو ہیں! اے انسانوں اُس کا کوئی ہمسر نہیں ہے اُس کا ہمسر قرار دینے سے بچتے رہو۔ جانِ شاں۔ ایاز نے بادشاہ سے کہا اِن کی جان بخشی کر دیجئے اور اِن کو اپنے سے جدا نہ کیجئے آپ کے مقاصد بڑے شیریں ہیں۔

۲ رحم کُن۔ جس نے ایکبار بھی تیرا چہرہ دیکھ لیا ہے وہ جدائی کی تلخی کیسے برداشت کرے گا اُس پر رحم کر دیجئے آپ ہجر و فراق کی بات کرتے ہیں اِن کے ساتھ یہ نہ کیجئے اور جو چاہے کر دیجئے عاشق کے لئے یار کی جدائی سے بدتر کوئی سزا نہیں ہے۔

۳ شصت۔ ہم نے عدد کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں اس کا املا شصت ہونا چاہئے مصرع اوّل میں تو معنی درجہ ہے دوسرے مصرع میں شست سے مراد زلف کا حلقہ لیا جائے۔ تلخی۔ آپ خطاکاروں کے فریادرس ہیں کسی شخص کو بھی فراق کی سزا نہ دیں یہ ایاز کا شاہ کیلئے مقولہ ہے۔ برامید۔ وصل کی امید میں جان دیدینا

شرح

یہاں سے پھر شفاعت ایاز کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا کہ تمام عالم کی معافیاں آپ کی عفو کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور آپ کی عفو کا عکس ہیں اور جو کچھ کسی کو ملا ہے وہ آپ ہی سے ملا ہے اور تمام عفو آپ کی عفو کے مداح ہیں (پس لوگو چونکہ عالم میں اس کی عفو کا کوئی ہمسر نہیں ہے اسلئے تم اپنے عفو کو اسکے عفو کے برابر کہنے سے بچنا) آپ ان کی جان بخشی فرمائیں

اور انکو اپنے دربار سے نکالیں ہی نہیں کیونکہ یہ آپکے ارکان دولت اور آپ کی .... کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کا روئے مبارک دیکھا ہے۔ آپ ان پر رحم فرمائیں۔ اور آپکو اپنے سے جُدا نہ کریں۔ کیونکہ وہ آپ کی ناگوار جدائی کا مزہ کیسے چکھ سکیں گے۔ آپ مفارقت اور جُدائی کا نام لیتے ہیں۔ آپ ایسا نہ کریں اور اسکے سوا آپ جو کچھ چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں۔ اور آپ اپنے عاشق کی اس بات کا خیال رکھیں کہ دُنیا میں کوئی چیز دوست کی جدائی سے بدتر نہیں ہے۔ لاکھوں نہایت ناگوار موتیں آپ کے پھندے سے جدائی کے برابر ناگوار نہیں ہوسکتیں پس اے مجرموں کے فریاد رس! آپ.. مردوں اور عورتوں سے تلخیٔ ہجر کو دور رکھیے اور انکو اپنے وصال سے بہرہ مند رکھیئے کیونکہ آپ کا وصل اتنا مرغوب اور محبوب ہے، کہ اس کی اُمید میں مرجانا بھی بہتر ہے اور آپ کا فراق اتنا ناگوار ہے کہ اسکی ناگواری آتشِ دوزخ سے بڑھی ہوئی ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں مولانا نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں اس طرف کہ اس قصہ میں محمود سے مراد حق سبحانہٗ ہیں اور ایاز سے عبد حقیقی۔ اور اس قصہ سے مولانا کا مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ اور حق سبحانہٗ کا آپس کا تعلق ظاہر ہو۔

گبر میگوید میانِ آں سَقَر	چہ غمم بُودے گرم کردے نَظَر
دوزخ کے درمیان کافر کہہ رہا ہے	اگر وہ مجھ پر نظر کرلیتا۔ مجھے کیا غم ہوتا
کاں نظر شیریں کُنِندہ رنجہاست	ساحراں را خونبہائے دست و پاست
کیونکہ وہ نظر غموں کو شیریں بنا دینے والی ہے	جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کا خونبہا ہے

تفسیر گفتنِ ساحراں فرعون را در وقتِ سیاست کہ

سزا کے وقت فرعون سے ساحروں کے "کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اپنے

لَاضَیْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْن

رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" کہنے کی تفسیر

نعرۂ لَاضَیْرَ بشنید آسماں	چرخ گوئے شد پئے آں صولجاں
آسمان نے "کوئی ضرر نہیں" کا نعرہ سُنا	اُس بَلّے کے لئے آسمان گیند بن گیا
ضربتِ فرعون ما را نیست ضَیر	لُطفِ حق غالب بود بر قہرِ غیر
فرعون کی سزا ہمارے لئے نقصان نہیں ہے	دوسرے کے قہر پر اللہ (تعالٰے) کا کرم غالب ہے

ے گبر: کافر بھی جہنم میں یہ کہے گا کہ آپ کی نظرِ کرم ہو تو جہنم بھی گوارا ہے.... ساحراں۔ آپ کی نظرِ کرم نے فرعون کے جادوگروں کے لئے ہاتھ پاؤں کٹوا دینا آسان کردیا اور انھوں نے آپ کی شیریں نظر کو اپنے ہاتھ پاؤں کے خون کا بدلہ سمجھا۔ تفسیر: جب فرعون نے ساحروں کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو انھوں نے کہا ہاتھ پاؤں کٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ چرخ: ہمارے نعرہ سے آسمان بھی رقص کرنے لگا۔

گر بدانی سترِ ما را اے مُضِل — میرہانی ماں ز رنج اے کور دل
اے گمراہ کرنے والے! اگر تو ہمارا راز جان لے — اے دل کے اندھے! ہمیں تکلیف سے نجات دے دیتا

ہیں بیا ایں سُو ببیں کایں ارغنوں — می‌زند یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ
خبردار! ادھر آ، دیکھ یہ باجا — "کاش میری قوم جان لیتی" بجا رہا ہے

داد مارا فضلِ حق فرعونیے — نے چنیں فرعونیے بے عونیے
اللہ (تعالیٰ) کے فضل نے ہمیں فرعونی عطا کردی ہے — وہ فرعونی نہیں جو بغیر مدد (خداوندی) کے ہو

مصر بر آورد مُلک بیں زندہ وجلیل — اے شدہ غرّہ بمصر و رودِ نیل
سرسبز، زندہ اور عالیشان سلطنت کو دیکھ — اے، مصر اور دریائے نیل پر مغرور

گر تو ترکِ ایں نجس خرقہ کنی — نیل را در نیلِ جاں غرقہ کُنی
اگر تو اس ناپاک چیتھڑے کو چھوڑ دے — تو نیل کو، جان کے نیل میں ڈبو دے

ہیں بدار از مصر اے فرعون دست — درمیانِ مصرِ جاں صد مصر ہست
خبردار! اے فرعون! مصر سے ہاتھ اٹھا لے — جان کے مصر میں سیکڑوں مصر ہیں

تو اَنَا رَبّ را ہمی گوئی بعام — غافل از ماہیتِ ایں ہر دو نام
تو عوام سے "میں خدا ہوں" کہتا ہے — (حالانکہ) تو ان دونوں ناموں کی ماہیت سے غافل ہے

رَبّ بر مربوب کے لرزاں بُوَد — کے اَنا داں بندِ جسم و جاں بُوَد
پروردگار زیرِ پرورش سے کب ڈرتا ہے؟ — "انا" کو جاننے والا جسم اور جان کا پابند کب ہوتا ہے

نک انا مائیم رستہ از انا — از انائے پُر بلائے پُر عنا
دیکھ! "انا" ہم ہیں "انا" سے چھوٹے ہوئے — اس "انا" سے جو مصیبت والی اور مشقت والی ہے

آں انائے بر تو اے سگ شوم بُود — در حقِ ما دولتِ محتوم بُود
اے کتے! وہ "انا" تیرے لئے منحوس تھی — ہمارے حق میں یقینی دولت تھی

گر نبودت ایں انائے کینہ کش — کے زدے بر ما چنیں اقبال خوش
اگر یہ کینہ نکالنے والا "انا" تیرے اندر ہوتا — تو ایسا اچھا نصیب ہمیں کب حاصل ہوتا

شکر آں کز دارِ فانی میرہیم — بر سرِ ایں دار پندت میدہیم
اس کا شکر ہے کہ ہم دارِ فانی سے چھوٹ رہے ہیں — اس سولی پر ہم تجھے نصیحت کر رہے ہیں

دارِ قتلِ ما براقِ رحلت ست — دارِ مُلکِ تو غرور و غفلت ست
ہمارے قتل کی سولی سفر کا براق ہے — تیرا دارالسلطنت، غرور اور غفلت ہے

۲ؔ ضربت۔ مار۔ گردانی۔ اگر تو ہمارے اس جذبہ کو سمجھ جاتا تو ہمیں تکلیف نہ دیتا۔ ہیں۔ انطاکیہ والوں نے جب حبیب نجار حضرت عیسیٰؑ کے حواری کو شہید کیا تو انھوں نے فرمایا کاش میری قوم اس بات کو جان لیتی کہ میرے ربّ نے میری مغفرت فرما دی اور مجھے معزز بنا دیا۔ ارغنوں مشہور باجا ہے جس کو افلاطون نے ایجاد کیا تھا۔

۳ؔ فرعونیے یعنی شہنشاہی۔ نے چنیں۔ وہ شہنشاہی... فرعون کی سی شاہی نہیں ہے۔ تر برآور۔ — ان جادوگروں نے کہا تھا کہ خواب غفلت سے سر ابھار اور ہماری پائندہ اور عظیم سلطنت

۵ؔ تو انا۔ فرعون تو یہ کہتا تھا کہ میں تمہارا رب ہوں ساحروں نے کہا تو انا اور رب دونوں کی حقیقت سے بے بہرہ ہے انا وہ ہے جو فنا کے بعد حاصل ہو تو اس سے ناواقف ہے۔ ربّ۔ تو رب کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے جو اپنی رعایا کے بگڑ جانے سے خوفزدہ ہو وہ رب کیسے ہو سکتا ہے۔ انا مائیم۔ اصل انانیت تو جب حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی انانیت اور خودی کو چھوڑ چکے جو مصیبت اور مشقت سے پُر ہے۔

۶ؔ آں انا۔ تیری انانیت خودی نے جو سے ہے وہ منحوس ہے ہم فنا کا درجہ حاصل کر چکے ہیں لہٰذا ہماری انانیت ایک دولت ہے۔ گر نبودت۔ تیری

کو دیکھ لے مصر اور نیل کی سلطنت پر غرور نہ کر۔ گر تو۔ اگر تو اس حقیر سلطنت کو ٹھکرا دے گا تو تیری روح میں اس قدر وسعت پیدا ہو جائے گی کہ یہ دریائے نیل اس میں غرق ہو جائے گا۔ ہیں بدار۔ ساحروں نے فرعون سے کہا کہ اس مصر کی حکومت سے دست کش ہو جا پھر روحانی دنیا کے سیکڑوں مصر ہاتھ آجائیں گے۔

ایں حیاتِ خفیہ در نقشِ ممات
یہ خفیہ زندگی ہے جو موت کی صورت میں ہے
واں مماتِ خفیہ در قشرِ حیات
وہ خفیہ موت ہے جو زندگی کے چھلکے میں ہے

می نماید نور نار و نار نور
نور، آگ اور آگ نور، نظر آتی ہے
ورنہ دنیا کے بُدے دار الغرور
ورنہ دنیا دار الغرور کب ہوتی؟

ہیں مکن تعجیل اول نیست شو
خبردار! جلدی نہ کر پہلے نیست بن
چوں غروب آری برار از شرق ضو
جب تو غروب کر گیا مشرق سے روشنی لا

آں انائے در ازل دل تنگ شُد
وہ "انا" ازل میں دل تنگ ہے
زیں انا جان بیخود و دل دنگ شُد
اس "انا" سے جان بیخود اور دل حیران ہو گیا

آں انائے سرد گشت و تنگ شد
وہ "انا" سرد اور تنگ ہے
ایں انا خم دادہ ہمچو چنگ شد
یہ مست "انا" چنگ کی طرح ہے

زاں انائے بے انا خوش گشت جاں
اس بے "انا" کے "انا" کہنے سے جان خوش ہو گئی
شد جہان او از انائے ایں جہاں
وہ اس جہاں سے کود جانے والی ہو گئی

از انا چوں رست اکنوں شد انا
جب "انا" سے چھوٹ گئی اب "انا" ہو گئی
آفرینہا بر انائے بے عنا
بے مشقت کی "انا" کو شاباش ہے

او گریزاں و انائے در پیش
وہ بھاگ رہا ہے اور "انا" اُسکے در پے ہے
می دود چوں دید وے را بے ویش
وہ "انا" دوڑتی ہے جب وہ اُسکو اپنے بغیر دیکھتی ہے

طالب اُوئی نگردد طالبت
تو اُسکا طلبگار ہے وہ تیری طلبگار نہ بنے گی
چوں بمُردی طالبت شد مطلبت
جب تو مر گیا تیرا مطلوب تیرا طالب بن گیا

زندۂ کے مُردہ شو شوید ترا
تو زندہ ہے مُردے کو نہلانیوالا تجھے کب نہلائیگا؟
طالبی کے مطلبت جوید ترا
تو طلبگار ہے، مطلوب تجھے کب ڈھونڈے گا؟

اندریں بحث ار خرد رہ بیں بُدے
اس بحث میں اگر عقل راستہ دیکھنے والی ہوتی
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے
(تو) فخر (الدین) رازی دین کے رازدار ہوتے

لیک چوں مَن لم یذق لم یدر بود
لیکن چونکہ "جس نے نہ چکھا اُس نے نہ جانا" ہے
عقل و تخییلاتِ او حیرت فزود
اُنکی عقل اور تخییلات نے حیرت میں اضافہ کر دیا

کے شود کشف از تفکر ایں انا
غور کرنے سے یہ "انا" کب کھلتی ہے
ایں انا مکشوف شد بعد الفنا
یہ "انا" فنا کے بعد کھلی ہے

اوصافِ بشری فنا کرنے سے پہلے انا کہنا ازل سے مردود ہے۔ زہے انا۔ فنا کے بعد انا کہنا محمود ہے۔ جنگ ایک باجا ہے جس کی آواز خوش کن ہے۔

انانیت ہماری خوش بختی کا سبب بن گئی ہے۔ بشکر۔ تیری انانیت نے ہمیں اس فانی دنیا سے نجات دیدی پر اب ہم سولی پر چڑھ کر تجھے نصیحت کر رہے ہیں۔ دار۔ یہ سولی ہمارے لئے قرب خداوندی کا بُراق بن گئی ہے۔

۵۳ ایں۔ یعنی زندہ رہنا، جو بصورت ممات ہے۔ واں۔ تیرا دار فانی سے موت بصورت حیات ہے۔ دار الغرور دھوکے کا گھر دنیا کو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حقائق الٹے نظر آتے ہیں۔ جیسے پہلے نور وصل کر بعد غروب کے بعد سوز صبح ہو گا۔ آتی ہے۔

۱ زاں۔ جس انا میں بشری انانیت نہ ہو اُس سے روح خوش ہوتی ہے اور انسان اُس انا کے ذریعہ اس دنیا کی انا سے نجات پا جاتا ہے، پہلے مصرع کے شروع میں جہان جہندہ کے معنی میں ہے دوسرا جہان دنیا کے معنی میں ہے۔ از انا۔ جب انسان بشری انانیت سے چھوٹ جاتا ہے تو حقیقی انا اُس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ او گریزاں۔ فانی حقیقت کیلئے گریزاں ہے اور بقا اُسکے در پے ہے اور اس مظہر میں صفاتِ الٰہی اپنا ظہور چاہتے ہیں اور جب تک انسان اپنی انا کا طالب ہے فنائے حقیقی اُسکو حاصل نہ ہو گی جب اپنی صفاتِ بشری سے مُردہ ہو جائیگا تو فنا خود اُس کی طالب بنجائے گی۔

۲ زندہ۔ جب تک انسان اپنی انا سے زندہ ہے تو اس مُردے کو نہلانے والا یعنی فنا اُس کیساتھ معروف عمل نہ

می فتد این عقلہا در افتقاد ۔ در مغاکے و حلول و اتحاد

جستجو میں یہ عقلیں جا گرتی ہیں ۔ گڑھے اور حلول و اتحاد میں

۴ در افتقاد۔ اگر محض عقل کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا جائیگا تو انسان حلول اور اتحاد جیسے عقیدوں میں مبتلا ہو جائیگا یعنی یہ سمجھ جائیگا کہ بقا بعد فنا جس میں ایک انسان وجودِ عبد کے بغیر صفاتِ رب کیساتھ متصف ہوتا ہے حلول کی صورت میں ہے یعنی حضرتِ حق تعالیٰ وجودِ عبد کو اپنا محل جا لیتے ہیں یا عبد اور رب میں اتحاد ہو جانے کی صورت سے ہے۔

ہوگی۔ اندریں۔ اس بحث میں کہ فنا اپنی انا ختم کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے عقل رہنمائی نہیں کرتی ہے ورنہ...... امام فخر الدین رازیؒ جو دلایل عقلی پر ہر چیز کا مدار رکھتے ہیں دین کے اسرار کے سب سے بڑے عالم ہوتے۔ لیکن۔ یہ مسائل ذوقی ہیں جس نے انکا مزا چکھا وہ انکی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ان مسائل میں دلائل عقلیہ حیرت میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ ایں انا۔ حقیقی انا کا علم فنا کے بعد واضح ہوتا ہے۔

شرح

یہاں سے مولانا اپنے مقصود کی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مضمون بالا سے کنایۃً تم کو حق سبحانہٗ کے فراق کی سختی معلوم ہوئی ہے اور اس میں دعوےٰ کیا گیا ہے کہ اسکی ہجر کی سختی آتش دوزخ سے بڑھ کر ہے اب اس کنایہ کی توضیح اور اس دعوای کی دلیل سُنو! کفار دوزخ میں کہیں گے کہ اگر آپ ہم پر نظرِ عنایت کرتے تو پھر ہمیں دوزخ کا بھی ملال نہ ہوتا وجہ اسکی یہ ہے کہ نظرِ عنایت تکالیف کو خوشگوار بنا دینے والی اور ساحروں کے ہاتھ پاؤں کا خون بہا ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے جادوگروں کو سولی دینے اور پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی تو انہوں نے آپ کی نظر کے شوق میں اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور لَا ضَیر کا اس قدر زور سے نعرہ لگایا کہ اُسکو گوشِ فلک نے بھی سُن لیا اور اس بَلا کے سامنے آسمان بھی گیند ہو گیا (یعنی یہ نعرہ آسمان سے یوں ٹکرایا جیسے بَلا گیند سے ٹکراتا ہے یا یہ کہ اس کو سُنکر آسمان یوں رقص کرنے لگا۔ جیسا کہ گیند بلے سے رقص کرتی ہے واللہ اعلم) اور انہوں نے نہایت زور سے کہا کہ فرعون کی مار سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہے کیونکہ حق سبحانہٗ کی ہم پر عنایت ہے اور خدا کی عنایت دوسروں کے غصہ پر غالب ہے اسکے بعد انہوں نے فرعون کو خطاب کیا اور کہا کہ او گمراہ کرنے والے فرعون! اگر تجھے ہماری

باطنی حالت معلوم ہو۔ تو تو بھی یقین کر لے کہ تو ہم کو تکلیف نہیں دے رہا ہے بلکہ ہم کو تکلیف سے نجات دے رہا ہے۔

دیکھ! ادھر آ اور سن! کہ ہماری ارواح کا ارگن یا لیت قومی یعلمون کا راگ گا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کاش لوگوں کو معلوم ہو کہ ہمیں اس تکلیف میں کس قدر راحت ہے خدا نے ہم کو اپنے فضل سے روحانی بادشاہت عطا کی ہے جو کہ اس سلطنت جسمانی سے بڑھ کر ہے جو تجھ کو عنایت ہوئی ہے کیونکہ ہماری سلطنت باقی ہے اور تیری سلطنت فانی نیز ہماری سلطنت رنج وغم سے پاک صاف ہے اور تیری سلطنت میں ان کی آمیزش ہے ارے مصر اور رودنیل سے دھوکا کھائے ہوئے تو ذرا ظلمات ناسوت سے سر تو باہر نکال اور دیکھ تو سہی کہ اقلیم روحانی کس قدر عظیم اور زندہ ہے اور پائیدار ہے اسکے بعد تجھے اپنی بادشاہی کی حقیقت معلوم ہوگی۔ اگر تو اس ناپاک لباس تن کو چھوڑ دے تو پھر تو رودنیل کو روح کے دریائے معرفت میں ڈبو دے یعنی اس دریا کے سامنے اس دریا کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دے۔

دیکھ فرعون! کہنا مان!! اور ملک مصر کو چھوڑ کر سلطنت روحانی حاصل کر۔ اسلئے کہ اس سلطنت میں ایسی ایسی سینکڑوں سلطنتیں ہیں۔ احمق تو لوگوں سے کہتا ہے کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔ یہ تیری کتنی بڑی حماقت ہے کیونکہ نہ تو آقا اور رَبّیں کے حقیقت جانتا ہے اور نہ رب کی اسلئے کہ تجھے اپنی سلطنت کے متعلق اندیشہ ہے اور تو ڈرتا ہے کہ کہیں موسیٰ (علیہ السلام) اپنا اثر جما کر میری سلطنت نہ چھین لے اور لوگوں کو مجھ سے نہ توڑ لے حالانکہ جب تو رب اعلیٰ ہے تو ملک وغیرہ سب تیرے مربوب ہیں پھر تجھے کیا خوف ہے بھلا کبھی رب کو اپنے مربوب کے متعلق کوئی اندیشہ ہوتا ہے اور کیا وہ ڈرتا ہے کہ کہیں کوئی میرا ملک نہ چھین لے وغیرہ وغیرہ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تو رب کی حقیقت نہیں جانتا۔

اچھا اب سن کہ تو آقا اور رَبّیں کی حقیقت بھی نہیں سمجھا کیونکہ جو اپنے کو جانتا ہے وہ ہرگز تن پروری میں مشغول نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا خالق اور میرا مالک اور میرا حاکم اور مربّی خدا ہے اسلئے میرا فرض ہے کہ میں اسکے احکام بجالاؤں۔ پس ثابت ہوا کہ

تو انا کی حقیقت بھی نہیں سمجھتا۔ دیکھ! انا کے معنی جاننے والے ہم ہیں کہ ہم نے خودی
یعنی تکلیف کی بھری ہوئی خودی ۔۔۔۔۔۔ کو چھوڑ دیا اور اپنے کو خدا کا مطیع بنا دیا
یہ تیری انانیت گو تیرے لئے منحوس ثابت ہوئی۔ مگر ہمارے لئے اعلیٰ دولت ہو گئی۔
کیونکہ اگر تیرے کینہ کش انانیت نہ ہوتی تو ہمیں یہ خوش قسمتی شہادت کیسے میسّر ہوتی۔
خیر الحمدللہ! کہ اب ہم اس دار فانی سے رخصت ہوتے ہیں۔ مگر سُولی پر چڑھے ہوئے
محض خیر خواہی سے تجھے بھی نصیحت کرتے ہیں کہ تو اس جہالت کو چھوڑ اور طاعت و عبودیت
حق کو اختیار کر۔ تو ہماری سُولی کو حقیر اور اپنی سلطنت کو وقیع سمجھ کر ہماری نصیحت کو
نظر انداز نہ کرنا۔ کیونکہ معاملہ بالعکس ہے۔ اسلیے کہ ہمارے قتل کی سولی ہمارے سفر
آخرت کا بُراق ہے جو کہ ہم کو ہمارے محبوب اور بادشاہ تک پہنچائے گا اور تیرا دار الحکومت
تیری غفلت اور تیرے غرور اور بُعد عن الحق کا ذریعہ ہے اور گو ہم مُردہ ہیں اور تو زندہ مگر
تو اس مغالطہ میں نہ پڑنا کیونکہ ہماری حیات روحانی موت جسمانی کی صورت میں مخفی ہے
اور تیری موت روحانی بے وقعت حیات جسمانی میں مستور ہے اسلئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ
نور آگ اور آگ نور دکھلائی دیتی ہے یعنی موت حیات معلوم ہوتی ہے اور حیات موت۔
اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں ــــــ ہونا بھی یہی چاہیے
ورنہ دنیا دھوکے کا گھر ــــــ کہلاتا ہے یہ جملہ معترضہ ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف
عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ــــ ساحروں نے کہا کہ دیکھ! ہم کہتے ہیں کہ تو دعوائے انا میں
جلدی نہ کر۔ بلکہ اوّل اپنی خودی کو فنا کر۔ پس جب تو مٹ جائے اور آفتاب کی
طرح غروب ہو جائے اس وقت مشرق روحانی سے آفتاب کی طرح چمکتا ہوا اور شاندار ہو کر
نکل۔ اس وقت اگر تو انا کہے گا تو یہ انا برمحل ہو گی کیونکہ اس وقت تجھے بقا باللہ حاصل
ہو جائے گی۔ اور تو خدا کے رنگ میں رنگ جائے گا۔ اور ایسی حالت میں تیرا انا کہنا
ایسا ہو گا جیسا کہ لوہے کا آگ سے سُرخ ہو کر انا النار کہنا وغیرہ وغیرہ! اور تیرا یہ کہنا
ایک حد تک صحیح ہو گا۔

اب مولانا انائے فرعون اور اَنائے فانین کا فرق دکھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انائے فرعونی تو ازل میں بھی دلتنگ ہے۔ اور اَنائے فانین کی جان بے خود اور دل دنگ ہے (مطلب یہ ہے کہ اشخاص مبتلائے خودی کے راحت کے لئے وسعتِ ازل بھی کافی نہیں اور اَنا ہی بے خودی نہایت آرام دہ اور راحت بخش ہے۔) اور وہ اَنا بالکل بے مزہ اور پھیکی اور موجب دل تنگی و تکلیف ہے اور یہ اَنا چنگ کی طرح خم دی ہوئی اور مبنی بر انکسار وفنا اور موجب لذّت و راحت ہے۔

اور اس اَنا سے جو کہ خودی سے خالی ہے جان خوش ہوتی ہے اور وہ اسکے ذریعہ سے اس اَنا ناسوتی جس کا منشا خودی ہے چھوٹ جاتی ہے اور جب کہ وہ اس اَنائے مذموم سے چھوٹ جاتی ہے تو اس کو ۔۔۔۔ انا کہنے کا منصب حاصل ہوجاتا ہے۔ سو کیا کہنا ہے اِس اَنا کا جو مصائبِ خودی سے خالی ہو۔

دیکھو: جب آدمی اپنے کو مرضیاتِ حق میں فنا کردیتا ہے اس وقت اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اَنا سے بھاگتا ہے لیکن جبکہ اَناءِ محمود اس کو فانی محض پاتی ہے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہے اور اسے نہیں چھوڑتی۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی کو فنا کرتا ہے اور حق سُبحانہٗ اسی کو اپنی طرف سے ایک نئی ہستی جس کو بقاباللہ کہتے ہیں عطا فرماتے ہیں لیکن جب کہ تم خود ہستی اور خودی کے طالب ہو تو اس وقت وہ تم سے بھاگتی ہے اور تمہاری طالب نہیں ہوتی۔ ہاں جب تم اپنے کو فنا کردو اور اپنی خودی کو مٹادو اس وقت وہ تمہاری مطلوب ہستی تمہاری طالب ہوتی ہے اور تم کو لپٹتی ہے کیونکہ اُس کے طلب کی شرط فناءِ طالب ہے اور جبکہ شرط مفقود ہوگئی تو مشروط بھی مفقود ہوگئی۔ دیکھو: جب تک تم نہ مرو۔ اُس وقت تک تمہیں مردہ شو کیسے نہلا سکتا ہے اور جبکہ تم خود طالب ہو اس وقت تک مطلوب تمہارا طالب کیونکر ہوسکتا ہے اور جبکہ نہیں ہوسکتا۔ تو عدمِ فنا کی صورت میں ہستی بھی تمہاری طالب نہیں ہوسکتی۔

اس مقام پر چونکہ مولانا نے فنا اور بقا اور دعویٰ انا کے متعلق بحث فرمائی

ہے اور چونکہ مسئلہ فنا و بقا ایک وجدانی مسئلہ ہے جس کو اربابِ احوال ہی خوب سمجھ سکتے ہیں اور جو لوگ صاحبِ حال نہیں ہیں وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جس طرح کہ لذّتِ جماع کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جسے جماع کا اتفاق ہوا ہو اور جس کو اتفاق نہیں ہوا وہ نہیں سمجھ سکتا اور ایسی حالت میں کچھ بعید نہیں تھا کہ لوگ اس بیان کو جو کہ پورے طور پر حقیقت فنا و بقا کو ظاہر نہیں کرتا کافی سمجھ جائیں اور گمراہ ہو جائیں۔

اسلئے مولانا لوگوں کو متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو! بحث فنا و بقار عقل کے ادراک سے باہر ہے اور یہ ایک امر ذوقی ہے جس کو صاحبِ حال ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور غیر صاحب حال عقل سے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اگر مجرد عقل اس بحث کا پتہ چلا لیتی تو امام فخر الدین رازی کو دین کا رازدار اور حاملِ اسرار شریعت ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ امام موصوف صاحب حال نہ تھے اور اسلئے وہ ان معاملات کی حقیقت کو نہ جانتے تھے۔ بنابریں وہ عقلی تکے چلاتے تھے اور ان کی عقل اور تخیلات بجائے حلِ مشکل کے اُن کو اور حیرت میں ڈالتی تھیں پس اگر تمہیں اس ہستی اور بقا کی حقیقت معلوم کرنی ہے جو کہ فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے تو فنا حاصل کرو۔ کیونکہ اس ہستی اور بقا کی حقیقت غور اور فکر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی حقیقت حصولِ فنا سے معلوم ہوتی ہے عقلیں جب اس بحث میں پڑتی ہیں تو راہِ راست سے ہٹ کر گمراہی کے گڑھے اور حلول و اتحاد کے شبہ میں پڑ جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

اے ایازِ گشتہ فانی ز اقتراب
اے ایاز! تو قرب میں فانی بنگیا ہے

ہمچو اختر در شعاعِ آفتاب
جیسا کہ ستارہ سورج کی شعاع میں

بلکہ چوں نطفہ مبدّل تو بتن
بلکہ جیسا کہ تیرا نطفہ جسم میں تبدیل ہوا

نز حلول و اتحادِ مُفتتن
نہ کہ حلول اور پُر فتنہ اتحاد سے

عفو کُن اے عفو در صندوقِ تو
معاف کردے اے وہ کہ معافی تیرے صندوق میں ہے

سابقِ لطفی ہمہ مسبوقِ تو
تو مہربانی میں سابق ہے سب تیرے پیچھے ہیں

اے ایاز۔ بقا اور فنا کی صحیح مثال اگر ہے تو یہ ہے کہ جسطرح ستارہ شعاع شمس میں گم ہو جاتا ہے اسی طرح عبد حادث اپنے آپ کو ربِ قدیم میں گم کر دیتا ہے۔ یہ تو صفات کی تبدیلی کی مثال ہے یا یہ سمجھو کہ نطفہ بھی جسم انسانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ تبدیل ذاتی کی مثال ہے۔

شرح

بعض محشین نے ان ابیات کو سلطان محمود کا مقولہ قرار دیا ہے اور بعض نے مولانا کا۔ محمود کا مقولہ ہونے پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب محمود نے عفو کو ایاز کے سپرد کر دیا۔ تو اب ایاز کی اس معذرت کا کوئی موقع نہیں رہتا جو وہ آئندہ اپنے مطاعت کے متعلق کرتا ہے۔ بلکہ اس کا موقعہ اس سے پہلے اور شفاعت کے ساتھ ہے اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ معذرت از شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ میرا تو شفاعت کرنا بھی گستاخی ہے۔ چہ جائیکہ خود عفو کرنا۔ مگر یہ توجیہ جی کو نہیں لگتی۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کو مولانا کا مقولہ کہا جائے اور یوں کہا جائے کہ چونکہ مولانا ابھی فنا کی بحث کر چکے ہیں۔ اسلئے وہ اس فنائے ایاز کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ایاز جو کہ قرب شاہی کے سبب یوں فنا ہو گیا ہے جیسے خورشید کے نور میں ستارہ۔ بلکہ جس کی یوں کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ جیسے نطفہ کی جسم بن کر۔ مگر نہ اس میں حلول کو دخل ہے اور نہ اتحاد کو۔ تو شفاعت کیوں کرتا ہے اور محمود سے کیوں درخواست کرتا ہے تو خود معاف کر دے اسلئے کہ عفو تیرے قبضہ میں ہے کیونکہ تو محمود سے جدا نہیں اور مہربانی میں اور سب سے بڑھا ہوا ہے اور دوسرے لوگ سب اس صفت میں تجھ سے پیچھے ہیں کیونکہ تجھ میں یہ صفت خود تیری نہیں ہے۔ بلکہ محمود کی ہے جو کہ اس صفت میں سب سے بڑھا ہوا ہے (فائدہ: تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ مسئلہ بقا و فنا.. ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف عقل سے بخوبی سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ جس پر یہ حال طاری ہو کما حقہ اسکو وہی سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا ارباب حال جب اس مسئلہ کو دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے تقریبی مثالیں اختیار کرتے ہیں جو پورے طور پر تو ممثل لہٗ پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ہاں کچھ کچھ اس سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اسلئے کبھی وہ اسکو لوہے اور آگ سے تشبیہ دیتے ہیں اور کبھی ستارہ اور آفتاب سے اور کبھی سرکہ اور شہد سے اور کبھی نطفہ اور جسم سے۔ وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ یہ مثالیں تقریب فہم کے ساتھ مغالطہ میں بھی ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اسلئے وہ مغالطہ سے بچانے کے لئے کہیں کہیں تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ یہ مثالیں تقریبی ہیں نہ کہ تحقیقی۔

چنانچہ مولانا نے ابیات سابقہ میں فرما دیا ہے کہ یہ مسئلہ ذوقی اور وجدانی ہے جو کہ کماحقہ ذوق سے سمجھ میں آسکتا ہے نہ کہ عقل سے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اندریں بحث از خرد راہ بیں بد ــــــــــے اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ جس قدر مثالیں اس مسئلہ کا بیان کی جاتی ہیں وہ تقریبی ہوتی ہیں نہ کہ تحقیقی۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہوگیا تو اب سمجھو کہ مولانا نے اس مقام پر مسئلہ فنا کو اولاً تمثیل ستارہ و آفتاب سے بیان فرمایا تھا۔ مگر چونکہ یہ مثال اسلئے ناقص تھی کہ اس میں بعد فنا عود الی الحالۃ الاولیٰ ہوتا ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد ہوتا ہے مگر ممثل لہٗ میں عود نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے ترقی کی اور اسکی تمثیل نطفہ اور تن سے بیان فرمائی لیکن یہ مثال بھی ممثل لہٗ کے بالکل مطابق نہیں ہے کیونکہ اس مثال میں بعض باتیں ایسی ہیں جو ممثل لہٗ میں نہیں مثلاً مثال مذکور میں نطفہ کی صورت نوعیہ بدل جاتی ہے اور ممثل لہٗ میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان بعد فنا بھی انسان ہی رہتا ہے۔ نیز مثال مذکور میں مفنی فیہ یعنی جسم خود فانی سے پیدا ہوا ہے اور ممثل لہٗ میں مفنی فیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ پہلے سے ہوتا ہے اسلئے یہ مثال بھی تقریبی ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ جیسے مثال مذکور میں نطفہ بلا حلول اور اتحاد کے فنا ہو جاتا ہے۔ اور فنا کے بعد حالت اولیٰ کی طرف عود نہیں کرتا یونہی ایاز بھی محمود میں بلا حلول و اتحاد اور بدوں عود الی الحالۃ الاولیٰ فنا ہوگیا واللہ اعلم)

مجرم داشتنِ ایاز خود را دریں شفاعت گری و عذرِ ایں جرم

اس سفارش کرنے میں ایاز کا اپنے آپ کو مجرم سمجھنا اور اس خطا کی معافی

خواستن و دراں عذر گوئی ہم خود را مجرم داشتن و ایں شکستگی

چاہنا اور اُس عذر گوئی میں بھی اپنے آپ کو مجرم قرار دینا اور یہ کسر نفسی

از شناخت و عظمت شاہ خیزد و اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ

شاہ کی عظمت اور پہچان سے پیدا ہوتی ہے "اور میں تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور

وَاَخْشَاکُمْ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ

تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں" اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے اللہ تعالٰی سے اُسکو جاننے والے ڈرتے ہیں

مَن کہ باشم کہ بگویم عفو کُن ✽ اے تو سلطان و خلاصہ امرِ کُن

میں کون ہوتا ہوں جو کہوں کہ معاف کر دیجئے؟ ✽ اے وہ کہ آپ بادشاہ اور "کُن" کے امر کے خلاصہ ہیں

مَن کہ باشم کہ بوَم من با مَنت ✽ اے گرفتہ جملہ مَنہا دامنت

میں کون ہوتا ہوں کہ میں تیری ہستی کے سامنے موجود رہوں؟ ✽ اے وہ کہ تمام ہستیوں نے تیرا دامن تھاما ہے

مَن[ع] کے آرم رحمِ حِلم آلود را ✽ رہ نمایم علم حِلم اندود را

میں غضب آلود رحم کب کر سکتا ہوں؟ ✽ میں تو حلم سے بھرے ہوئے علم کی رہنمائی کرتا ہوں

صد ہزاراں صفع را ارزانیم ✽ گر زبونِ صفعہا گردانیم

میں لاکھوں طمانچوں کے لائق ہوں ✽ اگر آپ مجھے طمانچوں کا مغلوب بنالیں

مَن کیَم تا پیشت اعلامے کنم ✽ یا کہ وا یادت دہم شرطِ کرم

میں کون ہوں کہ آپ کے سامنے اعلان کروں؟ ✽ یا کہ آپ کو کرم کی شرط یاد دلاؤں

آنچہ معلومِ تو نبوُد چیست آں ✽ واآنچہ یادت نیست کو اندر جہاں

جو تجھے معلوم نہیں وہ کیا ہے؟ ✽ جو تجھے یاد نہیں وہ جہاں میں کہاں ہے؟

اے[ع] تو پاک از جہل و علمت پاک از آں ✽ کہ فراموشی کُند ویرا نہاں

اے وہ کہ تو نادانی سے پاک ہے اور تیرا علم اس سے پاک ہے ✽ کہ بھول اُس کو چھپا دے

ہیچکس را تو کسے انگاشتی ✽ ہمچو خورشیدش بنوُر افراشتی

تو نے ناچیز کو چیز ٹھہرایا ✽ تو نے اُس کو سورج کیطرح نور سے بلند کر دیا

چوں کسم کردی اگر لابہ کُنم ✽ مُستمع شو لابہ اَم را از کرم

جب تو نے مجھے کچھ بنا دیا، اگر میں عاجزی کروں ✽ تو کرم کر کے میری خوشامد کو سُن لے

زانکہ[ع] از نقشم چو بیروں بُردہ ✽ آں شفاعت ہم تو خود را کردہ

اسلئے کہ جب تو نے مجھے ہستی سے باہر نکال دیا ہے ✽ تو وہ سفارش بھی تو نے خود ہی سے کی ہے

[ع] خواستن - ایاز نے اُس سفارش کے بارے میں بھی اپنے آپ کو قصوروار سمجھا اور معذرت خواہی کرنے لگا اور یہ صورت جب پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان شاہ کی عظمت کو سمجھ چکا ہو چنانچہ آنحضور ؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں خدا کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور خدا سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے اللہ کے جاننے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ من کہ باشم۔ میرا تیرے سامنے سفارش کرنا اپنی ہستی کا اقرار کرنا ہے جو غیر مناسب ہے۔

[ع] من۔ میرے رحم میں تو خلوص نہیں ہے میں تو صرف آپکے علم کی راہنمائی کر رہا ہوں۔ صد ہزاراں۔ اگر تو مجھے سزا دینا پسند کرے تو میں لاکھوں طمانچوں کا مستحق ہوں۔ سفارش کرنا میری گستاخی ہے۔ من کیم میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کو بتاؤں اور کرم کی شرط یاد دلاؤں جب کہ آپ کو ہر چیز معلوم ہے اور ہر بات یاد ہے۔

[ع] اے تو پاک۔ آپ خود جہل سے پاک ہیں اور کوئی بھول کسی چیز کو آپ سے پوشیدہ نہیں کر سکتی ہے۔ ہیچکس۔ آپ نے معافی کا اختیار مجھے دیکر مجھے کسی قابل بنا دیا اب جب کہ آپ نے مجھے کسی قابل بنا دیا ہے تو کرم کر کے میری خوشامد کو بھی سن لیجئے۔

[ع] زانکہ۔ اب میں میں نہیں ہوں لہذا میری یہ سفارش میری نہیں ہے آپ کی ہے۔

چوں زرختِ من تہی گشت ایں وطن
تر و خشکِ خانہ نبوَد آنِ من

جب یہ وطن میرے سامان سے خالی ہوگیا
تو گھر کا تر اور خشک میرا نہیں ہے

ہم دُعا از من رواں کردی چو آب
ہم ثباتش بخش و گرداں مستجاب

تو نے ہی دعا مجھ میں سے پانی کی طرح جاری کردی
تو ہی اسکو ثبات عطا کر اور قبول فرما

ہم تو بودی اوّل آرندہ دُعا
ہم تو باش آخر اجابت را رجا

تو ہی ابتداءً مجھ سے دعا کرانے والا ہے
تو ہی اخیر میں قبولیت کی امید بن

تا زنم من لاف کاں شاہِ جہاں
بہرِ بندہ عفو کرد از مجرماں

تاکہ میں شیخی بگھار سکوں کہ اُس شاہجہاں نے
اِن خطا کاروں کو غلام کی خاطر معاف کردیا

دردِ[2] بودم سر بسر من خود پسند
کرد شاہم داروِی ہر دردمند

میں متکبر سراسر درد تھا
شاہ نے مجھے ہر دردمند کی دوا بنا دیا

دوزخے بودم پُر از شور و شرے
کرد دستِ فضلِ اُو یم کوثرے

میں شور و شر سے پُر ایک دوزخ تھا
اُسکی مہربانی کے ہاتھ نے مجھے کوثر بنادیا

ہر کہ را سوزید دوزخ در قوَد
من بروَیانم دگر بار از جسد

جس شخص کو دوزخ نے سزا میں جلا دیا ہے
میں اُسکے جسم کو دوبارہ اُگا دیتا ہوں

چوں۔ جبکہ میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے تو گھر میں جو کچھ ہے میری ملکیت نہیں ہے تو نے ہی مجھے سفارش کی توفیق دی ہے اب تو ہی اسکو قبول فرمائے ہم تو۔ دعا کرنے والا تو ہی ہے تو تجھی سے قبول کرلینے کی امید وابستہ ہے۔ تا زنم جبکہ میرا کوئی حصہ نہیں تو مجھے تو خواہ مخواہ کا فخر ہوگا کہ بادشاہ نے میری سفارش پر خطا کاروں کو معاف کیا ہے۔
[2] درد۔ میں تو خود مرض تھا شاہ نے مجھے دوا بنادیا۔ میں دوزخ تھا جو دوسروں کو جلاتی ہے اُس شاہ کے فضل نے مجھے کوثر بنادیا جو جلے ہوؤں کو زندگی بخش دیتی ہے۔ ہر کہ۔ اب چونکہ میں کوثر ہوں دوزخ نے سزا میں جنکا جسم جلا کر خاکستر کردیا ہے اُن کو دوبارہ جسم دے دیتا ہوں۔

شرح

چونکہ محمود نے اُمراء کے قتل کا حکم دیا تھا اور ایاز نے اُمراء کی شفاعت کی تھی اور یہ شفاعت بادی النظر میں فنا تام کے منافی تھی۔ اسلئے ایاز اپنے اس فعل پر ندامت ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے بادشاہ اور خلاصہ مخلوقات! مَیں کون ہوں کہ آپ سے کہوں کہ آپ معاف کر دیں۔ اور اے مرجع جملہ ہستیہا! میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی ثابت کروں اور آپ کی خواہش کے خلاف اپنی خواہش پیش کروں اور اپنے غیر خالص اور خشم آلود رحم کو کام میں لاؤں اور آپ کے علم حلم آمیز کو مصلحت سمجھاؤں پس مَیں نے جو کچھ کیا مجھ سے غلطی ہوئی۔

اب اگر آپ میرے چپت لگائیں تو میں لاکھوں چپتوں کا مستحق ہوں کیونکہ میں نے

سخت گستاخی کی۔ اسلئے کہ میری کیا مجال ہے کہ حضور والا کے سامنے کسی مصلحت کو ظاہر کروں یا کسی شرطِ کرم کو یاد دلاؤں۔ کیونکہ وہ کون سی بات ہے جو آپکے علم سے باہر ہے اور ایسی چیز عالم میں کہاں ہے جو کہ آپ کو یاد نہ ہو۔ یہاں تک بیان تھا... معذرت کا۔ جس کا منشأ نظر بر ظاہر حال تھی۔

اب ایاز کی نظر حقیقت حال تک پہنچتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ شفاعت میری ذاتی خواہش سے نہ تھی بلکہ پر تو تھی محمود کی خواہش کا۔ اسلئے وہ اب اپنے کو اس معذرت میں مجرم قرار دیتا ہے اور پھر شفاعت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے وہ بادشاہ جو کہ میل سے پاک۔ اور جس کا علم اس سے منزہ ہے کہ نسیان اس پر پردہ ڈالے۔ آپنے ایک نااہل (مجھ) کو اہل سمجھا۔ اور آفتاب کی طرح اسکو نور سے سرفراز فرمایا ہے پس جبکہ آپنے مجھے لائق کیا ہے تو اگر میں کوئی درخواست کروں تو آپ اپنی عنایت سے اسے قبول فرمادیں۔ اسلئے کہ جب آپ نے مجھے میری ہستی سے خارج کردیا ہے اور اپنی ہستی کا خلعت عنایت فرمایا ہے تو اب میں آپ کا غیر نہیں ہوں اور میری شفاعت جداگانہ نہیں ہے بلکہ میری شفاعت وہ شفاعت ہے جو کہ آپ خود اپنے سے کرتے ہیں کیونکہ جب میری ذاتی اوصاف سے میری روح خالی ہوگئی ہے تو اب اس میں جو صفت ہی ہوگی وہ میری نہ ہوگی بلکہ آپ کی ہوگی۔

بنابریں یہ شفاعت بھی آپ کی ہوگی پس اس بناپر میں عرض کرتا ہوں کہ جب یہ دعا آپ نے مجھ سے کرائی ہے تو آپ اس کو پروان چڑھائیے! اور اسے قبول فرمائیے! تاکہ میں فخریہ یہ کہہ سکوں کہ حضور والا نے ایک غلام کی خاطر مجرموں کا قصور معاف فرمادیا۔ اور میں خود پسند سر بسر مرض تھا۔ مگر حضور والا نے مجھے ہر مریض کی دوا بنادیا۔ اور میں شور و شر سے پر دوزخ تھا۔ مگر حضور کے دستِ فضل نے مجھے حوض کوثر بنادیا۔ اسلئے اب اگر کسی کو دوزخ قہر سلطانی کسی جرم کے معاوضہ میں جلادے تو میں دوبارہ اس کا جسم درست کرسکتا ہوں۔

کارِ کوثر چیست کہ ہر سوختہ
کوثر کا کام کیا ہے؟ یعنی ہر جلا ہوا

گرد د از وے نابت و اندوختہ
اس سے اُگ جانے والا اور مجتمع ہو جائے

قطرہ قطرہ اُو منادیٔ کرم
اس کا قطرہ قطرہ کرم کا منادی ہے

کانچہ دوزخ سوخت من باز آورم
کہ جو دوزخ نے جلایا ہے میں لوٹا دوں گا

ہمچو مرہم بر سرِ زخمِ عفن
جس طرح سڑے ہوئے زخم پر مرہم

ینبت لحماً جدیداً خالصاً
خالص نیا گوشت اگا دیتا ہے

ہست دوزخ ہمچو سرمائے خزاں
دوزخ جاڑوں کی خزاں کی طرح ہے

ہست کوثر چوں بہار و گلستاں
کوثر بہار اور چمن کی طرح ہے

ہست دوزخ ہمچو مرگ و چوں فنا
دوزخ، موت اور فنا کی طرح ہے

ہست کوثر نفخِ صُور از کبریا
کوثر، اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے صور کا پھونکنا ہے

ہست دوزخ ہمچو مرگ و خاکِ گور
دوزخ، موت اور قبر کی مٹی کی طرح ہے

ہست کوثر بر مثالِ نفخِ صُور
کوثر، صور پھونکنے کی طرح ہے

اے ز دوزخ سوختہ اجسامِ تاں
اے وہ کہ تمہارے جسم دوزخ سے جل چکے ہیں

سُوئے کوثر میکشد اکرام تاں
(اللہ کا) کرم تمہیں کوثر کی جانب کھینچتا ہے

حلِ لغات

نابت۔ اگنے والا۔ اندوختہ۔ جمع شدہ۔
۳ قطرہ۔ کوثر کا ایک ایک قطرہ پکار کر کہتا ہے کہ میرے قریب آ جاؤ میں جلے ہوئے کو دوبارہ جسم عطا کر دونگا میری مثال مرہم کی سی ہے جو سڑے ہوئے زخم پر دوبارہ عمدہ گوشت پیدا کر دیتا ہے۔
دوزخ۔ دوزخ موسم خزاں کی طرح اور کوثر موسم بہار کی طرح ہے دوزخ موت ہے کوثر نفخِ صور ہے جس سے مُردے زندہ
۵ اے۔ جو لوگ دوزخ کی آگ سے جل گئے ہیں ان کو اللہ کا کرم کوثر کی جانب بلاتا ہے

شرح

اوپر مولانا نے ایاز کو کوثر سے تشبیہ دی تھی اور مقصود ایاز سے عبدِ حقیقی تھا پس یہ تشبیہ بکوثر حقیقت میں عبدِ حقیقی کی تھی۔ اسلئے اب اُس کوثر یعنی عبدِ حقیقی کی کچھ تعریف کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوثر (عبدِ حقیقی) کا کام کیا ہے اس کا کام یہ ہے کہ ہر سوختۂ دوزخ (آتش حرص و ہوا) اس سے تعلق پیدا کر کے صحیح الجسم اور مجتمع الاجزاء ہو جائے یعنی اس کے روحانی حالت درست کر دے اور اس کا قطرہ قطرہ (جزو جزو) وفورِ کرم سے ندا کر رہا ہے کہ جو کچھ اس دوزخ نے جلا دیا ہے۔ میں اسکو دوبارہ پیدا کر سکتا ہوں (جس قدر تم کو آتش حرص و ہوا سے نقصان پہنچا ہے میں اسکی تلافی کر سکتا ہوں) جس طرح مرہم سڑے ہوئے زخم پر لگ کر نیا اور خالص گوشت پیدا کر دیتا ہے پس دوزخ [آتش حرص و ہوا] کی ایسی مثال ہے جیسے سرمائے خزاں اور کوثر [عبدِ حقیقی] کی ایسی مثال ہے جیسے بہارِ گلستان اور دوزخ مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے مرگ اور فنا اور کوثر مذکور کی ایسی مثال ہے

جیسے حق سبحانہ کا نفخ صور اور دوزخ مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے مرگ اور خاک گور اور کوثر مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے نفخ صور۔ پس اے وہ لوگو! جس کے اجسام دوزخ سے جل چکے ہیں اور جو کہ حرص و ہوا سے تباہ ہو چکے ہوں۔ تم اس کوثر (عبدِ حقیقی) سے تعلق پیدا کرو اس کا تم پر کرم تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اس مضمون ارشادی کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں مگر عنوان بدل دیا ہے کیونکہ مضمون سابق میں صورت قصہ کا لحاظ تھا گو اس میں بھی حقیقت کا رنگ بہت کچھ تھا۔ اور اس مضمون میں صاف طور پر حقیقت کا رنگ غالب ہے یعنی وہ مضمون بلسان ایاز معروف تھا اور یہ مضمون بلسان عبد حقیقی ہے اور اس میں مخاطب محمود تھا اور اس میں مخاطب حضرت حق ہیں۔

چوں خلقت الخلق کے یربح علی

جبکہ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع اٹھائے

لطف تو فرمود اے قیوم و حی

اے حی قیوم تو نے مہربانی فرمائی ہے

لا لان اربح علیہم جود تست

نہ یہ کہ میں ان سے نفع کماؤں "تیری عطا ہے

کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

تاکہ اس سے سب ناقص مکمل بن جائیں

عفو کن زیں ناقصانِ تن پرست

ان ناقص تن پرستوں کو معاف فرما دے

عفو از دریائے عفو اولیٰ ترست

معافی کے سمندر کیجانب سے معاف کرنا ہی بہتر ہے

عفو خلقاں ہمچو جوی و ہمچو سیل

مخلوق کی معافی، نہر کی طرح اور بہاؤ کیطرح

ہم بداں دریائے خود تازند خیل

اس ہی اپنے دریا کی جانب گھوڑا دوڑاتی ہے

عفوہا ہر شب ازیں دل پارہا

معافیاں ہر شب کو ان دل کے ٹکڑوں سے

چوں کبوتر سوئے تو آید شہا

اے شاہ! آپ کی جانب کبوتر کی طرح آتی ہیں

بازشاں وقتِ سحر پراں کنی

تو ان کو پھر صبح کے وقت اڑا دیتا ہے

تا بشب محبوسِ ایں ابداں کنی

رات تک کیلئے ان جسموں میں قید کر دیتا ہے

پر زناں بارِ دگر در وقتِ شام

دوبارہ، شام کے وقت پر پھڑپھڑاتے ہوئے

می پرند از عشق آں ایوان و بام

عشق کیوجہ سے اس محل اور بالاخانے سے پرواز کرتی ہیں

تاکہ از تن تارِ وصلت بگسلند

یہانتک کہ وہ جسم سے جوڑ کا تار توڑ دیتی ہیں

پیشِ تو آیند کز تو مقبلند

آپکے پاس آجاتی ہیں کیونکہ وہ آپکے پاس آنیوالی ہیں

پر زناں ایمن ز رجع سر نگوں

سرنگوں (جماعت کی) واپسی سے مطمئن ہو کر اڑتی ہیں

در ہوا کانا الیہ راجعوں

ہوا میں کہ ہم اسی طرف لوٹنے والی ہیں

١ چون۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے مخلوق اس لئے پیدا کی ہے تاکہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے نہ کہ اس لئے کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ کہ شود۔ یہ فرمانِ خداوندی اسی لئے ہے کہ اس کی ذات سے ناقص درست ہو جائیں۔

٢ عفو خلقاں۔ مخلوق کا معاف کرنا بھی اسی دریائے عفو کا ایک حصہ ہے۔ عفوہا۔ مخلوق کی معافیاں اپنی اصل کیطرف پرواز کرتی ہیں۔ کل شئی یرجع الی اصلہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ بازشاں۔ پھر اللہ تعالیٰ انکو دن بھر کے لئے انسانی بدنوں میں محبوس کر دیتا ہے اور پھر شام کے وقت اسی محل کیطرف پرواز کر جاتی ہیں۔

٣ تاکہ۔ یہ ان کی آمد و رفت اس وقت تک ہے جب تک کہ زندگی مقدر ہے۔ پر زناں۔ انکی پرواز فساق اور کفار کی پرواز کی طرح اوندھے منہ نہیں ہے۔

بانگ می آید تعالوا زاں کرم
اُس کرم کیجانب "آ، و" کی آواز آتی ہے

بعد ازاں رجعت نماند زیں درد و غم
اُس واپسی کے بعد رنج اور غم باقی نہیں رہے گا

بس غریبیہا کشیدید از جہاں
تم نے دنیا میں بہت سے پردیسی پن برداشت کئے

قدرِ من دانستہ باشید اے مہاں
اے بزرگو! تم نے میری قدر جان لی ہے

زیرِ سایہ ایں درختم مستِ ناز
میرے اس درخت کے سایہ میں ناز سے مست ہو کر

ہیں بیفزاید پاہا را دراز
آگاہ! پاؤں ... سے پھیلا دو

پایہاۓ پُر عناں از راہِ دیں
وہ پاؤں جو دین کے راستہ میں تھکے ہوئے ہیں

بر کنار و دستِ حوراں خالدیں
ہمیشہ رہنے والی حوروں کی گود اور ہاتھوں میں

حوریاں گشتہ مغمز مہرباں
غمزہ کرنے والی حوریں، مہربان ہو گئیں

کز سفر باز آمدند ایں صوفیاں
کہ یہ صوفی سفر سے واپس آئے ہیں

صوفیانِ صافیاں چوں نورِ خور
ایسے صاف صوفی جیسا کہ سورج کا نور

مدتے اُفتادہ بر خاک و قذر
جو ایک مدت تک مٹی اور پلیدگی میں پڑے رہے

بے اثر پاک از قذر باز آمدند
بغیر کسی نشان کے پلیدی سے پاک واپس آئے ہیں

ہمچو نورِ خور سوۓ قرصِ بلند
جس طرح کہ سورج کا نور بلند ٹکیہ کی جانب

ایں گروہِ مجرماں ہم اے مجید
اے بزرگ! خطا کاروں کا یہ گروہ بھی

جملہ سر ہاشاں بدیوارے رسید
ان سب کا سر دیوار کی جانب میں پہنچ گیا

بر خطا و جرمِ خود واقف شدند
اپنے جرم اور خطا سے واقف ہو گئے ہیں

گرچہ ماتِ کعبتینِ شہ بُدند
اگرچہ وہ شاہ کی کعبتین سے مات کھائے ہوئے تھے

رُو بتو کردند اکنوں آہ کناں
اب آہیں بھرتے ہوئے انہوں نے تیری جانب رخ کیا ہے

اے کہ لطفت مجرماں را رہ کناں
اے وہ کہ تیری مہربانی خطا کاروں کو راستہ دکھانیوالی ہے

راہ دہ آلودگاں را العجل
آلودہ ہو جانیوالوں کو بہت جلد راستہ عطا کر

در فراتِ عفو و عینِ مغتسل
معافی کی نہر اور نہانے کے چشمہ کا

تا کہ غسل آرند زاں جرمِ دراز
تاکہ اس لمبی خطا سے غسل کریں

در صفِ پاکاں روند اندر نماز
نماز میں پاکوں کی صف میں شامل ہو جائیں

اندراں صفہا ز اندازہ بروں
اُن صفوں میں اندازے سے زیادہ

غرقگانِ نورِ نحن الصافون
"ہم صف باندھنے والے ہیں" کے نور میں غرق ہیں

بانگ۔ اُن کی واپسی پر اللہ کا کرم آواز دیتا ہے کہ آجاؤ اب اس واپسی کے بعد دنیا کا درد اور رنج ختم ہو جائے گا۔
۵۱ بس غریبیہا۔ اُن سے کرم خداوندی کہتا ہے تم نے مسافر کی تکلیفیں اٹھائی ہیں اب کرم کے سایہ میں پاؤں پھیلا کر سو جاؤ۔ پایہای۔ اب اُن پاؤں کو جنھوں نے اللہ کی عبادتوں میں بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں حوروں کے ہاتھوں اور پہلوؤں میں پھیلا دو۔ مغمز۔ غمزہ کرنے والا۔ صوفیاں۔ ان لوگوں کی حالت سورج کی روشنی کی سی ہے جو مٹی اور نجاستوں پر سے بھی گذرتی ہے لیکن پاک و صاف سورج کی طرف لوٹ آتی ہے یہ صوفی بھی دنیا کی نجاستوں پر سے پاک و صاف گذر کر واپس آتے ہیں۔
۵۲ ایں گروہ۔ خطاوار بھی اب شرمندہ ہیں۔ سر بدیوار شدن۔ شرمندہ ہونا۔ بر خطا۔ اگرچہ وہ قدرت سے مغلوب تھے لیکن اپنے جرم و خطاء سے واقف ہیں۔
شعر

[illegible]

کعبتین۔ دو نردیں ہوتی ہیں جنمیں سے ہر ایک کی چھ سطحیں ہوتی ہیں اور ہر سطح پر عدد کندہ ہوتا ہے اُن سے بازی کھیلی جاتی ہے۔
۵۳ عینِ مغتسل۔ وہ چشمہ جس میں حضرت ایوبؑ کو غسل کرایا گیا تھا تاکہ پاک ہو کر نماز میں

شریک ہو سکیں۔ اندراں۔ اُن صفوں میں اندازے سے زیادہ نمازی ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ فرشتوں کا مقولہ ہے اور بیشک ہم صفیں باندھنے والے ہیں۔

چوں سخن[1] در وصفِ ایں حالت رسید
جب بات اِس حالت کے بیان میں پہنچی

ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید
قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا

بحر را پیمودہ ہیچ اُسکرہ
کسی سکورے نے سمندر کو ناپا ہے؟

شیر را بر داشت ہرگز برۂ
کسی بکری کے بچے نے شیر کو اُٹھایا ہے؟

گر حجابستت بروں رو زا حتجاب
اگر تیرے لئے پردہ ہے، پردہ پوشی سے باہر نکل

تا بہ بینی بادشاہیِ عُجاب
تاکہ تو عجب بادشاہی دیکھے

[1] سخن یعنی اسرار شفاعت کا بیان بحر۔ اسرار کا ایک بے پایاں سمندر ہے اور ہماری ثنا اُس پر تیرنے والے سکورے کی سی ہے سکورہ سمندر کو نہیں ناپ سکتا نہ بکری کا بچہ شیر کو اٹھا سکتا ہے۔ گر حجابستت۔ اگر اسرار تجھے نظر نہیں آتے تو حجاب سے باہر نکلنے کی کوشش کر پھر عجیب بادشاہی دیکھے گا

شرح یعنی عبد حقیقی اپنے بادشاہ حقیقی سے بوقت سفارش مخلوق کہتا ہے کہ اے قیوم حی۔ جبکہ آپنے مخلوق کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ آپ سے نفع حاصل کریں اور اسلئے پیدا نہیں کیا کہ آپ کو ان سے نفع ہو۔ چنانچہ آپنے اپنی عنایت سے فرمایا ہے کہ خلقت الخلق کی یں بح علیَّ۔ لا لان ا ربح علیھم اور یہ خلقت الخلق الخ آپ کی ایک ایسی سخاوت ہے جس سے تمام ناقصین کامل ہو سکتے ہیں تو آپ ان تن پرست ناقصین کا قصور معاف فرمائیے کیونکہ دریائے عفو سے عفو ہی زیادہ مناسب ہے آپ دریائے عفو ہیں اور تمام مخلوق کی عفو ندی نالوں کی طرح سب کی سب اپنے اپنے اسی دریا کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس سے وہ نکلے ہیں۔ چنانچہ ہر رات کو جس وقت سب لوگ سو جاتے ہیں اور ان کے قلوب عفو سے خالی ہو جاتے ہیں۔ اس وقت وہ آپ ہی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور آپ ہی ... کے قبضہ میں آجاتے ہیں لیکن جب صبح ہوتی ہے تو پھر آپ انکو آزاد کر دیتے ہیں اور وہ پھر اپنی اپنی جگہ آجاتے ہیں اور رات تک آپ ان کو ابدان میں محبوس رکھتے ہیں مگر پھر شام کے وقت اپنے مقر اصلی کے عشق میں پھڑ پھڑاتے ہوئے اڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موت کے وقت جسم سے بالکل تعلق منقطع کر دیتے ہیں اسوقت وہ بالکل آپ کے پاس آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ سعادت حاصل ہے آپ کی ہی جانب سے اور آپ کی ہی عطا کی ہوئی ہے اسلئے ان کا ملجا و ماوٰے آپ ہی ہیں۔ ——— یہ طائرانِ گلشن قدس اور یہ اڑنے والے جو کہ رجعت

نامحمود سے امین ہیں اور جن کی رجعت فساق کی طرح نامحمود نہیں ہے یعنی اہل اللہ تو ہوا میں یہ کہتے ہوئے لوٹے ہیں کہ اب ہم اپنے مالک کی طرف لوٹتے ہیں اور انکو آپ کے کرم سے آؤ آؤ کی آواز پہنچ رہی ہے اور ان سے کہا جارہا ہے کہ تم کو دنیا میں بہت تکلیف اٹھانی پڑی لیکن وہ تکلیف بھی فائدہ سے خالی نہ تھی کیونکہ اسکے سبب اس وقت تمہیں میری قدر معلوم ہوئی ہوگی پس اگر وہ تکلیف نہ ہوتی تو تم کو اس راحت کی قدر نہ ہوسکتی تھی "خیر گذشت آنچہ گذشت"

اب تم میرے ظلِ عاطفت میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوؤ۔ اور ان کے وہ پاؤں جو سلوک راہِ دینی۔۔ سے چور چور ہو گئے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے حوروں کی بغل اور ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ نہایت محبت سے آپکے پاؤں دبا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ صوفی سفر سے واپس آئے ہیں۔ صوفی جو کہ نورِ آفتاب کی طرح پاک صاف ہیں ایک عرصہ تک خاک اور گندگی پر پڑ کر بلا اثر کدورت اور پاک از گندگی یوں واپس آئے ہیں جیسے نورِ خورشید قرصِ خورشید کی طرف واپس آتا ہے لہٰذا ان کے پاؤں دبانا ضروری ہیں۔ لیکن اے شہنشاہ عالیجاہ! اس مجرم جماعت کی حالت بھی قابلِ رحم ہے کیونکہ اب یہ اپنے قصور پر نادم ہیں اور اپنے سروں کو دیوار سے ٹکراتے ہیں۔ اور گو آپکے امتحان میں انکو ناکامی ہوئی ہے لیکن اب یہ اپنی خطا پر مطلع ہو گئے ہیں اور رونے پیٹنے آپ کی طرف آئے ہیں پس اے مجرموں کے لیے نجات کی سبیل پیدا کرنے والے بادشاہ آپ جلدی سے ان گندوں کو بھی فراتِ عفو اور چشمۂ غسل میں داخل ہونے کی اجازت دیجیے تاکہ یہ لوگ اس میں نہا کر اپنے بے حد گناہوں سے پاک صاف ہوجائیں اور پاکوں کی صف میں داخل ہو کر ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائیں یعنی ان صفوں میں داخل ہوجائیں جو کہ حد قیاس سے باہر اور نور میں غرق اور انا لنحن الصافون، انا لنحن المسبحون کا مصداق ہیں ـــــ اب مولانا کی نظروں میں اس ہولناک حالت ـــــ اور اس کا نقشہ کھینچ جاتا ہے اور وہ مرعوب ہو کر فرماتے ہیں کہ جب اس حالت کے بیان تک نوبت پہنچی تو قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا۔ کیونکہ وہ تو ایک سمندر ہے اور کاغذ

ایک سکورہ۔ پس بھلا سکورہ کہیں سمندر کو اپنے اندر سما سکتا ہے اور وہ ایک شیر ہے اور قلم بکرے کا بچہ۔ پھر کہیں بکرے کا بچہ شیر کو اٹھا سکتا ہے جب نہیں اٹھا سکتا تو قلم اس کا تحمل کیونکر کر سکتا ہے پس تم خود اسکو دیکھ لو۔ اور اگر تم محجوب ہو تو حجاب سے نکلو تا کہ تم اس عجیب بادشاہی کو دیکھ سکو۔ جس کا نقشہ ہم تمہارے سامنے کھینچ رہے ہیں۔ مگر پورے طور پر کھینچنے سے قاصر ہیں۔

اسکے بعد مولانا پھر عنوان بیان کو بدلتے ہیں اور بیان میں صورت قصہ کی رعایت رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گرچہ بشکنند جامت قومِ مست
اگرچہ مست قوم نے تیرے جام کو توڑا ہے
آنکہ مست از تو بود عذریش ہست
جو تیرا مست ہو اُس کے لیے ایک عذر ہے

مستیِ[۲] ایشاں باقبال و کمال
اُن کی مستی اقبال اور کمال کی مستی
نے زبادہ تست اے شیریں فعال
(کیا) اے شیریں کارناموں والے تیری شراب سے نہیں ہے؟!

اے شہنشہ مستِ تخصیصِ تواند
اے شہنشاہ! وہ تیرے خاص کر دینے کی وجہ سے مست ہیں
عفو کن از مستِ خود اے عفو مند
اے معافی دینے والے! اپنے مست کو معاف کر دے

لذتِ تخصیصِ تو وقتِ خطاب
خطاب کے وقت، تیرے خاص کرنے کی لذت
آں کند کہ ناید از صد خمِ شراب
وہ کرتی ہے جو شراب کے سیکڑوں مٹکوں سے نہیں ہوتا

چونکہ مستم کردۂ حدم مزن
جب تو نے مجھے مست کر دیا، مجھ پر حد جاری نہ کر
شرعِ مستاں را نیارد حد زدن
شریعت مستوں پر حد جاری نہیں کرتی ہے

چوں شوم ہشیار آنگاہم بزن
جب میں ہوشیار ہو جاؤں اُس وقت لگانا
کہ نخواہم گشت خود ہشیار من
کیونکہ میں ہوشیار ہی نہ ہوں گا

گرچہ۔ ایاز کا مقولہ ہے کہ اگرچہ ان مست قوم نے آپ کے حکم کا جام توڑا ہے لیکن چونکہ یہ آپ کے مست ہیں لہذا معذور ہیں۔

[۲] مستی۔ ان کی مستی اس رتبہ اور مال کی وجہ سے ہے جو آپ نے اُن کو دیا ہے۔ تخصیص۔ یعنی چونکہ تو اُن سے خصوصیت برتتا ہے اس لئے یہ مست ہو گئے ہیں۔۔۔ وقتِ خطاب۔ جب تو اُن سے خاص طور پر خطاب کرتا ہے تو اُن پر شراب کے سیکڑوں خموں کی مستی طاری ہو جاتی ہے۔ چونکہ شرعی حکم ہے کہ مست پر نشہ کی حالت میں شراب پینے کی حد یعنی کوڑے نہیں لگائے جاتے ہیں بلکہ جب مست کا نشہ دور ہو جاتا ہے تب اس کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔

شرح یعنی ایاز نے کہا کہ اگرچہ اس قوم مست نے آپ کا جام امر توڑا ہے لیکن ان کو آپ نے مست کیا ہے اور جو آپ کے مست کرنے سے مست ہو وہ معذور ہے۔ پس یہ لوگ معذور ہیں آپ اُن کا قصور معاف فرما دیجئے اگر یہ کہا جائے

کہ ان کی مستی جاہ و مال سے ناشی ہے تو کیا وہ آپ کے شراب سے نہیں ہے ضرور ہے کیونکہ وہ بھی آپ کا ہی دیا ہوا ہے پس یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کو آپ نے مست کیا ہے خیر اگر اس کو بھی جانے دیجئے! تب بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ انکو آپ نے مست کیا ہے کیونکہ وہ آپ کی... تخصیص بالخطاب سے مست ہیں یعنی آپ نے جو ہر ایک شخص کو خصوصیت کے ساتھ موتی دکھلایا اور کہا کہ اسے توڑ دو۔ اس تخصیص نے انہیں اس قدر خود رفتہ کر دیا کہ ان کو کچھ بھی ہوش نہ رہا اور ان سے قصور ہو گیا ایسی حالت میں آپ انکو معاف کر دیجئے کیونکہ آپ کی تخصیص بوقت خطاب کے لذت وہ کام کرتی ہے جو سو مٹکے بھر شراب نہیں کر سکتی۔ نیز جبکہ آپ نے ان کو مست کیا ہے اور وہ مست ہیں تو اس حالت میں ان کو سزا نہ دیجئے کیونکہ شریعت بحالتِ مستی مستوں پر حد نہیں قائم کرتی ہاں! جب وہ ہوش میں آجائیں اس وقت شوق سے سزا دیجئے۔ لیکن وہ قیامت تک ہوشیار نہ ہوں گے پس جبکہ سزا مقدر ہے تو.. معافی مناسب ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں یہ بھی احتمال ہے کہ بلسان عبد حقیقی ہوں اور خطاب سے مراد خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ہو۔ یا خطابات ہوں جو کہ احکام عامہ کے ضمن میں ہیں جیسے اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ والظاہر عندی ہو الاول۔ واللہ اعلم) اس مقام پر چونکہ مولانا نے محمود کے پردہ میں یا بلسان عبد حقیقی براہِ راست حق سبحانہٗ کی تعریف کی تھی اسلئے اس سے مولانا پر وجد کا غلبہ ہوتا ہے اور فرماتے ہیں۔

ہر کہ از جامِ تو خورد اَے ذُوالْمِنَن	تا ابد رست از ہُش و از خُد زدن
اے احسانوں والے جس نے تیرے جام سے پی لی	وہ ہمیشہ کیلئے ہوش سے اور معمر جاری کرنے سے بچ گیا
خَالِدِیْنَ فِیْ فَنَاءِ سُکْرِھِمْ	مَنْ یُّفَانِیْ فِیْ ھَوَاکُمْ لَمْ یَقُمْ
وہ اپنے نشہ کی فنا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں	جو تمہاری محبت میں فنا ہوا وہ کھڑا نہیں ہوا
فضلِ تو گوید دلِ ما را کہ رَو	اے شُدہ در دوغِ عشقِ ما گرو
تیری مہربانی، ہمارے دل سے کہتی ہے، کہ جا	اے وہ کہ ہمارے عشق کی چھاچھ میں گروی ہو گیا ہو

ﷺ کر محو اہم۔ لیکن ہر ایسا مست ہوں کہ ہیں کی مستی تیرے جام کی مستی ہے جو قیامت تک زائل نہیں

ہو سکتی۔ خالدین۔ جو تیرے عشق میں فنا ہو گیا وہ پھر کبھی نہیں سنبھلا۔ فضلِ تو۔ تیری مہربانی ہماری مستی کے عذر پر کہتی ہے کہ تو اگرچہ ہمارے جام کا مست نہیں ہے بلکہ چھاچھ پی کر مستی کا اظہار کر رہا ہے لیکن پھر بھی تیرا عذر قبول کرتے ہیں۔

چوں نگس در دو غِ ما افتادہ
تو مکھی کی طرح ہمارے دوغ میں گرا ہے

تو نہ مست اے مگس تو بادہ[1]
اے مکھی، تو مست نہیں ہے تو ایسی شراب ہے

کرگسان مست از تو اے مگس
اے مکھی! گدھ تجھ سے مست ہو جائیں گے

چونکہ بر بحرِ عسل رانی فرس
جب تو شہد کے سمندر پر گھوڑا دوڑائے گی

کوہہا چوں ذرّہا سر مستِ تو
ذرّوں کی طرح پہاڑ، تیرے مست ہیں

نقطہ و پرکار و خط در دستِ تو
نقطہ اور پرکار اور خط تیرے ہاتھ میں ہیں

فتنہ کہ لرزند زو لرزانِ تست
وہ فتنہ جس سے لرزتے ہیں تجھ سے لرزتا ہے

ہر گراں قیمت گہر ارزانِ تست
ہر گراں قیمت موتی، تیرے لئے سستا ہے

گر خدا دادے مرا پانصد دہاں[2]
اگر خدا مجھے پانچ سو منھ دیتا

گفتمے شرحِ تو اے جانِ جہاں
تو اے جانِ جہاں! میں تیری شرح کرتا

یک زباں دارم من آنہم منکسر
میں ایک زبان رکھتا ہوں وہ بھی ٹوٹی ہوئی

در خجالت از تو اے دانائے سر
اے راز کو جاننے والے! تجھ سے شرمندگی میں

منکسر تر خود نباشم از عدم
میں خود عدم سے زیادہ ٹوٹا ہوا نہیں ہوں

کز دہانش آمد ستند ایں امم
جس کے منھ سے یہ اُمتیں آئی ہیں

صد ہزار آثارِ غیبی منتظر
لاکھوں غیبی آثار منتظر ہیں

کز عدم بیروں جہد با لطف و بر
کہ پاکیزگی اور بھلائی کیساتھ عدم سے باہر نکل آئیں

از تقاضائے تو میگردد سرم[3]
تیرے ہی تقاضے سے میرا سر گردش کرتا ہے

اے بمردہ من بہ پیشِ آں کرم
اے وہ کہ میں اس کرم کے سامنے جان دے چکا ہوں

رغبتِ ما از تقاضائے تو است
ہمارا راغب ہونا تیرے تقاضے سے ہے

جذبۂ حق ست ہر جا رہرو ست
جہاں کہیں رہرو ہے اللہ (تعالیٰ) کا جذبہ ہے

خاک بے بادے ببالا کے جہد
غبار بغیر ہوا کے اوپر کب جاتا ہے؟

کشتیِ بے بحر پا در رہ نہد
بغیر دریا کی کشتی راہ میں پاؤں رکھتی ہے؟

پیشِ آبِ زندگانی کس نمرد
آبِ حیات کے سامنے کوئی نہیں مرا

پیشِ آبت آبِ حیوانست درد
تیرے پانی کے سامنے آبِ حیات تلچھٹ ہے

آبِ حیواں[4] قبلۂ جاں دوستاں
آبِ حیات جان سے دوستی رکھنے والوں کا قبلہ ہے

زاب باشد سبز و خنداں بوستاں
پانی سے باغ سبز و خنداں ہوتا ہے

---

[1] تو بادہ۔ اس کا تعلق آئندہ شعر سے ہے یعنی با ایں ہمہ تو ایسی شراب ہے کہ کرگس یعنی اہلِ دل تجھ سے مستی حاصل کرتے ہیں۔ بحرِ عسل۔ یعنی اسرارِ حقیقت۔ کوہہا۔ اب تیری ہستی کا یہ حال ہے کہ جملہ کائنات تیرے تصرف میں ہے۔ فتنہ۔ دنیا کے مصائب تجھ سے لرزہ بر اندام ہیں اور دنیا کی ہر قیمتی چیز تیرے لئے بے قیمت ہے۔

[2] گر خدا۔ یہ بھی ایاز کا مقولہ ہے اور جانِ جہاں سے مراد سلطان ہے یا یہ مولانا کا مقولہ ہے اور جانِ جہاں سے سلطانِ حقیقی مراد ہے۔ یک۔ ایک زبان ہے اور وہ بھی شرمندگی سے شکستہ ہے تو میں کیسے تیری تعریف کا حق ادا کر سکتا ہوں۔ از عدم۔ لیکن با ایں ہمہ کچھ نہ کچھ مجھے تعریف کرنی ہے اس لئے کہ میں عدم سے تو گیا گذرا نہیں ہوں اُس سے بھی غیبی آثار ظاہر ہوئے ہیں جو تجھ سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

[3] از تقاضائے۔ تیری ہی ذات کا تقاضہ ہے کہ میں اُس کے اوصاف بیان کروں اُس کرم پر میں قربان ہوں۔ رغبت۔ تعریف کی طرف ہماری رغبت تیرے تقاضے اور جذبے کی وجہ سے ہے۔ خاک۔ غبار ہوا کے سہارے اُڑتا ہے کشتی دریا کے سہارے چلتی ہے، اسی طرح ہمارا ہر کام تیرے جذبہ سے ہے۔ پیش۔ آبِ حیات ہر چیز کی زندگی کا سبب ہے لیکن تیرے آبِ رحمت کے مقابلہ میں وہ کمتر پانی ہے۔

مرگ آشاماں ز عشقش زندہ اند — دل ز جان و آبِ جاں برکندہ اند

موت کو پی جانے والے اُس کے عشق سے زندہ ہیں — جان اور آبِ حیات سے دل برداشتہ ہیں

آبِ عشقِ تو چو ما را دست داد — آبِ حیواں شد بہ پیشِ ما کساد

جب تیرے عشق کا پانی ہمارے ہاتھ آگیا — ہمارے سامنے آبِ حیات بیکار ہوگیا

ز آبِ حیواں ہست ہر جاں را نوی — لیک آبِ آبِ حیوانی توئی

آبِ حیات سے ہر جاں کو تازگی ہے — لیکن آبِ حیات کی زندگی تو ہے

ہر دمے مرگے و حشرے دادیم — تا بدیدم دستبردِ آں کرم

تو نے مجھے ہر لحظہ موت اور زندہ ہو جانا عطا کیا ہے — یہاں تک کہ میں نے اس کرم کا غلبہ دیکھ لیا ہے

ہمچو خفتن گشت ایں مُردن مرا — ز اعتمادِ بعث کردن اے خدا

یہ مرنا میرے لئے سونے کی طرح بن گیا ہے — اے خدا! حشر کے بھروسہ پر

ہفت دریا ہر دم ار گردد سراب — گوش گیری آوریش اے آبِ آب

ساتوں سمندر، اگر ہر وقت ریت بن جائیں — تو اُن کا کان پکڑ کے لے آئیگا اے پانی کی جان!

عقل لرزاں ز اجل و آں عشق شوخ — سنگ کے ترسد ز باراں چوں کلوخ

عقل موت سے لرزتی ہے اور وہ عشق بیباک ہے — پتھر ڈھیلے کی طرح بارش سے کب ڈرتا ہے؟

لہ آبِ حیوان۔ آبِ حیات کا ہیچ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ انکو وہ پسند کرتے ہیں جو اپنی جان کو بچانا چاہتے ہیں مرگ۔ لیکن جو لوگ فنا کو پسند کرتے ہیں وہ تیرے آبِ عشق سے زندہ ہیں اسی کیلئے آبِ حیات ہیچ ہے۔ ز آبِ حیواں۔ آبِ حیات سے ہر جان کو تازگی حاصل ہوتی ہے لیکن اس آبِ حیات کی زندگی تو ہے۔ ہر دمے۔ شعر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

۲ہ ہمچو خفتن۔ چونکہ مجھے موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہے لہٰذا میرے لئے موت کی حقیقت نیند سے زیادہ نہیں ہے۔ ہفت۔ تیرے دوبارہ زندگی عطا کرنے کا یہ حال ہے کہ اگر ساتوں سمندر خشک ہوکر ریت بن جائیں تو ان کا کان پکڑ کر کھینچ دیگا پانی بنا دو تو وہ پانی بن جائیں گے۔ عقل۔ عقل موت سے ڈرتی ہے اور عشق اس کے معاملہ میں لاپروا ہے کیا ڈھیلا بارش سے ڈرتا ہے پتھر کبھی نہیں ڈرتا۔

شرح

اے اللہ! جو کوئی آپ کا جامِ محبت پی لے وہ قیامت تک کے لیے عقل اور سزا سے نجات پا جاتا ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ آپکے سکر کی... بے خودی میں رہتے ہیں کیونکہ آپ کی محبت کا خاصہ ہے کہ جو ایک مرتبہ اس میں محو ہوگیا پھر اسے ہوش نہیں آتی۔ اور آپ کا کرم ہمارے دل سے کہتا ہے کہ اے ہمارے عشق کی بھٹی میں گرفتار دل چونکہ تو مکھی کی طرح ہمارے عشق کی بھٹی میں گر گیا ہے اور اس میں پھنس کر رہ گیا ہے اسلئے اب تیرا کمال بہت ترقی کر گیا ہے اور اس وقت تو مست ہی نہیں ہے بلکہ شراب یعنی دوسروں کو مست کرنے والا بھی ہے اور اے مکھی! جب تو... دریائے شہد پر گھوڑا دوڑائے گی یعنی اسرارِ الٰہیہ بیان کریگی تو کرگس یعنی صاحبِ دل تجھ سے مست ہوں گے۔ (ہکذا قیل۔ مگر میرے نزدیک مناسب تقریر یہ ہے کہ اے مکھی چونکہ تو بحرِ عسل پر گھوڑا دوڑاتی یعنی حق سبحانہٗ سے ملابست رکھتی ہے جو کہ معدنِ

لذت ہیں اسلئے تیرے ذریعہ سے گرگس یعنی ناقصین جو کہ اس لذت سے آشنا نہیں ہیں اس سے آشنا ہوں گے اور اُس سے آشنا ہو کر مست ہوں گے۔ پس سے تو سبب ہو گی ان کی مستی کا۔ وہذا ہو الحق انشاء اللہ تعالیٰ)

اور اے اللہ ذروں کی طرح پہاڑ بھی۔ اور معمولی ہستیوں کی طرح عظیم الشان ہستیاں بھی تجھ پر عاشق اور تیرے تابع فرمان ہیں اور نقطہ و پرکار اور خط۔ غرضکہ اسباب و مسببات جس قدر بھی ہیں سب تیرے قبضہ میں ہیں اور تیری یہ شان ہے کہ جس سے فتنہ لوگ کانپتے ہیں وہ خود تجھ سے کانپتا ہے اور جو گراں قیمت موتی اور جو اعلیٰ درجہ کا کمال رکھنے والی شئے ہے وہ تیرے سامنے بالکل بے وقعت ہے اگر میرے منہ میں پانسو زبانیں ہوتیں تو میں اپنے حوصلہ کے مطابق آپکی تعریف کرتا اب تو میرے ایک منہ ہے اور وہ بھی آپ سے شرمندگی کے سبب شکستہ ہے ایسی حالت میں میں آپ کی کیا تعریف کر سکتا ہوں۔ ارے میں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور کس کی تعریف سے گریز کر رہا ہوں۔ ایسا کرنا ہرگز ٹھیک نہیں کیونکہ گو میں شکستہ وہن ہوں مگر عدم سے زیادہ شکستہ نہیں ہوں جس کے منہ سے اتنی مخلوق نکل چکی ہے اور لاکھوں آثار غیبی ہنوز اس کے منہ سے نکلنے کے لئے تیار ہیں پھر میں کیوں ہمت ہاروں۔ اور گو شکستہ وہن ہوں مگر شکستہ ہمت کیوں بنوں اسلئے مجھے برابر اُسکی تعریف کرنی چاہیئے اور ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔

اس کے بعد پھر حق سبحانہٗ کو خطاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں کیا اور میری ہمت کیا یہ جو کچھ میں کرتا ہوں یا کرنے کا حوصلہ کرتا ہوں یہ سب آپ کا کرم ہے کہ آپنے میرے اندر تقاضائے حمد پیدا کیا اور یہ جو میرے خیالات گردش کرتے ہیں اور مجھے آپ کی تعریف کے متعلق خیالات پیدا ہوتے ہیں یہ سب آپکے تقاضے کا اثر ہے۔ اور میں تو آپکے کرم کے سامنے مردہ ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ جو کچھ کرتا ہوں آپکے فضل و کرم سے کرتا ہوں۔ رغبت آپکے تقاضے کا اثر ہے اور جو کوئی بھی کسی راہ پر چلتا ہے وہ آپ کا ہی جذب ہوتا ہے کیونکہ اُسکی مثال ایسی ہے

جیسے خاک اور آپ کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا۔ یا یوں کہیئے کہ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کشتی اور آپکی مثال ایسی ہے جیسے دریا۔ پس جس طرح خاک بدوں ہوا کے نہیں اُڑ سکتی اور کشتی بدوں دریا کے حرکت نہیں کر سکتی۔ یوں ہی کوئی سالکِ راہ بدوں.. آپکے جذب کے نہیں چل سکتا۔

ارے! میں نے غضب کیا کہ اپنے کو مُردہ کہہ دیا۔ بھلا میں آپ سے تعلق رکھتے ہوئے مردہ کیسے ہو سکتا ہوں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ آبِ حیات کے ہوتے ہوئے کوئی نہیں مرتا پس میں آپکے ہوتے ہوئے کیسے مر سکتا ہوں کیونکہ آپکے آب حیات کے سامنے تو آبِ حیات معروف ایک بے حقیقت شے ہے اسلئے کہ آب حیات معروف سے جان حیوانی حاصل ہوتی ہے اور اسلئے وہ...... مقصود ہے۔ اہل دنیا کا جن کو جان پیاری ہے اور آپ کے آبِ حیوان سے گلشن روح سرسبز و شاداب ہوتا ہے پس وہ مطلوب ہے اہل اللہ کا۔ اور یہ مرگ آشام لوگ یعنی اہل اللہ اسی کے عشق سے زندہ ہیں اور اسی کے عشق میں نہ ان کو جان سے تعلق رہا ہے اور نہ آب حیوان سے۔ اور اے اللہ! جب سے کہ ہم کو آپکے عشق کا آب حیات ملا ہے اسس وقت سے آبِ حیات ہماری نظروں میں حقیر ہو گیا ہے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ آبِ حیات سے ہر جان کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ مگر جس سے آبِ حیات کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے وہ تو آپ ہی ہیں پھر آپکے سامنے ہم آبِ حیات کو کیا خاطر میں لا سکتے ہیں۔ اور اے اللہ! آپنے ہر دم مجھے ایک تازہ موت اور ایک جدید حیات عطا کی ہے یہاں تک کہ مجھے آپکے کرم کی سخاوت معلوم ہو گئی۔ اور اب مرنا میرے نزدیک بمنزلہ سونے کے ہو گیا کہ جس طرح آدمی کو سونے سے وحشت نہیں ہوتی یونہی اب مجھے موت سے وحشت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مجھے اعتماد ہے کہ اگر تو مجھے مار یگا تو پھر زندہ کر دے گا کیونکہ تجھے زندہ کر دینا آپکے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں اسلئے کہ آپ کی قدرت کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ساتوں سمندر معدوم ہو جائیں تو پھر آپ اُن کو کان پکڑ کر لا سکتے ہیں اور موجود کر سکتے ہیں نیز

میں موت سے ڈر کیسے سکتا ہوں اسلئے کہ موت سے عقل ڈرتی ہے۔ رہا عشق سو وہ موت پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ عشق کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر اور عقل کی مثال ایسی ہے جیسے ڈھیلا۔ اور موت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش۔ پس جس طرح کہ بارش سے پتھر نہیں ڈرتا۔ مگر ڈھیلا ڈرتا ہے یوں موت سے عقل ڈرتی ہے اور عشق نہیں ڈرتا۔ اور میں عاشق ہوں نہ کہ عاقل۔ اسلئے مجھے موت سے کچھ خوف نہیں ہوتا (فائدہ: ہر دمے مرگے و حشرے دادیم میں مرگ و حشر سے روح کی حالت اولیٰ کا زوال۔ اور اس میں نئی حالت بہتر از سابق کا پیدا ہونا ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ ہر وقت مجھے ترقی روحانی حاصل ہوتی ہے جس سے میری پہلی حالت زائل ہوتی۔ اور جدید حالت اس سے بہتر حاصل ہوتی ہے) اور ممکن ہے کہ اس میں مسئلہ تجدد امثال کی طرف اشارہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عالم ہر دم فنا ہوتا ہے اور اس کے بعد فوراً ہی موجود ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

ازصحاف[۵۵] مثنوی ایں پنجم ست
مثنوی کے دفتروں میں سے یہ پانچواں ہے

دَر بروجِ چرخِ جاں چوں انجم ست
جان کے آسمان کے برجوں میں ستاروں کی طرح ہر

رَہ نیابد از ستارہ ہر حواس
ہر حواس ستارے سے راستہ نہیں پا سکتا ہے

جُز کشتیبانِ اَستارہ شناس
ملاح ستارے کو پہچاننے والے کے سوا

جُز نظارہ نیست قسمِ دیگراں
دوسروں کا حصہ سوائے نظارہ کے نہیں ہے

از سعودش غافل اَندواز قراں
وہ اس کی نیک بختی، اور میل سے غافل ہیں

آشنائی گیر شبہا تا بروز
راتوں اور دنوں سے دوستی رکھ

باچنیں استارہائے دیو سُوز
اس طرح کے شیطان کو جلانے والے ستاروں سے

ہر یکے[۵۶] دَر دفعِ دیوِ بدگماں
بدگمان شیطان کے دفع کرنے میں ہر ایک

ہَست نفط اندازِ قلعہ آسماں
آسمان کے قلعہ سے، نفط پھینکنے والا ہے

اختر ار با دیو ہمچوں عقرب ست
ستارہ اگر دیہ شیطان کے لئے بچھو کی طرح ہے

مُشتری را او وَلیُّ الاَقرب ست
خریدار کے لئے وہ قریبی دوست ہے

[۵۵] صحاف۔ صحفہ کی جمع ہے بمعنی پیالہ بعض نسخوں میں صحائف ہے جو صحیفہ بمعنی کتاب کی جمع ہے مراد مثنوی کے دفتر ہیں۔ رہ نیابد۔ جس طرح ستارے سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مثنوی سے ہر شخص مستفید نہیں ہو سکتا سعودش۔ یعنی ستاروں کے [۵۶] ہر یکے۔ ستارے شیطان کو جلا دیتے ہیں۔ نفط۔ ایک آتشگیر مادہ ہے۔ اختر۔ مولانا نے مثنوی کے دفاتر کو بمنزلہ ستاروں کے قرار دیا ہے اور جان کیلئے وہ بروج ثابت کئے ہیں جو آسمان میں برج ہیں لہٰذا ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جنکے لفظی معنی بھی مراد لئے جا سکیں اور وہ ستاروں اور برجوں کے

نیک اثرات۔ اقتراں۔ دو ستاروں کا باہم ملنا۔ آشنائی۔ مثنوی سے شغل رکھو، شیطان سے نجات حاصل کرو گے۔

قوس اگر از تیر دوزد دیو را
کمان اگر شیطان کے تیر چھید دینے والی ہے

دَلو پُر آب ست زرع و میوہ را
ڈول، کھیتی اور میوے کے لئے پانی سے لبریز ہے

حوت اگرچہ کشتیِ غی بشکند
مچھلی اگرچہ گمراہی کی کشتی کو شکستہ کرتی ہے

دوست را چوں ثور کشتے میکند
دوست کے لئے بیل کی طرح کھیتی بوتا ہے

شمس اگر شب را بدرد چوں اسد
سورج اگر رات کو شیر کی طرح پھاڑ دیتا ہے

لعل را زو خلعتِ اطلس رسد
لعل کو اس سے اطلسی خلعت ملتی ہے

صورتِ خرچنگ اگرچہ کجرو ست
کیکڑے کی صورت اگرچہ ٹیڑھی چال کی ہے

ہیئتِ میزاں ازو بیروں شو ست
ترازو کی ہیئت اس سے الگ ہے

پیشہ مریخ اگر خونریزی ست
مریخ کا پیشہ اگرچہ خونریزی ہے

او زبونِ شمسیِ تبریزی ست
وہ تبریزی سورج سے مغلوب ہے

گرچہ در تاثیر نحس آمد زحل
زحل اگرچہ تاثیر میں منحوس ثابت ہوا ہے

دقتِ فکر آید از وے در عمل
عمل میں اس سے فکر کی باریکی پیدا ہوتی ہے

ماہم از مہر ار دو کف بر ہم زند
میرا چاند سورج کی وجہ سے اگر دونوں ہتھیلیاں بجا رہا ہے

زہرہ نبود زہرہ را تا دم زند
زہرہ کا پتہ نہیں ہے کہ دم مارے

بل عطارد خانۂ خود گم کند
بلکہ عطارد اپنا گھر گم کر دیتا ہے

وز جنوں او جوزِ جوزا بشکند
اور دیوانہ پن سے جوزا کا اخروٹ توڑ دیتا ہے

مشتری را دست لرزد دل طپید
مشتری کا ہاتھ لرزتا ہے، دل تڑپتا ہے

بر سرِ آب اوفتد مہ چوں سبد
چاند ٹوکری کی طرح پانی پر پڑا ہے

نسرِ طائر را بریزد پر ز شرم
نسر طائر کے شرم سے پر جھڑتے ہیں

وز طمع تنّیں شود چوں موم نرم
اژدھا لالچ سے موم کی طرح نرم ہو جاتا ہے

دخترانِ نعش آبستن شوند
بنات النعش حاملہ ہو جاتی ہیں

مجتمع گردند و دستک زن شوند
اکٹھی ہو جاتی ہیں اور تالیاں بجاتی ہیں

در گذر زیں رمزہا بے گاہ شد
ان اشاروں سے درگذر کر، بے وقت ہو گیا

کہکشاں از سنبلہ پُر کاہ شد
کہکشاں سنبلہ کی وجہ سے تنکوں بھری ہو گئی

آفتاب از کوہ سر زد اتقوا
سورج پہاڑ سے طلوع ہو گیا، بچو

لیک تلخ آمد ترا ایں گفتگو
لیکن تجھے یہ گفتگو کڑوی لگی

تو عدوی وز عدو شہد و لبن
تو دشمن ہے اور مخالف سے شہد اور دودھ

بے تکلف زہر گردد در بدن
بے تکلف بدن میں زہر بن جاتا ہے

نام بھی ہیں جو شیطان کے لئے بچھو کا کام کرتے ہیں اور ستارہ شناس اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہی حال نجومی کا ہے۔ عقرب۔ بچھو، ایک برج کا نام بھی ہے۔ مشتری۔ خریدار، ایک ستارہ کا نام بھی ہے۔ قوس کمان، ایک برج کا نام بھی ہے۔ دلو۔ ڈول، ایک برج کا نام بھی ہے۔ حوت۔ مچھلی، ایک برج کا نام بھی ہے۔ ثور۔ بیل، ایک برج کا نام بھی ہے۔ اسد۔ شیر، ایک برج کا نام بھی ہے۔ اطلس۔ غیر منقش ریشمین کپڑا، نویں آسمان پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ خرچنگ۔ کیکڑا۔ برج سرطان کو بھی کہتے ہیں۔ میزان۔ ترازو، ایک برج کا نام بھی ہے۔ ۵۲ مریخ۔ مشہور ستارہ ہے اس کو آسمان کا جلاد بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا نے شمس تبریز مراد لیا ہے۔ شمس تبریزی سورج کو تبریزی اس لئے کہا ہے کہ تبریز آذربائیجان کا ایک شہر ہے جو جانب مشرق واقع ہے اور اس سے شمس تبریزی بھی مراد ہیں جو مولانا کے پیر ہیں۔ زحل۔ منحوس ستارہ ہے جس شخص کا ستارہ ۵۵ دختران نعش۔ بنات تین ستارے ہیں اور نعش چار ستاروں کا مجموعہ ہے بنات النعش اُن سات ستاروں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو چارپائی کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ کہکشاں۔ ایک لمبی سفیدی جو راستے کی صورت میں نظر آتی ہے موسم برسات میں سرِ شام نظر آنے لگتی ہے اس کا ایک سرا جنوب کی جانب اور دوسرا شمال کی جانب ہوتا ہے۔۔۔ سنبلہ۔ گیہوں کی بال، ایک

ٹ تعرکٹ۔ تنّین۔ اژدہا، عنقا الی اور عقرب ذنب کا دنبالہ، کہکشاں۔

زحل ہوتا ہے اُسمیں قوت فکر یہ بہت ہوتی ہے۔ ماہم یعنی اگر میری نجومی سرور خوشی کرے تو زہرہ جو رقاصۂ فلک ہے وہ دم بخود رہ جائے ۵۳ عطارد۔ ستارہ جس کو دبیرِ فلک بھی کہا جاتا ہے۔ جوزا۔ ایک برج کا نام ہے مشتری ستارے کا نام ہے۔ نسر طائر۔ اُڑنے والا گدھ ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو اُڑنے والے گدھ کی طرح؛

ہر وجودے کز عدم بنمود سر
جس وجود نے عدم سے سر ابھارا

بر یکے زہرست و بر دیگر شکر
ایک پر وہ زہر ہے اور دوسرے پر شکر ہے

دوست شو وز خوی ناخوش شو بری
دوست بنجا اور بری عادت سے خالی ہو جا

تا ز خمرہ زہر ہم شکر خوری
تاکہ زہر کے مٹکے سے بھی تو شکر کھائے

زاں نشد فاروق را زہرے گزند
اسی لئے (عمر) فاروق کے لئے زہر مضر نہ ہوا

کہ بُد آں تریاقِ فاروقیش قند
کیونکہ ان کا فاروقی تریاق شکر تھا

ہیں بجو تریاقِ فاروق اے غلام
اے لڑکے! فاروقی تریاق تلاش کرے

تا شوی فاروقِ دوراں فی السلام
تاکہ تو فاروقِ دوراں بن جائے، والسلام

برُج کا نام بھی ہے پر گماشتہ۔ اب اس مثنوی کے رموز کے بیان کو ختم کر دو بیان کے طول کی وجہ سے اس کے صاف مضامین بھی سمجھنا مشکل ہو گئے ہیں۔
۵۲ آفتاب مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ تو ضدی عادت کی وجہ سے دشمن، شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ ہر وجود پر شہد اور زہر ہونا مثنوی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا یہی حال ہے تمرہ۔ مشکی زاں نشد۔ حضرت عمرؓ کے لئے اُن کے فاروقی تریاق کی وجہ سے مخالفین کا زہر قند بن گیا تھا اسلئے اُن کیلئے وہ زہر مضر نہ رہا ہیں بجو۔ وہی تریاق فاروقی اگر تو حاصل کرے گا تو بھی اپنے زمانہ کا فاروق بن جائے گا۔

شرح

مثنوی کے دفتروں میں سے یہ پانچواں دفتر ہے اور اگر روح کو آسمان فرض کیا جائے اور اس کے لیے برُج مانے جائیں تو یہ ان برجوں میں بمنزلہ ستاروں کے ہے اور سمار روح کے لیے موجب زینت۔ اور طالبین ہدایت کے لیے راہنما ہے لیکن اتنا خیال رہے کہ جس طرح ہر آنکھ والے کو ستاروں سے رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ بلکہ رستہ صرف اسی کشتیاں کو معلوم ہوتا ہے جو کہ ستاروں کے متعلق واقفیت رکھتا ہو۔ یونہی مثنوی سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے صرف اسی کو ہدایت ہو سکتی ہے جو کہ اسکو صحیح طور پر سمجھتا ہو۔ رہے ناواقف لوگ سو ان کے حصہ میں تو اس کا صرف دیدار ہے کیونکہ نہ وہ اس کی خوبی سے واقف ہیں اور نہ کمال سے۔ پس اگر تم کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی خواہش ہے تو تم کو چاہیئے کہ اپنی ظلمت جہل کے زمانہ میں طلوع آفتاب معرفت تک ایک ایسا شخص ساتھ رکھو جو کہ ان شیطان سوز ستاروں یعنی مضامین مثنوی سے واقفیت رکھتا ہو یعنی تم کو مثنوی سے اس وقت فائدہ ہو سکتا ہے جبکہ تم کسی شیخ کامل اور محقق سے تعلق پیدا کر کے اس کے توسط سے اس سے فائدہ حاصل کرو۔ ورنہ اگر بطور خود اسکو دیکھو گے تو بجائے فائدہ کے ضرر کا

اور بجائے ہدایت کے گمراہی کا اندیشہ ہے کیونکہ گو یہ کتاب فی نفسہٖ تو ہادی ہے
اور اس کا ہر مضمون دفع شیطان کے بارہ میں ان فرشتوں کی خاصیت رکھتا ہے
جو کہ قلعہ آسمان سے شیاطین پر فقط چڑھتے اور انہیں بذریعہ شہاب ثاقبیہ کے
آگ لگاتے ہیں۔ مگر تفاوت طبائع و احوال کے سبب اس سے ناظرین ہر دونوں قسم
کے اثر ہوتے ہیں پس بعض کو اس سے ہدایت ہوتی ہے۔ اور بعض اس سے گمراہ...
ہوتے ہیں۔ اور یہ ستارہ (مثنوی) اگر شیطان کے لیے عقرب (بچھو) کی طرح ضرر
رساں ہے۔ تو مشتری (طالب صادق) کے لیے ولی اقرب (نہایت مشفق) ہے
اور یہ قوس (مثنوی) اگر شیطان کو تیر سے چھید دیتی ہے تو کھیتی اور میووں کے لئے
دلو پُر آب ہے (یعنی اہل فساد کے لئے مضر اور اہل صلاح کے لیے نافع ہے)
اور یہ حوت (مچھلی) اگر گمراہی کی کشتی توڑتی اور اسکو صدمہ پہنچاتی ہے تو دوستوں کے
لئے ثور (بیل) کی طرح کشت روحانی بھی کرتی ہے اور یہ شمس (مثنوی) اگر شب
(ظلمت جہل) کو اسد (شیر) کی طرح چیرتا پھاڑتا ہے۔ تو لعل (ارباب صلاح) کو
اطلس روحانی بھی پہناتا ہے اور یہ مثنوی اگرچہ سرطان (کیکڑے) کی طرح بظاہر
کج رو ہے۔ یعنی اسکے بعض مضامین بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہیں لیکن
درحقیقت میزان (ترازو) کی طرح کجی سے الگ ہے اور اس کے تمام مضامین مطابق
شریعت حقّہ ہیں۔ اور اگر اس مریخ (مثنوی) تمام کام دشمنوں کا خون بہانا ہے خواہ
وہ منظہر عداوت ہوں جیسے منکرین یا مدعی محبت جیسے جاہل غیر محققین۔ تو وہ
شمس تبریز سے کاملین و محققین کے آگے پانی بھی بھرتی ہے۔ اور اگرچہ اس زحل
(مثنوی) کے بعض آثار نحس ہیں جیسے نااہلوں کو ضرر پہنچانا۔ مگر اس کے بعض دوسرے
آثار اہلوں کے لیے مفید بھی ہیں کہ اس سے وقت نظر اور شان تحقیق پیدا ہوتی ہے
اور میرا اس چاند (مثنوی) کی طرب انگیزی کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ جوشِ
محبت سے تالیاں بجائے تو زہرہ کی مجال نہیں ہے کہ اس کے سامنے دم مار سکے
بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ عطارد جو کہ دبیر فلک ہے شدت وجد میں اپنا گھر بھول جائے

اور جوشش جنون سے جوزا کو درہم برہم کردے اور مشتری کے ہاتھوں میں رعشہ پڑ جائے اور اس کا دل بے قرار ہو جائے اور چاند پانی پڑ ٹوکرے کی طرح گر پڑے اور اسکے مضامین کے عروج کی یہ حالت ہے کہ نسرِ طائر شرم سے اپنے پر گرادے اور اسکی دلفریبی کی یہ کیفیت ہے کہ تنین فلک اسکی رغبت میں موم کی طرح نرم ہو جائے اور اسکے فیض کی یہ حالت ہے کہ بنات النعش بھی حاملہ ہو جائیں۔ اور اسکے مضامین کو سُنکر سب اکٹھی ہو کر تالیاں بجانے لگیں۔

اچھا اب ان اشاروں کنایوں کو چھوڑو۔ اسلیئے کہ وقت نادقت ہو گیا ہے اور کہکشاں سنبلہ سے پرکاہ ہو گیا ہے یعنی راہِ فہم مقصود ان اشاروں کنایوں سے مخفی ہو گیا ہے۔ اچھا اب ہم اس بحث کو چھوڑتے ہیں۔ لیکن آخر میں اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آفتاب معرفت کوہ حجاب سے برآمد ہو گیا ہے۔ دیکھنا تم اس کا انکار نہ کرنا۔ اور اسکے انکار سے بچتے رہنا۔ لیکن اے منکرین تمہیں میرا یہ کہنا ناگوار ہوگا۔ کیونکہ تم دشمن ہو۔ اور مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ دشمن کا خواہ وہ واقع میں دشمن نہ ہو۔ بلکہ اسکی دشمنی محض خیالی ہو۔ شہد اور دودھ بھی زہر معلوم ہوتا ہے اور منہ میں ایسا ہی کڑوا معلوم ہوتا ہے جیساکہ زہر۔ گو وہ واقع میں ایسا نہیں ہوتا اور یہ کچھ دودھ اور شہد کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو وجود بھی عدم سے ظاہر ہوتا ہے اس کی یہی حالت ہے کہ وہ ایک کے لیے ناگوار ہے اور دوسرے کو مرغوب۔ اور یہ اختلاف اثر اختلاف احوال اشخاص سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ جو دوست ہوتا ہے اسکو ناگوار بھی گوارا ہوتا ہے اور جو دشمن ہوتا ہے اسکو گوارا بھی ناگوار ہوتا ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو کسی چیز سے ناگواری نہ ہو تو تم حق سبحانہٗ کے دوست ہو جاؤ۔ اور اس کی مخلوقات میں اسکے خیال کا مشاہدہ کرو۔ اور اپنی خصلت بد کو چھوڑ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو زہر میں بھی شکر کا مزہ آئے گا۔ اور کوئی چیز تم کو ناگوار نہ معلوم ہو گی۔

ایسا کرنے سے روحانی ناگواری تو دور ہوتی ہے مگر بعض احوال میں اسکے جسمانی

ضرر بھی دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین عمر بن الخطاب کو زہر نے اسی لئے نقصان نہیں پہنچایا کہ ان کے پاس ایسی تریاق فاروقی کی قند موجود تھی۔ اور وہ اپنے اخلاق درست کر چکے تھے اور انکو خدا اور رسولؐ کے ساتھ محبت ہو گئی تھی اور اسلئے انکو ان پر اور ان کی باتوں پر اعتماد ہو گیا تھا۔ پس تم بھی وہی تریاق فاروقی تلاش کرو۔ تاکہ تم بھی اپنے زمانہ کے فاروق ہو جاؤ۔ اور تم کو بھی زہر سے ضرر نہ پہنچے والسلام۔

فائدہ ۱۰۸: مولانا نے جو مضمون از صحاف مثنوی ایں پنجم رفت سے شروع کرکے گرچہ در تاثیر نحس آمد زحل پر ختم کیا ہے اس سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ مثنوی سے وہ شخص منتفع ہو سکتا ہے جو کہ خود عارف محقق ہو یا اگر خود عارف نہ ہو تو مستقیم الطبع اور صاحبِ استعداد علمی ہو۔ اور اسکو کسی شیخ سے سمجھے اور بدوں ان دونوں باتوں کے مثنوی کا مطالعہ کرنا موجبِ خطرہ ہے پس جو لوگ آجکل سخت غلطی کرتے ہیں کہ بدوں شرائط مذکورہ کے مثنوی کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ جس ان کو بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے اور یہ نقصان کئی طرح سے ہوتا ہے یا تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مطالعہ کرنے والا متبع شریعت ہوتا ہے اور اپنے قصور فہم و عدم قابلیت کے سبب مثنوی کے مضامین کو شریعت پر منطبق نہیں کر سکتا اسلئے مولانا اور مثنوی سے بدظن ہو جاتا ہے اور ان کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے اور یا یہ صورت ہوتی ہے کہ وہ مولانا کا معتقد ہوتا ہے اور ان کو حامل اسرار شریعت سمجھتا ہے لیکن چونکہ وہ اہل نہیں ہوتا اسلئے اس کے مضامین کو غلط طور پر سمجھ جاتا ہے اور ان غلط مضامین کو جو کہ واقع میں مولانا سے تعلق نہیں رکھتے مولانا کی طرف منسوب کرتا۔ اور ان کو اسرارِ شریعت سمجھ کر۔ یا ظاہر شریعت کا انکار کرتا ہے یا اس میں تاویل کرتا ہے۔ اور بعض مرتبہ گمراہی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفسِ شریعت مصطفویہ کا بھی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ صوفیوں کے لیے کسی مذہب کی ضرورت نہیں ہے اسکی ضرورت صرف عوام کے لیے ہے اور عوام کو بھی خاص دین اسلام کی

ضرورت نہیں - بلکہ دین کی ضرورت صرف تہذیبِ اخلاق کے لئے ہے. سو وہ اگر کسی اور طریقہ سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے نعوذ باللہ من فتنۃ سوء الفہم - ایسی حالت میں لوگوں کو مثنوی کے مطالعہ میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور اس کے مضامین کے سمجھنے کے لیے ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جو کہ جامع من الشریعت و الطریقۃ ہیں - ورنہ الحاد اور زندقہ کا خطرہ ہے - اعاذنا اللہ منہ -

دوم یہ کہ مثنوی کے بعض مضامین بظاہر خلاف شریعت اور گمراہی میں ڈالتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مضامین مطابق شریعت حقہ مصطفویہ ہیں ایسے مضامین جہاں کہیں مثنوی میں آئے ہیں - ہم نے انکی توضیح کردی ہے - اور توضیح میں حتی الامکان خود مولانا کے کلام سے مدد لی ہے کیونکہ ہم نے جہاں تک تتبع کیا ہے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی موقع پر مولانا اپنے کلام اجمال سے کام لیتے ہیں تو دوسرے موقع پر خود ہی اسکی تشریح فرما دیتے ہیں پس مثنوی کے مطالعہ کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس کے تمام مضامین کو پیش نظر رکھ کر مولانا کے مقصود کو متعین کرے اور صرف ایک ہی مقام پر نظر کو مقصور نہ کرے ورنہ مغالطہ کا خطرہ ہے سوم یہ کہ مثنوی بعض کو نقصان پہنچاتی ہے بعض کو نفع -

اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس کا نقصان اعدائے دین یا منکرین یا نا اہل معتقدین کو ہوتا ہے اور نفع ان مخلصین کو ہوتا ہے - جو کہ اس کے مضامین کے سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں خواہ بطور خود سمجھ سکتے ہوں یا بتوسط عارف محقق - پس منشائے ضرر کا خود دوسروں کی ناقابلیت ہے نہ کہ مثنوی کا نقصان - کیونکہ وہ خود کامل اور سراسر نافع ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش سے باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست - درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس -

فائدہ ۲ : زاں نشد فاروق را زہرے گزند الخ میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بادشاہ نے تحفہ کے طور پر زہر ہلاہل کی شیشی بھیجی تھی اور یہ کہا تھا کہ آپ اس سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرسکتے ہیں - اس کو آپ نے یہ کہہ کر نوش فرمالیا تھا کہ نفس سے زیادہ میرا کوئی دشمن نہیں ہے اس لیے میں اسے پلاتا ہوں - اور اس سے آپ کو کچھ ضرر نہیں ہوا تھا اس واقعہ کی صحت کا علم نہیں ہے

لیکن اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو اس پر اوّلاً شبہ یہ ہوتا ہے کہ امیرالمومنین نے اوّل خودکشی کا اقدام کیا۔ اور ثانیاً یہ کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نفس کشی کی حقیقت معلوم تھی اس کا جواب یہ ہے کہ امیرالمومنین کو اس واقعہ سے قاصد پر حقّیت اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ اور چونکہ آپ کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کامل وثوق تھا کہ جو چیز بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہٖ شَیْءٌ فی الارض ولا فی السماء پڑھ کر کھائی جائے گی وہ ضرر نہ پہنچائیگی اسلئے آپنے بے تکلف پی لیا۔

فائدہ ۳: چونکہ مولانا نے مثنوی کو ستاروں سے تشبیہ دی تھی اسلئے آپ نے اس بیان میں ایسے الفاظ سے کام لیا ہے جو کہ فلکیات اور دیگر معانی میں مستعمل ہیں۔ اور کہیں ان الفاظ سے ستارہ اور بُرج مراد لئے ہیں اور کہیں دیگر معانی۔

فائدہ ۴: عقرب، قوس، دلو، حوت، اسد، میزان، سنبلہ، ثور، سرطان، جوزا، برج حمل کے نام ہیں اور شمس، مریخ، زہرہ، مشتری، قمر، عطارد، شیر، نسر طائر، بنات النعش کہکشاں، ستاروں کے۔ اور تنین سے مراد مابین عقدہ راس و ذنب ہے واللہ اعلم)

ہذا آخر ما تیسر لنا فی حل المثنوی المعنوی افاض اللہ علینا من برکاتہ آمین والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احقر نے جو کچھ حل مثنوی کے لکھا ہے وہ اس کی ذاتی قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کا یا روحانی فیض ہے۔ اور احقر اس میں بمنزلہ ایک آلہ کے ہے لیکن اگر اس میں کسی مقام پر کوئی لغزش ہو تو اسکو میرا قصور قابلیت خیال کیا جائے۔ اور حضرت مولانا کے دامن کو اس سے پاک سمجھا جائے کیونکہ تلقی فیض میں قابلیت مستفیض کو بھی دخل ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔

والسلام

تنبیہات برائے

کلیدِ مثنوی

(دفتر پنجم)

جس میں عسیر المفہوم مضامین کو نہایت آسان طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اور خاص خاص اصطلاحاتِ مثنوی پر نشان دہی کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد: جبکہ بفیض ظاہری و باطنی حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی اطال اللہ بقائہم علیٰ رؤس المسلمین مجھ نااہل کے ہاتھوں مثنوی کی چار دفتروں کی شرح کا کام تمام ہوگیا۔ تو خیال ہوا کہ اس عرصہ میں مثنوی کے متعلق جو کچھ مفید معلومات مجھے حاصل ہوئے ہیں ان میں سے جس قدر مستحضر ہوں ان کو ایک جگہ جمع کردوں۔ تاکہ مثنوی کے پڑھنے اور پڑھانے اور مطالعہ کرنے والوں کے لیئے کار آمد ہوں۔ واللہ الموفق وہو المستعان:

میں ان مضامین کو بعنوانِ تنبیہات ذکر کروں گا اور ان تنبیہات کو ۲ دو قسم پر منقسم کروں گا۔ قسم اوّل میں وہ تنبیہات ہیں جو راجع ہیں ناظر مثنوی کی طرف۔ اور قسم ثانی میں وہ تنبیہات ہیں جو راجع ہیں اسلوب بیان و معانی و مضامین مثنوی کی طرف۔

تنبیہات قسم اوّل

تنبیہ ۱ ناظرین مثنوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلیم الطبع اور صحیح العقیدہ اور صاحبِ استعداد علمی ہوں۔ جسمیں بقدر ضرورت معقول بھی دخل ہے اور زبانِ فارسی اور علمِ دین سے کافی واقفیت اور مذاق سخن رکھتے ہوں۔ اور علم تصوف میں اگر ماہر نہ ہوں تو کم از کم اس سے مناسبت ضرور رکھتے ہوں۔ اور اگر خود محقق نہ ہوں تو کسی محقق کی صحبت میں ایک معتد بہ مدت تک رہ کر اس سے مستفید ہوئے ہوں اور اگر صاحبِ حال بھی ہوں تو نور علیٰ نور ہے کیونکہ مثنوی کے مضامین کو صاحبِ حال ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور غیر صاحبِ حال اس قدر نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ بعض مقام پر اسکے گمراہ ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اِلّا اَن یَعصِمَہُ اللہ۔ چنانچہ مولانا دفتر پنجم ۵ میں فرماتے ہیں ؎

اندریں بحث از خرد رہ بیں بدی ؛ فخر رازی راز دار دین بدے

لیک چوں من لم یذق لم یدراو ؛ عقل و تخیلات او حیرت فزود
کے شود کشف از تفکر ایں انا ؛ این انا مکشوف شد بعد الفنا
می فتد ایں عقلہا در افتقاد ؛ در مغاکے و حلول و اتحاد

نیز فرماتے ہیں ؎

از صحاف مثنوی ایں پنجم است ؛ در بروج چرخ جاں چوں انجم است
رہ نیابد از ستارہ ہر حواس ؛ خبر کہ کشتی باں استارہ شناس
جز نظارہ نیست قسم دیگراں ؛ از سعود کش غافل اند واز قراں
آشنائی گیر شبہا تا بروز ؛ با چنیں استارہ لے دیو سوز۔ الخ

تنبیہ ۲:

یعنی مثنوی کے بعض مضامین گو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتے ہیں مگر وہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ پس سے ناظرین کو چاہیئے کہ ایسے مضامین کو دیکھ کر نہ مولانا پر مخالفت شریعت کا طعن کریں اور نہ اُن کی ظاہری گمراہی میں مُبتلا ہوں بلکہ ایسے مضامین کے متعلق انکو چاہیئے کہ خود مثنوی میں اُن کی تفسیر اور تشریح تلاش کریں اغلب ہے، کہ انکو اس کی تشریح خود مثنوی میں مل جائے گی۔ کیونکہ جہاں تک ہم نے تتبع کیا ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گو مولانا غلبہ حال اور حالتِ سکر میں ایسے مضامین بیان کر جاتے ہیں جو بظاہر خلافِ شریعت ہیں مگر دوسرے مقام پر ان کی توضیح فرما دیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو مثنوی میں اس کی توضیح نہ ملے تو اپنے زمانہ کے محققین سے اسکی تفسیر دریافت کرلے۔ یا محققین کے شروح و حواشی سے اس مقام کو حل کرلے

تنبیہ ۳

مثنوی میں مولانا بعض ایسے مضامین بیان فرمائے ہیں جو فحش ہوتے ہیں مگر ان سے فحش گوئی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود ہدایت ہوتی ہے و سیاق تفصیلہ پس سے کسی کو مولانا پر فحش گوئی کا شبہ نہ ہونا چاہیئے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ⁂ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
آں یکے شیرے کہ جاں می پرورد ⁂ واں دگر شیرے کہ مردم می رود
اے تو گشتہ صبح کاذب را رہین ⁂ صبح صادق را تو کاذب ہم مبین

تنبیہات قسمِ ثانی

تنبیہ ۱ — مولانا کے کلام میں بعض مقام پر بندش و ترکیب کلام خلاف بندش و ترکیب متعارف واقع ہوتی ہے۔ مثلاً

وہ صیغۂ صفت کو کبھی بمعنی مصدر استعمال کرتے ہیں۔ اور خوارمند، ساحرناک، منکرناک، نقّاش گر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

کودکاں خانہ دمش می کشند ⁂ باشد اندر دست طفلاں خوارمند

اور فرماتے ہیں ؎

حی و قائم داند او آں خاک را ⁂ خوش نگر ایں عشق ساحرناک را

وغیرہ وغیرہ —— اور کبھی وہ پیشُ کا قافیہ زیر سے اور زبر کا زیر سے کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہیں ز گنج رحمت بے مر بدہ ⁂ در کف تو خاک گردد زر بدہ

نیز فرماتے ہیں ؎

ہر کسے را ہست امیدے برے ⁂ کہ گشادندش دراں روزے درے

اس شعر میں لفظ "بری" مرکب ہے بائے ظرفیہ اور لفظ "رے" بفتح را سے جو کہ نام ہے شہر کا۔ اور کبھی روابط مثل از و در و بر و بائے ظرفیہ درست وغیرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔
چنانچہ فرماتے ہیں ع
باکنیزک خلوتش بگذاشتی۔ ای بخلوتش یا در خلوتش
نیز فرماتے ہیں
"او مذلت خواست کے عزّت تنم"۔ ای عزّت

نیز فرماتے ہیں ؎ ع

"عشق وسودا چونکہ بر بودش بدن" ای از عشق وسودا۔

اور کبھی حق سبحانہ، کا یا کسی اور کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور گفت وغیرہ کو محذوف فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پیش با فرج و گلو باشد خیال ؛ لاجرم بردم نماید جاں جمال
ہر کرا فرج و گلو آئیں وخوست ؛ اِنَّ لَکُم دِینُ وَلِیَ دِین بہر اوست
با چناں انکار کوتہ کن سخن ؛ احمدا کم گوئی با گبر کہن

شعر ثالث کے شروع میں گفت خدا برائے رسول خود مقدر ہے اور نیز فرماتے ہیں

پرس پرساں کیں موذن کو کجاست ؛ کہ صلاد بانگ اوراحت فزاست
ہین چہ راحت بود زاں آواز زشت ؛ کو فتاد از وے بناگہ در کنشت
دختری دارم لطیف وبس سنے ؛ آرزو می بود اورا مومنی اھ

ان اشعار میں شعر ثانی کے شروع میں "مردماں پرسیدند" مقدر ہے اور شعر ثالث کے شروع میں او جواب داد مُقدر ہے

اور بعض مقام پر بقرینہ مقام دوسری عبارتوں کو محذوف فرمادیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ آں معنی ست ایں نقش اے پسر ؛ تا بفہم تو بود نزدیک تر۔

تقدیر عبارت یوں ہے گرچہ آں معنی است دیں نقش اے پسر۔ لہذا ایں نظیر آں نمے تواند شد لیکن با ایں ہمہ من ایں مثال را آوردہ ام تا بفہم تو بود نزدیک تر

اور کبھی وہ را کو زائد استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گر نبودے بہر عشق پاک را ؛ کے وجودے دادے افلاک را

نیز فرماتے ہیں ؎

گفت طوطی حمد للہ را کہ من ؛ بدزنیندیشیدہ ام با تو بفن

اور کبھی وہ ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ جس کے ایک معنی معروف ہیں اور دوسرے

معنی غیر معروف اور وہ ان سے معانی غیر معروفہ مراد لیتے ہیں۔
جیسے پایاں بمعنی پایندہ غیر معروف ہے اور بمعنی انتہا و حد۔ معروف۔ مگر وہ فرماتے ہیں ؎

نور حس و جان ناپایاں ما۔ ٭ نیست کلی فانی و لا چوں گیا

اس جگہ ان کی مراد ناپایاں سے ناپائدار ہے نہ کہ بے حد۔ علیٰ ہذا بعض نسخوں میں شعر مذکور میں .... بجائے ناپایاں کے بے پایاں ہے اور بے پایاں کے معروف معنی بے حد ہیں مگر اُن کی مراد اس سے ناپائدار ہے اور انہوں نے "بے" کو بمعنی "نا" استعمال فرمایا ہے جیساکہ اس شعر میں ؎

دختراں را میت مردہ دہند ٭ کہ ز لعب کودکاں بے آگہ اند

اور از پے کے معنی معروف از جہت ہیں مگر انہوں نے اپنے قول ؎

گر نباشد صدر رنج دگر ٭ از پے ہیضہ بر آود از تو سر۔

ہیں اس سے معنی از عقب ہیضہ مُراد لئے ہیں اور کبھی وہ شب در اور روز در وغیرہ تراکیب استعمال کرتے ہیں ایسی تراکیب میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ بائے ظرفیہ محذوف ہو اور در زائد۔ اور اصل میں بشب در وغیرہ ہو۔ اور دوم یہ کہ مجرور جار پر مقدم ہو یہ نظائر بطور نمونہ کے ہیں پس ناظر مثنوی کو چاہیئے کہ حل ابیات میں فہم سلیم سے کام لے اور چستی بندش کی خاطر جزالۃ معنی کو ہاتھ سے نہ دے۔

تنبیہ ۲ کبھی مولانا ترتیب مضمون کو بدل دیتے ہیں اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

چوں ضیاء الحق حسام الدین عنان
باز گردانید ز اوج آسمان

چوں بمعراج حقائق رفتہ بود ٭ بے بہارش غنچہ نشگفتہ بود
چوں ز دریا سوئے ساحل باز گشت ٭ چنگ شعر مثنوی با ساز گشت

ان اشعار میں مضمون شعر اوّل شعر ثانی سے موخر اور شعر ثالث سے مقدم ہے

نیز فرماتے ہیں ؎ ع

"عشق وسودا چونکہ بر بودش بدن" امی از عشق وسودا۔

اور کبھی حق سبحانہ، کا یا کسی اور کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور گفت وغیرہ کو محذوف فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پیش با فرج وگلو باشد خیال ❊ لاجرم بردم نماید جاں جمال

ہر کرا فرج وگلو آئیں وخوست ❊ اِنَّ لَکُم دِینَ وَلِیَ دِین بہر اوست

باچناں انکار کوتہ کن سخن ❊ احمد اکم گوئی باگبر کہن

شعر ثالث کے شروع میں گفت خدا برائے رسول خود مقدر ہے اور نیز فرماتے ہیں

پرس پرساں کیں موذن گو کجاست ❊ کہ صلاد بانگ او راحت فزاست

ہین چہ راحت بود زاں آواز زشت ❊ کو فتاد از وے بناگہ در کنشت

دختری دارم لطف وبس منے ❊ آرزو می بود اورا مومنی اھ

ان اشعار میں شعر ثانی کے شروع میں "مردماں پرسیدند" مقدر ہے اور شعر ثالث کے شروع میں او جواب داد مُقدر ہے

اور بعض مقام پر بقرینہ مقام دوسری عبارتوں کو محذوف فرمادیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ آن معنی ست این نقش اے پسر ❊ تا بفہم تو بود نزدیک تر۔

تقدیر عبارت یوں ہے گرچہ آں معنی است دیں نقش اے پسر۔ لہٰذا ایں نظیر آں نمے تواند شد لیکن با ایں ہمہ من ایں مثال را آوردہ ام تا بفہم تو بود نزدیک تر

اور کبھی وہ "را" کو زائد استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گر نبودے بہر عشق پاک را ❊ کے وجودے دادمے افلاک را

نیز فرماتے ہیں ؎

گفت طوطی حمد للہ را کہ من ❊ بد نیسندیشیدہ ام با تو بفن

اور کبھی وہ ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ جس کے ایک معنی معروف ہیں اور دوسرے

معنی غیر معروف اور وہ ان سے معانی غیر معروفہ مراد لیتے ہیں۔

جیسے پایاں بمعنی پائندہ غیر معروف ہے اور بمعنی انتہا و حد۔ معروف۔ مگر وہ فرماتے ہیں ؎

نورِ حس و جان ناپایاں ما۔ ؛ نیست کلی فانی و لا چوں گیا

اس جگہ ان کی مراد ناپایاں سے ناپائدار ہے نہ کہ بے حد۔ علیٰ ہذا بعض نسخوں میں شعر مذکور میں .... بجائے ناپایاں کے بے پایاں ہے اور بے پایاں کے معروف معنی بے حد ہیں مگر اُن کی مراد اس سے ناپائدار ہے اور انہوں نے "بے" کو بمعنی "نا" استعمال فرمایا ہے جیساکہ اس شعر میں ؎

دختراں را میعت مردہ دہند ؛ کہ زلعب کودکاں بے آگہہ اند

اور از پے کے معنی معروف از جہت ہیں مگر انہوں نے اپنے قول ؎

گر نباشد صد رنج دگر ؛ از پے ہیضہ برآود از تو سر۔

میں اس سے معنی از عقب ہیضہ مُراد لئے ہیں اور کبھی وہ شب در اور روز در وغیرہ تراکیب استعمال کرتے ہیں ایسی تراکیب میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ بائے ظرفیہ محذوف ہو اور در زائد۔ اور اصل میں بشب در وغیرہ ہو۔ اور دوم یہ کہ مجرور جار پر مقدم ہو یہ نظائر بطور نمونہ کے ہیں پس ناظر مثنوی کو چاہیئے کہ حل ابیات میں فہم سلیم سے کام لے اور چستی بندش کی خاطر حسن دالتہ معنی کو ہاتھ سے نہ دے۔

تنبیہ ۲ کبھی مولانا ترتیب مضمون کو بدل دیتے ہیں اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں
بازگرداند زاوج آسماں

چوں بمعراج حقائق رفتہ بود ؛ بے بہارش غنچہ ناشگفتہ بود
چوں ز دریا سوئے ساحل بازگشت ؛ چنگ شعر مثنوی باساز گشت

ان اشعار میں مضمون شعر اوّل شعر ثانی سے موخر اور شعر ثالث سے مقدم ہے

تنبیہ ۳ کبھی مولانا اپنے سیاق کلام کو بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

گفت روزے شاہ محمودِ غنی ؛ آں شہِ غزنی و سلطانِ منے

اس کا مقتضا یہ تھا کہ آئندہ وہ مقولہ بیان فرماتے مگر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا ؎ شاہ روزے جانب ایوان شتافت ؛ جملہ ارکاں را دراں ایواں بیافت

گوہرے بیروں کشید او مستنیر ؛ پس نہادش زود در کف وزیر

گفت چونست وچہ ارزد ایں گہر الخ

پس یہاں انہوں نے سیاق اوّل کو چھوڑ کر دوسرا سیاق اختیار فرمایا ہے۔

تنبیہ ۴ مولانا کی عادت ہے کہ وہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کبھی اس انتقال پر تنبیہ فرماتے ہیں اور کبھی تنبیہ نہیں فرماتے پھر جب انتقال پر تنبیہ فرماتے ہیں تو کبھی فوراً ہی انتقال فرماتے ہیں اور کبھی کوئی اور مضمون بیان فرمانے لگتے ہیں اور اس سے فارغ ہو کر مضمون ثانی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

چنانچہ دفتر سوم میں فرماتے ہیں ؎

شمع مریم والّلیل افروختہ ؛ کہ بخارا میرود آں سوختہ

سخت بے صبر و در آتش داں تیز ؛ او سوئے صدر جہاں کن می گریز

ایں بخارا منبع دانش بود ؛ پس بخارانیست ہر کانش بود

پیش شیخے در بخارا اندری ؛ تا بخواری در بخارا ننگری

جز بخواری در بخارائے دلش ؛ راہ ندہد جزر و مد مشکلش الخ

اے خنک آں را کہ ذلت نفسہ وائے آنکس را۔ ؛ کہ میرّی رغنشہ فرقت صدر جہان او

نیز کبھی وہ انتقال کی مناسبت سے ہوتا ہے اور کبھی بلا مناسبت۔ چنانچہ... فرماتے ہیں ؎

پیش ازاں کایں قصہ تا مخلص رسد ؛ دود و گندے آمد از اہل حسد الخ

نیز فرماتے ہیں ؎ ع اے سگ طاعن تو عوعو می کنی الخ وغیرہ وغیرہ۔

تنبیہ ۵: عام کتابوں کا قاعدہ ہے کہ ایک سُرخی سے دوسری سرخی تک ایک مضمون ہوتا ہے اور دوسری سُرخی سے دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے لیکن مثنوی میں یہ طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ مولانا کا کلام مصنفین کے طرز پر نہیں ہے۔ جو کہ ہر ہر مبحث کو جدا جدا اور مرتب طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور ہر ہر مبحث کے لئے ایک ایک سرخی قائم کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا بیان واعظانہ ہے۔ جس میں جذبے رنگ کی آمیزش ہے۔ پس وہ ایک مضمون شروع کرتے ہیں پھر اس سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اس سے تیسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ وہکذا الیٰ ماشاء اللہ! اُس کے بعد کسی مضمون سابق کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اور کبھی مضمون سابق بالکل چھُوٹ جاتا ہے۔ اِس طرح ایک مضمون کے ضمن میں بہت سے انتقالات۔ اور مضامین مختلفہ آجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض انتقالات یا مضامین پر سُرخی ہوتی ہے اور بعض پر سُرخی نہیں ہوتی۔ پس سُرخیوں کو دیکھ کر یہ رائے قائم نہ کرلینی چاہیئے کہ مضمون سابق ختم ہو چکا۔ اور اب جو کچھ اس سُرخی کے تحت میں مذکور ہوگا وہ اسی سرخی سے متعلق ہوگا۔

کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرخی ایک مسلسل مضمون کے درمیان میں واقع ہو جاتی ہے جیسے سرخی "بازوکم پیرزن۔ کہ درخانہ او بود۔ واقعہ دفتر چہارم۔ آسیہ امراۃ فرعون کی مسلسل گفتگو کے درمیان واقع ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرخی کے بعد مضمون سرخی بیان فرماتے ہیں۔ اور اس سے فارغ ہو کر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور اس عود کے لیے کوئی سرخی نہیں قائم کرتے۔ دیکھو قصہ ایاز واقعہ دفتر پنجم وغیرہ۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک سرخی قائم کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مضمون سُرخی بیان کریں۔ لیکن پھر کوئی اور مضمون ذہن میں آجاتا ہے اور اسے بیان کرنے لگتے ہیں اور مضمون سرخی بالکل چھوٹ جاتی ہے مثلاً دفتر چہارم میں مولانا نے تجاذب جذب وانجذاب اشیاء کا بیان فرمایا۔ اور جبکہ اس شعر تک پہنچے ؎

آدمی را شیر از سینہ رسد ؛ شیر خراز نیم زیرینہ رسد

تو چاہا کہ اس مقام پر غذائے اہل اللہ کا بیان فرمائیں۔ اسلئے انہوں نے سرخی قائم کی "بیان آنکہ عارف را غذا ئیست از نور حق الخ" اس کے بعد ان کو خیال ہوا کہ آدمی شیر از سینہ رسد الخ سے جو شبہ جور حق سبحانہٗ کا ہوتا ہے اسکو دفع کر دیا جائے اس کے بعد اس مضمون کو بیان کیا جائے اسلئے انہوں نے سرخی کے بعد فرمایا عدل قسام ست وقسمت کردنی ست۔ جب اس مضمون کو ختم کر چکے تو باقی گفتگو کو روز آئندہ پر رکھا۔ اور فرمایا روز آخر شد سبق فردا بود الخ اگلے دن اس سرخی کا خیال نہ رہا۔ اور اس کا مضمون بالکل چھوٹ گیا۔

تنبیہ ۶: مثنوی میں جو سرخیاں واقع ہیں ان کی نسبت قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا ہی کی قائم کی ہوئی ہیں۔ ہاں بعض سرخیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سرخیاں مولانا کی قائم کی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ سرخی مذکورہ بالا یعنی بیان آنکہ عارف را غذا ئیست از نور حق الخ اور سرخی حکایت لوطی و مخنث مذکورہ بالا جو کہ دفتر پنجم میں واقع ہے جس میں یہ شعر بھی ہے ؎

بیت من بیت نیست اقلیم ست ؛ ہزل من ہزل نیست تعلیم ست

مگر بشرطیکہ یہ شعر مولانا ہی کا ہو۔

تنبیہ ۷: خواہ سرخیاں مولانا کی قائم کی ہوں یا کسی اور نے ہر حالت میں اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ سرخی کی بنا پر مضمون ذیل سرخی کو توڑا مروڑا نہ جائے بلکہ اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ گویا کہ سرخی ہی نہیں اسلئے کہ سرخیاں مثنوی میں مختلف قسم کی ہیں بعض تو ایسے ہیں جو کہ مضمون کے ساتھ یوں مطابق ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجمال ہیں اور مضمون ذیل اسکی تفصیل۔ اور بعض سرخیاں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مضمون کے نتائج قریبہ اور بعیدہ ہیں۔

نیز مضمون سرخی کو وہاں سے شروع سمجھنا چاہیئے جہاں سے اس کا شروع ہونا مناسب ہو۔ کیونکہ ناسخین کی بد احتیاطیوں سے بعض سرخیاں اپنے مقام سے ہٹ گئی ہیں۔ چنانچہ دفتر پنجم مطبوع محمود المطابع ص ۳۴۴ پر جو سرخی "رسیدن گوہر از دست بدست آخر دور بایاز الخ" واقع ہے اس کا مضمون ؎ ہمچنیں در دور گرداں شد گہر الخ سے شروع

ہوا ہے۔ لیکن سرخی مذکور تین شعر بعد قائم کی گئی ہے۔

تنبیہ ۸: مولانا کے کلام میں جس قدر نظم کے متعلق بے ترتیبیاں ہیں۔ یا اُن کے کلام میں جو مضامین بظاہر خلاف شریعت ہیں۔ ان کا منشأ۔ غلبۂ عشق و فکر اور مضامین کی آمد اور ان کا ہجوم اور بیان کی بے ساختگی ہے۔

چنانچہ خود مولانا ان امور کی تصریح فرماتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

بے گمان باید کہ دیوانہ شوم ۞ ہیں سہ ہر ماہ سہ روز اے صنم

روز پیروزی ست نے پیروزہ است ۞ ہیں کہ امروز اوّل سہ روزہ است

دمبدم او را سر ماہے بود۔ ۞ ہر دلے کاندر غم شاہے بود

کیف یاتی النظم لی والقافیہ بعد ماضاعت اصول العافیہ۔ ما جنون واحد لی فی الشجون بل جنون فے جنون فی جنون۔ الی غیر ذالک من التصریحات۔

تنبیہ ۹: مولانا اواخر مصاریع میں الفاظ بضرورت قافیہ بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ای عمو اے پدر، اے پسر۔ اے غتل وغیرہ۔ ایسے الفاظ کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ اسی بنا پر ہم نے اپنی شرح میں ان الفاظ کی پرواہ نہیں کی ہے۔

تنبیہ ۱۰: مولانا اپنے کلام میں تشبیہات وتمثیلات کا بکثرت استعمال کرتے ہیں اور کبھی وہ تشبیہات وتمثیلات مشبہ بہ وممثل لہٗ پر پورے طور پر منطبق نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یا تو محض تقریب فہم ہوتی ہے یا جوشِ عشق۔

چنانچہ فرماتے ہیں ؎

خاک بر فرق من وتمثیل من ۞ ای بروں از وہم وقال وقیل من

ہر زبان گوید کہ جانم نوشت ۞ بندہ لشکیبد ز تصویر خوشت

پیش چوپان محب خود بیا۔ ۞ ہمچوں آں چوپاں کہ میگفت اے خدا

نیز فرماتے ہیں۔ ؎

تا بفہم تو بود نزدیک تر ۞ گرچہ آں معنی ست وین نفس اے پسر

الی غیر ذالک من التصریحات۔

تنبیہ ۱۱: مثنوی میں مولانا کے بعض بیانات حد فحش تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان سے ان کا مقصود وہ عمدہ نتائج ہوتے ہیں جو ان سے پیدا ہوتے ہیں نہ کہ صورت مضمون۔ چنانچہ دفتر چہارم میں بذیل سرخی حکایت آں زن پلید کہ شوہر را گفت کہ ایں خیالات از سر او در بن می نماید چشم آدمی را۔ از سر او در بن فرود آ۔ تا آں خیالات برود الخ فرماتے ہیں ؎

ہزل تعلیم ست آں را جد شنو ⁂ تو مشو بر ظاہر ہزلش گرو

ہر جدے ہزلست پیش ہازلاں ⁂ ہزلہا جد است پیش عاقلاں

اور دفتر پنجم حکایت لوطی و مخنث کی سرخی میں فرماتے ہیں۔

حکایت آں مخنث و پرسیدن لوطی ازو در حالت لواطت کہ ایں خنجر از بہر چیست۔ گفت از بہر آنکہ ہر کہ با ایں بد اندیشد اشکمش بشگافم لوطی بر سر او آمد و شد می کرد و می گفت الحمد للہ کہ من با تو بد نمی اندیشم ؎

بیت من بیت نیست اقلیم ست ⁂ ہزل من ہزل نیست تعلیم ست

قولہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ای فما فوقها فی تغیر النفوس بالانکارات۔ ماذا اراد اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا۔ و آنکہ جواب میفرماید کہ ایں خواستم۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا کہ ہر فتنہ ہمچو میزان ست کہ بسیار از و سرخرو شوند و بسیاراں بے مراد ..... ولو تاملت فیہ قلیلا۔ لوجدت من نتائجہ الشریفۃ کثیرا انتہی۔

تنبیہ ۱۲: مولانا قصہ نوح واقعہ دفتر پنجم میں فرماتے ہیں ؎

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت ⁂ کار آں مسکیں بآخر خوب گشت

کاں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ⁂ فانی ست و گفت او گفت خداست

اور اس قسم کے مضامین مثنوی میں اور مقامات پر بھی ہیں۔ ایسے مضامین سے جہلاء اور غلاۃ کو بہت بڑا دھوکا ہوتا ہے اور وہ ایسے مضامین سے مختلف قسم کی

گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں مثلاً بعض تو اہل اللہ کو خدا سمجھ جاتے ہیں اور اس بناء پر اُن کے لیے خواص الوہیت مثلاً علم غیب محیط۔ عموم قدرت وتصرف کیف ماشاؤا وغیرہ وغیرہ ثابت کرتے ہیں۔

اور بعض انکو معصوم اور قید شرع سے آزاد سمجھ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسلئے ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی حقیقت واضح کر دی جائے تاکہ لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں ـــــ سو واضح ہو کہ اتحاد اہل اللہ مع الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ حقیقتاً خدا ہو جاتے ہیں یا خدا ان میں حلول کر جاتا ہے نعوذ باللہ منہ،

بلکہ مولانا کی مراد صرف توافق فی اکثر الامور ہوتا ہے جیسے روزمرہ کی بول چال میں اتحاد کہتے ہیں مثلاً دو شخصوں میں دوستی بہت بڑھ جاتی ہے تو ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں دو تھوڑا ہی ہیں۔ علیٰ ہذا۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں دو تھوڑا ہی ہیں وہ تو دونوں ایک ہی ہیں۔ حالانکہ وہاں یقیناً ایسا اتحاد نہیں ہوتا جیسا کہ گمراہ لوگ اہل اللہ اور خدا کے درمیان سمجھتے ہیں۔

اور یہ حقیقت اتحاد مولانا کے مجموعی کلام سے اس قدر واضح ہے کہ منصف کو اس میں اصلاً شبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ وہ خود اہل اللہ سے لغزشوں کا صدور اور ان پر حق سبحانہٗ کی تنبیہ نقل فرماتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ؛ شد فراق صدر جنت طوق نفس

اور حضرت موسےٰ علیہ السلام پر حق سبحانہٗ کی تنبیہ ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں ؎

وحی آمد سوئے از جُدا۔ ؛ بندہ ما را چرا کر دی جُدا۔

تو برائے وصل کردن آمدی ؛ نے برائے فصل کردن آمدی

اور دفتر چہارم قصہ بنائے مسجد اقصیٰ میں فرماتے ہیں ؎

چوں در آمد عزم داؤدے بہ تنگ ؛ کہ بسازد مسجد اقصیٰ بہ سنگ

وحی کردش حق کہ ترک ایں بخواں ؛ کہ ز دستت بر نیاید ایں مکاں

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں ؛ مسجد اقصیٰ بر آرے اے گزیں

گفت جرمم چیست اے اہلِ راز ⁂ کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز

گفت سبلے جُرمی تو خونہا کردہٗ ⁂ خون مظلوماں بگردن مردہٗ۔

کہ زآواز تو خلقے بے شمار ⁂ جان بداو بندو شدند آنرا شکار

خون بلسے رفت ست بر آواز تو ⁂ بر صدرے خوب جاں پرداز تو

گفت مغلوب تو بودم مست تو ⁂ دست من بربستہ بوداز دست تو

نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود ⁂ نے کہ المغلوب کالمعدوم بود

گفت اے مغلوب معدومیت کو ⁂ جز بہ نسبت نیست معدوم ایقنوا

ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت ⁂ بقرین ہستیہا افتاد و رفت

او بہ نسبت باصفات حق فناست ⁂ درحقیقت درفنا او را بقاست الخ

الیٰ غیر ذلک من التصریحات۔

یہ واقعات اور اس قسم کے اور واقعات جو اہل اللہ کے خود مثنوی میں منقول ہیں صاف صاف ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی رتبہ کا ہو نہ خدا ہو سکتا ہے اور نہ اس کیلیے خواص الوہیت۔ مثل علم محیط کاملہ و قدرت و تصرف و اختیار کامل و شامل ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ خدا پر ان کا قبضہ ہو سکتا ہے کہ وہ جو چاہیں اس سے کام لیں۔ اور نہ اسکے تمام کام خدا کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں بلکہ بعض امور میں ان سے لغزش ہو جاتی ہے جس پر حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کو مناسب تنبیہ ہوتی ہے پس وُہ محکوم ہوتے ہیں اور خدا ان پر حاکم۔ اور وہ بندہ ہوتے ہیں۔ اور خدا ان کا خدا۔ اور وہ شرائط تکلیف کے پائے جانے کی حالت میں کسی وقت میں بھی حد تکلیف سے خارج نہیں ہوتے بلکہ وہ عوام سے زیادہ مکلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے ایسی باتوں پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے جن پر عوام سے مؤاخذہ نہیں ہوتا جیساکہ واقعات منقولہ سے ظاہر ہے۔

تنبیہ ۱۳۱: مولانا حق سبحانہٗ کے لیے لفظ عشق کا استعمال کرتے ہیں مگر عوام کو ان کی تقلید نہ چاہیئے اور حق سبحانہٗ کے لئے اس لفظ کا استعمال نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ اس لفظ کو بالمعنی المعروف حق سبحانہٗ کے لیے استعمال کریں جیساکہ ان کی حالت سے

ظاہر ہے۔ تو اس لفظ کا استعمال حق سبحانہٗ کے لئے کفر ہے اسلئے کہ عشق بمعنی معروف قسم ہے جنون کی اور مستلزم ہے اضطرار اور اضطراب کو۔ تعلی اللہ عن ذالك علوًّا کبیرًا ۔ اور اگر بمعنی مطلق محبت استعمال کریں جیساکہ مولانا کرتے ہیں تب بھی ان کو ایسا نہ چاہیئے کیونکہ یہ لفظ موہم سوءِ ادب اور ناواقفوں کو مغالطہ میں ڈالنے والا ہے اور ایسے معاملات میں عوام کو خواص کی تقلید جائز نہیں۔

چنانچہ مولانا نے دفتر پنجم میں غلامان عمیر خراسانی کے قصہ میں ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور کہا ہے ؎

آں یکے گستاخ او اندر ہرے ❊ چوں بدیدی او غلام مہترے
جامۂ اطلس کمر زرّیں رواں ❊ روئے کردی سوئے قبلہ آسماں
کلاے خدا زیں خواجہ صاحب منن ❊ چوں بنا موزی تو بندہ داشتن
بندہ پروردن بیاموز اے خدا ❊ زیں رئیس واختیار شہر ما
بود محتاج و برہنہ بے نوا ❊ در زمستاں لرز لرزاں از ہوا
انبساطے کرد آں از خود بری ❊ جرأتے بنمود او از لمتری
اعتمادش بر ہزاراں موہبت ❊ کہ ندیم حق شد اہلِ معرفت
گر ندیم شاہ گستاخی کند ❊ تو مکن چوں تو نداری آں سند

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جاہل صوفی جو بے تکلف ان شطحیات کو زباں پر لاتے ہیں جو اہل اللہ سے غلبۂ سکر میں یا اور کسی وجہ سے صادر ہو گئی ہیں ان کو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور ان پر صرف علماء ظاہر ہی انکار نہیں کرتے بلکہ خود صوفیائے کرام بھی انکار کرتے ہیں۔ اور ان کو ایسا کرنے کی ممانعت کرتے ہیں۔

تنبیہ ۱۴: مولانا کی عادت ہے کہ کسی ایک مضمون کو مختلف عنوانوں سے بیان فرماتے ہیں اور کبھی ایک عنوان سے مختلف معنون کو تعبیر فرماتے ہیں۔ بعض جگہ اس دقیقہ پر اطلاع نہ ہونے کے سبب حل مطلب میں دقّت پیش آتی ہے مثلاً کبھی وہ عقلِ کل سے مراد شیخ لیتے ہیں اور کبھی حق سبحانہٗ اور کبھی عقلِ معاد اور کبھی عقل معاش کامِل

کامل - اور لوگوں کو اختلاف معنوں پر اطلاع نہیں ہوتی - اسلئے وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں :-

تنبیہ ۱۵: مولانا کے بعض اطلاقات کسی اور اہلِ تصوف کے خلاف ہوتے ہیں مگر ناظرین ان کو مصطلح اہلِ تصوف پر محمول کر کے دھوکا کھاتے ہیں مثلاً وہ عقلِ کل یا عقل کلی سے معانی مذکورہ بالا مراد لیتے ہیں اور محشیین ان کی شرح میں فتوحاتِ مکیہ کی ورق گردانی کرتے ہیں اور دھوکا کھاتے ہیں - علیٰ ہٰذا وہ عین الیقین کو حق الیقین کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ناظرین کو اس کے معنی معروف کا دھوکا ہوتا ہے -

تنبیہ ۱۶: مولانا کبھی جسم بولتے ہیں اور اس سے مراد ان کی معنیٰ معروف ہوتے ہیں اور کبھی وہ جسم بولتے ہیں اور مراد ان کی نفس ہوتا ہے چنانچہ جب وہ جسم کا روح ہونا یا روح کا جسم ہونا بیان کرتے ہیں تو ان کی مراد غلبہ صفات روح بر نفس یا غلبۂ صفات نفس بر روح ہوتا ہے -

تنبیہ ۱۷: جب مولانا کبھی مضمون کی تائید کسی حکایت وغیرہ سے کرتے ہیں تو اس سے کبھی اور نتائج بھی نکالتے ہیں اس لیے ایسی حکایات وغیرہ کو ایک اعتبار سے ماقبل سے تعلق ہوتا ہے اور دوسری جہت سے مابعد سے اور وہ حکایات وغیرہ من وجہ اصل ہوتی ہیں - اور من وجہ تابع -

تنبیہ ۱۸: کبھی مولانا بعض معاملات مثل معاملہ اہل اللہ با حق سبحانہٗ و معاملہ اہلِ دنیا یا اہل اللہ کو صراحتاً بیان فرماتے ہیں - اور کبھی کسی قصہ وغیرہ کے پردہ میں - جب کسی پردہ میں بیان کرتے ہیں تو کبھی وہ قصہ وغیرہ کو بیان کر کے اپنے مدعا کی تصریح کر دیتے ہیں - اور کبھی خود قصہ وغیرہ ہی میں ایسے الفاظ داخل کر دیتے ہیں جو مقصود کو ظاہر کرتے ہیں - یعنی وہ اس مضمون میں بعض الفاظ تو ایسے استعمال کرتے ہیں جو صورت قصہ کے مناسب ہیں - اور بعض الفاظ ایسے لاتے ہیں جو مقصود قصہ کے موافق ہیں -

دیکھو! قصہ گرفتار شدن باز میان چغدان واقعہ دفتر دوم و قصہ باز و پیرزن

واقعۂ دفترِ چہارم وقصۂ ایاز واقعہ دفتر پنجم وغیرہ - جو لوگ اس دقیقہ سے آگاہ نہیں ہوتے - ان کو حلِ ابیات میں دقت پیش آتی ہے اور وہ مختلف قسم اوہام میں گرفتار ہو جاتے ہیں -

تنبیہ ۱۹: مولانا اپنی مثنوی میں روایات و واقعات ضعیفہ یا غیر ثابتہ کا بھی ذکر کرتے ہیں - مگر ان کا ذکر کبھی مدعا کے اثبات کے لیے نہیں ہوتا - اسلئے کہ اصل مدعا دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے - بلکہ ان سے اس کو بنا بر احتمال امکان وقوع محض تائید مقصود ہوتی ہے اور چونکہ ان کا اصل مقصود ان واقعات و روایات کی صحت پر موقوف نہیں ہوتا اسلئے وہ ان میں تنقید و تحقیق محدثانہ سے کام نہیں لیتے - بلکہ بنا بر احتمال مذکور ان کو ذکر فرما دیتے ہیں -

چنانچہ انہوں نے دفترِ دوم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے شکم مادر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شکم مادر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنے کے واقعہ پر طاعنین کا اعتراض نقل فرما کر اس کا جو جواب دیا ہے اس سے یہ مضمون صاف طور پر ظاہر ہے -

حاصل شبہ یہ ہے کہ یہ قصہ غلط ہے تم کو اسی مثنوی میں درج نہ کرنا چاہیئے اور حاصل جواب یہ کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے اسلئے قطعی طور پر اسکے غلط ہونے کا دعوٰے صحیح نہیں اور اگر غلط بھی ہو تو ہم کو صورت واقعہ مقصود نہیں بلکہ مقصود مقصود ہے اور وہ صحیح ہے عبارت اشکال یہ ہے ؎

ابلہاں گویند ایں افسانہ را ٭ خط بکش زیرا دروغ ست و خطا
زانکہ مریم وقت وضع حمل خویش ٭ بود از بیگانہ دور و ہم زخویش
مریم اندر حمل جفت کس نہ شد ٭ از بروں شہر او واپس نہ شد
مادر یحییٰ کجا دیدش کہ تا ٭ گوید او را در سخن ایں ماجرا

اور عبارت جواب یہ ؎

ایں بداند کانکہ اہل خاطر ست ٭ غائب آفاق او را حاضر ست

پیش مریم خاطر آید در نظر ❊ مادر یحییٰ کہ دور ست از بصر

دیدہا بستہ بہ بند دوست را ❊ چوں شبک کردہ باشد پوست را

در نبیدش نثر برون ونثر بروں ❊ از حکایت گیر معنی اے زبوں

الیٰ آخرہ ما قال رضی اللہ عنہ۔

تنبیہ ۲۰: مولانا جب کسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں تو اسکو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ ان میں بعض استدلالات برہانی اور مفید یقین ہوتے ہیں اور بعض خطابی مفید ظن اور بعض شعری جو محض تقویت تاثیر وعظ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بس مولانا کے ہر استدلال میں دقت فلسفیہ کو دخل نہ دینا چاہیئے

تنبیہ ۲۱: مولانا کے کلام میں کہیں عموم واستغراق حقیقی مراد ہوتا ہے اور کہیں عُرفی اور کہیں عموم واستغراق سے محض کثرت مراد ہوتی ہے پس ہر جگہ مولانا کی تعمیم ظاہری کو استغراق حقیقی پر محمول کر کے دھوکا نہ کھانا چاہیئے اور ان کی بعض تعمیمات ظاہری اہل اللہ کے احاطہ علم اور عموم قدرت اور عصمت غیر معصومین وغیرہ کا شبہ نہ ہونا چاہیئے

تنبیہ ۲۲: مثنوی میں مولانا نے علوم معاملہ وما یتعلق بہا بیان فرمائے ہیں اور جس مسئلہ کو علوم معاملہ سے کچھ بھی تعلق نہ تھا انہوں نے اسکو بیان نہیں فرمایا۔ اسی بنا پر مولانا نے مسئلہ وحدۃ الوجود بالمعنی المعروف عند الصوفیاءُ سے نفیاً یا اثباتاً تعرض نہیں فرمایا۔ اور جن اشعار کو وحدۃ الوجود پر محمول کیا جاتا ہے احقر کے نزدیک ان کا محمل دوسرا ہے مثلاً مولانا دفتر اوّل میں کہتے ہیں ؎

جملہ معشوق است عاشق پردۂ ❊ زندہ معشوق است وعاشق مردۂ

احقر کی رائے میں یہ مسئلہ فنا وبقا کا بیان ہے نہ کہ وحدۃ الوجود بالمعنی المعروف کا اور مولانا نے جو ارشاد فرمایا ہے چونکہ بیرنگے اسیر رنگ شد۔ موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد

چوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی ❊ موسیٰ و فرعون دارند آشتی

ان کا مطلب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جب روح پر فی الجملہ صفات نفسانیہ کا

غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت اہل حق میں بھی ایک حد تک تنازع و تخالف پیدا ہوجاتا ہے
اور جب کسی پر بعد فنائے صفات نفسانیہ صفات روحانیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی
حالت حالت اصلیہ کی طرف عود کر آتی ہے تو پھر اہل حق اور اہل باطل سے بھی اتفاق واتحاد
ہوجاتا ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس کو مولانا نے دفتر چہارم میں یوں بیان فرمایا ہے

ے جان حیوانی ندارد اتحاد ؛ تو مجو ایں اتحاد از روح باد
چوں نماند جانہا را قاعدہ ؛ مومناں باشند نفس واحدہ

پس اس وقت ان اشعار کو وحدۃ الوجود بالمعنی المتعارف سے کوئی تعلق نہ ہوگا
واللہ اعلم بالصواب:

۲۳ تنبیہ: مولانا کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ وہ ایک واقعہ ماضیہ بیان کرتے ہیں لیکن
بنا بر استحضار اس کو فی الحال واقع مان کر گفتگو کرتے ہیں چنانچہ
دفتر پنجم میں ایک زاہد اور ایک شراب خور امیر کا قصہ بیان فرماتے ہیں جو کہ زمانہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام میں واقع ہوا تھا۔
مگر بنا بر استحضار مولانا امیر سے زاہد کی سفارش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

ے عفو کن اے میر بر سختی او ؛ درنگر در درد و بدبختی او۔ الخ

محشیں نے تو اسکو رجوع بقصہ قرار دیا ہے مگر ہم کو بقرینہ سیاق وسباق وطرز
بیان خود مولانا کی سفارش کہنا ذوقاً صحیح معلوم ہوتا ہے چنانچہ ایک قرینہ اس پر یہ ہے
کہ مولانا نے اول عشاق کی سفارش کے لئے خطاب عام فرمایا ہے اور کہا ہے ے

یا کرامی ارجموا اہل الہوٰے ؛ شاہم وردالتوٰے بعد التوی

اسکے بعد فرمایا ہے ے ع
عفو کن اے میر بر سختی او۔ الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے خطاب عام
کے بعد خطاب خاص فرمایا ہے اور سفارش عام کے بعد سفارش خاص فرمائی
ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے اس سفارش میں اور لوگوں کی سفارش میں بہت فرق
ہے چنانچہ لوگوں کی سفارش میں خوشامد کا رنگ ہے اور سفارش میں شان ارشاد

غالب ہے۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ مولانا اس سفارش کے بعد فرمایا ہے ؎

بازبشنو قصۂ میراں دگر ــــ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک گفت گو خود مولانا کی تھی اور یہاں سے مولانا قصہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

علیٰ ہذا مولانا دفتر مذکور میں ایاز کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

من بگو احوال خود را اے ایاز ⁂ گرچہ تصویر حکایت شد دراز الخ

اس شعر میں مصرع ثانی و اشعار آئندہ باواز بلند کہہ رہے ہیں کہ یہ خود مولانا کا خطاب ہے نہ کہ محمود کا۔

تنبیہ ۲۴: مولانا اپنے کلام میں مجازات لغویہ کا بکثرت استعمال کرتے ہیں چنانچہ وہ اکثر نفس کو مردہ کہتے ہیں مگر مراد ان کی اس بغایت ضعیف اور مضمحل ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً مردہ۔ ناواقف مردہ سے معنیٰ حقیقی مراد لیکر دھوکا کھاتے ہیں اور اولیاء اللہ کو معصوم سمجھ بیٹھتے ہیں یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے واضح ہو کہ نفس حقیقتاً تو انبیاء کا بھی مردہ نہیں ہوتا اولیاء اللہ کا تو کیا مردہ ہوتا چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ⁂ شد فراق صدر جنت طوق نفس

لیکن چونکہ انبیاء کے اندر دو خصوصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو اولیاء کے اندر نہیں ہوتیں اسلئے انبیاء حقیقی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ خصوصیت اول یہ ہے کہ انبیاء کو اپنے نفس پر خلقی طور پر اولیاء سے زیادہ قابو ہوتا ہے اسلئے جب ان کو نفس کے کسی تقاضا کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ تقاضائے نفس ہے تو پھر وہ اسکی مطاوعت نہیں کرتے۔ برخلاف اولیاء اللہ کے کہ انکو اپنے نفس پر اتنا قابو نہیں ہوتا جتنا کہ انبیاء کو ہوتا ہے اسلئے کبھی کبھی وہ تقاضائے نفس کو تقاضائے نفس جان کر بھی اسکے حقیقی پر عمل کر بیٹھتے ہیں۔ مگر یہ امر شاذ نادر ہوتا ہے جس کو کالمعدوم سمجھنا چاہیئے دوسری خصوصیت انبیاء میں یہ ہوتی ہے کہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کی حفاظت کا

وعدہ ہوتا ہے۔ برخلاف اولیاء کے۔ کہ گو حق سبحانہٗ ان کی بھی حفاظت فرماتے ہیں مگر اس کا ان سے وعدہ نہیں ہوتا۔ اسلئے کبھی کبھی وہ اپنی حفاظت کو کسی مصلحت سے ان سے بھی اٹھا لیتے ہیں اور یہ بھی اتفاقی اور شاذ نادر ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے انبیاء کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ وہ حقیقی گناہ سے معصوم ہیں۔ اور اولیاء کی نسبت یہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ حقیقی گناہ سے معصوم نہیں ہیں۔ مگر غالب احوال میں بتائید حق سبحانہٗ اس سے محفوظ ہوتے ہیں اور اس بنا پر ضروری ہے کہ جس بزرگ کی مقبولیت عند اللہ قرائن صحیحہ معتبر عند الشرع سے معلوم ہو جائے اس کے کسی نا مشروع فعل کو حتی الامکان معصیت حقیقیہ پر محمول نہ کیا جائے بلکہ بنا بر حسن ظن انکو معذور سمجھا جائے اور ان کے فعل کی کوئی تاویل مناسب کر لی جائے لیکن ایسے افعال میں دوسروں کے لیے ان کی تقلید جائز نہ ہوگی۔

تنبیہ ۲۵: مولانا مثنوی میں آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے جو استدلال فرماتے ہیں اُن میں بعض تو ایسے ہیں جن پر تحریف کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور بعض استدلالات ایسے ہیں جن پر تحریف معنوی کا شبہ ہوتا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ ایسے استدلالات کی حقیقت ظاہر کر دے۔

سو واضح ہو کہ استدلالات مذکورہ میں بعض استدلالات تو ایسے ہوتے ہیں جن کا مبنیٰ مجتہدانہ استنباط ہو سکتا ہے[ے] جیسا کہ انہوں نے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ الخ سے بضم مقدمات خارجیہ یقینیہ۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اصل جانبازی و صدق و وفا و شہادت نفس مقتول ہونا نہیں ہے بلکہ اطاعت حق سبحانہٗ و مخالفت نفس ہے۔ پس ایسے استدلالات پر تو تحریف کا شبہ سراسر وہم ہے۔ رہے وہ استدلالات جن کا منشا نہ استنباط مجتہدانہ ہے اور نہ نصوص ان کے مدعا پر دلالت کرتے ہیں۔ سو ایسے استدلالات کی نسبت یہ گذارش ہے کہ مولانا کا ان استدلالات سے یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ یہ مضمون نصوص کا مدلول اور صاحب

ے جس میں وہ مخطی ہو یا نہ ہو اور سمجھا جائے مصیب۔ کما ہو شان المجتہدین۔

شرع کا مقصود ہے۔ بلکہ ان کا مقصود ان نصوص کے ساتھ استدلال سے محض اعتبار ہوتا ہے یعنی ان نصوص کو اس مدعا سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت کی بنا پر وہ ان سے استدلال کہتے ہیں اور ایسے استدلال اشبہ باستدلالات شعراء وتعبیرات معبرین ہوتے ہیں پس ان پر تحریف کا شبہ بالکل بیجا ہے۔

اب ہم مولانا کے بعض استدلالات کو ان کی توضیحات کے ساتھ درج رسالہ کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر اصل مقصود پورے طور پر منکشف ہو جائے سنیئے!

مولانا نے دفتر پنجم میں بذیل سرخی نواختن سلطان محمود ایاز را الخ ارشاد فرمایا ہے

اے ایاز پر نیاز صدق کیش۔ ⁂ صدق تو از بحر واز کوزہ است بیش

نے بوقت شہوتت باشد عثار ⁂ کہ رود عقل چو کوہت کاہ دار

نے بوقت خشم وکینہ صبرہات ⁂ سست گردد در قرار و در ثبات

اس کے بعد فرمایا ہے

ہست مردے این نہ آں ریش و ذکر ⁂ ورنہ بودے میر میراں کیر خر

ان ابیات میں مولانا نے دعوے فرمایا ہے کہ مناط رجولیت مردے۔ جسم نہیں ہے بلکہ روح ہے پس جس کی روح نفس پر غالب ہوگی وہ مرد ہوگا خواہ اس کا جسم زنانہ ہو اور جس کا نفس روح پر غالب ہوگا وہ عورت ہوگا خواہ اس کا جسم مردانہ ہو۔

اس دعوے پر مولانا نے یوں استدلال فرمایا ہے

حق کرا خواندست در قرآں رجال ⁂ کے بود ایں جسم را آنجا مجال

روح حیواں را چہ قدرست اے پسر ⁂ آخر از بازار قصاباں گذر۔

صد ہزاراں سر نہادہ بر شکم ⁂ ارزشاں از دنبہ واز دنب ست کم

حاصل اس استدلال کا یہ ہے کہ قرآن میں جن کو رجال کہا گیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کی روح نفس پر غالب ہے چنانچہ فرمایا ہے۔

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا۔ اور فرمایا ہے رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الآیۃ۔ اور فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا

كما عاهدوا الله۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کو رجال صفات جسمانیہ وحیوانیہ کے لحاظ سے کہا گیا یا صفات روحانیہ کے اعتبار سے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ صفات جسمانیہ وحیوانیہ کے لحاظ سے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ لفظ موقع مدح میں واقع ہے اور حیوانیت کوئی قابل مدح شے نہیں ہے پس ضرور ہے کہ یہ لفظ صفات روحانیہ کے اعتبار سے اطلاق کیا گیا ہو۔ وہو المدعی ـــ یہ حاصل تھا استدلال کا۔ اس پر تحریف کا شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ نصوص مذکورہ میں لفظ رجال اپنے معنی لغوی میں مستعمل ہے۔ اور مولانا کا یہ مقدمہ کہ لفظ رجال مدح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ممنوع ہے لیکن اس کو تحریف کہنا سراسر غلطی ہے کیونکہ یہ تحریف نہیں ہے۔ بلکہ مجتہدانہ استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ رجال آیت میں بنا بر قرائن مخصوصہ مصروف عن المعنی الحقیقی اور محمول بر معنی مجازی ہے اور اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو قرائن مولانا نے صرف عن المعنی الحقیقی کے لیے قائم کیے ہیں وہ ناکافی ہیں اسلئے ان کی بنا پر معنی حقیقی کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ مجتہدانہ اعتراض ہے پس یہ اختلاف رائے ہوگا جو کہ مجتہدین میں ہوا کرتا ہے لہذا اس کی بنا پر مولانا کے استدلال کو تحریف نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) نیز وہ فرماتے ہیں ؎

صدق جان دادن بود ہیں سابقوا	از نبی برخواں رِجَالٌ صَدَقُوا
ایں ہمہ مردن نہ مرگ صورت ست	ایں بدن مر روح را چوں آلت ست
اے بسا خامیکہ ظاہر خویش ریخت	لیک نفس زندہ آں جانب گریخت
آلتش بشکست و رہزن زندہ ماند	نفس زندہ است ارچہ مرکب خوں فشاند
اسپ کشت و رہ نرفت آں خیرہ سر	ماند خام و خیرہ سر آں بے خبر
گر بہر خونریزئے گشتے شہید	کافرِ کشتہ بدے ہم بو سعید
اے بسا نفس شہید معتمد	مردہ در دنیا چو زندہ میرود
روح راہزن مرد و تن کہ تیغ اوست	ہست باقی در کف آں غزو دوست

تیغ آں تیغ ست مرد آں مرد نیست ❊ لیکن ایں صورت ترا حیران کنی ست

نفس چوں مبدل شود ایں تیغ تن ❊ باشد اندر دست صنع ذو المنن

ان ابیات میں مولانا نے دعوے کیا ہے کہ صدق اور وفا حقیقت ہیں جان بازی ہے اور دلیل اسکی یہ بیان فرمائی ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن میں جاں بازی کو صدق فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ یعنی مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو صادق العہد اور وفا دار ہیں۔ سوان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو شہید ہو چکے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو منتظر شہادت ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ صدق و وفا جان بازی کا نام ہے اس کے بعد فرمایا ہے کہ جانبازی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی مقتول ہو جائے کیونکہ بدن روح کا آلہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اعمال صالحہ کر کے تقرب عنداللہ حاصل کر سکتے ہیں اور اسی لیے وہ اسکو عطا کیا جاتا ہے پس اسکو کھو دینا نہ فی نفسہ کوئی کمال ہو سکتا ہے اور نہ وہ شرعاً مطلوب ہو سکتا ہے لہٰذا اس کا ضائع کرنا موجب مدح اور مسمیٰ بہ صدق و وفا نہیں ہو سکتا اور نہ اسکو جانبازی کہا جا سکتا ہے بلکہ اصل جان بازی جو موجب مدح اور فی نفسہ کمال اور مسمیٰ بہ صدق و وفا اور شرعاً مطلوب ہے وہ ترک خودی اور اطاعت کاملہ اور نفس کشی ہے۔

اور چونکہ صحابہ مذکورین فی الآیہ میں یہ معنی جانبازی کامل طور پر متحقق تھے اور انہوں نے حق سبحانہ کی اس درجہ اطاعت کی تھی کہ اسکے اطاعت میں جان تک دیدی تھی یا جان دینے پر آمادہ تھے اسلیے آیت میں ان کی تعریف کی گئی۔ اور ان کو صادق العہد اور وفا کہا گیا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جان بازی کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت تو مقتول ہونا ہے اور حقیقت ترک خودی و اطاعت حق سبحانہ۔ اور صورت جانبازی نہ فی نفسہ کمال ہے اور نہ شرعاً مطلوب۔ لہٰذا اسکو صدق و وفا نہ کہا جائے گا پس صدق و وفا حقیقت جانبازی ہوگی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی بذریعہ نفس کشی ترک خودی اور اطاعت کاملہ کرے تو اسکو صادق العہد اور جانباز اور وفادار اور شہید کہا جائے خواہ وہ

زندہ ہو یا مقتول یا مُردہ بغیر قتل - اور اگر کوئی نفس کشی نہ کرے بلکہ خودی اور مخالفت میں منہمک رہے لیکن مقتول ہو جائے جیسے کفار مقتول ہوتے ہیں یا بعض مسلمان - ریا و سمعہ کے لیے مقتول ہوتے ہیں تو ان کو جانباز یا صادق العہد یا شہید وغیرہ نہ کہا جائے یہ استدلال استنباط مجتہدانہ پر مبنی ہے اور تمام مقدمات اسکے واجب التسلیم ہیں -

(۳) نیز فرماتے ہیں ؎

تو نمی دانی کہ دایہ دائگاں ⁂ کم دہد بے گریہ شیر او رائگاں

گفت ولیبکوا کثیراً گوش دار ⁂ تا بریزد شیر فضل کردگار

مولانا نے اس استدلال میں ولیبکوا کثیرا کو طلب گریہ پر محمول کیا ہے جو کہ آیت میں مقصود نہیں ہے اسلئے یہ استدلال مشابہ ہوگا - مومن خاں کے اس استدلال کے

؎ حسن انجام کا مومن میری بار ہے خیال ⁂ یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

کیونکہ مومن خاں نے محبوبہ کے خیال حسن انجام پر محمول کیا - جو کہ اسکے کلام کا مدلول نہیں ہے -

(۴) نیز فرماتے ہیں ؎

تو ستوری ہم کہ نفست غالی ست ⁂ حکم غالب را بود اے خود پرست

خر نخواندت اسپ خواندت ذوالجلال ⁂ اسپ تازی را عرب گوید تعال

اس استدلال میں مولانا نے لفظ تعالوا سے آدمیوں کے گھوڑا یعنی صالح الاستعداد ہونے پر استدلال فرمایا ہے - اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ عرب جب گھوڑے کو بُلاتے ہیں تو تعال کہتے ہیں اور گدھے کو اس لفظ سے نہیں بُلاتے - یہ استدلال ایسا ہے جیسا مومن خاں کا یہ استدلال ہے ؎

پرہیز سے اسکے گئی ہمارے دل آہ ⁂ بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

توضیح اسکی یہ ہے - کہ جب معشوق کی طرف سے اعراض ہوتا ہے اور جذب نہیں رہتا تو عاشق کی محبت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے ـــــ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ لفظ پرہیز جس طرح معشوق کے اجتناب پر بولا جاتا ہے یونہی بیمار کے ناموافق غذا

وغیرہ سے بچنے پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص پرہیز کرتا ہے اسی کی بیماری جاتی ہے اور ایک کے پرہیز سے دوسرے کی بیماری نہیں جاتی۔ پس مومن کہتا ہے کہ معشوق کے پرہیز سے میری بیماری جاتی رہی۔

یہ دلیل ہے۔ میری اور اس کی اتحاد کی۔ کیونکہ اگر مجھ میں اور اس میں اتحاد نہ ہوتا تو اس کی پرہیز سے میری بیماری کاہے کو جاتی پس ثابت ہوا کہ جس زمانہ میں مجھ میں اور اس میں ناموافقت تھی اس وقت بھی ہم میں اتحاد تھا پس جس طرح اس استدلال کا مبنی اشتراک لفظ پرہیز ہے یوں ہی مولانا کے استدلال کا بھی یہی اشتراک لفظ تعالوا ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: آخر میں ہم ناظرین شرح حبیبی کو تنبیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شرح مذکور میں ہم سے تنبیہات مذکورہ میں سے کسی تنبیہ کی صریح مخالفت ہوئی ہو تو وہ ہمیں معذور سمجھیں کیونکہ معلومات مذکورہ ہم کو ابتدا میں حاصل نہ تھے تاکہ ابتدا سے ان کا لحاظ رکھا جاتا۔ بلکہ ان کے ضبط کا خیال اس وقت پیدا ہوا جبکہ دفتر پنجم کے نصف ثانی۔ پھر نظر ثانی کا قصد ہو کر اور اس پر نظر ثانی کرنے کے زمانہ میں انکو مرتب کیا گیا۔ اسلئے ان کا تفصیلی علم اسوقت ہوا جبکہ ہم دفتر پنجم کے نصف ثانی پر نظر ثانی کر رہے تھے۔ والسلام۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلہ التبلیغ کا چھبیسواں وعظ مسمی بہ

شکر المثنوی

یعنی

تقریر حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب جو کہ آپ نے اس جلسہ میں فرمائی جو کہ بتقریب اختتام کتاب شرح مثنوی مدرسہ امداد العلوم میں بتاریخ ۴، شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ منعقد ہوا تھا اور جس کو احقر العباد حبیب احمد کیرانوی نے ضبط کیا۔

اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

سبب وعظ

ایک عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ مثنوی کی شرح کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کے تمام دفتروں کی شرح ہونی چاہئے اس لئے میں نے اس کا کام شروع کیا۔ اور جس طرح ہو سکا دفتر اول اور دفتر ششم کی شرح کی باقی دفتروں کی شرح کا سرانجام چونکہ بعض عوائق کی وجہ سے مجھ سے بلا استعانت نہ ہو سکتا تھا اس لئے میں نے اس کی تکمیل میں اپنے بعض احباب سے مدد لی اور بحمد اللہ اب مکمل ہو گئی چونکہ یہ انعام تھا حق سبحانہٗ کی طرف سے اور ہر نعمت شکر کو مقتضی ہوتی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ حق سبحانہٗ کے اس انعام کا شکر یہ ادا کیا جاوے پس یہ جلسہ اس کے شکر کے لئے منعقد کیا گیا ہے (جس میں تداعی و اہتمام وغیرہ کو دخل نہیں) لیکن جو آیت اس وقت اختیار کی گئی ہے اس پر بادی النظر

میں عدم مناسبت بمقصود جلسہ کا شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں بیان ہے حق سبحانہٗ کے تفرد بالغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا جس کو شکر سے بظاہر کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی اس لئے قبل اس کے کہ نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت متلوہ مقصود جلسہ سے بے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کو اس سے ایک نہامض اور باریک تعلق ہے۔

شکر کا مفہوم

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شکر کے معنی ہیں منعم کے۔ انعام کے جواب میں منعم کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے منعم کی عظمت ظاہر ہوتی ہو پس اس وقت ہمارا حق سبحانہٗ کے انعام کے جواب میں اس آیت کا تلاوت کرنا جو کہ اس کی توحید صفاتی پر دلالت ہے اور اس کی تفرد بالقہر والغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا دل اور زبان سے اقرار کرنا اس کلیے کا ایک فرد اس مقسم کی ایک قسم ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ صرف اسی آیت کا نہیں بلکہ ہر ایسی آیت جس سے حق سبحانہٗ کی توحید اور عظمت و جلالت شان ظاہر ہو اس کا تعلق شکر سے ہے۔ اس سے نہایت واضح طور پر آیت متلوہ کا تعلق مقصد جلسہ سے ظاہر ہو گیا اب نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس آیت کا تعلق توحید سے ہے اپنی ذات سے بھی کیونکہ اس میں بیان ہے تفرد بالقدرۃ والغلبۃ والحکمۃ جو کہ توحید صفاتی کا فرد اور اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی۔

توحید ذاتی، صفاتی اور افعالی

کیونکہ اس سے قبل حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اس میں انہوں نے اپنی ان صفات و افعال کا بیان کیا ہے جو

ان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں پس اس کا تعلق توحید صفاتی و توحید افعالی دونوں سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا ہے یَآاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۔ اس میں توحید ذاتی و توحید صفاتی و توحید افعالی تینوں کا بیان ہے پس ان تینوں کا تعلق توحید سے ہے۔ یہاں توحید کے بعد حق سبحانہ نے مسئلہ رسالت کو بیان فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔ اِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اس کے بعد معاد کا بیان فرمایا ہے۔

تین امہات مسائل

اور ارشاد فرمایا ہے یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ۔) یہ تینوں مسئلے امہات مسائل میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن پاک میں ان تینوں کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور ان پر زبردست براہین قائم کی ہیں امام رازیؒ نے اس پر جا بجا تنبیہ کی ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ تینوں مسئلے اصل ہیں اور باقی مسائل ان کی فروع اور یہ مضمون بالکل ٹھیک ہے جو شخص بامعان نظر قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا اس کو اس کی قدر ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کرے گا ان تینوں میں سب سے اہم مسئلہ توحید ہے اس کے بعد مسئلہ رسالت اس کے بعد مسئلہ معاد اس لئے حق سبحانہ نے اس مقام پر اول مسئلہ توحید کو بیان فرمایا اس کے بعد مسئلہ رسالت کو اس کے بعد مسئلہ معاد کو۔ اس گفتگو کا تعلق تو نوعیت مضمون آیت سے تھا اب اس کا مضمون شخصی بیان کیا جاتا ہے اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہ نے مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فرمایا ہے جس میں انہوں نے کلمہ ما استعمال فرمایا ہے جو ابہام کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے پھر اس ابہام کی توضیح میں من رحمۃ فرمائی ہے۔

پس حاصل اس جملہ کا یہ ہوگا کہ حق سبحانہ جس رحمت کو بھی کھول دیں اس کا کوئی روکنے

والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کمال غلبہ وقدرت

اس سے حق سبحانہٗ کا کمال قدرت وغلبہ ظاہر ہوا اور معلوم ہوگیا کہ اس سے بڑھکر کوئی قوت اور قدرت والا نہیں جو اس کا مزاحم ہوسکے اور گو واقعی طور پر اس پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا مگر سطح نظر میں اور محض احتمال عقلی کے طور پر شبہ ہوسکتا تھا اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ فتح حق سبحانہٗ کے بعد کوئی روکنے والا نہیں لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے روکنے کے بعد کوئی کھول بھی نہیں سکتا اس لئے حق سبحانہٗ نے اس احتمال کو بھی دفع کر دیا اور فرمایا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ یعنی جس کو وہ روک لیں اس کو کوئی چھوڑنے والا بھی نہیں۔ اب یہی ایک احتمال عقلی باقی تھا وہ یہ کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس کے فتح اور امساک کے بعد اس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود فتح وامساک کی حالت میں بھی اس کا کوئی مزاحم ہوسکتا ہے یا نہیں اس احتمال کے اٹھانے کے لئے فرمایا وھو العزیز یعنی عزت وغلبہ عین منحصر ہیں اس کی ذات میں۔ اور وہی ہر حیثیت سے سب پر غالب ہے اس پر کسی طرح بھی کوئی غالب نہیں اب تمام احتمالوں کا خاتمہ ہوگیا اور اس کا تفرد بالغلبۃ باکمل وجہ ظاہر ہوگیا۔ یہ تو ہوگیا مگر اس پر ایک شبہ اور ہوسکتا تھا وہ یہ کہ جب اس کو ایسی قدرت اور قوت حاصل ہے اور اس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا تو شاید اس کی بھی وہی حالت ہو جو با اقتدار انسانوں کی ہوتی ہے کہ بلا لحاظ مصلحت ومنفعت جو جی میں آیا کر بیٹھے اس کے دفع کے لئے الحکیم بڑھا دیا اور ظاہر کر دیا کہ ہمارے افعال لاابالی حکام وسلاطین کے سے نہیں بلکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہم کو مصلحت وحکمت ملحوظ ہوتی ہے سبحان الذی تکلم بھذا الکلام البلیغ الدقیق الاسرار۔

آیت مبارکہ کے دقیق نکات

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ جملہ مَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ اور وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یہ دونوں جملہ تاکید ہیں مضمون مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَہٗ کی کہ جس سے مقصود تمام اوہام وشکوک کو زائل کر کے اپنی کمال قدرت وحکمت، کا ظاہر کرنا ہے جو اصل مقصود ہے اس آیت کا تو یہ بیان تھا حق سبحانہٗ کے عموم وکمال قدرت کا جو کہ اس آیت سے مقصود ہے۔ اب سنئے کہ رحمت کے لغوی معنے رقت قلب اور نرم دلی ہیں حق سبحانہٗ چونکہ دل اور نرمی سے جو کہ ایک خاص قسم کا تاثر اور انفعال ہے پاک اور منزہ ہیں اس لئے یہ لفظ اس مقام پر جہاں کہیں وہ حق سبحانہٗ کے لئے استعمال کیا جاوے جیسے رحمٰن رحیم وغیرہ اپنے معنی لغوی میں مستعمل نہیں ہو سکتا بلکہ مجازاً بعلاقہ سببیت اثر رقت قلب یعنی فضل وانعام احسان مراد ہو گا۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق سبحانہٗ نے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فرمایا اور من خیر نہیں فرمایا حالانکہ مطلب من خیر کا بھی وہی ہے جو من رحمۃ کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں اشارہ ہے اس طرف کہ حق سبحانہٗ کے تمام انعامات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں اور یہ اشارہ لفظ خیر میں نہ تھا اس لئے اس کے بجائے اس کو اختیار کیا چونکہ اس مضمون کو سن کر کہ حق سبحانہٗ کے تمام احسانات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں کسی کو خلجان ہوتا اس لئے میں اس کو بھی زائل کئے دیتا ہوں یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے انعامات کو بندوں کے انعامات کے مماثل سمجھا گیا ہے اور اپنی طاعت کو طاعت عباد کی مانند خیال کیا گیا لیکن خود یہ قیاس ہی غلط ہے کیونکہ آدمی جب بندہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنے قویٰ اور اعضاء وغیرہ کو ایک ایسے شخص کے کام میں لگاتا ہے جو اس کے مملوک ومصنوع ہیں اور اس لئے اس کو ان سے انتفاع کا کوئی حق بھی نہیں ہے اس بنا پر خادم مخدوم سے معاوضہ

کا مستحق ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ سبحانہٗ کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے
تو وہ خود حق سبحانہٗ کی مملوک چیزوں کو اس کے کام میں لگاتا ہے اور وہ خود بھی حق
سبحانہٗ کا مملوک ہے ایسی صورت میں وہ اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہو سکتا
کیونکہ مملوک من حیث ہو مملوک کا مالک پر کوئی حق نہیں یہ مضمون آپ کی سمجھ میں یوں
آسانی سے آجائے گا کہ جب کوئی شخص کسی کی ملازمت کر لیتا ہے تو اب وہ من حیث
الخدمت اس کا مملوک ہو جاتا ہے خواہ عارضی ہی طور پر سہی پس جب وہ کوئی اپنا
فرض منصبی انجام دیتا ہے تو اس کے معاوضہ میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں سمجھا
جاتا ایسی حالت میں اگر آقا اس کی خدمت کا کوئی صلہ دے تو وہ اس کا انعام اور
احسان سمجھا جاتا ہے اور اپنی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کیا جاتا ہے پس جب
کہ اس کمزور اور برائے نام ملک کا یہ اثر ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ملک حقیقی پر اپنی
خدمت کے کسی معاوضہ کا کیا حق رکھ سکتا ہے اب ہم کو یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ بندہ حق
سبحانہٗ کا مملوک محض ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز
کسی کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے کیونکہ وہ ابتداءً میں معدوم محض اور اپنے تمام کمالات
حتی کہ اپنی ہستی سے بھی عاری تھا ایسی حالت میں اس کی کوئی چیز خود اس کی ذاتی
کیسے ہو سکتی ہے پس لامحالہ اس کی تمام چیزیں کسی دوسرے کی مملوک ہیں اور خدا
کے سوا اگر کوئی اس کے مالک ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے تو اس کے ماں باپ ہو سکتے
ہیں کیونکہ ان سے زیادہ اس کے ہستی میں کسی کو دخل نہیں ہے حتی کہ اسی دخل کی بنا پر
بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا اور وہ اپنا خالق اپنے ماں باپ کو سمجھ بیٹھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل

چنانچہ جس زمانہ میں میرے ماموں منشی
شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانے میں ایک انسپکٹر مدارس
مدرسہ میں امتحان کے لئے آئے اثنائے امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب
کے خلاف سوال کیا کہ بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے لڑکے بیچارے کیا جواب دیتے

وہ تو خاموش رہے ماموں صاحب نے فرمایا کہ جناب مجھ سے پوچھئے میں جواب دوں گا۔ انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے انہوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجئے ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تم معدوم تھے اور اب موجود ہوا اور ہر حادث کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے وہ علت خدا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے نہ کہ خدا نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا اس نے کہا کہ ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو الی غیر النہایہ یوں ہی سلسلہ چلا جاوےگا یا کہیں جا کر ختم ہوگا، پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑے گا اس کا اس سے کچھ جواب نہ آیا اور اس نے کہا کہ آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں۔ غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے وہ یہ کہ اچھا اگر خدا ہے تو آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہماری آنکھ درست کر دے یہ انسپکٹر کانا تھا ماموں صاحب نہایت ظریف تھے انہوں نے کہا بہت بہتر ہے ابھی کہتا ہوں یہ کہکر انہوں نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انسپکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس کو دو آنکھیں عطا کی تھیں اس نے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اس پر غصہ آیا ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوا جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ خراب لکھ گیا اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہو گیا۔

قہر کی دو قسمیں

یاد رکھو کہ حق سبحانہٗ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورتاً بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

کیونکہ اس میں توبہ اور انابت الی الحق کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لئے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو اس وقت ہو جب کہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہے تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہٗ کی طرف کیسے رجوع ہوگا بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے ذوق وشوق واحوال و مواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اس کو صدمہ نہیں پہنچتا اس سے وہ معاصی پر اور دلیر ہو جاتے ہیں واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ نسبت احوال مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہٗ سے اور حق سبحانہٗ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہے۔ احوال ومواجید سو یہ غالب احوال میں اس تعلق کی امارات ہوتی ہیں نہ وہ عین تعلق خاص ہیں اور نہ اس تعلق کو مستلزم ہیں اور اگر بالفرض احوال واذواق ہی کو تعلق مع اللہ یا اس کو مستلزم کہا جاوے۔ تو اس سے صرف یہ لازم آئے گا کہ اس کو خدا کے ساتھ تعلق ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خدا کو بھی اس سے تعلق ہو پس ایسے سالک کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طالب علم سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہاری شادی ہوگئی یا نہیں اس نے جواب دیا آدھی ہوگئی اور آدھی نہیں ہوئی اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا کہ میں فلاں شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے تراضی طرفین کی ضرورت ہے سو میں تو رضامند ہوں مگر وہ رضامند نہیں پس جس طرح اس طالب علم کی رضامندی بغیر شاہزادی کی رضامندی کے بے سود اور کالعدم تھی یونہی اس سالک کا تعلق بغیر حق سبحانہٗ کے تعلق کے بے کار ہے۔

مستی روحانی اور مستی شہوانی میں فرق

پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ ہرگز باقی نہیں رہ سکتی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ایک مقام پر مہمان گیا میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے ہم نے ایک مسجد میں سونے کا ارادہ کیا اتفاق سے اس روز محلہ میں گانا بجانا بھی ہو رہا تھا مجھ کو آواز پہنچی میں نے سونے کے لئے دوسری جگہ تجویز کی مگر میرے ساتھی مسجد ہی میں رہے صبح کو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ رات جس قدر میرا نوافل میں جی لگا ہے اور جس قدر مجھے مزہ آیا ہے اتنا کبھی نہیں آیا محلہ سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں جس سے ذوق وشوق کو حرکت ہو رہی تھی اور میں اسی ذوق وشوق میں نماز پڑھ رہا تھا اور مجھ پر ذوق وشوق کا ایسا غلبہ تھا کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے میں نے کہا کہ جناب یہ تو صحیح ہے کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ وہ کس چیز سے دفع ہوئے تھے اور مستی ذوق وشوق کس چیز کا تھا یہ مستی روحانی نہ تھی بلکہ شہوانی تھی جو راگ باجے سے منبعث ہوتی تھی پس دافع خطرات خود خطرات سے زیادہ خطرناک تھا ایسی حالت میں یہ اندفاع خطرات کیا قابل قدر ہو سکتا ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی کے بچھو کاٹ لے اور وہ رفع تکلیف کے لئے سانپ سے کٹوالے ایسا کرنے سے وہ تکلیف تو ضرور جاتی رہے گی مگر جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ پس یہ کہنا کہ گانے سے خطرات دفع ہو گئے تھے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ کا مفہوم

اسی مثل پر ایک حکایت یاد آئی وہ ہے تو غیر مہذب مگر موضح خوب ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملا دو پیازہ سے بادشاہ نے پوچھا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے کیا معنی ہیں انہوں نے اس وقت اس کا جواب نہیں دیا اور موقع کے منتظر رہے ایک روز بادشاہ آگے آگے جا رہے تھے پیچھے سے ملا نے ان کی پشت میں انگلی سے اشارہ کر دیا اس نے منہ موڑ کر دیکھا اور تیز لہجہ میں کہا یہ کیا

نالائق حرکت ملا نے جواب دیا کہ قصور معاف ہو میں سمجھا کہ بیگم صاحبہ ہیں اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہوا تب ملا نے کہا کہ یہ معنی ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ کے اس طرح ان صاحب کا یہ عذر کہ مجھ کو خطرات بند ہو گئے۔ اسی مثل کا مصداق ہے۔

اصرارِ معصیّت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی

خلاصہ یہ ہے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور ذوق و شوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے وہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہئے اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے۔

موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

جیسے اس منکر توحید کو پیش آیا۔ ہاں ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر خدا کے سوا کسی پر مالک ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو ماں باپ ہو سکتا ہے جیسے اس منکر نے اپنی بکواس میں کہا تھا لیکن ماں باپ بھی مالک نہیں ہو سکتے کیونکہ گو ان کو ان کی ہستی میں گو نہ دخل ضرور ہے مگر وہ اس کے خالق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ امر مشاہد ہے کہ اس کے وجود میں ان کے اختیار کو کچھ دخل نہیں چنانچہ بہت لوگ عمر بھر اولاد کے متمنی رہتے ہیں اور اولاد نہیں ہوتی اور بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے اولاد نہ ہو مگر ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ کو بچے کی ہستی میں محض برائے نام دخل ہے اور موثر حقیقی اور مفیض وجود فقط حق سبحانہ ہیں پس وہ ہی اس کی تمام چیزوں کے مالک ہوں گے اور جب وہ مالک ہیں تو بندہ کو اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کچھ استحقاق نہیں ہے جیسا کہ ہم پیشتر اس کی تفصیل کر چکے اور جب کہ اس کا کوئی استحقاق نہیں تو حق سبحانہ کے انعامات اس کا فضل محض ہوں گے اس لئے بجائے من خیر کے من رحمۃ فرمایا ہے۔ یہاں تک معلوم ہو گیا کہ رحمت سے مراد انعام خداوندی اور اس کا فضل و احسان ہے اور یہ بھی

معلوم ہوگیا کہ لفظ رحمت کو لفظ خیر پر کیوں ترجیح دی گئی ۔

لفظ رحمت کا مفہوم

اب ہم رحمت وفضل واحسان وانعام وارد فی الآیہ کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں رحمت عام ہے صحت ۔ امن ۔ علم ۔ عمل ۔ غرض کہ ہر مفید چیز کو خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حتیٰ کہ رُوح المعانی نے عروہ بن الزبیر سے نقل کیا ہے کہ شُغدف بھی رحمت ہے کیونکہ اس سے سفر میں راحت پہنچتی ہے مگر لوگ معمولی چیزوں کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ صرف بڑی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں جو کہ بڑی مشقتوں کے بعد ملتی ہیں اسی لئے وہ چھوٹی نعمتوں پر شکر بھی نہیں کرتے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے ۔ میں جس زمانہ میں تفسیر لکھ رہا تھا اسی زمانہ میں شاید سہارن پور ریلوے تیار ہو رہی تھی حسن اتفاق سے جس روز میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی روز ہماری عیدگاہ کے سامنے پٹڑی بچھائی جارہی تھی اس وقت مجھے عروہ کا قول دیکھ کر خیال ہوا کہ ریل بھی خدا کی نعمت اور وہ بھی رحمت میں داخل ہے ۔

تھانہ بھون میں ریل جاری ہونے کی تاریخ

پس میں نے اس مقام پر اس واقعہ کا بھی تذکرہ حاشیہ میں کر دیا اور ریل کے تھانہ بھون پہنچنے کی تاریخ بھی لکھ دی تاکہ بیک کرشمہ دو کار ہو جاوے ۔ آیت کی تفسیر بھی ہو جاوے اور تاریخ بھی منضبط ہو جاوے اب اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ ریل تھانہ بھون میں کب جاری ہوئی ہے تو میں کہتا ہوں کہ میری تفسیر دیکھ لو وہ متحیر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو تفسیر سے کیا مناسبت ہے تو میں ان سے واقعہ بیان کر دیتا ہوں میں ریل کے نعمت ہونے کی ایک سند ایک بڑے شخص سے بھی رکھتا ہوں جب میری عمر ۱۴ برس کی ہوگی اس زمانہ میں مولانا شیخ محمد صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا ایک وعظ میں آپ نے فرمایا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے ۔

بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے نعمت پہنچنا

گو دوسروں کی بنائی ہوئی ہے کیونکہ نعمت بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے پہنچتی ہے شاید کسی کو سنکر استعجاب ہو اس لئے میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ پس جب کہ کافر کے ہاتھ سے دین کی تائید واقع ہے تو کفار کے ہاتھ سے دنیوی نعمت کا پہنچنا کیوں مستبعد ہے اس مقام پر ایک حکایت یاد آگئی ایک شیعی نے ایک عالم سے کہا آپ لوگ حضرت عمرؓ کی اشاعت اسلام پر فخر کرتے ہیں اور اس کو ان کے کامل مسلمان ہونے کی دلیل بتاتے ہیں حالانکہ اس سے ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جس دین کی وہ مدد کرے گا وہ دین اسلام اور دین حق ہوگا اب اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق بناتے ہو تو اس سے اتنا تو لازم آیا کہ انہوں نے دین الٰہی میں مدد کی ہے اب یہ دیکھ لو کہ جس دین کی انہوں نے مدد کی ہے وہ شیعوں کا دین ہے یا سنیوں کا تم ضرور یہی کہو گے کہ سنیوں کا پس سنیوں کے مذہب کا حق ہونا ثابت ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دین بھی یہی تھا لہٰذا ان کا مسلمان اور کامل الایمان ہونا بھی ثابت ہو گیا یہ سنکر وہ شیعی صاحب مبہوت ہو گئے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ ریل بھی رحمت میں داخل ہے۔

قرآن میں ریل کا ذکر

اب ہم کہتے ہیں کہ اس بنا پر اگر یوں کہا جاوے کہ منجملہ اور نعمتوں کے ریل کا ذکر بھی قرآن میں ہے تو ایک حد تک صحیح ہے اور یہ امر کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اجمالی ذکر کا انکار محض بلاوجہ ہے اس کا اجمالی ذکر صرف اسی آیت میں نہیں ہے بلکہ دوسرے علماء نے اور آیات میں بھی اس کو داخل کیا ہے مثلاً حق سبحانہٗ

مراکب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اس آیت کے عموم میں ریل بھی داخل ہے کیونکہ اوپر سے سواری اور بار برداری کے جانوروں کا تذکرہ آرہا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ پس گویا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایجاد ریل کی خوش خبری بھی سنادی اور حاصل یہ ہوا کہ مذکورہ بالا سواری اور بار برداری کے جانور تو ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے ہی ہیں ان کے علاوہ ہم ایک اور بار برداری کی (ریل) پیدا کریں گے جس کا اب تم کو علم بھی نہیں ہے اس سے کسی قدر زیادہ واضح طور پر اس کو ایک مقام پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ کیونکہ ریل بہ نسبت چوپاؤں کے کشتی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے (ولکن لا یناسب ھذا المحمل قولہ تعالیٰ وخلقنا الا ان یؤول والتاویل بعید فلیتامل) خیر تو جبکہ ریل اور شغدف وغیرہ نعمائے دنیویہ بھی رحمت میں داخل ہیں تو نعمائے اخرویہ مثل علم وغیرہ بالاولیٰ اس رحمت میں داخل ہوں گے خصوص علم کا عموم رحمت میں داخل ہونا ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام پر اپنے انعام واحسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ اس سے علم کا ایک رحمت کبریٰ اور موہبت عظمیٰ ہونا ظاہر ہے۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ رحمت ہر مفید چیز کو شامل ہے خواہ دنیوی ہو یا دینی اور چھوٹی ہو یا بڑی اسی بنا پر حق سبحانہٗ نے بعض جگہ اپنے کلام میں نبوت کو کہ اکمل فرد ہے علم کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔

رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہے

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ۔ تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو علاوہ اور اعتراضوں کے کفار نے کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا اور اس کو کیوں نہ نبی بنایا گیا حق سبحانہٗ ان کے اس قول کو نقل فرما کر اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی رحمت یعنی نبوت کو کیا یہ لوگ اپنی تجویز سے تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کیونکہ سامان معیشت سی ادنی چیز کو تو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کے تقسیم کا ان کو اختیار نہیں دیا ہے نبوت سی عظیم الشان شے کو یہ خود کیوں کر تقسیم کریں گے اور ان کو اس کے تقسیم کا کیا حق ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہوا ہے تو اس سے ایک دوسری آیت کی تفسیر بھی ہوگئی اور ایک بڑا معرکۃ الارا مقام حل ہوگیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی رسالت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی یہ بیچ میں انسان کے بخل کا ذکر کیسے آگیا مفسرین نے اس کے متعلق کوئی تسکین بخش بات نہیں لکھی۔ امام رازی نے گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی شافی بات نہیں لکھی لیکن جب کہ رحمت سے نبوت مراد لی جاوے اس وقت آیت مذکورہ بے تکلف اپنے ماقبل و مابعد سے مرتبط ہو جاوے گی۔

حافظ قرآن ہونا علم تفسیر میں معین ہے

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مفسر کے لئے علاوہ دیگر شرائط کے حافظ ہونا بھی بہت معین ہے کیونکہ القرآن بعضہ یفسر بعضاً۔ مسلم ہے پس حافظ کی نظر چونکہ پورے قرآن پر ہوتی ہے اس لئے جس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ مقصود آیت کی توضیح وہ کر سکتا ہے اس

قدر آسانی اور صحت کے ساتھ غیر حافظ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تفسیر کے وقت ایک مضمون کی تمام آیتوں کو ذہن میں مستحضر کرے گا اس کے بعد تفسیر کرے گا برخلاف غیر حافظ کے کہ اس کی نظر صرف ایک ہی آیت تک محدود ہوگی اور وہ جو کچھ سمجھے گا اسی ایک آیت سے سمجھے گا البتہ غیر حافظ مولویوں کے لئے تفسیر ابن کثیر زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اس مضمون کی تمام آیتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں اس کے بعد تفسیر کرتے ہیں لیکن جس قدر تفسیر ابن کثیر سے غیر حافظ مولویوں کے لئے آسانی ہوتی ہے اسی قدر بخاری کی کتاب التفسیر سے ان کو پریشانی بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا ہے کہ جس صورت یا آیت کی تفسیر کے لئے انہوں نے باب منعقد کیا ہے بعنوان صریح اس کی تفسیر کریں بلکہ وہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک سورۃ کے ذیل میں بلا تصریح دوسری سورۃ کے کسی لفظ کی تفسیر کر جاتے ہیں طالب علم اس لفظ کو اس سورۃ میں تلاش کرتے ہیں جب وہ نہیں ملتا تو پریشان ہوتا ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کو یہ پریشانی نہیں ہو سکتی میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں سنو امام بخاری نے باب منعقد کیا ہے باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب اور اس باب میں لکھا ہے الدین الجزاء فی الخیر والشر کما تدین تدان قال مجاھد بالدین بالحساب مدینین محاسبین۔ پس جب طالب علم قال مجاھد بالدین بالحساب پر پہنچتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ بالدین سورۃ فاتحہ میں کہاں ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کا ذہن فورًا ارأیت الذی یکذب بالدین کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سمجھ لے گا یہ لفظ فلاں سورت میں واقع ہوا ہے اور وہاں اس کی تفسیر منقول ہے اس تفسیر سے مالک یوم الدین کی تفسیر ہے علیٰ ہذا جب وہ مَدِیْنِیْنَ محاسبین پر پہنچے گا اور مدینین کو سورۃ فاتحہ میں نہ پائے گا تو متحیر ہوگا لیکن حافظ کا ذہن فورًا لَوْلَا اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ الخ کی طرف جو کہ سورۃ واقعہ میں ہے منتقل ہوگا اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ تفسیر دوسری سورۃ سے متعلق ہے اس سے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مولویوں اور طالب علموں کے لئے حفظ قرآن کی نہایت

شدید ضرورت ہے اسی واسطے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے جب کوئی شخص عربی پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ بتلاؤ کہ تم حافظ بھی ہو یا نہیں اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہتا کہ جی ہاں میں حافظ ہوں تو آپ فرماتے تھے کہ میں تمہارے مولوی ہونے کا ذمہ کرتا ہوں اور کہتا کہ حافظ تو نہیں ہوں تو فرماتے اچھا کوشش کرو میں بھی دعا کروں گا اور تم بھی دعا کرنا چونکہ اوپر رحمت کی تفسیر میں نبوت و مطلق علم کا فرد رحمت ہونا مذکور تھا جس سے علم کا نبوت کی ساتھ ملابس ہونا معلوم ہوتا ہے۔

نبوّت ناقابلِ انقسام منصب ہے

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ایک کام کی بات بتلادی جاوے نبوت ایک منصب خاص ہے جو حق سبحانہٗ کی طرف سے اس کے خاص بندوں کو بالتخصیص عطا ہوتا ہے بعض چیزیں اس کے لوازم یا مناسبات میں سے ہوتی ہیں جو حقیقۃً نہ عین نبوت ہوتی ہیں نہ جزو نبوت مثلاً علم یا رویائے حقہ وغیرہ بعض لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ نبوت کو قابل انقسام سمجھ کر اور اس کے حصے اور اجزاء متعین کرکے اپنے کو جزوی نبی کہنے لگتا ہے یہ ایک سخت مغالطہ ہے اس سے آگاہ رہنا چاہئے۔

رویائے صالحہ کے نبوت کے چالیسواں جزو ہونیکا مفہوم

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزو ہے وہ محمول بر حقیقت نہیں ہے بلکہ شدت ملابست کی وجہ سے اس کو جزو کہدیا گیا ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ نبوت قابل انقسام ہے تب بھی ایسے شخص کو دعوت نبوت کا حق نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام میں اپنے کل کے شریک ہوتے ہیں ہوا پانی اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام میں اپنے کل کی شریک نہیں ہوتی مثلاً اینٹ اور گھر تو رویائے صالحہ وغیرہ کے

اجزاء نبوت ہونے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جس میں کوئی جزو نبوت پایا جاوے وہ نبی کہلا سکتا ہے یہ تفصیل تھی اس آیت کے متعلق جس کو شکر کے لئے اس جلسہ میں تلاوت کیا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مثنوی کے متعلق بھی کہ علم نافع کا ایک مادہ تحقیق ہے اور اس کی شرح اور اس کی شرح اور شائقین کے وشرکاء جلسہ کے متعلق بھی کچھ بیان کر دیا جاوے۔

مثنوی مولانا روم مضامین حقہ سے لبریز ہے

مثنوی ایک ایسی کتاب ہے جو مضامین حقہ سے لبریز مولوی جامی نے اس کی نسبت فرمایا ہے۔

ہست قرآں در زبان پہلوی　　　مثنوی مولوی معنوی۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اسرار و حقائق قرآنیہ کو بیان فرمایا ہے یہ معنی ایسے ہیں جن سے عوام کو وحشت نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی وہ جن میں عوام کے توحش کا خطرہ ہے اور وہ وہ ہیں جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں یعنی مثنوی حق سبحانہ کا الہامی کلام ہے۔ اور اس مقام پر قرآن سے کلام معروف حق سبحانہ مراد نہیں ہے بلکہ مطلق کلام حق مراد ہے گو بالوحی نہ ہو بالالہام ہو حق سبحانہ کا کلام فی نفسہٖ تو حرف و صوت سے پاک ہے مگر جس طرح وہ لباس عربیت میں جلوہ گر ہوا ہے یوں ہی لباس فارسی میں بھی جلوہ گر ہو سکتا ہے اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ کلام حق ہے تو اس کے لئے بھی وہی احکام ثابت ہوں گے جو قرآن کے ہیں کیونکہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا قطعی ہے اور مثنوی کا کلام الٰہی ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا قرآن اپنے مرتبہ میں رہے اور مثنوی اپنے مرتبہ میں بلکہ دوسری کتب سماویہ خود کلام قطعی بھی ہیں ان کے لئے بھی کسی حکم کا ہونا محتاج دلیل مستقل ہو گا خیر یہ وہ معنی ہیں جو حضرت حاجی صاحب نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں۔

اہل کمال اور غیر اہل کمال کے غلبہ حال میں فرق

اور یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے پھر حاجی صاحب کیسے مغلوب ہوئے کیونکہ یہ خود قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں اور غیر اہل کمال میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جن احوال سے غیر اہل کمال مغلوب ہو جاتے ہیں اہل کمال ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مغلوب کرنے والے احوال دوسروں کے احوال سے اقویٰ ہوتے ہیں دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل کمال کی مغلوبیت کم ہوتی ہے اور غیر اہل کمال کی زیادہ مگر ان کی نفس مغلوبیت کا انکار مشکل ہے انبیاء سے زیادہ کون صاحب کمال ہو سکتا ہے لیکن جب ان کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاثر من الحال وہاں بھی ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ان الفاظ سے دعا فرمائی تھی اللھم ان تھلك ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم۔

اب آپ خیال کر لیجئے کہ اگر غلبہ حال نہ ہوتا تو کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عنوان سے دعا فرماتے جس میں ابہام ہے حق سبحانہ کی احتیاج الی العبادات کا گو آپ کا مقصود یہ نہیں بلکہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے گو آپ کو ان کی احتیاج نہیں ہے اور نہ آپ کا کچھ نفع ہے پس اگر تیرے بندوں کی یہ قلیل جماعت ہلاک ہو گئی تو میرے خیال میں پھر حق کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور انسانوں کی پیدائش سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاوے گا اس لئے آپ اس جماعت کو بچا لیجئے۔ علیٰ ہذا موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ۔ یہ اگر غلبہ حال نہ تھا تو کیا تھا یہ واقعات محض تائید کے درجے میں ہیں اگر ان کو کوئی نہ مانے تو اس کو خود

غیر انبیاء اہل کمال کا اعتراف تو ماننا ہی پڑے گا۔

عارف رومی اوران پر غلبہ حال

حضرت مولانا مثنوی معنوی میں جگہ جگہ اپنی مغلوبیت کا اظہار فرماتے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

چوں بگوشم تاسرش پنہاں کنم — سر برآرد چوں علم کاینک منم
غم انقم گیرد م ناگہ دو گوشش — کائے مدمغ چوں ہمی پوشی بپوش

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

اے بروں از وہم وقال وقیل من — خاک برفرق من تمثیل من
بندہ نشیکبد ز تصویر خوشت — ہر زماں گوید کہ جانم مفرشت

علیٰ ہذا اور بہت سے مقامات پر مولانا نے خود اعتراف فرمایا ہے اس تقریر سے من عرف کل لسانہ کے معنی بھی ظاہر ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ اس کلل میں کلال سے کلال اضافی مراد ہے نہ کہ عدم افشاء مطلقاً۔ اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ مقولہ دو طرح سے منقول ہے اول یوں کہ من عرف کل لسانہٗ اور دوسرے یوں کہ من عرف طال لسانہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں کیونکہ من عرف طال لسانہ ابتدائی حالت پر محمول ہے اور من عرف کل لسانہ انتہائی حالت یعنی عارف ابتداء میں ضبط اسرار پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس وقت اس کی زبان کشادہ ہوتی ہے لیکن جب وہ پختہ ہو جاتا ہے اس وقت اس کی زبان گنگی ہو جاتی ہے مگر مطلقا نہیں بلکہ غالب اوقات میں۔ ہاں تو مثنوی مضامین حقہ سے لبریز ہے مگر وہ عوام کی کام کی نہیں ہے کیونکہ اس کے مضامین دقیق ہیں اور مولانا کا کلام ذو وجوہ ہے ہر خیال کا آدمی اس کے مضامین کو اپنے خیالات پر منطبق کر سکتا ہے اس لئے اس میں یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ کی شان ہے اسلئے

مولانا فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولاد ست تیز　　چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا　　کز بریدن تیغ را نبود حیا

مثنوی کا ایک خاص کمال

مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین حافظہ میں ضبط نہیں ہو سکتے حالانکہ میں اس کی شرح بھی لکھ چکا ہوں اور متعدد بار پڑھنے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن جب اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ہر مرتبہ وہ مجھے نئی معلوم ہوتی ہے اور جن اشعار کے جو مضامین میں نے پہلے سمجھے تھے وہ یاد نہیں آتے بلکہ نئے مضامین یاد آتے ہیں کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اور خود اپنی شرح کو دیکھنا پڑتا ہے یہ ہی حالت قرآن شریف کی ہے کہ جب دیکھئے نیا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لئے ہی مجھے اپنی تفسیر دیکھنی پڑجاتی ہے مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف مثنوی شریف بخاری شریف یہ تینوں کتابیں ایسی ہیں یعنی ان تینوں کتابوں کا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس کا احاطہ ہو سکے مثنوی اور قرآن کے اس تشابہ طرز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مثنوی الہامی کلام حق ہے مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وقت و علو صولت و شوکت معانی کی طرح اس میں شوکت و صولت الفاظ بھی ہے جو اور کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے اور اس کا فیصلہ ذوق صحیح کر سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی بات ہے نہ کہ استدلالی دیکھو ایک بلغاء عرب تھے جن پر قرآن کریم کی بلاغت نے وہ اثر کیا ہے کہ باوجود کمال مخالفت وعناد و حق پوشی کے ان کو جرات نہ ہو سکی وہ جھوٹوں بھی کوئی کلام بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آئیں اور کہدیں کہ یہ اس کے ہم پلہ ہے اور ایک آج کل کے حمقاء ہیں جو مقامات حریری کو بلکہ خود اپنے کلام کو قرآن کے برابر بتاتے ہیں یہ تفاوت کیوں ہے محض اس لئے کہ بلغاء عرب کا ذوق صحیح تھا اور ان کا ذوق فاسد ہے ان کا ذوق صحیح ان کو اعتراف اعجاز پر مجبور کرتا تھا اور ان کا فساد مذاق اس بیہودہ دعوے پر جرات

دلاتا ہے دیکھو بلغاء بتصریح کرتے ہیں کہ قرآن میں ابلغ الآیات یہ آیت ہے قِیْلَ یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَاءَكِ وَیٰا سَمَاءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَاءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔

صحت وفساد مذاق

مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی نسبت سنایا گیا ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تھے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حالانکہ ہم لوگوں کو کچھ بھی لطف نہیں آتا یہ فرق کیوں ہے صحت وفساد مذاق کے سبب مجھے جس قدر لطف ایک مرتبہ اس آیت میں آیا ہے فَلِذٰلِكَ فَادْعُ فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ اتنا عمر بھر میں کسی آیت میں نہیں آیا لیکن اگر پوچھئے کہ کیوں تو میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ اس لئے کہ یہ ذوقی امر ہے اور امر ذوقی بیان میں نہیں آسکتا۔

حسن معنوی ایک ذوقی امر ہے

چنانچہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو اور اس سے پوچھا جاوے کہ تو اس پر کیوں عاشق ہے تو وہ اس کی پوری اور مفصل وجہ نہیں بیان کرتا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں فلاں خوبی ہے مثلاً اس کی آنکھ اچھی ہے یا بال اچھے ہیں وغیرہ مگر جب اس سے پوچھا جاوے کہ اس میں کیا اچھائی ہے اور وہ کیوں اچھی ہے تو وہ اس کی وجہ بیان کرنے سے عاجز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسن معنوی کی طرح حسن صوری بھی درحقیقت ذوقی ہے نہ کہ مدرک بالبصر ہاں حسن صوری کو معلوم کرنے کے لئے حسن ظاہر شرط بے شک ہے مگر شرط ہونا اور چیز ہے اور مدرک ہونا اور شئے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسن

دو قسم کا ہے حسن صوری اور حسن معنوی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدرک دونوں کے لئے ذوق ہے فرق اتنا ہے کہ حسن معنوی کے ادراک کیلئے حسن ظاہر شرط نہیں ہے۔ اور حسن ظاہر کے ادراک کے لئے شرط ہے۔

ادراک حسن کے لئے بصارت شرط نہیں

اور اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ اندھے کسی پر کیوں عاشق ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ادراک حسن کا مدار آنکھ پر نہیں ہے بلکہ بعض خوبیاں بدوں آنکھ کے بھی معلوم ہو سکتی ہیں پس اندھے ان پر ان خوبیوں کی بنا پر عاشق ہوتے ہیں جو بلا توسط آنکھ کے مدرک ہو سکتے ہیں جیسے آواز ہے یا کوئی عادت و خصلت ہے وغیرہ وغیرہ اندھوں کے عاشق ہونے پر ایک اندھے کا قصہ یاد آگیا لڑکوں کو پڑھاتا تھا ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کو بھی اس سے محبت ہو گئی۔

ایک روز اس نے اس لڑکے کے ہاتھ اس کی ماں کے پاس اظہار عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا ان دونوں میں یہ طے ہو گیا کہ اندھے کو اس کا مزہ چکھانا چاہئے اور اس کی صورت بھی تجویز کر لی گئی اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا حافظ جی وقت معہود پر پہنچ گئے۔

اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو حافظ جی یہ سنکر گھبرائے عورت نے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پینے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا اس نے جا کر کواڑ کھول دیئے خاوند اندر آیا ملی بھگت تو تھی ہی۔ پوچھا یہ کون عورت ہے کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی اس لئے بے وقت چکی پیس رہی ہے۔ وہ

خاموش ہو رہا حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا یہ دیکھ کر خاوند اٹھا اور کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں یہ کہکر چند جوتے رسید کیے اور آکر اپنی جگہ لیٹ رہا حافظ جی نے قہر درویش بر جان درویش پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرارداد خاوند وہاں سے ٹل گیا عورت نے کہا حافظ جی اب موقعہ ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں. ایسا نہ ہو وہ ظالم پھر آجاوے حافظ جی وہاں سے بھاگ گئے اور مسجد میں آکر دم لیا یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا حافظ جی نے کہا ہاں میں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا.

مثنوی سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت

کہنا ہم کو یہ ہے کہ مثنوی میں حسن صوری بھی ہے اور معنوی بھی مگر اس کے سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے مضامین کی وقت اور اس کے ذو وجوہ ہونے نے اس کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ عوام کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ اس سے لوگوں کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اس بنا پر جی یوں چاہتا ہے کہ اس کو یوں پردہ میں چھپایا جاوے کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگے کیونکہ گو مثنوی اپنی ذات سے ایک کتاب ہدایت ہے اور اس سے جو گمراہی پھیلتی ہے اس کی ذمہ دار خود لوگوں کی نااہلیت ہے مگر جس وقت کہ اس کی اشاعت میں ایک مفسدہ ہے گو خارجی ہے اور شیوع اس کا ضروری نہیں تو اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ اس کو شائع نہ کیا جاوے اس لئے کہ یہ شرعی قاعدہ ہے کہ جس بات سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ خود ضروری نہ ہو تو اس کو روک دیا جاتا ہے ہاں اگر وہ امر خود ضروری ہو اور اس میں کوئی مفسدہ بھی ہو تو خود اس کو نہ روکا جاوے گا بلکہ اس وقت خود مفاسد کو روکا جاوے گا لیکن اس وقت اس کے

دو قسم کا ہے حسن صوری اور حسن معنوی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مدرک دونوں کے لئے ذوق ہے فرق اتنا ہے کہ حسن معنوی کے ادراک کیلئے حسن ظاہر شرط نہیں ہے۔ اور حسن ظاہر کے ادراک کے لئے شرط ہے۔

ادراک حسن کے لئے بصارت شرط نہیں

اور اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہوگیا کہ اندھے کسی پر کیوں عاشق ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ادراک حسن کا مدار آنکھ پر نہیں ہے بلکہ بعض خوبیاں بدوں آنکھ کے بھی معلوم ہو سکتی ہیں پس اندھے ان پر ان خوبیوں کی بنا پر عاشق ہوتے ہیں جو بلا توسط آنکھ کے مدرک ہو سکتے ہیں جیسے آواز ہے یا کوئی عادت و خصلت ہے وغیرہ وغیرہ اندھوں کے عاشق ہونے پر ایک اندھے کا قصہ یاد آگیا لڑکوں کو پڑھاتا تھا ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کو بھی اس سے محبت ہوگئی۔

ایک روز اس نے اس لڑکے کے ہاتھ اس کی ماں کے پاس اظہار عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا ان دونوں میں یہ طے ہوگیا کہ اندھے کو اس کا مزہ چکھانا چاہئے اور اس کی صورت بھی تجویز کرلی گئی اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا حافظ جی وقت معہود پر پہنچ گئے۔

اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو حافظ جی یہ سنکر گھبرائے عورت نے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پیسنے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا اس نے جا کر کواڑ کھول دیئے خاوند اندر آیا ملی بھگت تو تھی ہی۔ پوچھا یہ کون عورت ہے کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی اس لئے بے وقت چکی پیس رہی ہے۔ وہ

خاموش ہو رہا حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا یہ دیکھ کر خاوند اٹھا اور کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں یہ کہکر چند جوتے رسید کیے اور آکر اپنی جگہ لیٹ رہا حافظ جی نے قہر درویش بر جان درویش پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرارداد خاوند وہاں سے ٹل گیا عورت نے کہا حافظ جی اب موقعہ ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں۔ ایسا نہ ہو وہ ظالم پھر آجاوے حافظ جی وہاں سے بھاگ گئے اور مسجد میں آکر دم لیا یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا حافظ جی نے کہا ہاں بس سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔

مثنوی سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت

کہنا ہم کو یہ ہے کہ مثنوی میں حسن صوری بھی ہے اور معنوی بھی مگر اس کے سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے مضامین کی وقت اور اس کے ذو وجوہ ہونے نے اس کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ عوام کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ اس سے لوگوں کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اس بنا پر جی یوں چاہتا ہے کہ اس کو یوں پردہ میں چھپایا جاوے کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگے کیونکہ گو مثنوی اپنی ذات سے ایک کتاب ہدایت ہے اور اس سے جو گمراہی پھیلتی ہے اس کی ذمہ دار خود لوگوں کی نااہلیت ہے مگر جس وقت کہ اس کی اشاعت میں ایک مفسدہ ہے گو خارجی ہے اور شیوع اس کا ضروری نہیں تو اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ اس کو شائع نہ کیا جاوے اس لئے کہ یہ شرعی قاعدہ ہے کہ جس بات سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ خود ضروری نہ ہو تو اس کو روک دیا جاتا ہے ہاں اگر وہ امر خود ضروری ہو اور اس میں کوئی مفسدہ بھی ہو تو خود اس کو نہ روکا جاوے گا بلکہ اس وقت خود مفاسد کو روکا جاوے گا لیکن اس وقت اس کے

اشاعت کا بند ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے حکومت کی اور حکومت ہے نہیں تو اشاعت کیونکر رکے۔ پس دو صورتیں ہیں یا تو مثنوی سے بالکل تعرض نہ کیا جاوے اور اس پر جو مفاسد مرتب ہوں ہونے دیا جاوے یا ان مفاسد کو دور کرنے کی کوشش کی جاوے پہلے صورت کچھ اچھی نہ معلوم ہوتی تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ مثنوی کی کوئی ایسی شرح ہو جاوے جو اس کے مضامین کو شریعت پر منطبق کر دے مگر اس طرح کہ حق بھی نہ چھوٹنے پائے تاکہ ایک حد تک مفاسد کا انسداد ہو جاوے۔

کلام کی شرح لکھنے کے لئے مذاق سخن شرط ہے

اب تک جو لوگوں نے حواشی و شروح لکھے وہ فرداً فرداً تو کافی نہیں کیونکہ بعض تو فن کو چھوڑ دیا ہے جیسے محض اہل علم ظاہر اور بعض نے شریعت کو چھوڑ دیا جیسے ولی محمد اور بعض ایسے ہیں جن کو مذاق سخن حاصل نہیں ہے اور جب تک مذاق سخن نہ ہو اس وقت تک کسی کے کلام کی شرح ناممکن ہے غرض کہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہم کو کوئی شرح یا حاشیہ ایسا نہ ملا جو ان تمام باتوں کا جامع ہو یہ ممکن ہے کہ ان سب کے مجموعہ سے مقصود حاصل ہو جاوے مگر اس میں اول تو یہ دقت ہے کہ ہر شخص کے پاس اتنا ذخیرہ جمع ہونا مشکل پھر اگر جمع بھی ہو جاوے تو ہر شخص میں تنقید کی قابلیت کب ہے۔

کلید مثنوی لکھنے کا سبب

اس بنا پر جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی شرح ہو جاوے جس میں ان تمام باتوں کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہو۔ لیکن احباب کے اصرار سے یہ بار خود مجھ ہی کو اٹھانا پڑا اور میں نے دفتر اول کی شرح پوری کر دی اس کے بعد کئی سال تک ہمت پست رہی پھر احباب کی طرف سے بھی اصرار ہوا کچھ آمادگی ہوئی لیکن یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس کو پورا کر سکوں گا اسلئے

خیال ہوا کہ کچھ اور لکھدیا جاوے اور میں نے حاجی صاحب سے سنا تھا کہ دفتر ششم میں اسرار بہت ہیں اس لئے خیال ہوا کہ دفتر ششم کی شرح بھی ہو جاوے تو اچھا ہے اس بنا پر میں نے دفتر ششم کی شرح شروع کی اور بدقت تمام اس کو ختم کیا اب تو ہمت بالکل ہی پست ہو گئی لیکن احباب کا اصرار کسی طرح بھی ہوا تب خیال ہوا کہ اس کو پورا ہونا چاہئے اور ہمت تھی نہیں اس لئے اس کے لئے یہ تدبیر بتلائی کہ میں پڑھاؤں اور پڑھنے والے ضبط کر لیں چنانچہ دفتر ثالث۔ نصف اول دفتر رابع ربع اول دفتر خامس کی شرح اس طرح تحریر مولوی حبیب احمد و مولوی شبیر علی تمام ہو گئی۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مثنوی سے مناسبت

اس کے بعد بعض عوارض کی وجہ سے اس کے درس کا سلسلہ موقوف ہو گیا مگر اس کی تحریر موقوف نہیں ہوئی یعنی میں نے مولوی حبیب احمد کو بوجہ اس کے کہ میرے خیال میں ماشاءاللہ ان کو مثنوی سے پوری مناسبت تھی اجازت دے دی کہ تم خود لکھ لو اور جو مقام حل نہ ہو یا جہاں کہیں کوئی شبہ ہو مجھ سے پوچھ لو نصف ثانی دفتر رابع ربع ثانی و ثالث و رابع دفتر خامس کی شرح اس طرح تمام ہوئی۔ غرض چار دفتر تو یوں تمام ہوئے اور دو دفتر میں خود لکھ چکا تھا اس لئے اب بفضلہٖ تعالیٰ پوری مثنوی کی شرح ہو گئی چونکہ حق سبحانہٗ کا یہ ایک بہت بڑا انعام اور احسان تھا اس لئے جی چاہا کہ اس کے ادائے شکر کے لئے بے تکلف و اہتمام خاص ایک جلسہ کیا جاوے جس میں حق سبحانہٗ کی اس نعمت کو ظاہر کیا جاوے کیونکہ اظہار نعمت بھی شکر ہے اگر بہ نیت تفاخر نہ ہو چونکہ بعض وہ احباب موجود نہ تھے جن کے شریک کرنے کو جی چاہتا تھا اس لئے اس میں ذرا تاخیر ہو گئی آج وہ بھی اتفاقاً آ گئے اور احباب غیر متوقع بھی آ گئے اس لئے خیال ہوا کہ یہ کام آج ہی ہو جاوے تو اچھا ہے اس لئے یہ مختصر اور بے تکلف جلسہ منعقد کیا گیا گو شرح مثنوی کا کام ہمارے کسی کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔

چھوٹی اور بڑی ہر نعمت پر اظہارِ شکر کی ضرورت

مگر ہمیں اس پر ناز نہ ہونا چاہئے کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

یعنی حق سبحانہٗ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھول دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ بند کر دیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں نیز فرماتے ہیں مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں ہے اور بدوں اس کے دیئے کسی کو نہیں مل سکتے پس بجائے اس کے ناز کیا جاوے ہم کو حق سبحانہٗ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم پر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہم کو ناز کا کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوتا ہے ۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ

شارحین مثنوی کی شکر گذاری اور انہیں ہدیہ سے نوازنا

پس ہم کو خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے یہ مضمون تو حق سبحانہٗ کے شکر سے متعلق تھا اب میں کہتا ہوں کہ حدیث میں من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اس لئے مجھے شارحین کی شکر گذاری کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ان سے مجھے اس مقصد میں مدد ملی ہے سو ایک تو ان کی شکر گذاری کی یہ ہی صورت ہے کہ ان کی ثنا کی ساتھ ذکر ہو رہا ہے اور دوسری صورت ان کی شکر گذاری کی یہ کہ میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ان پر حق تعالیٰ اپنی رحمت فرماویں اور ان کو تقویٰ حقیقی نصیب فرمائیں ۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز

کروں سو مولوی شبیر علی تو میری مثل جز کے ہیں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کرنا تو خود اپنے لئے تجویز کرنا ہے اور مولوی حبیب احمد میرے دوست ہیں گو وہ بھی میرے لئے من وجہ جز وہی کی مثل ہیں مگر پھر بھی دونوں میں بہت فرق ہے اس لئے میں ہدیہ رسم صالحہ کے طور پر صرف مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کرتا ہوں اس تفریق کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوکان بعدی نبی لکان عُمَرًا اور یہ نہیں فرمایا لکان ابوبکر اس کی وجہ استادی علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ بوجہ شدت تعلق بر سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملحق بر سول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکماً بعد کے مضاف الیہ میں داخل ہیں گو حیثیات الحاق دونوں واقعوں میں جداگانہ ہیں مگر اس سے اصل مقصود پر اثر نہیں پڑتا دوسری وجہ فرق یہ بھی ہے کہ (یہ ہنسکر فرمایا) کہ مولوی حبیب احمد نے شرح کو پورا کیا ہے اور مولوی شبیر علی نے پورا نہیں کیا اس کی ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو بات محبت سے ہو وہ خود بھی محبوب ہے خواہ فعل ہو خواہ ترک ہو کیونکہ کبھی فعل مودی ہوتا ہے معنی کی اور کبھی ترک۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مفتاح مثنوی کے لقب سے نوازنا

خیر جو تحفہ میں نے مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کیا ہے وہ اب میں پیش کرتا ہوں برگ سبز ست تحفہ درویش اس تحفہ کو حقیر نہ سمجھئے یہ میری ٹوپی ہے جس میں یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

گشتہ مفتاح باب مثنوی　　اے حبیب مولوی معنوی

اس میں لفظ حبیب مضاف ہے مگر بشکل موصوف اس کو عربی میں یوں پڑھا جا سکتا ہے۔

صرت مفتاحا لباب المثنوی　　؎　　یا حبیب المولوی المعنوی

میں نے اس پر ۱۳۳۶ھ بھی یادداشت کے لئے لکھدیا ہے اور میں حبیب احمد کو مفتاح المثنوی کا لقب دیتا ہوں اور صلاح اعمال کی دعا کرتا ہوں (اس کے بعد اتمام ذرہ نوازی کے لئے اس نااہل کو اپنے دست مبارک سے ٹوپی اڑھا دی حبیب احمد) میں شارحین کو حق سبحانہٗ کا ارشاد مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ۔ پھر یاد دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ اس پر ناز نہ کریں بلکہ خدا کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ ان کا انعام ہے جو ان پر کھولا گیا ہے اگر وہ بند کر لیتے تو پھر اس کا کوئی کھولنے والا نہ تھا۔

وعظ کا نام شکر المثنوی تجویز فرمانا

اس لئے میں اس وعظ کا نام شکر المثنوی رکھتا ہوں۔ اور حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ مثنوی کے سبق کے بعد یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ جو کچھ اس میں ہے ہمیں بھی نصیب ہو سبحان اللہ کیسی مختصر اور جامع دعا ہے اور ایک دفعہ اس دعا کے بعد فرمایا تھا کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں انشا اللہ تعالیٰ سب کو ایک ذرہ محبت عطا ہو گا آپ نے تو یہ بشارت دی تھی کہ جتنے لوگ اس جلسہ میں شریک ہیں سب کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ ہم بشارت کے قابل نہیں۔ ہاں ہم کو حق سبحانہٗ کے فضل سے امید ہے کہ جتنے اس جلسہ میں شریک ہیں ان کو بھی انشا اللہ تعالیٰ اس سے حصہ ملے گا۔

کلید مثنوی کی تکمیل پر تقسیم مٹھائی

اس جلسہ میں تقسیم کے لئے مٹھائی بھی منگائی گئی ہے جو تقسیم ہونے والی ہے جو لوگ اس تقسیم میں ایسے ہیں جن کو مٹھائی دینے سے ثواب ملے اے اللہ اس کا ثواب حضرت مولانا رومی کو پہنچے یہ فاتحہ مروجہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اور فاتحہ

مروجہ میں بہت فرق ہے اہل بدعت کی شیرینی وغیرہ ان کے آگے ہوتی ہے ہماری مٹھائی باتیں طرف رکھی ہے وہ کسی شئی پر فاتحہ دے کر خود ہی کھا لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس شئے کا ثواب مردہ کو پہنچ جاوے گا ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے ایک عورت کا قصہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز پکاتی تو اس کو چند پیالوں میں اتارتی اور کہتی کہ یہ فلانے کے نام کا ہے اور یہ فلانے کے نام کا اس کا ثواب فلانے کو پہنچے اور اس کا فلانے کہکر خود کھا جاتی سو ہمارے فاتحہ تو ایسی نہیں اہل بدعت کے یہاں ثواب کی تین قسمیں ہیں ایک مستحقین کو دینے کا اور ایک غیر مستحقین کو دینے کا ایک خود کھانے کا اس لئے ان کے مردوں کو ثواب بھی کم پہنچتا ہے کیونکہ جو غیر مستحقین کو دیدیا گیا یا خود کھالیا گیا اس کا ثواب تو کیوں ہی پہونچے گا رہا وہ جو مستحقین کو دیا گیا ہے اس میں اگر خلوص نہ تھا جو کہ اغلب ہے کیونکہ انکے ایصال ثواب میں یا ریا و تفاخر ہوتا ہے یا محض پابندی رسم و تقلید آباء تو وہ یوں اکارت گیا اب بتلائیے مردوں کو کیا پہنچا برخلاف اہل حق کے کہ جب وہ ایصال ثواب کریں گے تو اس میں اس کی شرائط کا لحاظ رکھیں گے اس لئے سارا ثواب مردوں کو پہنچے گا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے منت مانی تھی منت کا کھانا جن لوگوں کو کھلایا گیا ان میں کوئی تحصیلدار تھا کوئی پیش کار غرض کہ سب اغنیا تھے ایک شخص نے کہا بھائی جس نے مساکین نہ دیکھے ہوں اس جلسہ میں دیکھ لے اگر کسی کو ہمارے مولانا کو ثواب پہنچانے پر یہ شبہ ہو کہ وہ تو خود بزرگ ہیں ان کو ثواب پہنچانے سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک فائدہ تو خود بزرگوں کا ہے وہ یہ کہ مراتب بلند ہوں گے اور ان کے تقرب خداوندی میں اضافہ ہوگا جس کے وہ ہم سے زیادہ طالب ہیں دوسرا فائدہ خود ہمارا ہے کہ ان کے تعلق سے حق سبحانہ کو ہم سے تعلق ہوگا کیونکہ وہ خدا کے دوست ہیں اور دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔

آیت متلوہ کی عجیب و غریب تفسیر

اب میں آیت متلوہ کے متعلق تھوڑا سا مضمون اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد اس بیان کو ختم کردونگا وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ، نے جس طرح اس آیت میں اپنے عموم قدرت وقہر غلبہ کو صراحتاً بیان فرمایا ہے یوں ہی انہوں نے اس میں اپنے کمال جود وکرم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت میں جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک لائے ہیں اور امساک کے مقابلہ میں فتح اور جملہ ثانیہ میں امساک کے مقابلہ میں ارسال لائے ہیں اور ارسال کے مقابلہ میں امساک۔

پس اس میں دو امر خلاف ظاہر ہیں ایک تو جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک اور امساک کے مقابلہ میں فتح لانا کیونکہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک اور امساک کا مقابلہ ارسال ہے نہ کہ فتح اور دوسرا یہ کہ جملہ ثانیہ مقابل ہے جملہ اولیٰ کا اور یہ معلوم ہوچکا ہے کہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک۔

پس جملہ اولیٰ میں مایفتح اللہ فرمایا اور اس کے مقابلہ میں جملہ ثانیہ میں مایمسک فرمانا خلاف مقتضائے تقابل ہے اس بنا پر آیت مذکورہ پر شبہ ہوتا ہے کہ اس میں رعایت نہیں رکھی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت معنوی چونکہ رعایت لفظی پر مقدم ہے اور رعایت معنوی عدم لحاظ تقابل میں تھی اس لئے اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح اظہار کمال قدرت مقصود ہے یوں ہی اس میں غایت کرم اور کمال جود کی طرف بھی اشارہ ہے پس جملہ اولیٰ میں بجائے لفظ ارسال کے فتح کا لفظ اس واسطے استعمال کیا گیا ہے کہ گو یہ دونوں لفظ اطلاق پر دلالت کرتے ہیں مگر جو دلالت اطلاق پر لفظ فتح کرتا ہے وہ دلالت لفظ ارسال نہیں کرتا اس لئے مایفتح اللہ میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جب حق سبحانہ کسی پر رحمت کرتے ہیں تو بہت اور بے دریغ کرتے ہیں اور یہ اشارہ ارسال میں نہ تھا اس لئے بجائے ارسال کے فتح لایا گیا اور بجائے غلق کے امساک

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ جس قدر کمال قدرت نفی ممسک سے ظاہر ہوتا ہے اس قدر نفی غالق سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ غلق خاص ہے اور امساک عام اور نفی عام تو نفی خاص کو مستلزم ہے مگر نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں اور جملہ ثانیہ میں لفظ امساک بجائے غلق کے اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کرم پر کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق سبحانہ جب کسی پر انعام نہیں کرتے تو یہ اس کا بند کرنا نہیں ہوتا کہ نہر جاری نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے عارضی طور پر روک لینا ہوتا ہے اور زوال عارض کے بعد پھر اس کا اجراء ہو جاتا ہے۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِن رحمۃ فلا غالق لھا اس لئے نہیں کہا کہ اس میں گو کثرت جود کی طرف اشارہ ہے مگر اس سے کمال قدرت کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ نفی غالق کے لئے نفی ممسک لازم نہیں اور ما یرسل اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا اس واسطے نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے مگر اس سے کمال جود مفہوم نہیں ہوتا اور ما یرسل اللہ للناس من رحمۃ فلا غالق اس واسطے نہیں فرمایا کہ نہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے اور نہ کمال جود کی طرف اشارہ اور ما یغلق فلا فاتح لہ اس واسطے نہیں فرمایا کہ حق سبحانہٗ کی طرف سے غلق رحمت نہیں ہوتا بلکہ فقط امساک ہوتا ہے جو کہ ادنی ہے غلق سے نیز اس میں کمال قدرت پر بھی دلالت نہیں ہے کیونکہ نفی فاتح مستلزم نفی مرسل نہیں ہے

ما یغلق فلا مرسل لہ اس واسطے نہیں نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت پر دلالت ہے مگر حق سبحانہ غلق رحمت نہیں فرماتے اور ما یمسک فلا فاتح لہ اس واسطے نہیں فرمایا فرمایا کہ اس میں کمال قدرت پر دلالت نہیں ہے۔ اس تفصیل کے بعد آیت کا حاصل یہ نکلا کہ حق سبحانہٗ جب کسی پر کوئی عنایت کرتے ہیں تو بیدریغ کرتے ہیں اور خود ان کی طرف سے کوئی روک نہیں ہوتی اور جب کسی پر وہ عنایت کرتے ہیں اس کا کوئی بند کرنے والا تو درکنار روکنے والا

بھی نہیں ہوتا اور جس پر وہ رحمت نہیں کرتے تو وہ اس کو بند نہیں کرتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روک لیتے ہیں اور اگر وہ عارض زائل ہو جاوے تو پھر جاری فرما دیتے ہیں اس سے اہل سلوک کو خاص طور پر سبق لینا چاہئے اور اگر کسی وقت احوال و مواجید اور ذوق شوق میں کمی آجاوے یا وہ بند ہو جاویں تو مایوس نہ ہوں کیونکہ حق سبحانہ نہایت کریم ہیں اس لئے کسی نعمت کو خود نہیں روکتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روکتے ہیں اور عارض کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی غیر معصیت پس اگر معصیت ہو تو اس کا توبہ و استغفار سے تدارک کرنا چاہئے حق سبحانہ پھر اس کو جاری فرما دیں گے اور غیر معصیت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ یہ روکنا کسی خاص مصلحت سے ہے اور مفید ہے نہ کہ مضر اس لئے اس کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہئے اور پریشان نہ ہونا چاہئے کیوں حق تعالیٰ حکیم ہے یا نہیں۔

حق تعالیٰ شانہ کے ہر امر میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے

چنانچہ اسی آیت میں وھو العزیز الحکیم فرمایا ہے اسی لئے ان کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتداء میں جب کہ جوش زیادہ تھا ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ حق سبحانہ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم بھی ہیں پھر ان باتوں کے ہوتے ہوتے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومیؒ سے مشورہ لو یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے ہی صفحہ پر اشعار نکلے جن میں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کئے تھے اور پانچواں مقدمہ اور تھا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہ ہونے کی سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ

یہ ہیں۔

چارہ میجوید پئے من درد تو | می شنودم دوش آہ سرد تو
می توانم ہم کہ بے ایں انتظار | رہ نمایم داد ہم راہ گذار
تاازیں طوفاں دوراں وارہی | برسر گنج وصالم پانہی۔
لیک شیرینی ولذات مقر | ہست براندازۂ رنج سفر
آنگہ ازفرزند وخویشاں برخوری | کزغریبی رنج محنتہابری

حاصل اشعار یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ تمہاری درد عشق میرے وصال کی تدبیر کا طالب ہے (اس میں میرا مقدمہ اولی تسلیم کیا ہے) اور میں کل رات تمہاری آہ سرد کو سنتا بھی تھا (اس میں میرے مقدمہ ثانیہ کو مانا گیا ہے) اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ تم کو اپنے وصال کی طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لئے رستہ دے دوں تاکہ تم گردش کے طوفان سے نجات پا جاؤ اور میرے گنج وصال پر پہنچ جاؤ (اس میں میرے مقدمہ ثالثہ کو تصریحًا اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے) لیکن کسی قدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہے کہ گھر کا مزہ اور اس کی لذت اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف اٹھائی ہو اور تم کو اپنے بال بچوں اور عزیز واقارب سے ملکر لطف تام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اٹھانی پڑی   اس مضمون میں ایک مقدمہ خامسہ بتلایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے ہیں۔ اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمہیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمہیں اس کی قدر ہو واقعی بات یہ ہے کہ جو راحت بہت سی تکالیف کے بعد حاصل ہوتی ہے اس میں نہایت ہی لطف آتا ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے مولوی ناظر حسن کی بارات میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا (پہلے تو میں بارات میں شریک ہو جاتا تھا اب شریک ہونا چھوڑ دیا ہے) بارات دیر میں رخصت ہوئی اور راستہ ہی میں رات ہوگئی مینہ اور آندھی رعد و برق کے ساتھ جو آئی لوگ اپنی گاڑیاں اڑا

لے گئے ہماری گاڑی بھی اکیلی رہ گئی غرض بے حد تکلیف ہوئی اللہ اللہ کر کے تھانہ بھون آیا جب میں گھر پہنچا ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت مجھے کس قدر لطف آیا ہے اور کس قدر راحت حاصل ہوئی ہے اسی پر ان سالکین کی حالت کو قیاس کر لینا چاہیئے جو بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے بعد مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اب ایک بات اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے ۔

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهٖ من بعدہ میں مضاف محذوف ہے اے من بعد امساکہ۔ چونکہ مضاف بلا ذکر بھی سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کو حذف کر دیا گیا غرضکہ قرآن میں لفظی اور معنوی دقائق و محاسن بے انتہا ہیں مگر جس قدر ان کو اہل زبان سمجھ سکتے ہیں غیر اہل زبان نہیں سمجھ سکتے ایک شاعر کا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی محنت اور دماغ سوزی کے بعد ایک شعر کہا اور اس پر بہت خوش ہوا شعر یہ تھا ؎

سیہ چوری بدست آں نگاری نازنین دیدم ؛ بشاخ صندلیں پیچیدہ مار آتشیں دیدم

اور بہت فخر کے ساتھ ایک اہل زبان شاعر کو سنایا۔ اس نے سنتے ہی ناک چڑھائی اور بجائے اس کے کہ تعریف کرتا یہ کہا کہ تم نے شعر کا ناس کر دیا۔ نازنین دیدم آتشیں دیدم کیا کہو ؎

سیہ چوری بدست آں نگارے ؛ بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

اس اصلاح نے شعر کو کہیں پہنچا دیا۔ واقعی زبان کا لطف اہل زبان ہی کو حاصل ہوتا ہے غیر اہل زبان کو وہ لطف نہیں آتا ۔

خاتمہ بر دعائے خیر

اچھا اب دعا کرو مولانا رومی کے لئے اور وعظ لکھنے والوں کے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی اور شارحوں کے لئے بھی کہ خداوند تعالیٰ ہر غلطی سے بچائیں۔ آمین ۔